مغربی بنگال
کم / جنوری ۱۹۸۲ء

شری جیوتی باسو وزیر اعلیٰ حکومت مغربی بنگال ۱۰؍دسمبر ۱۹۸۱ء کو کلکتہ میدان میں ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیدکر کے مجسمہ کا افتتاح کرتے ہوئے

پندرہ روزہ

مغربی بنگال
کلکتہ

مدیر اعلیٰ
ایس۔ کے۔ سین گپتا
مدیر معاون
محمد اعظم

شرح خریداری
سالانہ — ۳ر روپئے
قیمت
۱۲ر پیسے فی پرچہ

جلد نمبر ۲۹ | یکم جنوری سنہ ۱۹۸۲ء | شمارہ نمبر ۱

مضطر صدیقی بانسوڑا

احتجاج قلم

تاریخ کے اوراق ستم جھیل رہے ہیں
مجبور مورخ کا لہو کھول رہا ہے
اے عظمت انساں کا گلا گھونٹنے والو!
میں چپ ہوں تو کیا میرا قلم بول رہا ہے

صیاد ابھی تیر و کماں لے کے کھڑے ہیں
فریاد پہ پابندی آئین جفا ہے
بلبل کو چہکنے کی اجازت نہیں اک پل
گلچیں ہے کہ کلیوں کی طرف گھور رہا ہے

ہر لمحہ صداقت کی صدا دیں گی فصیلیں
رو رو کے مجھے دار و رسن یاد کریں گے
تقدیس کے ماتھے کی شکن یاد کرے گی
تہذیب کی لاشوں کے کفن یاد کریں گے

امڈی ہوئی تاریکیٔ شب دیکھ رہا ہوں
افلاک کا انداز غضب دیکھ رہا ہوں
میں قید ہوں پر میری نظر قید نہیں ہے
زنداں کی سلاخوں سے میں سب دیکھ رہا ہوں

گو مجھ پہ اسیری کے ستم ٹوٹ رہے ہیں
پر میری ستم خوردہ فغاں قید نہیں ہے
جب آہ کروں گا تو فلک ٹوٹ پڑے گا
میں قید ہوں پر میری زباں قید نہیں ہے

تاریخ کے اوراق ستم جھیل رہے ہیں
مجبور مورخ کا لہو کھول رہا ہے
اے عظمت انساں کا گلا گھونٹنے والو
میں چپ ہوں تو کیا میرا قلم بول رہا ہے

مولانا محمد علی جوہر

مولانا محمد علی جوہر کی شخصیت مجموعہ صفات تھی۔ جنھوں نے افق سیاست پر ایک تابندہ ستارہ بن کر ہندستانی عوام الناس کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ ان کی ہمہ جہت کشش نے ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے دلوں پر ایسے نقوش قائم کیے ہیں جن کو وقت کی گرد آسانی سے فنا نہیں کر سکتی۔ وہ ایک صاف گو، بیباک اور صاحب طرز صحافی کی حیثیت سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ان کی "معنوی اولادیں" ـــــ "کامریڈ" اور "ہمدرد" کی تحریروں کے نمونے آج بھی ہندستانیوں کے ذہنوں میں محفوظ ہیں مولانا کی طرز خطابت انفرادی نوعیت کی تھی۔ اس کی دلنشینی کا خیال آتا ہے تو لاکھوں انسانوں کا جمگھٹ ہماری نگاہوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے جو اپنے محبوب رہنما کی تقریر سننے کے لئے بے تاب ہو جاتا تھا۔ کیا مجال تھی کہ سننے والوں کے لاکھوں کے مجمع میں کوئی شخص ٹس سے مس ہو جائے۔ ان کی علمیت اور شاعری پر نظر ڈالی جائے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ مولانا اس میدان کے بھی صف اول کے شہسوار تھے ـــــ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس ہو یا خلافت کانفرنس کا جلسہ، مکتوب نگاری ہو یا اخبار کی ایڈیٹری، وفد میں شمولیت کا مسئلہ ہو یا قرارداد کی تیاری مولانا محمد علی کی صورت اور ذہن ہر موقع و محل پر چھایا ہوا نظر آتا تھا۔ ان تمام صفات سے بالاتر جس چیز نے محمد علی کو اپنا لوہا منوانے اور قومی رہنمائی کا تاج پہنانے کے لئے مجبور کیا، وہ تھا ان کا جذبۂ حریت جس کی لپٹوں نے پورے ہندستان میں تہلکہ مچا دیا۔

مولانا محمد علی کی تقریروں میں نہ صرف روانی اور برجستگی ہوتی تھی بلکہ ان میں پُر مغز مواد اور گہری نکتہ آفرینی بھی ہوتی تھی۔ وہ دوران تقریر ایسے ایسے نکات بیان کرتے تھے جو پہلے کبھی سننے میں نہیں آتے تھے لندن میں ایک مجمع سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا کہ:

ـــــ "مجھے یہ شکایت نہیں کہ مسٹر ریڈنگ نے مجھے جیل کیوں بھیجا۔ میں تو صرف یہ انسانی حق چاہتا ہوں کہ اگر مسٹر ریڈنگ غلطی کریں تو میں بھی انھیں جیل بھیج سکوں"۔

علی برادران اور مہاتما گاندھی تحریک آزادی کے ایسے سپاہی تھے۔ جنھوں نے باہمی اشتراک سے ہندستان کی تقدیر بدلنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ انھوں نے قوم کے ہر فرد و بشر کے دل میں حریت و قومیت کی ایسی جوت جلائی جو رفتہ رفتہ شعلۂ جوالا بنتی چلی گئی۔ تحریک ترک موالات اور تحریک خلافت کو عوام نے قومی جہاد سمجھ کر قبول کیا۔ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۰ء کے سیاسی حالات پر گہری نگاہ ڈالی جائے تو یہ حقیقت آشکارہ ہو جاتی ہے کہ یہ علی برادران کا ہی فیضان تھا جس نے مہاتما گاندھی کو پوری قوم کا محبوب اور ہر دلعزیز لیڈر بنا دیا۔ علی برادران جب بھی مسلمانوں میں جاتے تو گاندھی جی کو بھی اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے۔

کان پور کی مسجد کا قضیہ ہو یا جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام کا مسئلہ تینوں لیڈر ایک ساتھ مل کر قدم بڑھاتے۔ ملک میں اس وقت تین نعرے گونجتے تھے ایک "اللہ اکبر" دوسرا "محمد علی شوکت علی زندہ باد" اور تیسرا

گماندھی جی کی جے۔ خلافت کے دنوں میں ان تینوں کی جو قدر تھی اس کا اندازہ قوم کے ہر فعل سے کیا جا سکتا تھا معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت نہیں بلکہ ان "بے تاج، بادشاہوں" کی حکمرانی تھی کیوں کہ یہ رہنما یانِ وطن قوم سے جو کچھ کہتے قوم نے ہمیشہ اس پر لبیک کہا۔

ہندوستان کے اسی "بے تاج بادشاہ" کو ملت اسلامیہ رئیس الاحرار کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ان کے وطن کے بارے میں بعض محققوں کو غلط فہمی ہے کہ وہ رام پور میں نہیں نجیب آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت کی تاریخ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور تمام لوگ ان کی تاریخ ولادت ۱۰ر دسمبر ۱۸۷۸ء ہی کو صحیح مانتے ہیں۔ وطن کے بارے میں رئیس احمد جعفری رقمطراز ہیں۔

"محمد علی کا اصل وطن کیا ہے؟ اس میں محمد علی کے واقف کاروں اور شناساؤں کا خفیف سا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ وہ بجنور کی طرف کے تھے۔ لیکن ترجیح آخری قول کو ہے۔ خود مرحوم نے ایک مضمون میں ضمناً اپنے وطن کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اسے تسلیم کیا ہے کہ وہ نجیب آباد (بجنور) سے وطنی خصوصیت رکھتے ہیں۔"

یہاں لفظ "وطنی خصوصیت" کو کھنگال کر دیکھا جائے تو یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ نجیب آباد (بجنور) مولانا محمد علی کا اصل مولد ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ اس کو وطن کی سی "خصوصیت" حاصل تھی۔ خود مولانا محمد علی نے "ہمدرد" کے ۲۴ر فروری ۱۹۲۷ء کے شمارہ میں اپنی وطنیت پر روشنی ڈالی ہے اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان کے دادا علی بخش ایک عرصہ تک نجیب آباد (بجنور) میں نواب نجیب الدولہ بہادر کے یہاں ملازم تھے۔ نواب صاحب کا اصل نام نجیب خان تھا جو مردان (افغانستان) سے روہیلکھنڈ (یوپی) ہجرت کر کے آئے تھے۔ اور افغانستان کے حکمراں احمد شاہ ابدالی نے ان کو نجیب الدولہ کے خطاب سے سرفراز کیا تھا۔ نواب احمد سعید خان بہادر کے زمانے میں علی بخش رام پور آئے جہاں وہ ریاست کے ولی عہد نواب یوسف علی خاں بہادر کے اتالیق مقرر ہوئے۔ محمد علی کے دادا منشی علی بخش اور والد عبد العلی بھی ریاست رام پور سے وابستہ ہونے کے باعث ہمیشہ یہیں پر رہے۔ منشی علی بخش نے اپنی سرکاری وفاداری اور حسن کارکردگی کی بدولت انگریزی حکومت کو اس قدر متاثر کیا کہ اس نے انھیں مراد آباد اور سنبھل کے آس پاس ایک چھوٹی سی جاگیر بھی عطا کر دی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ اس جاگیر میں کبھی نہیں جا سکے اور ریاست رام پور کی خدمت میں ہی مصروف رہے۔

مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کی ذہنی تربیت میں ان کی والدہ "بی اماں" کو جو دخل حاصل تھا وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ کیونکہ عبد العلی کا انتقال اس وقت ہو گیا جبکہ ابھی محمد علی کم سنی کے عالم میں تھے۔ آزادی رائے اور آزادی عمل کی خوبی دونوں بھائیوں کو "بی اماں" کے واسطے سے ملی مولانا نے اپنی خود نوشت میں بی اماں کے بارے میں ایک دل چسپ بات لکھی ہے کہ انھوں نے شادی کے بعد اردو کی تعلیم کیوں کر حاصل کی اور یہ کہ ان کا حافظ کس بلا کا تھا؟ (عبد العلی (مولانا محمد علی کے والد) پرانی وضع قطع کے آدمی تھے لہٰذا ان کی شادی بھی ایسی خاتون سے ہوئی جو صرف گھریلو تعلیم سے آراستہ تھیں یعنی صرف دینی تعلیم اور عربی میں کلام پاک کی شُدبُد۔ اردو کے ناول یا افسانوں کی اردو کتاب کا ان کے گھر میں کیا کام؟ لیکن مولانا کے والد عربی اور انگریزی کی کتب بھی بڑے شوق سے پڑھا کرتے تھے۔ چونکہ گھر سے خوشحال تھے۔ اس لئے ان کا سارا وقت یا تو مطالعہ میں گزرتا تھا یا دوست احباب سے بات چیت کرنے میں ایک دن ایسا ہوا کہ وہ اردو کا کوئی ناول پڑھ رہے تھے۔ پڑھتے پڑھتے شب کی نشست برخاست ہونے کے بعد زنان خانے میں اسی خیال سے ناول کو اپنے ساتھ لے آئے کہ سونے سے قبل وہ اسے پڑھ کر ختم کر دیں گے مگر وہ رات میں اسے پڑھ نہ سکے اور سویرے اپنے ہمراہ اسے لے جانا بھی بھول گئے۔ دوسرے روز مولانا کے چچا زاد بھائی نے جب وہ کتاب دیکھی تو وہ ایک ناول تھا انھوں نے بی اماں کو اس کے بعض حصے سنائے جو بے حد دلچسپ معلوم ہوئے۔ اس کے بعد رات کو جب بی اماں سو گئیں تو سوتے میں ان کے منھ سے اس کتاب کے وہی اقتباسات من وعن نکلنا شروع ہو گئے۔ اتفاق سے مولانا کے والد اس وقت جاگ رہے تھے۔ انھوں نے جب سوتے میں بیوی کے منھ سے اردو ناول کے وہ اقتباسات سنے تو دنگ رہ گئے۔ بعد میں بی اماں نے مولانا کے چچا زاد بھائی سے اتنی اردو پڑھ لی تھی کہ شوہر کی زندگی ہی میں ٹوٹی پھوٹی اردو لکھنے پڑھنے لگی تھیں۔ انھوں نے بعد میں باقاعدہ اردو پڑھی اور تحریک خلافت میں وہ شریک ہوئیں تو ان کا شمار اچھے قسم کے مقرروں میں ہونے لگا۔

محمد علی بچپن سے ذہین اور ہونہار واقع ہوئے تھے اور ہمیشہ اپنی جماعت میں امتیاز حاصل کیا۔ ابتدائی مراحل میں ہی انھوں نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی۔ دوسرے علوم دینی و دنیوی میں بھی ان کو کمال حاصل تھا۔ ان کا حافظہ بے حد تیز تھا۔ جس مضمون کو ایک بار پڑھ لیتے تھے وہ انھیں حفظ ہو جاتا تھا۔ علی گڑھ کالج کے اکثر طلباء محمد علی کی ان خوبیوں سے بہت متاثر تھے۔ والدہ اور شوکت علی نے مولانا محمد علی کے اس تعلیمی شوق اور خداداد صلاحیتوں کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ انھیں تعلیم کی غرض سے انگلینڈ بھیجا جائے تاکہ ان کی ذہنی نشو و نما کو چار چاند لگ جائیں۔ آکسفورڈ پہنچ کر محمد علی نے تاریخ کے مضمون آنرز پاس کر لیا۔ یہاں انھوں نے آئی۔ سی۔ ایس کا امتحان بھی دیا تھا مگر اس میں انھوں نے کوئی خاص دلچسپی نہیں لی اور ناکام رہے۔

تعلیم سے فراغت پانے کے بعد مولانا محمد علی نے اپنے بزرگوں کی رہنمائی پر چلنے کا فیصلہ کر لیا اور ریاست رام پور میں سررشتہ تعلیم ہو گئے۔ لیکن قدرت کو ان سے کچھ اور ہی کام لینا تھا۔ یہاں ان کا دل نہ لگ سکا اور وہ ریاست بڑودہ چلے گئے جہاں انھیں ناظم کی اتالیقی اور انتظامی امور کی ذمہ داری سونپی گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد علی کا فطری رجحان سرکاری ملازمت کی طرف مائل ہی نہ تھا اور وہ "کچھ اور ہی" کام کرنے کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے بہت جلد اس ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور صحافت کو نہ صرف اپنا ذریعہ معاش بنایا بلکہ اس کو اپنے مخصوص انداز فکر کا وسیلہ بھی بنا دیا۔

محمد علی نے ۱۹۱۰ء میں کلکتہ سے ایک اہم ہفتہ وار اخبار "کامریڈ" کے نام سے جاری کیا جو بہت جلد مقبولیت کے بام پر پہنچ گیا۔ جب انگریزوں نے اپنا پایۂ تخت کلکتہ سے دہلی منتقل کیا تو "کامریڈ" کو بھی نقل وطن کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ دہلی آنے پر مولانا نے اردو کا ایک ہفتہ وار "ہمدرد" بھی نکالنا شروع کیا جو بعد میں روزنامہ بن کر دنیائے صحافت میں مقبول ہونے لگا۔ "ہمدرد" صرف ایک روزنامہ ہی نہ تھا بلکہ وہ ایک تحریک تھا، ایک پیام، ایک مقصد تھا، ایک انقلاب تھا، ہمہ گیر اور ہمہ جہت انقلاب۔

آج سے ساٹھ سال پیشتر اردو زبان میں "ہمدرد" نے جس طرح صحافت کا آغاز کیا تھا، وہ اسی پر ختم ہو گیا۔ اس اخبار کے مقالات افتتاحیہ اور ادبیہ، مراسلات، عالم اسلام سے متعلق تحقیقی تاریخی مضامین اور سب سے بڑھ کر اس کا وہ انداز بیان جس کی "سنجیدہ شوخی" اور "شوخ سنجیدگی" اپنا ایک ایسا نقش قائم کر گئی ہے جو امتداد زمانہ کے باوجود آج بھی زندہ ہے۔

"کامریڈ" نے اپنے معیار اونچی زبان کے لحاظ سے انگریزی داں طبقہ کو بے حد متاثر کیا حتیٰ کہ یورپین طبقہ میں بھی اس کی مقبولیت بڑھنے لگی۔ شائقین اس کے ہر شمارہ کا بے چینی کے ساتھ انتظار کرتے تھے۔ لیکن حکومت کو محمد علی کا یہ جذبۂ حریت ناپسند تھا۔ ارباب حکومت اس موقع کی تلاش میں تھے کہ اس اخبار کو بند کر دیا جائے۔ چنانچہ جنگ بلقان شروع ہوتے ہی "کامریڈ" بھی حرکت میں آ گیا۔ اس نے انگریزوں کی سازشوں کو طشت از بام کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ بس پھر کیا تھا۔ یہ آزاد خیال اور حریت پسند اخبار حوادث و مظالم کا نشانہ بن گیا اور "کامریڈ" پریس سے پہلی مرتبہ دو ہزار روپے کی ضمانت اور دوسری بار دس ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی گئی۔

اخبار کو مجبوراً بند کرنا پڑا لیکن ۱۳ر اکتوبر ۱۹۲۴ء میں اس کا دوبارہ اجرا ہو گیا۔ اس کے معاونین میں راجہ غلام حسین اور ولایت علی بمبوق وغیرہ شامل تھے۔ اس بار پرچہ جنوری ۱۹۲۶ء تک جاری رہا مگر مولانا محمد علی آل انڈیا کانگریس کی صدارت قبول کر چکے تھے اور اکثر و بیشتر بیمار ہی رہتے تھے۔ اس لئے "کامریڈ" کو کچھ عرصہ بعد خود ہی بند کر دیا۔

"ہمدرد" کی مدت اجرا کافی طویل ہے کیونکہ جب مولانا دہلی آئے تو ..... ۲۳ر فروری ۱۹۱۳ء کو اس پرچہ کا اجرا عمل میں آیا لیکن مولانا کی سیاسی مصروفیات اور متواتر گرفتاریوں کے باعث پرچہ کی اشاعت خطرے میں پڑ گئی اور وہ ۵ر مئی ۱۹۱۵ء کو بند ہو گیا۔ پھر ۹ر نومبر ۱۹۲۴ء کو دوبارہ جاری ہوا اور محمد علی کی وفات (۴ر جنوری ۱۹۳۱ء) کے بعد بھی عرصے تک نکلتا رہا۔

مولانا محمد علی کا سب سے بڑا شاہکار نامہ تحریک خلافت کا تھا ہے کیونکہ اس تحریک کو لبیک کہنے والوں نے ترکی کی زبردست حمایت کرتے ہوئے سامراجی حکومت سے ٹکر لی اور انھیں دشمن خیال کرنے

کے لئے مجبور کیا۔ مہاتما گاندھی نے اپنی تحریک ترکِ موالات کو علی برادران
کی تحریکِ خلافت کے ساتھ اشتراکِ عمل کرنے کی صلاح دی
اور ان دونوں تنظیموں نے انگریزوں کے حوصلوں کو پسپا کر دیا۔ اس اتحاد
و تعاون کی بدولت ہندو مسلم اتحاد کے ایسے روح پرور مناظر دیکھنے کو
ملے جو آج حصولِ آزادی کے بعد بھی کمیاب ہیں۔

محمد علی کا ایک بڑا کارنامہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تاسیس بھی
ہے۔ جب ملک میں سودیشی تحریک زوروں پر تھی اور کانگریس نے یہ
تجویز پاس کی کہ انگریزی اشیاء اور انگریزی تعلیم کا بائیکاٹ کیا
جائے تو قومی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ محمد علی علی گڑھ کالج کے
تعلیم یافتہ تھے۔ لیکن ان کو ٹرسٹیوں کا اندازِ فکر اور طرزِ عمل پسند
نہیں تھا۔ وہ اس کالج کے انتظام میں تطہیر کے خواہاں تھے۔ اسی لئے سن ۲۰ء
میں جب کانگریس نے قومی تعلیم کا ریزولیوشن پاس کر دیا تو انھوں نے
علی گڑھ کالج (جو اس وقت تک مسلم یونیورسٹی بن گیا تھا) کے انتظام کو
ملتِ اسلامیہ کے ہاتھوں میں پہنچانے کا نعرہ بلند کیا۔ لیکن ٹرسٹیوں
اور وائس چانسلر ضیاء الدین احمد کی شاطرانہ موشگافیوں کے باعث
انھیں کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ مولانا محمد علی اپنی شکست
پر بوکھلا اٹھے اور انھوں نے غضب ناک صدائے احتجاج بلند کی جس
کا غلغلہ پورے ملک میں گونجنے لگا۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو انھوں نے
مہاتما گاندھی کو ساتھ لے کر علی گڑھ کی مسجد میں طالب علموں اور قوم
پرستوں کا جلسہ کیا اور "جامعہ ملیہ اسلامیہ" کے نام سے ایک قومی
یونیورسٹی کے قیام کا اعلان کر دیا۔ یہ یونیورسٹی ایک مشن تھی، تحریک
تھی اور آزادی کے دیوانوں کے جوش و ولولہ کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر
تھی۔ محمد علی نے کھلے عام اعلان کیا کہ اس تعلیمی ادارہ کا بندوبست
ہندوستانی عوام کے ہاتھوں میں ہوگا اور ہم حکومت سے کوئی امداد
لینا نہیں چاہتے۔

۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۰ء کے سیاسی حالات پر نگاہ ڈالئے تو اس
حقیقت کا بخوبی اندازہ ہوگا کہ مولانا محمد علی نے گاندھی جی کو قوم کا ہیرو
بنا دیا۔ گاندھی جی اسی زمانہ میں افریقہ سے لوٹ کر آئے تھے۔ ہندوستان
میں کانگریس کے کاموں میں دلچسپی لینا شروع کی تھی۔ علی برادران
بڑے ہی مردم شناس تھے۔ انھوں نے گاندھی جی کو اپنے ہمراہ "ایک
جان و دو قالب" کی طرح شریک کار کر لیا۔ وہ مسلمانوں میں جاتے تو اپنے
ساتھ گاندھی جی کو ضرور لے جاتے تھے۔ کانپور کی مسجد کا قضیہ ہو یا
امرتسر کے جلیانوالہ باغ کی فائرنگ، کانگریس کی صدارت ہو یا خلافت
کانفرنس، مولانا محمد علی اپنے چہیتے گاندھی جی کے بغیر آگے نہ بڑھتے تھے۔

مولانا نے مسلمانانِ ہند سے اپیل کی کہ وہ کانگریس میں زیادہ سے زیادہ
شریک ہوں کیونکہ انگریز جیسی شاطر و ظالم قوت کا مقابلہ کرنے
کے لئے اور ان کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لئے دونوں اقوام کو یکجان و
یک قالب ہو کر جد و جہد کرنے کی ضرورت ہے۔ علی برادران جب جیل سے
رہا ہوئے تو اس وقت امرتسر میں کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا۔
دونوں بھائی رامپور جانے کی بجائے سیدھے امرتسر پہنچے اور انھوں
نے کانگریس کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔ اب تک مسلمان بحیثیت
من القوم کانگریس میں شریک نہیں ہوئے تھے محض چند گنے چنے نیشنلسٹ
مسلمان ہی اس کے اراکین تھے۔ کانگریس کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا
کہ علی برادران شریکِ اجلاس ہوئے۔ گویا ان دونوں بھائیوں
کی شکل میں ساری قوم ہی اس اجلاس میں شریک تھی۔ بہرحال
اس کے بعد مسلمان جوق در جوق کانگریس میں شامل ہونے لگے۔

امرتسر کے اجلاس کے بعد مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی دہلی
واپس آئے ان کا قوم نے تاریخی استقبال کیا۔ دہلی کو دلہن کی طرح سجایا
گیا۔ ٹاؤن ہال پر جلسہ ہوا جس کا اسٹیج بھی آراستہ و پیراستہ تھا۔
ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے علی برادران اور ان کی شان میں تہنیت
نامہ پڑھ کر سنایا اور اسی جلسہ میں شیو پرشاد (سی آئی ای اور [illegible]
رئیس اعظم دہلی) کی طرف سے ایک سپاسنامہ پیش ہوا جس کو معروف
فطرت خواجہ حسن نظامی نے پڑھا تھا۔

۸، ۹ اور ۱۰ جولائی ۱۹۲۱ء کی آل انڈیا خلافت کانفرنس
اس اعتبار سے اہم سمجھی جاتی ہے کہ اس میں پہلی بار ہندوستان کے لئے
آزادی کامل اور جمہوری طرزِ حکومت کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ کراچی کے اس
جلسہ کی صدارت مولانا محمد علی جوہر نے کی اور دوسرے مقرروں
میں ڈاکٹر کچلو، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا شوکت علی، شنکر اچاریہ
اور مولانا نثار احمد کانپوری کے نام بھی شامل ہیں۔

اس جلسہ کے اختتام پر تمام لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا اور

خالق دینا ہال (کراچی) میں مقدمہ چلایا گیا جس میں جھوٹی شہادتیں پیش ہوئیں اور یہ الزام ثابت کرنے کی کوشش ہوئی کہ ملزمین نے ہندوستانی فوجیوں میں اشتہارات تقسیم کیے تھے اور جن میں سپاہیوں کو فوج میں ملازمت سے روکا گیا تھا۔ ایک نظم اس موقع پر بہت مقبول ہوئی جو درج ذیل ہے۔

ہے یہ حکم خدا حکم حضرت	نوکری چھوڑ دو فوج والو
سب کا ہے یہ فتویٰ شریعت	نوکری چھوڑ دو فوج والو
کیوں نمک کھاتے ہو ظالموں کا	خون پیتے ہو کیوں بھائیوں کا
کالا منہ ہوگا روز قیامت	نوکری چھوڑ دو فوج والو
کر رہے ہیں فرشتے بھی لعنت	نوکری چھوڑ دو فوج والو
کافروں کی جو عزت کرو گے	کیا خدا کو جواب اس کا دو گے
مصطفیٰ کی نہ ہوگی شفاعت	نوکری چھوڑ دو فوج والو
شان اسلام کی گھٹ گئی ہے	فوج سلطان کی کٹ گئی ہے
لٹ گئی دین کی بادشاہت	نوکری چھوڑ دو فوج والو
کی مدینہ پہ تم نے چڑھائی	سبز گنبد پہ گولی چلائی
کیا خدا کو دکھاؤ گے صورت	نوکری چھوڑ دو فوج والو
مٹ گئی کعبۃ اللہ کی حرمت	نوکری چھوڑ دو فوج والو
قتل ترکوں کا تم نے کیا ہے	تخت سلطان کا تم نے لیا ہے
تم نے چھینا ہے تاج خلافت	نوکری چھوڑ دو فوج والو
بعد مرنے کے پچھتاؤ گے تم	سانپ بچھو سے گھبراؤ گے تم
پسلیاں توڑ ڈالے گی تربت	نوکری چھوڑ دو فوج والو

۱۹۲۳ء کا سال انڈین نیشنل کانگریس کے لئے بہت اہم ہے کیونکہ اس سال مولانا محمد علی کو اس اجلاس کے لئے صدر منتخب کیا گیا تھا۔ یہ بات قابل لحاظ تھی کہ ملک کی تمام ریاستی کمیٹیوں نے مولانا کے نام کی تجویز کی تھی۔ اس اجلاس میں انھوں نے جو خطبۂ صدارت پڑھا، وہ اپنی طوالت اور نفس مضمون کے اعتبار سے بالکل غیر معمولی تھا۔

لیکن مولانا کی یہ قوم پرستی اس وقت لرزہ براندام ہوگئی جبکہ ملک کے گوشے گوشے سے فرقہ وارانہ فسادات کی خبریں موصول ہونے لگیں۔ سوراج پارٹی کی تشکیل کے بعد جس کی رہنمائی پنڈت موتی لعل نہرو، لالہ لاجپت رائے اور سی آر داس کر رہے تھے، لکھنؤ میں زبردست فساد ہوا جس میں کئی مسلمانوں کی شہادت ہوئی اور املاک کو نقصان پہنچا۔ ادھر حالات شدید تھے ہندو مولانا کا ساتھ چھوڑ چکے تھے اور تعصب و فرقہ پرستی کا زہر گھول رہے تھے۔ انھوں نے ترک موالات سے لاتعلق ہو کر شدھی کی تحریک شروع کر دی۔ ہندو مہاسبھا کے لیڈران نے راجپوتانہ میں جاکر ناواقف مسلمانوں کو شدھ کے ذریعہ ہندو بنانا چاہا۔ اس کے جواب سے مسلمانوں میں شدید رد عمل ہوا اور فسادات کی آگ چاروں طرف پھیل گئی۔ مہاتما گاندھی کو یہ طرز عمل سخت ناپسند تھا اور اس سے انھیں دلی صدمہ پہنچا۔ ان کو ترک موالات کی تحریک کے پاؤں اکھڑتے نظر آئے اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

ایک طرف ہندو مسلم آویزش اور دوسری طرف مولانا محمد علی کی جان لیوا علالت دونوں نے مل کر قوم کے اس مجاہد عظیم کو مبتلائے آزمائش کر دیا۔ ذیابیطس کی وجہ سے ان کی صحت روز بروز گرتی جا رہی تھی۔ یوں تو انھوں نے حالات سے بد دل ہو کر کانگریس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ لیکن آزادی کی تڑپ اور وطن کی محبت ان کے دل میں آخر تک قائم رہی جس کا سب سے بڑا اور آخری مظاہرہ انھوں نے ۱۹۳۰ء میں لندن کی گول میز کانفرنس میں کیا جہاں انھوں نے علالت کے باوجود نہ صرف شرکت فرمائی بلکہ انھوں نے اپنی نوکیلی اور پر مغز و مدلل تقریر کے ذریعہ انگریزوں کے ایوان کو دم بخود کر دیا۔ انھوں نے انگریزوں کے ایوان کو دم بخود کر دیا۔ انھوں نے انگریزوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ میں ایک غلام ملک میں زندہ واپس نہ جاؤں گا۔ یا تو آپ میرے وطن کو اس کانفرنس میں پروانہ آزادی دیں یا اپنے ملک (انگلستان) میں دفن ہونے کے لئے دو گز زمین فراہم کریں۔ محمد علی کی پہلی آرزو تو پوری نہ ہو سکی البتہ دوسری تمنا ضرور پوری ہوئی۔ جواہر لعل نہرو نے اپنی خود نوشت میں لکھا ہے:-

——"جب ہمارے بہت سے لیڈر جیل میں تھے اور ترک موالات زوروں پر تھی تو مولانا محمد علی نے کانگریس کے فیصلوں کے منافی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت کی۔ مجھے ان کے جانے کا بے حد افسوس ہوا مجھے یقین ہے کہ وہ خود بھی جانا نہیں چاہتے تھے اور یہ ان کی لندن کی بعض سرگرمیوں سے ظاہر ہوتا تھا۔ مولانا جانتے تھے کہ ملک میں رہ کر انگریزوں سے جنگ کارگر ثابت ہو سکتی ہے۔ چہ جائیکہ لندن کے کانفرنس ہال میں گفت و شنید کی جائے۔ اگر وہ وطن واپس آجاتے تو مجھے یقین تھا کہ وہ از سر جنگ آزادی میں ہمارے ساتھ رہتے۔"

★

باقی ص۱۱

سنتھالیوں کی زندگی اور سرگرمیوں کی ایک جھلک

از:- ڈاکٹر امل کمار داس :-
ڈائرکٹر کلچرل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
کلکتہ

سنتھال قبیلوں میں رہتے ہیں اور باپ کے نام سے خاندان چلتا ہے۔ ان کی سماجی زندگی کی ایک اہم بات یہ ہے کہ سب کو اس بات پر یقین ہے کہ وہ سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق سب سے پہلے مرد کا نام پلچو ہرم سب سے پہلی عورت کا نام پلچو بوڑی تھا۔ انھوں نے اپنی اولادوں کو ۱۲ فرقوں میں تقسیم کر دیا۔ ایسے فرقوں میں شادیاں مختلف فرقوں کے درمیان ہوا کرتیں۔ ایسے فرقے پھر ذیلی فرقوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ قبائلی رسومات اور اعتقادات کی خلاف ورزی کرنے والوں کو کڑی سماجی سزا دی جاتی ہے اور انھیں 'بٹلاہا' کے ذریعہ سماج سے خارج کر دیا جاتا ہے۔

'جنم چھیتر' پیدائش کے بعد رسمی غسل 'چچو چیتر' کمل سماجی حقوق دینے کے لئے منائے جانے والے رسم 'بیلا یا شادی کا تہوار' موت اور دفن کی تقریب میں دیہات کے سارے لوگ شامل ہوتے ہیں۔

ٹھاکر۔جیو، سب سے بڑا دیوتا ہے۔ ان کی مذہبی زندگی بہت سارے اجتماعی اور انفرادی 'بونگا' میں یقین پر منحصر ہے۔ اہم اجتماعی تہواروں میں جاعتوں میں ناچ، گانا اور موسیقی کا انتظام کیا جاتا ہے۔ سماجی جشن کی طرح یہ سماجی جشن بھی اجتماعی سطح پر منایا جاتا ہے اور اس سے سماج کی یکجہتی کو کافی فائدہ پہونچتا ہے۔

پانچ حاکموں (موڑ منجھی، پرانک، جوگ پرانک، نیکی، گوڈیت) کے ساتھ روایتی پنچ کا ان لوگوں کی سماجی۔ مذہبی زندگی اور سرگرمیوں پر اچھا خاصہ اثر ہے۔ اس سے قبل دیہی کاؤنسل کے اوپر پرگنہ کاؤنسل تھا، بہت سارے گاؤں اس کے زیر اثر تھے۔ فی الحال سنتھالی لوگ سالانہ ہنٹ کاؤنسل 'لو بیر' یا سنتھال ہائی کورٹ کو سب سے اعلیٰ عدالت تصور کرتے ہیں۔ اسی عدالت میں تمام تنازعات کا تصفیہ ہوتا ہے۔ موجودہ پنچایت نظام کے رائج کئے جانے کے بعد کچھ تبدیلی لائی گئی، لیکن ان کی روایتوں کا ان کی سماجی مذہبی زندگی پر اب بھی کافی اثر ہے۔

وقتاً فوقتاً ان لوگوں نے بہت ساری سماجی تحریکیں چلائیں جن کی وجہ سے جگہ جگہ طبقاتی جذبہ کو بیدار کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے سنتھالی سماج سالمیت اور یکجہتی کو نقصان پہونچا۔ لیکن فی الحال ایک مختلف رجحان نظر آرہا ہے کہ ایک چھوٹا سا طبقہ سماج کے بنیادی مرکز میں جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ بعض وقت ایسے داخلہ کے لئے سیاسی حربہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے اکثر تنازعات اور تناؤ پیدا ہوتے ہیں۔

دیگر قبائلیوں کی طرح سنتھالوں کا بھی برسوں سے استحصال کیا جا رہا ہے۔ ان کی زیادہ تر زمینیں قرق شدہ ہیں۔ انھیں باہر کے لوگوں پر شبہ ہونے لگتا ہے اور اس طرح وہ انتظامیہ پر اپنا اعتماد کھو دیتے ہیں۔ ماضی میں سیاسی لوگوں نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا۔ ان کی اکثریت کے بعض علاقوں میں کسانوں کی تحریک شروع کی گئی۔ سیاسی پارٹیوں نے نیم تعلیم یافتہ لوگوں کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے، استعمال کیا۔

رہنے کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ [illegible] استحصال میں بھی ایک بڑا عنصر
پیدا ہو گیا ہے۔ یہ [illegible] شہروں میں رہتے ہیں اور اپنے دیہی
علاقے۔ [illegible] رہتے ہیں
[illegible] اور پاکستانی زندگی کا سطح اپنے دیہی بھائیوں سے اتنی مختلف
لگنے لگی ہے کہ بہت سے ایسے ہیں وہ اپنے دیہاتوں میں اپنے لوگوں کے درمیان
رہنے میں ناکام رہتے ہیں۔ عام طور پر شہروں میں رہنے والے تعلیم یافتہ
مستحصل ایک الگ تھلگ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے خیالات زیادہ
اونچے ہوتے ہیں اس لئے اپنے پڑوسیوں سے آزادانہ طور پر مل نہیں سکتے۔
شہروں میں ان کی ملازمت بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ دیہی
مسائل کا مطالعہ کریں۔ وہ سب اپنے روایتی زندگی سے الگ تھلگ رہتے
ہیں۔ اصل تعلیم یافتہ قبائلی مردوں کو شادی کرنے کے لئے اپنے فرقہ کی
لڑکیوں کا انتخاب کرنے میں دشواری پیش آتی ہے کیونکہ مردوں کے مقابلہ میں
قبائلی عورتوں کا معیار تعلیم بہت ہی نیچا ہے۔ ان میں سے بعض لوگ قبائلی
رسم کو فراموش کرتے ہوئے اپنے فرقہ / مذہب کے باہر کی لڑکیوں کا انتخاب
کرتے ہیں، اس طرح ان کی زندگی اپنے سماج سے بالکل مختلف ہو جاتی ہے۔

تعلیم یافتہ مستحصل اس کے ساتھ ہی عام طور پر قبائلی سوسائٹی ایک
قسم کا پیدا ہونا استحصال بن جاتا ہے اور یہی بات قبائلی سماج سے میل
جول کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔ ان تمام محرومیوں نے ان کے
لیڈروں کو مختلف اقسام کی تحریکوں جیسے خاص رسم الخط
کو تسلیم کرنا، ایک قومی زبان کی حیثیت سے ان کی زبان کو تسلیم کرنا
ان کے بڑے تہواروں کے دوران تعطیلات کا اعلان، چند سڑکوں
کا نام ان کے لیڈروں کے نام پر رکھنا، ان کے قومی ہیروں کے مجسمے
نصب کرنا، یہاں تک کہ اپنے رہنے کے لئے الگ ریاست کا مطالبہ
کرنا وغیرہ، کے لئے عوام کو منظم کرنے کے کافی اچھے مواقع فراہم کئے۔
ان سب کی بابت ان کی بیداری کو غلط طور پر طبقاتی تصادم کہا جاتا ہے۔

شراب پینے کی عادت اور جادو کا استعمال، یہ دونوں اہم
سماجی برائیاں ہیں۔ ایک احساس یہ بھی ہے کہ ان کے گیتوں، ناچوں
اور موسیقی وغیرہ کو اکثر، ریڈیو پروگراموں، فلموں، ٹیلی ویژنوں
اور عوام اجتماعات میں غلط طور سے پیش کیا جاتا ہے۔

مشکلات کو دور کرنے کے لئے زمین کی تقسیم کے طریقہ کار میں
تیزی لانی چاہیئے اس کے ساتھ ہی زمینوں کے استعمال، بنجر زمینوں
کو اس طرح بنانا کہ وہاں پھر وہ سبزیاں اگائی جا سکیں، جو وہ پہلے
اگاتے تھے۔ آبپاشی کی سہولتیں وغیرہ جیسی سہولتیں بھی فراہم کرنی
چاہیئے۔ تیل کے بیج کی کاشت اور تیل تیار کرنے والی مشینوں کی تنصیب
گنے کی کاشت چینی اور گڑ تیار کرنے کے سلسلے
خصوصی کوششیں کرنی چاہیئں۔ [illegible] جنگلات
کے پروگرام کے تحت بیر پپیتا وغیرہ کی کاشتکاری کو مقبول عام بنانا چاہیئے۔
ایسے اقدامات سے خود وہاں کے لوگوں کو کافی فائدہ پہنچیگا۔ ارنڈی تیار کرنے
کے لئے پودوں کی کاشتکاری پر بھی زور دینا چاہیئے کیونکہ اس کے کاروبار کی
امکانات کافی روشن ہیں۔ اپنے گھر کے چاروں طرف ارنڈی یا تیل کے پودے کی کاشت
کیا جا سکتا ہے، پھر اس کے بیج سے تیل نکال کر گھر کے چراغ وغیرہ روشن
کرنے کے کام میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اگر گاؤں گاؤں میں خوراک کو اچھی حالت میں رکھنے کے طریقہ کار کو
عمل میں لایا جائے تو اس سے اناج پیدا کرنے اور اسے خریدنے والوں کو درمیانی
لوگوں کے استحصال سے تحفظ حاصل ہوگا۔

اسی طرح مرغ مرغیوں کی سائنسی طریقہ سے پرورش اور انڈے
کو بازاروں میں فروخت کرنے کی فراہم سہولتوں سے متعلقہ لوگوں کی کافی اقتصادی
بہتری ہوگی۔ مرغ مرغیوں کے ساتھ ساتھ بھیڑوں کی پرورش اقتصادی
لحاظ سے کافی بہتر ہوگی۔

چھری چاقو، پلاسٹک، ربڑ کی قینچی کی چیزیں یا لکڑی کی مشینیں اور لکڑی
کی دیگر چیزیں تیار کرنے کی چھوٹی صنعتیں مختلف علاقوں میں قائم کی جا سکتی
ہے۔

وسیع پیمانہ پر کام کر کے، لوگوں کو تربیت دیکر کارخانوں کا انتظام کر کے
ان سرگرمیوں کو اور بھی مرکوز کیا جا سکتا ہے۔ ایل اے ایم پی ایس کے ذمہ
سرمایہ کاری، تربیت اور بازار میں وغیرہ جیسی ذمہ داریاں دی جا سکتی ہیں۔

صنعت کاری سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ بہت سارے بے ہنر مزدوروں
کو روزگار ملی۔ لیکن یہاں بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ایسی
صنعتیں اپنی ترقی کے لئے مستحصل مزدوروں کی مدد حاصل کریں۔ صنعتوں پر بھی
یہ فرض عائد کرنا چاہیئے کہ وہ قبائلیوں کی رفاہ کا خیال رکھیں اور اس طرح اس
سلسلہ میں جو بھی اقدامات کئے جائیں ان سے دیہی سطحوں پر لوگوں کو فائدہ پہنچے
اس کے لئے صنعت کاروں کو ایک نئے زاویہ نگاہ سے دیکھنا ضروری ہے۔

۱۵۰ سال سے زیادہ عرصے سے چائے ساری دنیا میں لاکھوں لوگوں کو تسکین اور خوشی فراہم کر رہی ہے۔ صدیوں سے شاعروں اور ادیبوں، روزنامچہ لکھنے والوں اور فلسفیوں جیسے کنفیوشس اور سوموئل پاسپیز، سیموئل جانسن، ولیم کوپر اور رابندرناتھ ٹیگور نے چائے کی تعریف کرتے ہوئے گیت گائے۔ اسی سلسلہ میں چائے کی بابت ایک اشتہار میں یہ باتیں درج ہیں "ہر وقت چائے پی جاسکتی ہے، لیکن چائے مختلف رنگ اور مزہ کی ہوتی ہے۔ بعض اقسام کی چائے جیسے مثال لیسا، بہت ہی مزہ دار ہوتی ہے اور بعض اچھی اور میٹھی ہوتی ہے۔

ایک کہاوت یہ بھی ہے کہ شراب کے لئے شیمپئن کی جو حیثیت ہے چائے کے لئے دارجلنگ کی وہی حیثیت ہے۔ دارجلنگ چائے میں جو خصوصی مزہ پایا جاتا ہے وہ دوسرے علاقوں کی چائے میں نہیں ہوتا۔ بہت سارے ملکوں میں اس بات کی لگاتار کوششیں کی جارہی ہیں کہ اعلیٰ درجہ کے مطابق ان کی تیار کردہ چائے کی خصوصیت اور مزہ میں بہتری ہو، لیکن آج تک کوئی چائے برف پوش ہمالے سے گھرے ہوئے علاقوں میں پیدا کردہ چائے کی خوشبو اور مخصوص لذت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

یہ غیر قدرتی بات نہیں ہے کہ آج بھی ساری دنیا میں دارجلنگ چائے کی بڑی مانگ ہے۔ دارجلنگ میں تقریباً ۱۱۰ لاکھ کیلوگرام دارجلنگ چائے تیار کی جاتی ہے۔ ہندوستان کے چائے ایسوسی ایشن کے صدر کے کہنے کے مطابق ہندوستان خود اسی چائے کو ساری دنیا میں فروخت کیا کرتا ہے۔
تقریباً دو سال قبل مرکزی وزیر کامرس نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ ساری دنیا کے لوگ ہندوستانی چائے پیتے ہیں لیکن انھیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ چائے ہندوستان میں پیدا کی گئی ہے اور یہاں سے برآمد کی گئی ہے۔ بیرونی ملکوں میں بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دارجلنگ شری لنکا میں واقع ہے۔

دارجلنگ چائے کی صنعت بیمار ہے۔ دارجلنگ کی پیداوار میں کمی ہو رہی ہے۔ ساتھ ہی دیگر چائے کے مقابلے میں اس چائے کی قیمتوں میں اتنا اضافہ نہیں ہوا جس سے اس چائے صنعت کو فائدہ پہنچے۔ آئی ٹی اے کے سابق چیئرمین، جناب ایم احمد نے اس سلسلہ میں اپنے خدشہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگر فوری طور پر امداد فراہم نہیں کی گئی تو اس چائے کی پیداوار ختم ہو جائے گی۔ ٹی ایسوسی ایشن آف انڈیا کے صدر، شری ایس۔ این مجلہ نے مرکزی حکومت سے پرزور درخواست کی کہ وہ دارجلنگ چائے کے تحفظ کے لئے ترقیاتی اقدامات کرے۔ آئی ٹی اے کے دوسالہ جائزہ کی شائع شدہ رپورٹ میں کہا گیا کہ دوار باغات کی چائے میں پیداوار کی قیمت میں سنہ ۶۵ء اور سنہ ۷۵ء کے دوران ۵۰ فی صد کا اضافہ تو دارجلنگ کے باغات کی چائے کی پیداوار کی قیمتوں میں اس عرصہ میں ۹۵ فی صد کا اضافہ ہوا۔

دارجلنگ چائے کو چند ٹیکس امداد دی جارہی ہے لیکن اسے اپنی بیماری کو دور کرنے اور نفع بخش طریقہ پر چلنے کے لئے عظیم وسائل کی ضرورت ہے۔ بہت سے شعبوں میں بیماری کی وجہ پر خود غور کیا گیا ہے۔ ٹریڈ یونین اور دانشور اس بدنظمی کے لئے انتظامیہ کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں تو دوسری طرف صنعتوں کے مالکوں نے اس بات کی کوششیں کی ہیں

کہ سرمایہ کاری ٹیکس کا بوجھ اور مزدوروں کی بے چینی کو اس کے ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔

کرسیونگ، ضلع دارجلنگ میں جولائی ۱۹۸۱ء میں چائے باغات مالکان کی ایک میٹنگ ہوئی تھی۔ اس میٹنگ میں مرکزی وزیر تجارت نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اپنی موجودہ بیماری کے لئے بذات خود چائے ہی ذمہ دار ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ چائے باغات میں دوبارہ چائے کی کاشت اور ترقی کے لئے چائے صنعت نے خاطر خواہ اقدامات نہیں کئے۔ مرکزی وزیر تجارت کے خیال کے مطابق اس صنعت کی حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے لیکن چائے باغات کے مالکوں کی آمدنی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر اے کے۔ جین، ڈائرکٹر ٹوکلائی ٹی ریسرچ سنٹر کے خیال کے مطابق دارجلنگ چائے باغات میں جدید ٹکنالوجی کا طریقہ کار اپنایا نہیں جاتا۔ ان کے خیال کے مطابق جدید ٹکنالوجی کے اپنانے سے ان باغات میں پیداوار میں کم از کم ۲۵ فیصد ہو سکتا تھا۔ ایسے باغات میں فی الحال پیداوار بھی کم ہو رہی ہے اور پیداواری خرچ بھی بڑھتا جا رہا ہے۔

چائے بورڈ نے دارجلنگ چائے کا مطالعہ کرنے اور اس صنعت میں از سر نو روح پھونکنے کے لئے ایک پرائیوٹ مشاورتی فرم کو جانچ پڑتال کرنے کو کہا تھا۔ اس فرم نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ دارجلنگ چائے باغات میں ۸۰ فی صد چائے کے پودے ۵۰ سال سے بھی زیادہ عمر کے ہیں۔ اتنی عمر کے پودوں سے پیداوار میں اوسطاً کمی ہوتی۔ بعض لوگوں نے کہ یہ تجویز پیش کی کہ دارجلنگ میں مختلف قسم کے چائے پودے لگائے جائیں۔

دارجلنگ چائے صنعت کو تندرست بنانے کے لئے ڈی۔ اے۔ آئی اور دیگر تنظیموں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مرکز سے اس صنعت کو مالی امداد اور ملنی چاہیئے۔ اس صنعت کے کام کرنے کے سرمایہ، مالی امداد اور قرض وغیرہ کی بابت ریزرو بنک آف انڈیا نے غور کیا ہے مرکزی حکومت سے اس بات کی بھی مانگ کی گئی کہ وہ دارجلنگ آبکاری سے آبکاری لگانا بند کر دے۔

یہاں اس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ دارجلنگ چائے کا ۶۰ فیصد چائے روس کو فروخت کی جاتی ہے۔ چائے کی پیداوار کا ۲۰ فی صد چائے ہندستان میں استعمال ہوتی ہے۔ باقی ۲۰ فی صد چائے کے اہم خریدار مغربی جرمنی، یورپ کے دیگر ممالک، جاپان، ایران اور مشرق وسطیٰ کے ممالک ہیں۔ روس سال بھر چائے خریدتا ہے لیکن دیگر ممالک سال میں تین بار کھلے بازار میں آکر چائے خریدتے ہیں۔

بقیہ:- صــــــ کا

زمینوں کے استعمال، اناج کی پیداوار اور خصوصی علاقوں میں زمینوں کے بندوبست کے موجودہ طریقہ کار سے کافی اعداد و شمار حاصل نہیں ہوتے اور اس کی وجہ سے خاص خاص علاقوں میں عملی پروگرام تیار کرنے میں مشکل ہوتی ہے۔ لیکن قبائلی ذیلی منصوبہ کو رائج کر کے اس مشکل پر آہستہ آہستہ قابو پانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

(ختم شد)

بقیہ:- محمد علی جوہر

افسوس صد افسوس، مشرق کا یہ سورج ۴ جنوری ۱۹۳۱ کو مغرب کے سمندر میں ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا اور پوری قوم ایک عہد ساز شخصیت کا ماتم کرتی رہی ؂

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں کی ترقی کیلئے سرکاری گرانٹ

حکومت مغربی بنگال نے دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں کی ترقی کی متعدد اسکیموں پر عمل درآمد کے لئے ۲ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔ اسکیمیں یہ ہیں۔ (۱) مونو جھوڑا میں پلیا کی تعمیر (۲) گھرتی جھوڑا میں پلیا کی تعمیر (۳) شکیا پوکری میں دیابی جھوڑا حفاظتی تعمیرات اپر جوباسا ہٹہ میں پلیا کی تعمیر (۵) بجلکھولا میں لکڑی کے پل کی تعمیر (۶) نیم بستی بلنگ ڈنگ میں کشن گھولہ پل کی مرمت۔

سرکاری خبریں

ملازمین ریاستی بیمہ کارپوریشن کی افادی اسکیمیں

ملازمین ریاستی بیمہ کارپوریشن نے ریاست کے بیمہ شدہ مزدوروں کے علاج کی سہولتوں کی فراہمی کی اسکیموں کی تعداد میں اضافہ کر رہا ہے۔ کارپوریشن اُن بیمہ شدہ مزدوروں کو جو مصنوعی اعضاء کے مرکزوں میں بھرتی ہیں، ریسٹ الاؤنس دینے کا فیصلہ کیا ہے مزید براں کارپوریشن نے اُن افراد کو اور اُن کے خاندان کے افراد کو دواؤں اور انجکشن کے نقصان دہ رد عمل کی بنا پر موت، معذوری، عضو یا کسی عضو کے جزو کے نقصان کی صورت میں ایکس گریشیا گرانٹ دینے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ عارضی معذوری اور مستقل معذوری اور پس ماندگان کو دیئے جانے والے فوائد کی شرحوں میں ۱۴ فیصدی کا اضافہ کر دیا ہے علاوہ ازیں کارپوریشن بیمہ شدہ افراد اور ان کے خاندان کے افراد کو مصنوعی اعضاء ایڈس اور آلات بھی بہم پہنچائے گا۔ بیمہ شدہ افراد اور اُن کے خاندان کے افراد کی تفریح طبع کے لئے دو تعطیل گھر ایک نینی تال اور دوسرا بنگلور میں، کھولے گئے ہیں۔ بنڈیل میں ۲۵ بستروں پر مشتمل ایک ای۔ ایس۔ آئی اسپتال کے مستقبل قریب میں چالو ہو جانے کی امید ہے۔ اسی کارپوریشن نے باٹا نگر (ضلع ۲۴ پرگنہ) اشوک نگر، درگاپور، قاسم بازار اور برہام پور (ضلع مرشد آباد) میں علاج کی ضروری سہولتوں کی فراہمی کا بندوبست کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔

مزید براں کارپوریشن نے مختلف صنعتی علاقوں میں ایسے مریضوں کے لئے جنھیں بھرپور علاج کی نہیں بلکہ معمولی طبی توجہ کی ضرورت ہے۔ صحت یابی گھر تعمیر کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔

ترا موئے تپ دق سینے ٹوریم کو گرانٹ

حکومت مغربی بنگال نے ترا موئے گروپ کے لوگوں کو اسکے تپ دق سینے ٹوریم گوبیگڈا انچل میں حکومت کے نامزد مریضوں کے لئے ۴۰ بستر محفوظ رکھے گئے ۸۰-۱۹۷۹ء کے اخراجات کے لئے ۸۱،۷۶۶ روپیہ کا غیر متواتر گرانٹ منظور کیا ہے جس سے اس مقصد کے لئے سال مذکور کے دوران منظور گرانٹ ۸۵ ر ۸ لاکھ روپیہ ہو گئی ہے۔

کے ایس رائے اسپتال میں آؤٹ ڈور بلاک

حکومت مغربی بنگال نے کے۔ ایس۔ رائے۔ جے۔ بی اسپتال کلکتہ میں "مدن موہن اگروال آؤٹ ڈور بلاک" کے قیام کے لئے منظوری دیدی ہے۔ حکومت نے اس کے غیر متواتر اور متواتر اخراجات جیسے ایکسرے مشین اور دواؤں وغیرہ کی خریداری کے لئے ۳٫۹۰ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔ میڈیکل اور آفس اسٹاف کی جگہوں کے لئے بھی منظوری دیدی گئی ہے۔ اس بلاک کی عمارت سورگباشی مدن موہن اگروال کی بیٹی نے اپنے پتا کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ۵ لاکھ روپیہ کی لاگت سے تعمیر کرائی ہے۔

ضلع ۲۴ پرگنہ میں کرشی وگیان کیندر

انڈین کونسل آف ایگریکلچرل ریسرچ، نئی دہلی نے نیم بیٹھ رام کرشنا آشرم کے ذریعہ سندر بن کے باشندوں نیز چھوٹے کسانوں کی فلاح کے لئے ایک کرشی وگیان کیندر (زراعتی ریسرچ مرکز) تعمیر کیا ہے۔ مذکورہ کونسل نے سندر بن کے پس ماندہ علاقوں میں زرعی ترقی کے لئے کھیتی کے جدید طریقوں کی ٹریننگ دینے کے پیش نظر اس مرکز کے لئے ۱۹٫۹۰ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔ ریاستی حکومت نے بھی اس مرکز کے لئے رام کرشن مشن نیم بیٹھ کو ۳ لاکھ روپیہ کی مالی گرانٹ منظور کی ہے۔

دار جلنگ میں مندرج فہرست قبائل کے طلباء کیلئے ہوسٹل

حکومت مغربی بنگال نے دارجلنگ میں ۲۰ نشستوں پر ایک ہوسٹل کی تعمیر کے لئے ۳۹۲۹۷ روپیہ کی گرانٹ منظور کی ہے۔ اس ہوسٹل میں جو کہ ضلع دارجلنگ میں گر لیفتہ ہائی اسکول سے ملحق ہوگا مندرج فہرست قبائل کے طلباء کو جگہ دی جائے گی۔

جھاڑگرام کی ترقی کے لئے ۱۷ ہزار روپیہ کی منظوری

حکومت مغربی بنگال نے جھاڑگرام ضلع مدناپور میں تالابوں کی تعمیر کے لئے ۱۷۸۶۶ روپیہ منظور کیا ہے۔ ان اسکیموں پر گوپی بلبھ پور II پنچایت سمیتی جھاڑگرام بورڈ کی زیر ہدایت عملدرآمد کرے گی۔

گنگا ساگر کے یاتریوں کو راحت رسانی

حکومت مغربی بنگال نے جنوبی ۲۴ پرگنہ میں جیاگوڑی آشرم روڈ کو بہتر بنانے کے اخراجات کے ایک جزو کی ادائیگی کے لئے ۲۵ ہزار روپیہ منظور کیا ہے۔ اس کام پر ضلع پریشد عملدرآمد کر رہی ہے اس کا مقصد گنگا ساگر میلہ ۱۹۸۱ء کے یاتریوں کو سہولتیں فراہم کرنا ہے۔ اور اس کام کو ۳۳۸۲۷ روپیہ کی لاگت سے میلہ شروع ہونے سے پہلے پورا کرنے کا پروگرام ہے۔

ضلع ۲۴ پرگنہ نیا ابتدائی مرکز صحت

حکومت مغربی بنگال نے بسنتی ضلع ۲۴ پرگنہ میں ۱۰ بستروں پر مشتمل ایک ابتدائی مرکز صحت قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ بسنتی میں آؤٹ ڈور مریضوں کے لئے جو ڈسپنسری پہلے ہی کھولی جا چکی ہے وہ مذکورہ مرکز صحت میں ضم ہو جائے گی۔

خیراتی ڈسپنسریوں کو ۱۵ ہزار روپیہ کی گرانٹ

حکومت مغربی بنگال نے شیو پرسنو گھوش چکتسالیہ کلکتہ اور جے گرو ہومیو خیراتی ڈسپنسری مدناپور کو ان کے سنہ ۱۹۸۰-۸۱ء اور سنہ ۸۱-۸۲ء کے اخراجات کے لئے بالترتیب ۱۳ ہزار روپیہ اور دو ہزار روپیہ منظور کیا ہے۔

مراری ضلع بیربھوم میں دیہی اسپتال

حکومت مغربی بنگال نے مراری ضلع بیربھوم میں ۵۰ بستروں پر مشتمل دیہی اسپتال کی عمارتوں کی تعمیر، بجلی لگانے اور پانی کی سپلائی کے لئے منظوری دیدی ہے۔ نظر ثانی شدہ تخمینہ کے مطابق ریاستی محکمہ صحت اس مقصد کے لئے ۲۹ء۸۷ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔

بڑی کثیر مقصدی کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے سرمایہ حصص کے طور پر پہلی قسط کی ادائیگی

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ ریاست میں ۱۱ بڑی کثیر مقصدی کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو مالی سال رواں کے دوران ان کے سرمایہ حصص میں ریاستی حکومت کے مزید حصہ کی پہلی قسط ادا کر دی گئی ہے۔ یہ رقم قومی امداد باہمی ترقیاتی کارپوریشن نے بہم پہنچائی ہے۔ اس رقم سے ضلع جلپائی گوڑی میں پانچ، ضلع بانکوڑا، پرولیا، ضلع مدناپور اور ضلع ۲۴ پرگنہ میں ایک ایک اور ضلع بیربھوم میں دو بڑی کثیر مقصدی کوآپریٹیو سوسائٹیاں مستفید ہوں گی۔

شری امرتند و مکھرجی، وزیر جانوروں کی پرورش و پرداخت حکومت مغربی بنگال نے حال ہی میں کرشنا نگر کے نزدیک بہیرگاچھی میں مویشیوں کے ایک نئے ہسپتال کا افتتاح کیا۔ تصویر میں شری مکھرجی افتتاح کرنیکے بعد ہسپتال میں زیر علاج مویشیوں کا معائنہ کرتے ہوئے۔

egd. No. WB/CC-52
Vol. 28 No. 21
PRICE-12 Paise

MAGHREBI BENGAL
1st JANUARY

آشوتوش سنٹینری بلڈنگ، کلکتہ میں حال ہی میں منعقدہ ریاستی سطح پر دستکاری کا مقابلہ

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impresion 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

مغربی بنگال

یکم فروری ۱۹۸۲ء

کلکتہ میدان میں گذشتہ ۲۶ جنوری کو یوم جمہوریہ کے موقعہ پر (اوپر) پیریڈ اور (نیچے) میٹرو ریلوے
کی نمائش

پندرہ روزہ
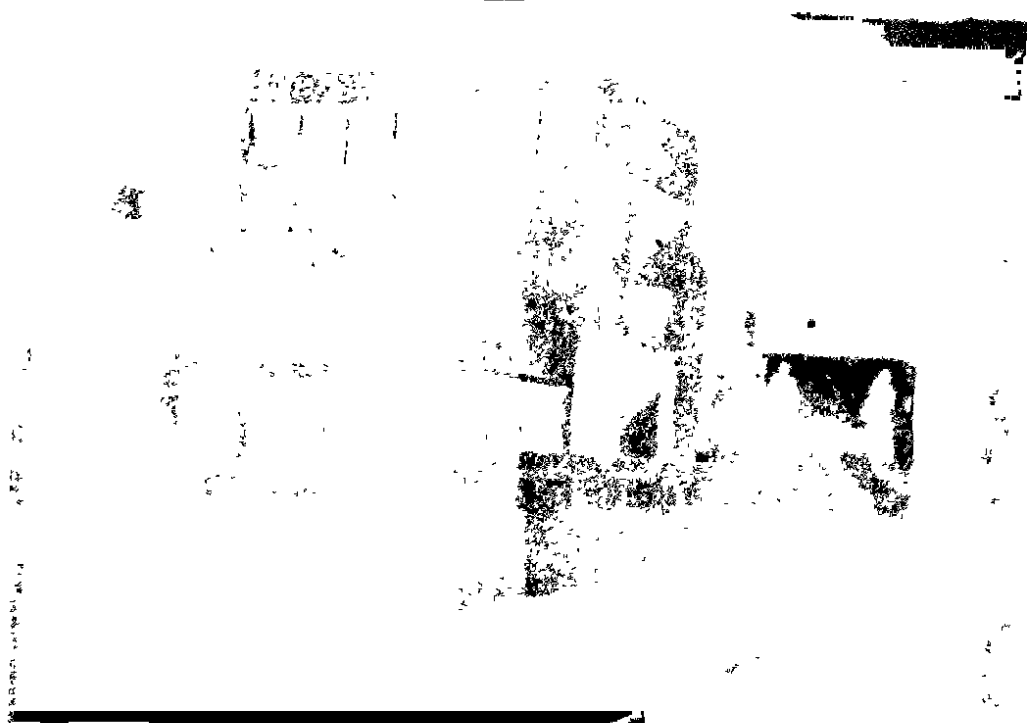
مدیر اعلیٰ:-
ایس۔ کے سین گپتا
معاون مدیر:-
محمد اعظم

مغربی بنگال
کلکتہ

شرح خریداری
سالانہ — ۳ روپئے
قیمت — ۱۲ پیسے فی پرچہ

شمارہ نمبر ۲ اور ۳	یکم فروری سنہ ۱۹۸۲ء	جلد نمبر ۲۹

قوم کی آزادی اور دستور کے جمہوری جذبہ کو برقرار رکھنے کیلئے ہمیں ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار رہنا چاہیئے

شری۔ بی۔ ڈی۔ پانڈے، گورنر، مغربی بنگال

یوم جمہوریہ کی ۳۲ ویں سالگرہ کے موقعہ پر شری۔ بی۔ ڈی۔ پانڈے، گورنر مغربی بنگال نے آل انڈیا ریڈیو کلکتہ سے ۲۵ جنوری کی شام کو ایک تقریر نشر کی ہے جس کا متن درج ذیل ہے:۔

یوم جمہوریہ کی ۳۲ ویں سالگرہ کے موقعہ پر میں مغربی بنگال کے عوام کو اپنی نیک خواہشات اور مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اس موقعہ پر تقریب مناتے ہوئے ہمیں اس بات کا از سر نو عہد لینا چاہئے کہ ہم اپنے سماج کی سماجی۔ معاشی بنیاد کو مضبوط بنانے، فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دینے اور ہر طبقہ کے لوگوں کے درمیان رواداری اور خیر سگالی کی فضا پیدا کرنے اور اسے برقرار رکھنے کے لئے متحدہ طور پر انتھک کوشش کرتے رہینگے۔ یہ نہایت ہی افسوسناک بات ہے کہ اس وقت ملک کے چند علاقوں میں ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا خواہاں قوتیں سرگرم ہو گئی ہیں۔ یہاں یہ امر اطمینان بخش ہے کہ ہماری ریاست میں علیحدگی پسند طاقتوں کا کوئی شدید خطرہ نہیں ہے۔ اس ریاست نے تمام شہریوں کے، جو مختلف مذاہب، زبان اور نسلی گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں، درمیان پیار و محبت اور اتحاد اور اپنی روایت کو خاطر خواہ حد تک برقرار رکھا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ روایت جاری رہیگی۔

ہمارے لئے آج سب سے زیادہ اہم کام یہ ہے کہ ہمیں ملک کے اتحاد اور سالمیت کو برقرار رکھنے اور دستور اور جمہوریت کو سربلند رکھنے کے لئے مصمم ارادہ کرنا چاہئے۔ اس ریاست کے لوگ ہمیشہ علاقائی عصبیت سے دور رہے ہیں۔

ہم لوگ بہت ہی شدید معاشی دباؤ کے دور سے گذر رہے ہیں۔ بہت ساری مشکلات کے باوجود عوام نے غربت، افراط زر، قیمتوں میں اضافہ، ضروری چیزوں کی کمی کا ضبط اور ہمت سے سامنا کیا۔ عام لوگوں کے حالات زندگی میں بہتری لانے کے لئے ریاستی حکومت نے بہت ساری اسکیموں پر عمل درآمد شروع کر دیا ہے۔ بہت سارے دیہی لوگوں مثلاً بے زمین مزدوروں، بٹائیداروں،

جے۔ کے کھلکر

جنگ آزادی اور اردو شاعری

آزادی کا موضوع اور وطنیت کا جذبہ اردو شاعری میں ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے پہلے اور بعد دونوں میں بھرپور ہے حقیقت تو یہ ہے کہ "انقلاب زندہ باد" کا نعرہ ہندوستان میں تحریک آزادی کو اردو کی دین ہے۔ اردو کے اشعار نے قوم کے دلوں میں انگریزوں کے ظلم و تشدد کی پالیسی کے خلاف ایک غم و غصہ کی لہر اور اپنے وطن سے والہانہ محبت کے جذبہ کو اس طرح روشن اور بیدار کیا کہ پوری کی پوری قوم بلا امتیاز مذہب و ملت جنگ آزادی میں کود پڑی۔ رام پرشاد بسمل کا یہ شعر تمام ہندوستان میں بجلی کی طرح سرایت کر گیا۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

شہید بھگت سنگھ۔ سکھدیو اور راج گرو یہ نغمہ اکثر یاد کرتے تھے۔ بھگت سنگھ خود اردو میں شعر کہتا تھا۔

دل سے نکلے گی نہ مر کر بھی وطن کی الفت

یہ وہ نغمہ ہے جو بھگت سنگھ نے پھانسی پر لٹکنے سے پہلے گایا تھا یہ وہی نغمہ ہے جو اشفاق اللہ نے بھی پھانسی پہ لٹکنے سے پہلے گایا تھا۔ یہ شعر ہندوستانی جیلوں میں دعا کے طور پر گایا جاتا تھا۔ یوں تو سرفروشی کی تمنا ہمیشہ ہی جنگ آزادی کے پروانوں کے دلوں میں موجود رہی ہے لیکن ۲۳ مارچ شام کے ۷ بج کر ۳۳ منٹ پر اس تمنا کی تکمیل لاہور سنٹرل جیل میں ہوئی۔ اور بازوئے قاتل نے اپنا رنگ اور زور دکھایا۔ تینوں شہیدوں کی لاشوں کو جیل کی پچھلی دیوار توڑ کر ایک فوجی ٹرک میں بوریوں میں بند کر کے دریائے ستلج کے کنارے حسینی والا فیروزپور کے مقام پر پل کے نیچے مٹی کے تیل سے جلا دیا گیا۔ ادھر جلی لاشوں کو دریائے ستلج کے پانی میں پھینک دیا گیا۔ گورے پولس اور فوجی افسروں نے مل کر ایک ناچ کیا اور گانا گایا۔ صبح ہونے سے پہلے ان کو لاہور واپس پہنچنا تھا۔ لیکن رات کے اندھیرے اور سناٹے نے بھی دم توڑا۔ بھگت سنگھ کے ساتھ ساتھ والے گاؤں کے لوگوں نے جب فضا میں شعلے اور انگارے دیکھے تو جوق در جوق دریا کے کنارے جمع ہونا شروع ہو گئے۔ یہ خبر لاہور اور فیروزپور میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ "انقلاب زندہ باد" کے نعروں کی گونج سے آسمان کانپ اٹھا لیکن دیوتاؤں نے پھول برسائے ایک بے نام اردو شاعر جو جائے وقوع پر تھا یہ شعر کہا۔

شہیدوں کی چتاؤں پہ لگیں گے ہر برس میلے
وطن پہ مٹنے والوں کا یہی باقی نشاں ہوگا

مرنے سے کچھ پہلے بھگت سنگھ نے اپنے چھوٹے بھائی کلتار سنگھ کو ایک چٹھی میں مندرجہ ذیل اشعار لکھے تھے۔

عزیز کلتار

آج تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بہت رنج ہوا۔ آج تمہاری باتوں میں بہت درد تھا تمہارے آنسو مجھ سے برداشت نہیں ہوتے۔ برخوردار بہت سی تعلیم حاصل کرتے جانا! حوصلہ رکھنا اور کیا کہوں۔ چند شعر لکھے ہیں سنو۔

اسے یہ فکر ہے ہر دم نیا طرز جفا کیا ہے
ہمیں یہ شوق دیکھیں اس ستم کی انتہا کیا ہے

کوئی دم کا مہماں ہوں اہل محفل
چراغ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں

مری ہوا میں رہے گی خیال کی بجلی
یہ مشت خاک ہے فانی رہے نہ رہے

در و دیوار پہ حسرت کی نظر کرتے ہیں   خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

کچھ ایسے ہی شعر مدن لال ڈھینگرہ نے ۱۷ اگست ۱۹۰۹ کو پنٹن ول جیل لندن میں پھانسی کے تختے پر لٹکنے سے پہلے کہے تھے۔ مدن لال کی عمر اس وقت صرف ۲۴ سال کی تھی۔ یہ وہ نوجوان ہیں جنھوں نے قوم کے وقار کو مجروح نہیں ہونے دیا۔

یہ وہ شاعر ہیں جنھوں نے آزادی کے مجاہدین کو ایک نیا نغمہ دیا۔ جس کو گاتے گاتے وہ سولی پر چڑھ گئے۔ اردو کے ان نغموں سے ساری قوم وجد میں آگئی تھی۔ اردو کے انقلابی شعر بچے بچے کی زبان پہ آگئے۔ دراصل ایسے اشعار کا آغاز ظفر علی خاں کی مشہور نظم نوید آزادی ہند سے شروع ہوتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

وہ دن آئے کہ ہے آزاد جب ہندوستاں ہوگا
مبارکباد اس کو دے رہا سارا جہاں ہوگا
علم لہرا رہا ہوگا ہمارے رائے ستیا پہ
اور اوپر سب نشانوں سے ہمارا یہ نشاں ہوگا

اسی زمانے میں علامہ اقبال بھی شعار امید کی تلقین کرتے رہے۔

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا تقاضا ہے کہ ہر شب کو سحر کر

ڈاکٹر اقبال کی شاعری میں جو شعلہ تھا انھوں نے قوم کی خودداری کو آواز دی۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

سیماب اکبرآبادی کی غزلوں میں بھی شمع آزادی روشن رہی۔ قومی غداروں کی طرف اشارات بھی کرتے رہے۔

ہمیں نے نغمۂ آزادی چمن چھیڑا
پتہ قفس کا ہمارے ہی آشیاں سے چلا
کسی نے بھی حفاظت سے نہ رکھا اپنے خرمن کو
خزاں ہشیار کرتی ہی رہی یاران گلشن کو
طوفان اٹھ رہے ہیں ماحول گلستاں سے
اے آشیاں نشینو ہشیار آشیاں سے
وہ آ رہے ہیں اک نئی دنیا لئے ہوئے
چھپے ہیں انقلاب کا پردہ لئے ہوئے

ترقی پسند تحریک نے جنگ آزادی میں نمایاں حصہ لیا۔ اس تحریک کا آزادی کے موضوع کے ساتھ اتنا گہرا اثر تھا کہ ایک کو دوسرے سے الگ کرنا غلطی ہوگی۔

مخدوم، علی سردار جعفری، فیض احمد فیض، مجاز، ساغر نظامی، جوش، قتیل کے کچھ ایسے نام ہیں جن کا ذکر کئے بغیر یہ مضمون نامکمل ہوگا۔ مخدوم کی نظمیں حیدرآباد میں تو قومی ترانوں کی حیثیت رکھتی ہیں ملاحظہ ہو۔

وہ ہندی نوجواں یعنی علمبردار آزادی
وطن کا پاسباں وہ تیغ جوہر دار آزادی
وہ پاکیزہ شرارہ بجلیوں نے جن کو دیا ہے
وہ انگارہ کہ جس میں زیست نے خود کو سمویا ہے
وہ شمع زندگانی آندھیوں نے جس کو پالا ہے
اک ایسی ناؤ ہے طوفانوں نے خود جس کو سنبھالا ہے
وہ ظلمت جس سے گیتی لرزہ بر اندام رہتی ہے
وہ دھارا جس کے ذرے ذرے پہ قتل کی بازی کھلی ہے
چھپی خاموش آہیں شور محشر بن کے نکلی ہیں
دبی چنگاریاں خورشید خاور بن کے نکلی ہیں

سردار جعفری تو انقلابی شاعری کے صف اول کے شاعر ہیں ان کی مشہور نظمیں "عہد نو آرہا ہے" "نئی دنیا کو سلام" "جمہور" جن میں لوگ صرف جینے کا حق مانگتے ہیں۔ اردو ادب میں ایک مقام اعلی رکھتی ہیں۔

اٹھو ہند کے باغبانوں اٹھو
اٹھو انقلابی جوانوں اٹھو
اٹھو کھل گیا پرچم انقلاب
نکلتا ہے جس طرح سے آفتاب
اٹھو جیسے دریا میں اٹھتی ہے موج
اٹھو جیسے آندھی کی بڑھتی ہے فوج
اٹھو برق کی طرح ہنستے ہوئے
کڑکتے گرجتے برستے ہوئے

غلامی کی زنجیر کو توڑ دو
زمانے کی رفتار کو موڑ دو

۱۵ اگست ۱۹۴۷ پر اردو شعراء نے جو نظمیں کہی ہیں ان میں باقی ملک پر

آؤ کہ آج غور کریں اس سوال پر
دیکھے تھے ہم نے جو، وہ حسین خواب کیا ہوئے
دولت بڑھی تو ملک میں افلاس کیوں بڑھا
خوشحالیٔ عوام کے اسباب کیا ہوئے
جو اپنے ساتھ ساتھ چلے کوئے دار تک
وہ دوست وہ رفیق، وہ احباب کیا ہوئے
کیا مول لگ رہا ہے شہیدوں کے خون کا
مرتے تھے جن پہ ہم وہ سزایاب کیا ہوئے
بے کس برہنگی کو کفن تک نہیں نصیب
وہ وعدہ ہائے اطلس و کمخواب کیا ہوئے
جمہوریت نواز، بشر دوست، امن خواہ
خود کو جو خود دیئے تھے وہ القاب کیا ہوئے
نفرت کا روگ آج بھی کیوں لاعلاج ہے
وہ نسخہ ہائے نادر و نایاب کیا ہوئے
ہر کوچہ شعلہ زار ہے، ہر شہر قتل گاہ
یکجہتیٔ حیات کے آداب کیا ہوئے
صحرائے تیرگی میں بھٹکتی ہے زندگی
ابھرے تھے جو افق پہ وہ مہتاب کیا ہوئے

بی۔ وی۔ سُبّا ریڈی

قومی یکجہتی اور جمہوریت

جمہوریت اور قومی یکجہتی دراصل ایک ہی سکّے کے دو رخ ہیں۔ دونوں کا ایک دوسرے پر انحصار ہے۔ قومی یکجہتی کے بغیر جمہوری طرزِ حکومت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جمہوریت کسی مخصوص جماعت یا طبقہ کی حکومت نہیں ہوتی۔ بلکہ ابراہیم لنکن کے الفاظ میں "عوام کی حکومت، عوام کے لئے اور عوام کے ذریعہ ہوا کرتی ہے۔ اسی لئے اس طرزِ حکومت میں عوام کے سارے طبقات کی بھلائی اور مفاد کو بلا تفریق مذہب و رنگ و نسل پیشِ نظر رکھا جاتا ہے نتیجے میں ملک کے ہر شہری کے مفادات کے تحفظ اور اس کی شخصیت کے مکمل ارتقاء کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔ نئی دہلی میں منعقدہ قومی یکجہتی کانفرنس نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ہندوستان میں قومی یکجہتی پیدا کرنے کے لئے جمہوریت سب سے پر اثر ذریعہ ہے۔ اس لئے تمام سیاسی پارٹیوں کو جمہوری اقدار کے پیشِ نظر اپنا لائحہ عمل مرتب کرنا چاہئے۔ کانفرنس کے خیال میں جمہوریت ایک چیلنج ہے جو ہندوستان کی آزادی کے بعد ہمارے سامنے آیا ہے اور اسے قبول کرنے ہی میں ہماری قومی فلاح اور استحکام کا راز پوشیدہ ہے۔ ۱۹۴۷ء سے قبل ہمیں اس کا قطعی احساس نہ تھا کہ جد و جہدِ آزادی کی طرح قومی یکجہتی کو بھی ایک تحریک کی صورت میں ابھارنا چاہئے۔ سیکولرزم اور جمہوریت کی بقا کے لئے ہمیں جذباتی یکجہتی کے ذریعہ قومی یکجہتی کی منزل تک پہونچنے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن قومی یکجہتی کے سلسلے میں عوام کے رجحان میں تبدیلی لانا آسان کام نہیں ہمیں اس حقیقت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ قومیت اور یکجہتی محض سیاست کے بل بوتے پر پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس کے سرچشمے عوام کے ذہنوں سے پھوٹتے ہیں۔ ایسے میں ریاست کا فرض ہے کہ وہ ہر شہری کو مکمل تحفظ اور حقوقِ شہریت دے کر اس میں ملک کے لئے ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرے۔ ہماری قومی زندگی اور قومی کلچر مختلف الاصل عناصر کا مجموعہ ہے اس کے باوجود ہم ایک قوم کہلانے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ملک میں انتشار پھیلانے والے رجحانات مثلاً ذات پات، فرقہ پرستی، علاقائی تعصب، لسانی عصبیت اور صوبائیت کو کچلنے کے لئے اپنے شاندار ماضی کے تہذیبی و روحانی ورثے کو اپنانا ضروری ہے۔

جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے جس میں سیاسی اقتدار عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کی ایک جماعت کے ہاتھوں میں ہوتا ہے جو عوامی فلاح و بہبود سب کو یکساں مواقع کی فراہمی سماجی عدل و انصاف معاشرتی اور معاشی مساوات و تحفظ پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ہندوستان میں جمہوریت کے ان بنیادی مقاصد کے علاوہ سیکولرزم اور قومی یکجہتی کے اصول بھی اپنائے گئے ہیں تاکہ ایک سوشلسٹ طرز کا معاشرہ وجود میں آسکے۔

اس میں شبہ نہیں کہ جمہوریت صحیح معنوں میں اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب کہ اکثریت قومی و جذباتی ہم آہنگی کے ذریعے اقلیت کے لئے معاشی و سماجی برابری کا ماحول پیدا کرے۔ اس کے علاوہ حریت خواہ سیاسی ہو، معاشی ہو یا سماجی، چند ذمہ داریاں بھی عائد کرتی ہے۔ اسی طرح معاشی و سماجی آزادی کے بغیر محض سیاسی آزادی بے معنی

اور عوام میں مساوات و یک جہتی پیدا کرنے میں ناکام ہوتی۔ چنانچہ صحیح جمہوریت پیدا کرنے کے لئے سماجی و معاشی عدل کا پیدا کرنا اشد ضروری ہے۔ ہندوستان کی موجودہ حالت کے پیش نظر یہ کہنا مشکل ہے کہ ہم مستقبل قریب میں ایک غیر طبقاتی معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ پنڈت نہرو کا خیال تھا کہ ہندوستانی دستور کا بنیادی مقصد ذات پات اور طبقات سے خالی سماج پیدا کرنا ہے لیکن ہمارا ذات پات کا نظام اتنا مضبوط ہے کہ اسے توڑنا آسان نہیں البتہ آہستہ آہستہ ختم کیا جا سکتا ہے نئے ہندوستان کو ایک ایسا معاشرہ وجود میں لانا ہے جس کا مطمع نظر قومی یک جہتی اور عوامی فلاح و بہبود ہو۔

پنڈت نہرو کے نزدیک جمہوریت کی تکمیل ذیل کی باتوں سے ہوتی ہے۔

ایک ایسے آزاد معاشرے کا قیام جس میں انسانی اقدار کو بروئے کار لایا جائے

نیز معاشی، سماجی اور سیاسی مساوات پیدا کی جائے۔ حریت ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ جسے غصب کر کے جانے پر انسانیت کا نقصان عظیم ہوتا ہے۔ اگر ملک کے افراد کی پوشیدہ قوتوں اور صلاحیتوں کو صحیح ڈھنگ سے پروان چڑھنے کا موقع ملے تو آہستہ آہستہ سارا ملک ایک غیر معمولی 'ترقی' سے دوچار ہوتا ہے۔ انفرادی آزادی کے بغیر جمہوریت ایک افسانہ بن کر رہ جاتی ہے۔ لیکن فرد کی آزادی کا استعمال بھی ایک نظم و ضبط کے ساتھ ہونا چاہیے ورنہ ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے لگ جائے تو ہر طرف ایک انتشار اور بدنظمی پیدا ہوگی اور قومی یک جہتی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔

سچی جمہوری ریاست وہ ہے جس میں ہر فرد کو مکمل شخصی آزادی حاصل ہو اور انسانی اقدار کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی غرض سے اسے تخلیقی ترقی کے مواقع ملیں۔ اسی میں حقیقی مسرت کا راز پوشیدہ ہے۔

پنڈت نہرو کی زبان میں ان کے نزدیک جمہوریت صرف سیاسی یا روایتی نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعلق ذہن و دماغ سے بھی ہے جیسا کہ ہر چیز کا تعلق بالآخر دماغ ہی سے ہوتا ہے۔ جمہوریت میدانِ سیاست و معیشت میں سب کو یکساں مواقع فراہم کرتی ہے۔ یہ شخصی ترقی کے لئے آزادی مہیا کرتی ہے تاکہ ہر انسان اپنی اہلیتوں اور قابلیتوں کو پروان چڑھائے اور ان کا بہترین طریقے پر استعمال کر سکے۔ جمہوریت فرد کے اندر رواداری پیدا کرتی ہے اور دوسرے کے خیال

سے مطابقت پیدا کرنے پر مائل کرتی ہے وہ کسی حد تک تلاش حق پر آمادہ کرتی ہے۔ گویا یہ ایک متحرک اور جدلی قوت ہے اور یہ جوں جوں تبدیل ہوتی جائے گی اس کی حدود میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ بہرحال جمہوریت ہمارے سیاسی و معاشرتی مسائل کو سلجھانے میں ذہنی طور پر معاون ثابت ہوتی ہے۔

جمہوریت کا دوسرا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ مکمل ذہنی آزادی اور جلا کے مواقع فراہم کرے تاکہ مسائل اس انداز سے حل ہوں کہ نیچے تک پہونچنے میں کسی قسم کے تشدد اور سختی کا سہارا نہ لینا پڑے۔ بلکہ بحث و ترغیب کے ذریعہ معاملات طے ہوں۔

مزید وضاحت کے طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ جمہوریت، حریت، اخوت اور مساوات کے اصولوں کو تسلیم کرتی ہے۔ ملکی قانون کی نظر میں سب برابر ہوتے ہیں بشرطیکہ ان سے دوسروں کے مفادات پر آنچ نہ آئے اور اپنے اعمال کے لئے بڑے سے بڑا آدمی بھی اتنا ہی ذمہ دار ہوتا ہے جتنا کہ ایک بھشتی یا لکڑہارا۔

حقوق و فرائض لازم و ملزوم ہیں۔ یعنی جہاں ہمیں کچھ حقوق حاصل ہوتے ہیں وہیں ہم پر کچھ فرائض بھی عائد ہوتے ہیں جن کی بجا آوری کا ضروری ہے کہ ہم سب ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں اور کوئی شخص اپنے طور پر یہ نہ سمجھے کہ اس کے حقوق مفاد عامہ سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ بلکہ ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد و آرام پر سب کی بھلائی کو ترجیح دے۔ حقیقی آزادی اسی وقت وجود میں آسکتی ہے کہ جب دوسروں کے حقوق کی تجدید کی جائے۔ سچی حریت۔ ہم وجود یت اور باہمی تعاون کے سودمند اصول پر منحصر ہے۔

اخوت، حریت اور مساوات کے اصولوں کو اتنی عمدگی سے کسی نے بیان نہیں کیا ہے۔ جتنی خوبصورتی سے مسلمانوں کے خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ نے اپنے انتخاب کے فوراً بعد روح کو جلا بخشنے والے اور فکر انگیز خطبے میں آج سے چودہ سو سال پہلے پیش کیا۔ اس کا آزاد ترجمہ ذیل میں درج ہے۔

"ساتھیو! میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ مجھے کبھی اس عہدے کی چاہت یا اسے حاصل کرنے کی خواہش نہیں رہی اور میں نے کبھی چوری چھپے یا ظاہر اطوار پر اس کے لئے دعا بھی نہیں کی۔ میں نے اس لئے اس بارِ گراں کو سنبھالنے کی رضامندی دے دی ہے کہ مبادا شر لینے کی سر نہ اٹھائے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس لیڈری میں

کرتی ہوں نہیں ہے:

" بلاشبہ میں تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں اور چاہتا ہوں کہ جب کبھی تمہیں مجھ سے اختلاف ہو یا تم مجھے حق بات کا اظہار کرو اور اس وقت مجھ سے اتفاق کرو جب کہ صحیح معنوں میں تم مجھ سے متفق ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ تم محض میری ہاں میں ہاں ملاؤ یا میری ذاتی خواہشات کا احترام کرو۔ میں پوری ایمانداری سے یقین دلاتا ہوں کہ صرف وہی بات کہنے کی خواہش رکھتا ہوں جو قطعی حقیقت ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے اس خطاب میں پیش کردہ مساوات و حکمت کے اصول سارے ملکوں اور ہر زمانے کے لئے موزوں ہیں۔ اگر ارباب حکومت ان پر عمل کریں تو ایک مثالی جمہوری ریاست یا گاندھی جی کے الفاظ میں رام راجیہ وجود میں آسکتا ہے۔ رام راجیہ سے گاندھی جی کی مراد ہندو راج نہ تھا بلکہ وہ ایک ایسا جمہوری نظام حکومت قائم کرنا چاہتے تھے جس میں مذہب و ملت رنگ و نسل اور ذات پات کی تفریق کے بغیر تمام انسانوں کو یکساں حقوق، یکساں مواقع اور یکساں آزادی حاصل ہو اور سماج کا کمزور ترین فرد بھی قانون تحفظ اور انصاف پاسکے۔

ڈسپلن یا نظم و ضبط ہماری قومی زندگی کی روح ہے۔ جدید نظریے کے مطابق ڈسپلن ایک شعوری اختیاری ضبط ہے جو فرد اپنے اعمال پر عائد کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں برتاؤ میں ایک ضابطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ڈسپلن ایک خود اختیاری پابندی ہے اور اسے لادا نہیں جاسکتا۔ اس کے ذریعہ دوسروں کے اختلافی نظریات کی تفہیم پیدا ہوتی ہے۔

ڈسپلن ہماری بقا کی بنیاد ہے اور یہی قومی یکجہتی کی کلید بھی ہے۔ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح جمہوریت کی اولین ضرورت نظم و ضبط ہے جس سے حکومت، قانون اور ملک کے لئے احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جمہوری ریاست کے شہریوں پر لازمی ہے کہ ایک زندہ قوم کی طرح نظم و ضبط اور ذمہ داری کا پاس رکھیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک کا نوجوان طبقہ اکثر و بیشتر نظم و ضبط کے خلاف ورزی کرتے اور سماج دشمن سرگرمیوں میں لگا ہوا ہے اور وہ بھی ایسے وقت میں جبکہ ہمارا ملک تاریخ کے انتہائی نازک موڑ سے گذر رہا ہے۔ ہمارا نوجوان طبقہ جمہوریت دشمن عناصر کے ہتھکنڈوں کا شکار ہو رہا ہے جو ملک میں بدنظمی، انتشار اور گڑبڑ پیدا کرنے کے درپے ہیں تاکہ انھیں اپنی مرضی

کے مطابق حکومت بنانے کا موقع مل سکے۔ بلاشبہ ماضی میں غیر ملکی اقتدار سے ٹکرانے میں ہمارے طلبا نے اہم رول ادا کیا ہے لیکن ملکی حکومت کے قیام کے بعد ہماری سوچ کا انداز بدل جانا چاہئے تاکہ زندگی کے نت نئے مسائل کا سامنا کرنے اور قومی ضروریات کی تکمیل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔

بقیہ: بنگال نشاۃ ثانیہ ۔۔۔۔

سے ملا۔ انھوں نے رسالوں اور ان کے ایڈیٹروں کی تائید کو بھی کافی سراہا۔ اخباروں اور رسالوں نے ان کے کاز کو حکومت کے زیرغور لانے میں مدد دی۔

کسانوں کے سوال نے اپنے وقت کے بہتر لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ ان لوگوں میں مشہور لوگ جیسے راجہ رام موہن رائے، پیاری چند مترا، ہریش چندر مکھرجی، دوارکا ناتھ ودیہ بھوشن، بنکم چندر چٹوپادھیہ، رمیش چندر دت، لال بہاری ڈے، اشوک چندر سرکار اور دیگر افراد شامل ہیں۔ ان میں سے کئی افراد نے کسانوں کے سوال کا غائر مطالعہ کیا، اور مضامین لکھے۔ ان میں سے بعض افراد نے کتابیں لکھیں، جن میں سے چند یہ ہیں۔ زمیندار اور رعیت از پیاری چند مترا، 'سمیا'، اور بنگودیشیر کرشک (یعنی بنگلہ دیش کے کسان) از بنکم، بنگال رعیت از سنجیب چندر چٹرجی، بنگال کے کسان، از رمیش چندر دت اور ہندوستانی رعیت، از ابھے چرن داس

ان کتابوں اور مضامین میں جو باتیں لکھی ہیں ان کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ایک خاص تصور پوشیدہ ہے۔ ان مضامین میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ بورژوائی سیاسی معیشت اور بورژوائی تصور کی اصطلاح میں کسانوں کی پرانی اور فرسودہ دنیا میں، جہاں قرون وسطیٰ کے جمود کا جذبہ نمایاں تھا، ان لوگوں نے سائنس کی کامیابیوں اور بورژوائی روشن خیال پر مبنی ایک نئی بیداری لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کی۔

بنگال کے کسانوں کو بنگال نشاۃ ثانیہ کے اسکول میں ابتدائی روشن خیالی میں یہ پہلا سبق ملا۔ لیکن یہ بنیادی زرعی اصلاحات سے کافی دور تھے۔ وقت کے گذر جانے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی

محمد شفیق عزمی چاپدانی

کشمکش بالارادہ سے عاری جو ہو وہ زندگانی نہیں ہے
اہل حرکت کی جو زندگی ہے، کشتی بادبانی نہیں ہے

سامری آمریت کی خاطر جال جادو کے جتنے بچھائے
حق جمہور جس پر ہو لاگو، تخت وہ خاندانی نہیں ہے

ہو غرض منسلک جس عمل سے وہ نفی نیک انجام کی ہے
خدمت قوم ہے مختلف شے، قوم پر حکمرانی نہیں ہے

اقتدار و حکومت کا چشمہ پھوٹتا ہے ہماری رگوں سے
آپ رہبر ہیں دم سے ہمارے، آپ کی مہربانی نہیں ہے

رہبر قوم! سن لے معیشت ہے امانت غریبوں کی جس پر
بار اہل ہوس ڈال دینا لوٹ ہے پاسبانی نہیں ہے

وعدے وہ شوق سے بھول جاؤ جو سیاست میں مبھتے نہیں ہیں
ہم کو الفت کی اندھی روایت ایکطرفہ نبھانی نہیں ہے

ڈھاتے تھے کل تو ڈھا دیں گے اب بھی ظلم کے بت یہ بجلی رگوں کا
کل بہا جو وہ بے شک لہو تھا اب جو ہے وہ بھی پانی نہیں ہے۔

کسانوں کا سوال

بنگال میں ۱۹ ویں صدی میں کسانوں کی بہت ساری بغاوتیں ہوئیں ان میں سے چند یہ ہیں۔ میمن سنگھ ضلع کے شیر پور پرگنہ کسانوں کی عظیم بغاوت کا مرکز بن گیا۔ اس بغاوت کو پاگل پنتھیس کہتے ہیں (۱۸۲۵ء۔ ۱۸۲۷ء) چھوٹا ناگپور کے کولوں نے ۱۸۳۱ء میں کھلی بغاوت کی۔ نیز ۱۸۳۱ء سے باراسات میں ٹیٹو میاں کی سربراہی میں ایک عظیم بغاوت ہوئی۔ نیز دودھو میاں نے فرائضی بغاوتوں کی بھی رہنمائی کی۔ ۱۹ ویں صدی کی سب عظیم بغاوت ۱۸۵۵ء میں سنتھالیوں کی بغاوت تھی۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے فوراً بعد ہی بنگال میں کسانوں کی ایک اور بغاوت ہوئی۔ اس دور کے دو اہم بغاوت نیل فرودروں کی بغاوت (۱۸۶۰ء) اور پبنا کے کرایہ داروں کی شورش (۱۸۶۳ء) تھی۔ ایسی بغاوتیں الگ تھلگ اور الگ الگ جگہوں پر ہوئیں۔ لیکن ان کے باوجود انھوں نے نہ صرف نظام زمینداری کو للکارا بعض جگہوں میں نیل کی کاشت کے نظام کو للکارا بلکہ یہ نظام نوآبادی کے لئے بھی ایک چیلنج تھا۔

کسانوں کی یہ مسلسل گرچہ یکایک شورشوں نے تعلیم یافتہ درمیانی درجہ کے لوگوں کے دل و دماغ پر گہرا اثر کیا۔ ان لوگوں کو اس بات کا احساس ہوا کہ کسانوں کا مسئلہ سب سے اہم مسئلہ ہے جس سے قوم دوچار ہے اور یہ کہ کسانوں کے مسائل کو فوری طور پر حل کرنے کی ضرورت ہے۔

لیکن ان لوگوں کے لئے یہ ایک الگ تھلگ تجربہ تھا کیونکہ ان لوگوں نے کبھی بھی باغی کسانوں کے ساتھ اپنی شناخت نہیں کی، اور نہ ان لوگوں نے حکومت کے رویہ کی حمایت کی۔ جہاں حکومت کا مدعا یہ تھا کہ باغیوں کے ساتھ ظلم و ستم کیا جائے، وہاں تعلیم یافتہ درمیانی درجہ کے لوگوں کی رائے یہ تھی کہ ان کسانوں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آنا چاہئے، لیکن اس ہمدردی کا ہمیشہ دستوری وابستہ کے ذریعہ ہی اظہار کیا گیا۔

پریس اور پلیٹ فارم ہی دو آلات تھے جن کے ذریعہ یہ تحریک چلائی گئی۔ اخبار "ہندو پیٹریوٹ" جس کے ایڈیٹر ہریش مکھرجی تھے، نے نیل کھیت کے کسانوں کے کاز کو فروغ دینے کے لئے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ "شوم پرکاش" "امرت بازار پتریکا" "سدھارانی" "بنگال میگزین" "دھنیشور" جیسے اخباروں اور رسالوں نے پبنا اور مشرقی بنگال کے دیگر اضلاع میں رونما ہونے والے کسانوں کی شورشوں کا وسیع پیمانہ پر پرچار کیا۔

جب کرایہ بل تحریک پر بحث و مباحثہ شروع ہوا تو اس وقت انڈین ایسوسی ایشن نے کسانوں کی دفاع میں مسلسل تحریکیں چلائیں۔ اس کے زیر اہتمام اضلاع ۴۴ پرگنہ ندیا اور ہگلی میں بڑے بڑے جلسے ہوئے اور ان میں کسانوں کی تکالیف کو دور کرنے کے لئے بہت ساری تجاویز منظور کی گئیں۔

۱۸۵۸ء کے بعد کے عرصہ میں دو تحریکیں ایک ساتھ شروع کی گئیں۔ کسانوں کی مزاحمت کی تحریک اور دوسری کسانوں کے دفاع کے لئے دستوری تحریک۔ یہ تحریکیں ایک دوسری کی معاون ثابت ہوئیں۔ درمیانی درجہ کے عالم فاضل لوگوں کو کسانوں میں ابھرتی ہوئی تحریکیوں میں سماجی نوتعمیر کی پوشیدہ قوت نظر آئی۔ اس کی انھوں نے دستوری ذرائع سے جہاں تک ممکن ہو سکا تعریف اور تائید کی۔ باغی کسانوں نے بھی ان مشوروں کی کافی تائید کی جو انھیں اپنے تعلیم یافتہ بھائیوں سے ملا۔ انھوں نے رسالوں اور ان کے ایڈیٹروں کی تائید کو بھی کافی سراہا۔ اخباروں اور رسالوں اور ان کے ایڈیٹروں کی تائید کی۔ باغی کسانوں نے بھی ان مشوروں کی کافی تائید کی جو انھیں اپنے تعلیم یافتہ بھائیوں

باقی صفحہ

گذشتہ ۳ جنوری کو فلم فیسٹول ۸۲ء کے افتتاح کے موقعہ پر رابندر اسدن کلکتہ میں (دائیں سے بائیں) مشہور فلم ڈائرکٹر شری ستیہ جیت رائے، مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات، شری وسنت ساٹھے، گورنر مغربی بنگال شری بی۔ ڈی پانڈے، وزیر اعلیٰ مغربی بنگال شری جیوتی باسو، وزیر اطلاعات و ثقافتی امور مغربی بنگال شری بودھ دیو بھٹاچاریہ اور چیف سکریٹری، حکومت مغربی بنگال شری امیہ کمار سین

کلکتہ میں فلم فیسٹول ۸۲ء کا افتتاح

شری بی ڈی پانڈے، گورنر مغربی بنگال نے ۳ جنوری سنہ ۱۹۸۲ء کو رابندر اسدن، کلکتہ میں روایتی چراغ جلا کر رنگین فلم اتسو ۸۲ کا افتتاح کیا۔

افتتاحی جشن میں دنیا کے بہت سارے ملکوں کے فلم اسٹار، ڈائرکٹر اور فلمی ماہرین موجود تھے۔ پھر اس جشن کے آخر میں اسپینی فلم بلڈ ویڈنگ، (خون کی شادی) فلم سامعین کو دکھائی گئی۔ اس فلم کے ہدایت کار کارلوس سورا تھے۔

گورنر نے اپنی افتتاحی تقریر میں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ یہ سال ہندوستانی فلم سازی کا ۵۰ واں سال ہے، اس لئے اس تقریب میں یہ بھی شامل ہے۔ انھوں نے مزید کہا "فلم منتظم نے معصر مسائل سینما کی بہت اقسام کی فلموں کی نمائش کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ یہ فلمیں آئندہ دو ہفتوں تک دکھائی جائیں گی۔ یہاں بڑے بڑے یورپی ممالک اور ممالک متحدہ امریکہ کے علاوہ بہت سارے ترقی پذیر ممالک بھی اس میں حصہ لے رہے ہیں۔ درحقیقت ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں ترقی کے راستہ پر گامزن ملکوں سے ہمیں خاص طور پر دلچسپی ہے کیونکہ

ا ہوں نے کہا کہ عام مسائل جن سے ان ملکوں کے عوام دوچار ہیں کے
سلسلہ میں ان کی دلچسپی اور رد عمل عام صورت حال سے ملتے جلتے
ں۔ نیز گذشتہ برسوں میں ہندوستان میں تیار کردہ بہترین فلموں
کی یہاں نمائش ہوگی۔

شری وسنت ساٹھے مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات نے
اس موقعہ پر کہا کہ کلکتہ میں ایک بڑے بین الاقوامی فلم تقریب
منعقد کرنے کا مقصد ایک خواب کی تعبیر ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستانی
فلموں کی سنہری جبلی بھی منائی جا رہی ہے۔ یہ ہمیں سنیما کی دنیا میں
پچاس سال کا تجزیہ کرنے اور فلم صنعت کی صحت مند ترقی کے
لیے مزید کارگر کوشش کرنے کا بہترین موقعہ فراہم کرتا ہے۔ انھوں
نے مزید کہا کہ لوگ اب سینما دیکھنے کی جگہ ٹیلی ویژن دیکھنا زیادہ پسند

میں نرمی لائی جائے۔ انھوں نے مزید کہا سینما ہال کی تعمیر کو ایک صنعت
تصور کرنا چاہیئے تاکہ اسے بینکوں اور مالی اداروں سے رقوم فراہم ہو سکے۔

شری جیوتی باسو، وزیر اعلیٰ حکومت مغربی بنگال اس
جلسہ کے مہمان خصوصی تھے، اس موقعہ پر سامعین کو خطاب کرتے ہوئے
کلکتہ میں "فلم اتسو" منعقد کرنے کے لئے مرکزی حکومت کا شکریہ ادا کیا۔
انھوں نے کہا کہ کلکتہ میں ہی فلم کی تیاری کی ابتدا ہوئی۔ لیکن اب اس فلم
صنعت کی صحت اچھی نہیں ہے۔ انھوں نے مزید کہا بیمار صنعت کی
احیا نو کے لیے بائیں محاذ حکومت ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔

شری ستیہ جیت رائے نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ایک فلم
فیسٹیول کے لئے سات سال تک انتظار کرنا بڑی تکلیف دہ بات ہوتی ہے
انھوں نے فیسٹول کمیٹی سے درخواست کی کہ وہ انتظار کی اس گھڑی میں کمی کرے

فلم ڈائرکٹروں اور فلم آرٹسٹوں نے فلم سے متعلق مختلف موضوعات پر ہونے والے مذاکرات میں حصہ لیا
جن میں چند افراد کی تصویریں درج ہیں۔ (دائیں سے بائیں) شری گوتم گھوش، شری ستیہ جیت رائے، شری مرنال
سین، جنگلہ دیش کے فلم ڈائرکٹر اور روس کے نمائندہ [illegible]

کرنے لگے ہیں، اور اس تبدیلی نے صنعت کے تمام پہلوؤں کو بدل
دیا ہے۔ انھوں نے صنعت سے اپیل کی کہ بدلتی ہوئی صورت حال
کو اپنائے تاکہ مستقبل میں اس میں کسی بات کی کمی نہ پائی جائے۔ انھوں
نے فلم سازوں سے بھی کہا کہ وہ فلموں کی کہانیوں اور کوالٹی کی طرف خاص طور
پر دھیان دیں تاکہ اس قسم کا عوامی واسطہ لوگوں کے دل بہلاتے ہوئے
تبدیلی کا ایک آلہ بھی بن جائے۔

نئے نئے سینما ہالوں کی تعمیر کی زبردست حمایت کرتے ہوئے
انھوں نے کہا کہ فلم صنعت کے سربراہوں کو مرکزی اور ریاستی حکومتوں
کے نمائندوں کے ساتھ اس سلسلہ میں بات چیت کرنا چاہیئے کہ کس طرح
سینما گھروں پر عائد پابندیوں کو اٹھا لیا جائے اور اس سے متعلق قوانین

انھوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ کلکتہ کے لوگوں کے دوستانہ برتاؤ اور فلم
دیکھنے والوں کے جوش و خروش سے غیر ملکی فلم ساز کافی متاثر ہونگے۔

شری ایس۔ بی۔ لال، سکریٹری مرکزی وزارت اطلاعات و
نشریات اور فیسٹول منیجمنٹ کمیٹی کے چیرمین نے سامعین کی خوش آمدید
کہتے ہوئے کہا مجھے اس بات سے بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ "فلم اتسو"
سنہ ۱۹۸۲ء کلکتہ میں منایا جا رہا ہے۔ یہ بڑا شہر اس صنعت کے سربراہ
ہونے کے ساتھ ساتھ، خاموش فلموں کے زمانہ سے بہت سارے اہم فلم
سازوں کی رہائش گاہ رہا ہے۔

شری ڈی۔ وی۔ ایس راجو، چیرمین، نیشنل فلم ڈیولپمنٹ
کارپوریشن اور شری ایم۔ وی۔ کرشنا سوامی، فیسٹول ڈائرکٹر نے بھی
تقریریں کیں۔

اگرچہ ایک فلم ساز کو درپیش مشکلات کا بڑے پیمانہ پر پرچار نہیں کیا جاتا تاہم ایک مبہم احساس عام ہے کہ فلم سازی ایک دشوار گذار کام ہے۔ کچھ ایسی فلمیں ہوتی ہیں، مثال کے طور پر ہالی وڈ کی تہلکہ خیز فلمیں جن میں دشواری سد راہ نہیں ہوتی۔ جنگوں، خرمستیوں، زلزلوں، آتشزدگی اور فاتحانہ جلسوں کو فلمانا امر آسان نہیں۔ لیکن وافر سرمایہ، افراد اور ضروری سامان کی فراہمی ہالی وڈ کے لئے "اسپارٹکس" یا سوویت روس کے لئے "وار اینڈ پیس" جیسی فلمیں بنانا آسان بنا دیتا ہے۔ میڈرڈ میں وہ آپ کو روم، ماسکو اور پیکنگ جیسے بڑے شہروں کو دکھا سکتے ہیں جو کثیر لاگت سے مشترکہ پروڈکشن میں تعمیر کئے گئے اور بعد ازاں سیاحوں کو متوجہ کرنے کے لئے برقرار رکھے گئے۔

یہاں ہندستان میں خاص طور پر بنگال میں، ہم ایسی عظیم فلمیں بنانے کی جراءت نہیں کر سکتے۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس سرمایہ نہیں ہے۔ اگر ہم سرمایہ کا انتظام کر بھی لیں تو ہمیں ایسی فلموں کے لئے مارکیٹ نہیں ملے گی اور یقینی طور پر ہالی وڈ کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم تکنیکی معلومات کے حامل نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ "اس وجہ سے نہیں کہ ہم اس کے لئے طبعی میلان نہیں رکھتے" ہم نے اپنے لئے شاندار مناظر کے بجائے، دلی احساسات اور کیفیات، موڈ اور ماحول کی فلمیں بنانے کا انتخاب کیا ہے۔ ایسا سوچنا خوش کن ہے کہ غیر ملکی عظیم اور تہلکہ خیز فلموں کا یہ کشش انگریز جارج "دو سال میں فلم کی تکمیل" میری قلبی کیفیات پر مبنی پہلی فلم 'پتھر پانچالی' پر بھی یکساں طور پر صادق آتا ہے۔ لیکن یہاں اس نقرہ میں بگل کی آواز کے بجائے بین کا آہنگ ہوتا کیونکہ طویل عرصہ تک ہم سرمایہ کی کمی کے باعث ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہے اور جو بھی رقم ملی وہ قطرہ قطرہ کر کے۔

جہاں تک مالی پشت پناہی کا تعلق ہے، میرے لئے اب حالات اتنے خراب نہیں ہیں جتنے کہ میرے آغاز کار کے وقت تھے۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ اب میرے لئے فلم سازی سہل اور آسان ہو گئی ہے۔ ہم یہاں بہت مخصوص مسائل سے دوچار ہیں جو مقامی نوعیت کے ہیں اور اُن مخصوص ضابطوں کی پیداوار ہیں جو ہماری زندگی کی رہنمائی کرتے ہیں اور ہمارا مقدر بناتے ہیں۔

آئیے ہم آغاز سے حالات کا جائزہ لیں۔ ہم کیسے فلم بنانے کی شروعات کرتے ہیں؟ پہلا اقدام کیا ہوتا ہے؟ بلاشبہ ایک کہانی حاصل کرنا۔ اب، یہ فرض کر لیا جائے کہ کہانی کا انتخاب ڈائرکٹر کرتا ہے جیسا کہ ہونا چاہئے اور یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ اُس نے یہ پیشہ کسی چالو فارمولا پر فلم بنا کر محض روپیہ کمانے کے لئے اختیار کیا ہے۔ ہم یہ وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ انتخاب دو اہم وجوہات پر مبنی ہے۔ (الف) کہانی کے موضوع سے گہری واقفیت (ب) اُس کا یہ یقین کہ کہانی سے ایک اچھی فلم بنے گی۔ تجربہ نے یہ سکھایا ہے کہ یہ خود اُس کے حق میں سود مند ہوگا۔ اگر

اس کی فلم سے اصل لاگت بھی حاصل نہیں ہوتی تو سرمایہ لگانے والے کا اعتماد مجروح ہوجاتا ہے تو دوسرے سرمایہ لگانے والے بھی اس سے دست کش ہوجاتے ہیں جس کے نتیجے میں بہت جلد وہ ڈائرکٹر اپنے معیار کو گھٹانے ہی میں اپنی عافیت دیکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ فیشن پرست حسن شناس جیسے ایس رسنائس کے نقش قدم پر نہیں چل سکتا۔ فلم میں جدید ترین ٹکنیک اور تصورات کو پیش کرنا ایک ایسی عیاشی ہے جس کے ہم ابھی متحمل نہیں ہوسکے۔ لیکن اگر آپ ایسا کرنے کے لئے سنجیدہ ہیں تو عوام جو چیٹ پٹی اور غیر حقیقی اور بنا وٹی فلموں کے عادی ہیں اس کی خاطر خواہ پذیرائی نہیں کریں گے اس لئے آپ کو ایک محدود اقلیت پر اکتفا کرنا ہوگا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کو اپنے بجٹ پر سخت کنٹرول کرنا ہوگا۔ بجٹ کو متوازن کرنا ایک دشوار امر ہے لیکن بدقسمتی سے یہ واحد مسئلہ نہیں ہے جس سے سنجیدہ فلم ساز دوچار ہوتے ہیں۔ کہانی کے انتخاب ہی میں ایسے ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو دیگر ممالک میں مفقود ہیں۔ مثال کے طور پر جسمانی ہوس پر مبنی کہانی، اور ایسی کہانیوں کی جن میں عظیم کہانیاں کہی ہوں، ہمارے ادب میں کمی نہیں ہے۔ لیکن اور جامع طور پر ان کا ہندوستانی پردہ سیمیں کے لئے بعید از تصور ہے۔ میں نے دیوی میں ایک جوڑے کی بوسہ بازی کا شاٹ لیا لیکن مجھے ایک لانگ شاٹ ہی پر اکتفا کرنا اس سے زیادہ کی جرات نہ کرسکا۔ اس منظر میں ایک مچھر دانی کے پیچھے محبت کرنے والوں کی پرچھائیاں دکھائی گئی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں کلوز اپ لیتا اور اس فعل کو زیادہ واضح طور پر پیش کرتا تو سینما کے نچلے درجوں سے ہوٹنگ ہوتی اور اس شور و شغب میں میری نازک اور لطیف پیش کش رائیگاں ہوجاتی۔

آئیے اب ہم سیاسی مقاصد کی فلموں پر غور کریں۔ کیا ہم ایک Advice and Consent, A Jugdment at Nuremberg,' A. Dr Strangelove' جیسی فلمیں تیار کرسکتے ہیں؟ میرے خیال میں ہم ایسا نہیں کرسکتے۔ کیا ہم ایک بدعنوان کانگریسی کو دکھا سکتے ہیں؟ میں اس سلسلہ میں کوشش کرنا چاہتا ہوں، لیکن میرا خیال ہے ہم ایسی فلم تیار نہیں کرسکتے۔ کیا ہم ایک جنگ کمانڈر دکھا سکتے ہیں جو اپنے گنجاپن کو چھپانے کے لئے گاندھی ٹوپی پہنتا ہے یقیناً یہ مشکوک ذرائع سے امیر بنتا جارہا ہے ہم ایسا کرسکتے ہیں لیکن ہم ہرگز نہیں۔ جیسا کہ مجھے کہا گیا تھا بورڈ آف سنسرس یہ کہہ سکتا ہے کہ سیلولائیڈ فلموں پر ٹوپی کو کالا رنگ سے رنگ دے۔ اگر آپ فلم میں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ایک دفتر کا کم ظرف افسر اپنے ایک اینگلو۔ انڈین ملازم جس کے ساتھ فلم میں ہمدردی کا اظہار کیا گیا ہے۔ کو برا بھلا کہہ رہا ہے، تو لوگ یہی خیال کریں گے کہ آپ بھی افسر کی طرفداری میں شریک ہیں۔ یہی بات دہلی میں جب آپ اس فلم کے لئے سرکاری انعام لینے آئیں گے، آپ کے خلاف ہوگی اور نہ آپ کی مدد کرے۔ جب آپ ایک طرف انعام حاصل کرنے کے بعد، اس فلم کے سلسلہ اپنے خیالات سے ذرہ برابر بھی الگ ہٹنے کیونکہ اس وقت آپکے بہت سارے عقلمند ذہین لوگوں سے پالا پڑیگا جو ایک لمحہ میں جنگ کرنے والے ٹائی گن میں تبدیل ہوجائیں گے جو آپ پر حملہ کرکے آپ کی بوٹی بوٹی کردیں گے۔

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب آپ کو کہانی کے لحاظ سے بہت تنگ دائرہ کے اندر رہ کر کام کرنا پڑے گا اور آپ لوگوں میں بعض افراد کی دلی خواہشات کو اچھے ماحول کا انتظار کرنا پڑے گا

آئیے اب ہم یہ فرض کریں کہ آپکے پاس ایک اچھی کہانی ہے اور آپکے خیال کے مطابق اس سے اچھی فلم تیار کی جاسکتی ہے اور اس فلم کے اخراجات برداشت کرنے والوں کی رائے بھی ہے یہی ہے لیکن اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس کے بعد فلم کے لئے کاسٹنگ ہوگی یعنی کون کون اس فلم میں کردار ادا کریگا۔ بعض کرداروں کو تو پہلے سے چن لیا جاتا ہے۔ اس وقت بھی جب آپ نے کہانی پڑھ لی تو آپ یہ تصور کرسکتے ہیں کہ ایکس، شوہر کا کردار ادا کرے گا اور وائی بیوی کا اور زیڈ بچہ کا۔ لیکن کانپتی ہوئی بے دانت والی ۸۰ سالہ نانی کا کیا ہوگا۔ پھر ان لوگوں کا یعنی مرد و عورتوں، بچوں، کسانوں، دوکانداروں، پروفیسر، طوائفوں اور اس طرح کے بہت لوگوں کا جن کا اس فلم میں چھوٹے چھوٹے کردار ہیں، کیا ہوگا؟

دنیا میں تقریباً ہر جگہ آپ کو ایجنٹ ملیں گے جن کے پاس ایسے فاضل آرٹسٹ دستیاب ہوں گے۔ آپ یہاں سے بڑی آسانی سے

ایک فہرست کے ذریعہ متعلقہ کردار کے آرٹسٹ پا سکیں گے۔
اگر آپ کو نئے چہروں کی ضرورت ہے تو اخباروں میں اشتہار دے سکتے ہیں یا ہونہار نئے آرٹسٹوں کی جانچ کر سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے نہ کوئی ایجنسیاں ہیں اور نہ ہی جانچ کرنے کی کوئی سوسائٹی ہے۔ آپ روزانہ اخباروں میں اشتہار دے سکتے ہیں لیکن میرا اپنا تجربہ ہے کہ جو لوگ صحیح معنوں میں لائق ہوتے ہیں ان کے دل میں یہ خوف ہوتا ہے کہ انھیں مسترد کر دیا جائے گا اور اس لیے وہ اشتہاروں کا جواب نہیں دیتے۔ آپ کو اشتہارات سے جو ملتا ہے اسے بیکار کاغذات کی ڈول میں پھینکنا پڑتا ہے۔

اس لئے اب آپ کو سڑکوں پر گھومنا پڑتا ہے اور پیدل چلنے والوں لوگوں کے چہروں کا معائنہ کرنا پڑتا ہے یا آپ کو ریس کے میدانوں، کاکٹیل پارٹیوں میں اور شادی کی مجلسوں میں جانا ہوگا اور ان تمام جگہوں میں جانا آپ دل سے ناپسند کرتے ہیں۔

اگر تمہیں ایک چینی کی فلم "ڈیڑھ منٹ" کے لئے ضرورت ہوا جیسا کہ مجھے آپراجیتو میں ہوا) تو اس کے لئے تمہیں ایک چینی فاحشہ خانہ میں جانا پڑیگا اور وہاں بڑے کمرے کے سامنے چھوٹے سے تاریک کمرہ میں بیٹھنا پڑیگا اور وہاں افیم کی بو سے تمہارا سر چکرا اٹھیگا اور دوسری فاحشہ میڈم کمرے کے اندر اور باہر بار بار آتی جاتی دکھائی دیگی جو اپنے زرد دانت سے مسکراتے ہوئے آپ کو دعوت دیگی۔ پھر کئی گھنٹوں کے بعد وہ عورت تمہارے سامنے آئے گی، لیکن تم اس جگہ سے ہٹ نہیں سکتے، اس کی وجہ یہ نہیں کہ باہر بڑی تیز بارش ہو رہی ہے بلکہ یہ ہے آپ اپنے پلان کے مطابق یہاں کے منظر کی فلم اٹھانا چاہتے ہیں۔

عام طور پر میں خوش قسمت ہوں کہ اپنے فلموں کے کردار کے لیے مجھے صحیح آرٹسٹ پائے لیکن اس میں ناکامی کا خدشہ لگا رہتا ہے۔ اوسط عمر اور اس سے زیادہ عمر کے اچھے پیشہ وارانہ ایکٹروں اور ایکٹریسوں کی حد سے زیادہ کمی ہے۔ فلموں میں ایسے بھی کردار ہیں جن میں صرف پیشہ ور آرٹسٹ ہی جان ڈال سکتے ہیں۔ پو تھیر پنچالی اب بنایا نہیں جا سکتا کیونکہ اب چونی بالا وہاں موجود نہیں ہے۔ جبھی بسو اس کو ذہن میں رکھ کر جلسہ گھر دیوی اور کنچن جنگا لکھے گئے تھے۔ ان کی موت کے بعد میں نے فلم کے لئے کہانی نہیں لکھی جس میں میانی عمر کے اداکار ہوں کیونکہ اس کردار کے لئے پیشہ ورانہ

قابلیت کی ضرورت ہے۔
جب تمام اداکاروں کو منتخب کر لیا جاتا ہے، تو اس کے بعد فلم اٹھانے کے کام میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ کلکتہ میں اسٹوڈیو اپنے در و دیوار سے اپنی کھوکھلی ماضی کا اظہار کرتے ہیں۔ صنعت کے قائم ہونے کے بعد سے جو چھ اسٹوڈیو کی جانب پر رہا کرتے تھے آج بھی اس کے بان نصف آباد ہیں۔ صحن ٹوٹی پھوٹی ہے تو جب کیمرہ گھومتا ہے تو اونچا نیچا ہوتا رہتا ہے۔ سورج کے غروب ہونے کے بعد بجلی کے 'ولٹ' میں کمی ہو جاتی ہے یا گرم فضا برقرار رہتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں ان تمام باتوں کا خیال نہیں کرتا۔ میں انھیں رکاوٹ نہیں سمجھا کیونکہ ہمارے پاس فلم تیار کرنے کے تمام ضروری سامان موجود رہتے ہیں اور یہ ہمارے بس کی بات ہے کہ ہم اچھے یا بڑے طریقہ سے فلم تیار کریں۔ مالی ذرائع کی کمی کی وجہ سے ہم فلموں کے سلسلہ میں کفایت شعاری سے کام لیتے ہیں اور اپنی فلموں میں خوبصورتی تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(تلخیص و ترجمہ)

بقیہ :- جنگ آزادی . . . . .

قابل ذکر ہیں۔ سردار جعفری کی "فجر کی رات اور اتن روشن" اور فیض احمد فیض کی "صبح آزادی" اپنے لحاظ سے اہم نظمیں ہیں حالانکہ فیض اس اجالے کو "داغدار" اور اس کو "شب گزیدہ" بتاتے ہیں ساغر نظامی کی طویل نظم "مشعل آزادی" اس ادب میں سنگ میل ہے۔ اردو کے شاعر صاف ظاہر ہے کہ کسی او طبقے سے پیچھے نہیں بلکہ آگے رہے ہیں۔ جان نثار اختر کی "آزادی کی رات" ایک ایسی نظم ہے جو کسی اور زبان کی حب الوطنی کی بہترین نظم کے ساتھ مقابلہ کر سکتی ہے۔ گوپال متل کا "آزادی کی نظمیں" اس سلسلہ میں شاہکار ہیں کہ تحریک آزادی کی کامیابی میں اردو شاعروں کا اہم رول رہا ہے۔

باقی حصہ . . .

قومی تحریک نے درمیان سے کسانوں کے باشعور نمائندے ظاہر ہوئے جنھوں نے کسانوں کے مسائل کو بنیادی طریقہ سے حل کرنے پر چارہ کیا۔ ان لوگوں نے یہ مانگ کی کہ دوامی بندوبست کو ختم کر دیا جائے اور اس کی جگہ کھیتوں کی زمینوں کو کسانوں کے حوالے کر دیا جائے

بنگلہ فلمیں اُن کا مستقبل

از:- پرنوب چودھری

ایک لمبے عرصے کے بعد بین الاقوامی فلم فیسٹول فلم اُتسب [illegible]
کلکتہ میں ۳ سے ۱۷ جنوری [illegible] تک منایا جا رہا ہے۔ کلکتہ کو ثقافت
وراثت حاصل ہے، اور یہیں آواز (Sound) کے رائج ہونے
کے بعد فلم بزنس نے تیزی سے ترقی کی۔ لیکن آزادی کے بعد اس

صنعت کا زوال شروع ہونے لگا۔ درحقیقت مغربی بنگال فلم صنعت
اتنی تیزی سے روبہ تنزل ہے کہ اگر فوری طور پر کوئی مثبت قدم نہیں اٹھایا گیا
تو ہم یہ دیکھیں گے کہ بہت ہی جلد یہاں سے فلمیں تیار کرنے کا کام ختم
ہو گیا۔ کلکتہ کے لوگ فلم اُتسب [illegible] کے دوران ساری دنیا کے
نئی فلمیں دیکھنے کے مشتاق ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بہت ضروری
ہو گیا ہے کہ اب بنگالی فلموں کی قریب المرگ حالت کی وجہ
معلوم کرنے کی کوشش کریں اور اس علاقائی فلم میں، جسے ملک کے
اندر اور باہر کے علاقوں میں کافی نمایاں مقام حاصل ہے، ایک نئی روح
پھونکنے کے لیے طریقہ کار ڈھونڈ نکالیں۔

اس صنعت کو بچانے اور اس کی تجدید کرنے کیلئے کونسا رویہ اختیار
کرنا چاہئے؟ یہ سوال پیدا ہوا ہے کیونکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ
بہتر فلمیں تیار کرکے ہی بنگلہ فلم کے وقار کو بلند کیا جا سکتا ہے۔ لیکن
ہم لوگ ایک دور سماجی معاشی   سے گزر رہے ہیں اس وقت بھی
سب سے پہلے اس صنعت کو بچانے کی کوشش کرنی چاہئے اور اس
کے ساتھ ہمیں بہتر فلمیں تیار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس
ملی جلی حیثیت میں اس رویہ سے بنگلہ فلموں میں نئی روح پھونکنے
کی کوشش میں ہمیں کافی مدد ملے گی۔
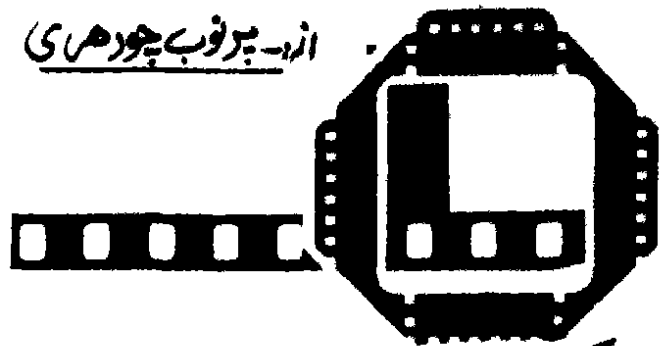
پہلے تو خاموش فلمیں تیار کی جاتی تھیں پھر آواز والی
فلمیں تیار کی جانے لگیں، اگر اس سلسلہ میں ہم اس صنعت کا معائنہ
کریں تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ شروع میں ہمارے ملک میں فلموں
کی تیاری کے سلسلے میں جیسا کہ ۱۹ [illegible] کی فہرست سے ظاہر ہے
مغربی بنگال کو نمایاں مقام حاصل تھا۔

اس فہرست سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ [illegible]
مغربی بنگال فلم صنعت کے لئے سنہرا عرصہ تھا۔ ان دو برسوں میں
مغربی بنگال فلم صنعت باہر کے لوگوں سے فلموں کے لئے نامی رقوم
حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی اور اس سے کل بنیں ۱۴۸ فلموں میں
سے مغربی بنگال کی فلموں کی تعداد صرف ۳۸ تھی۔ دوسری طرف
مغربی بنگال فلم صنعت کو سنہ ۱۹۴۹ء میں کافی شدید بحران کا سامنا
کرنا پڑا اگرچہ اس سال اس نے ۶۰ فلمیں تیار کیں۔ اس وقت کے بعد
سے بنگال میں فلم اسٹوڈیو آہستہ آہستہ بند ہونے لگے۔ اور کلکتہ کی ماہرین

سال وار	بنگلہ فلمیں	ہندی فلمیں	جنوبی ہندوستان فلمیں	دیگر علاقوں میں تیار کردہ فلمیں	کل
۱۹۳۱ء	۳	۶	—	—	۹
۱۹۳۲ء	۹	۲	—	—	۲۷
۱۹۳۳ء	۹	۱۷	۹	—	۳۵
۱۹۳۴ء	۱۱	۲۱	۱۰	—	۴۲
۱۹۳۵ء	۱۹	۳۱	۲۶	۱	۷۷
۱۹۳۶ء	۱۹	۳۵	۱۵	۲	۷۱
۱۹۳۷ء	۱۵	۱۹	۱۲	—	۴۶
۱۹۳۸ء	۱۷	۱۰	۵	۱	۳۳
۱۹۳۹ء	۱۵	۱۳	۷	—	۳۵
۱۹۴۰ء	۱۵	۱۱	۵	۱	۳۲
۱۹۴۱ء	۱۷	۹	۱	۱	۲۸
۱۹۴۲ء	۱۸	۸	—	—	۲۶
۱۹۴۳ء	۱۹	۹	—	—	۲۸
۱۹۴۴ء	۱۴	۸	۹	—	۲۲
۱۹۴۵ء	۸	۹	—	—	۱۷
۱۹۴۶ء	۱۰	۷	—	۳	۲۰
۱۹۴۷ء	۳۲	۷	—	۲	۴۱
۱۹۴۸ء	۳۷	۸	۱	۱	۴۷
۱۹۴۹ء	۶۰	۱۷	—	۱	۷۸
کل	۳۵۰	۱۶۰	۹۴	۱۳	۷۱۵

(جنگ کے زمانہ میں بھی فلموں کی شدید کمی ہوگئی اور حکومت کے کوٹہ سسٹم رائج کرنے کی وجہ سے فلموں کی تعداد میں کمی ہوگئی ہے۔ ۱۹۴۵ء میں اس کوٹہ سسٹم کو اٹھا دیا گیا، لیکن کانگریس کے دورِ حکومت میں اس نظام کو پھر سے رائج کیا گیا)

اس دوران میں بے روزگاری بڑھنے لگی۔ مشہور فلمساز سنہ ۱۹۵۰ء سے بمبئی اور مدراس جانے لگے۔ باہری رقوم کے بند ہو جانے اور بنگال کی تقسیم کی وجہ سے اس صنعت نے اپنا بازار تقریباً کھو دیا۔ اس عرصہ میں مدراس اور بمبئی میں اسٹوڈیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ سنہ ۱۹۴۹ء میں اتنی زیادہ فلمیں تیار ہوئیں تو اس کی وجہ جنگ کے عرصہ میں حاصل کردہ کالے روپیے کا استعمال تھی۔ لیکن بمبئی اور مدراس

کے مقابلہ بنگال میں کالے روپے کی کمی تھی۔ اسٹوڈیوں کے مالکوں نے یہ خیال کیا کہ اسٹوڈیوں کو صنعت کاروں کو کرایہ پر دیا جائے تو انھیں نقصان کی بجائے فائدہ ہوگا اور اس طرح انھوں نے خود فلم تیار کرنا تقریباً بند کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ آسام، اڑیسہ، وغیرہ میں ان ریاستوں میں تنگ نظر صوبائی تحریکوں کی وجہ سے بنگالہ فلموں نے بازار کھو دیا۔

اس زوال کا اصل دشمن کون ہیں؟ سینماؤں میں فلم دکھانے والے بڑے بڑے نمائش کنندگان اس صنعت کے خاص دشمن ہیں۔ ان لوگوں کو بہت ساری سہولتیں فراہم ہیں۔ انھیں فلموں میں روپیہ لگانا نہیں پڑتا، لیکن دوسری طرف وہ فلموں کو اپنے سینماؤں میں نمائش کے لئے کافی روپیہ لیتے ہیں۔ اس طریقہ کار سے ہندی فلمیں فائدہ اٹھاتی ہیں کیونکہ انھیں کافی مالی امداد فراہم ہوتی ہے۔

بنگلہ فلموں کو زوال سے بچانے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل قوانین نافذ کرنے کے لئے یہ صنعت مہم چلا رہی ہے (۱) فلموں کی سنسر ہو جانے کے مطابق فلمیں نمائش کے لئے پیش کی جائیں۔ (۲) آمدنی کی تقسیم یعنی ایک فلم کی نمائش سے سینماؤں کے باکس آفسوں میں جو رقوم حاصل ہوتی ہیں انھیں پروڈیوسروں، تقسیم کرنے والوں اور سینما کے مالکوں کے درمیان برابر تقسیم کی جائیں۔ (۳) مغربی بنگال میں تیار کردہ فلموں کی سینماؤں میں لازمی نمائش۔ ریاستی حکومت نے ان تینوں شرائط پر مشتمل ایک بل مرکزی حکومت کے پاس بھیجا ہے۔ لیکن مرکزی حکومت نے قومی یکجہتی کے نام پر ریاست کو اس قانون کو نافذ کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ موجودہ بائیں محاذ حکومت نے سینما ٹوگراف ایکٹ ۱۹۵۲ء کے ذریعہ ایک اعلانیہ جاری کیا جس کے مطابق سینماؤں کے لئے مغربی بنگال میں تیار کردہ فلموں کو ایک سال میں ۱۲ ہفتوں تک نمائش کو لازمی قرار دیا ہے۔ اس اعلانیہ سے مغربی بنگال میں تیار کردہ فلموں کو کچھ سہولتیں فراہم ہوئیں۔ اس سے ایسی فلموں کی نمائش کا مسئلہ کچھ حد تک حل ہو گیا۔ سال میں ۱۲ ہفتے تک فلمیں دکھانے کے لئے مغربی بنگال کو تقریباً ۵۰ تا ۶۰ فلموں کی ضرورت ہوگی لیکن ہر سال اوسطاً ۲۵ تا ۳۰ فلمیں تیار کی جاتی ہیں۔ تو اس مسئلہ کو کیسے حل کیا جائے۔

امریکہ کے علاوہ فلمیں تیار کرنے والے بہت سارے ملکوں میں حکومتوں نے اپنی فلم صنعتوں کے تحفظ اور ترقی کے لئے اقدامات رائج کئے ہیں۔ فرانس میں ۱۹۴۶ء میں قائم کردہ سنٹرل نیشنل ڈی سینما ٹوگرافک فلم صنعت کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ عارضی امداد قانون کے تحت یہ اس صنعت پر کنٹرول کرتا ہے۔ موشن پکچرس (چلتی پھرتی تصویریں) پر فرانس۔امریکہ نے مشترکہ طور پر ۱۹۴۸ء میں معاہدے پر دستخط کیا۔ اس بات کے پیش نظر کہ کافی تعداد میں فلمیں تیار کی جائیں، نیز فلموں کی کوالٹی میں بہتری لانے اور ایک ایجنسی بنام 'یونی۔فرانس' کے ذریعہ فلموں کی تقسیم کے لئے اس اعلانیہ میں تین مقاصد کا اعلان کیا گیا۔ امدادی قوانین کے تحت ایک 'فونڈ سے سا ڈی ایڈی' ادارہ قائم کیا گیا۔ اس ادارہ کو سینما کے داخلہ کی ٹکٹوں پر اور تمام دیشی اور غیر ملکی فلموں پر، ان کی لمبائی کے مطابق، عائد ٹیکسوں کے ذریعہ مالی امداد فراہم کی جاتی ہے۔ ایک مقررہ شرح کے مطابق اس فنڈ سے فلم پروڈیوسروں اور فلم نمائش کرنے والوں کو مالی امداد فراہم کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ 'قرض نیشنل' امریکہ کے موشن پکچر ایسوسی ایشن کے ساتھ ایک عہد کے مطابق فلم اٹھانے پر جو خرچ ہوتا ہے، اس کا تیس فی صد حصہ بطور قرض فراہم کرتا ہے، ساتھ ہی امریکہ میں فرانسیسی تصویروں کی نمائش کا کوٹہ بھی تین مہینہ ۵ ہفتوں تک بڑھا دیا گیا ہے۔

اٹلی میں قانون کے مطابق تمام غیر ملکی فلموں کو اٹلی زبان میں تبدیل کرنے کے لئے ۲۵ لاکھ لیرا عائد کیا جاتا ہے۔ اٹلی کے سینماؤں کو 'بینکا نزنل ڈی لی نوبرو' کے سینما قرض سیکشن سے فنڈ فراہم کیا جاتا ہے۔ اس ادارہ کو اسی مقصد کے لئے قائم کیا گیا تھا۔

مغربی جرمنی میں مقامی فیڈرل ریاستوں کی حکومتیں ایک فیچر فلم تیار کرنے کے کل اخراجات کا ۳۰ فی صد فراہم کرتی ہیں۔ ڈنمارک میں ۱۹۴۹ء کے قانون کے مطابق ڈینش فلموں سے حاصل ہونے والی انٹرٹینمنٹ ٹیکس کا ۲۵ فی صد فلم پروڈیوسروں کو واپس کر دی جاتی ہے۔

یہ بات یہاں دیکھی جا سکتی ہے کہ ہر حکومت نے اس مسئلہ کو مختلف طریقہ سے حل کرنے کی کوشش کی اور بہت سارے انتظامات کئے گئے، لیکن ہر طریقہ کا یہی اثر ہوا کہ فلم تیار کرنے والوں میں اس رقم سے زیادہ ملے جو انھیں آزاد بازار کی حالات کے تحت باکس آفس میں حاصل کردہ رقوم کی تقسیم سے ملتا ہے۔

فلم پروڈیوسروں اور فلم کی نمائش کرنے والوں کے درمیان بہت سارے ملکوں میں تنازعات پائے جاتے ہیں۔ اس بات سے بھی مشکلات پیش آگئیں

ہیں کہ ایک صنعت میں جو سرمایہ کاری کی جاتی ہے، اس کے سلسلہ میں یہ یقینی طور پر کہا نہیں جا سکتا کہ یہ نفع بخش ہو گی کیونکہ اس کا انحصار لوگوں کے مذاق پر ہوتا ہے اور جس کی بابت کچھ صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا، اس کے ساتھ ہی اس کاروبار میں بہت بڑی رقم لگائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے حکومتوں پر دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ ریاستی فلم بنک کے ذریعہ فلم تیار کرنے کے لئے حکومتیں سرمایہ فراہم کریں۔ اس اقدام سے اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ صنعت کو کافی استحکام حاصل ہو گا۔ ایسے بنک ایک نہ ایک شکل میں برطانیہ، فرانس، مغربی جرمنی، اٹلی اور ارجنٹینا میں موجود ہیں۔

ہمارے ملک میں امداد کے بہت سارے طریقہ کار کو جیسے فلم تیار کرتے وقت گرانٹ۔ ان ایڈ سنسر سرٹیفکیٹ پیش کرنے پر گرانٹ ان۔ ایڈ، چند مخصوص عرصہ کے لئے ٹیکس کی ادائیگی سے معافی، چند مخصوص عرصہ کے لئے انٹرٹینمنٹ ٹیکس کی واپسی وغیرہ آسام، اڑیسہ، کیرالا، آندھرا پردیش، کرناٹک، گجرات وغیرہ میں رائج کر دیا گیا ہے۔ ہماری ریاست میں بائیں محاذ حکومت نے برسر اقتدار آنے کے بعد سے فلم تیار کرنے کے سلسلہ میں گرانٹ۔ ان ایڈ دینا شروع کر دیا ہے۔

آیئے اب ہم اس بات کا تجزیہ کریں کہ کیا درحقیقت اس انتظام سے مغربی بنگال کی فلم صنعت کو زیادہ سے زیادہ فلمیں تیار کرنے میں مدد ملی ہے؟ گذشتہ چار برسوں میں جتنی فلمیں تیار کرنے کے سلسلہ میں اگر تے ہوئے رجحان ختم ہو گئے، اس کے ساتھ ہی اس اسکیم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی اچھی فلمیں جیسی، مینا تنا نتو، آج کل پرشو دھ گلپو، اگرم بھات دکھو تیر گلپو وغیرہ تیار کی گئیں۔ لیکن اس کے باوجود تیار کی جانے والی فلموں کی تعداد میں اضافہ نہیں ہوا۔ مغربی بنگال میں بھی یہ بہتر ہو گا کہ اس اسکیم کو چند چھوٹی ترمیموں کے ساتھ بر سر عمل لایا جائے۔ پہلے ایک جانچ کرنے والی کمیٹی قائم کی جائے، جو اس بات کی جانچ کرے گی کہ فلمیں گندی اور روبہ زوال ثقافت سے پاک ہوں۔ اس کے ساتھ ہی اگر بائیں محاذ حکومت مغربی بنگال میں تیار کردہ فلموں کے لئے اس شہر میں تین ہال کا اور ضلعوں میں ہر ایک رانچیوں کی از سر نو تعمیر کر کے وہاں نمائش کا انتظام کرے تو اس فلم صنعت کو کافی فائدہ پہونچیگا اور ڈسٹری بیوٹروں اور ایگزیبٹروں کی ہیرا پھیری کا مسئلہ بھی کچھ حد تک حل ہو جائیگا۔

اس کے ساتھ ہی بنگلہ فلم پروڈیوسروں کو اپنے بازار کی توسیع کے لئے طریقہ کار ڈھونڈ نکالنا چاہیئے۔ ان لوگوں کو ہمارے ملک کے غریب لوگوں کی اکثریت کے پاس پہونچنے کی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ غریبوں کے لئے یہی سب سے سستا تفریح ہے۔ یہ دو طریقے سے کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر بنگلہ فلموں کا مختلف علاقائی زبانوں میں سب ٹائٹل کیا جا سکتا ہے، نیز یہاں کی تیار کردہ فلمیں ایک ہی ساتھ ہندی اور بنگلہ میں تیار کی جا سکتی ہیں۔

ہم ایسے طریقہ کار اپنا کر اس صنعت کی احیا تو کر سکتے ہیں اور اس طرح ان کی وجہ سے ٹکنیشیوں اور مزدوروں کو بے روزگاری سے نجات ملے گی لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں ثقافتی وکاشت اور ترقی یافتہ بیداری کو پیش نظر رکھتے ہوئے بہتر فلمیں تیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ بعض کیسوں میں بہتر فلمیں تیار کرنے والے منظم مزدور اور عوامی تنظیموں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں کیونکہ جب وہ لوگ تنظیموں کے لوگوں کے معیار زندگی میں بہتری لانے کے لئے نظام کے خلاف جد و جہد کرتے ہیں تو دوسری طرف مذکورہ تنظیمیں صحت مند ثقافت کے لئے اپنے ممبروں کو تعلیم نہیں دیتیں۔ وہ سب منظم لوگوں کی مثال پیش کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ ہندی تصویروں کے لئے کوشش کرتے ہیں ساتھ ہی اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ منظم ٹریڈ یونینوں کے ذریعہ مختلف صنعتوں میں ہندی فلمیں دکھائی جائیں۔ بحث و مباحثہ کے دوران بہتر فلمیں تیار کرنے والوں میں سے چند لوگوں نے کہا کہ ان علاقوں کے لوگ، جہاں وہ سب انتخابات کے وقت میں ایک خاص سیاسی پارٹی کو ووٹ دیتے ہیں، ایسی فلمیں دیکھتے ہیں جن میں روبہ زوال ثقافت کی جھلک نظر آتی ہے۔ دیوار سے متعلق ایک فلم اس طرح کے ایک علاقہ میں بہت دنوں تک چلی اور اس سے بکنگ آفس کے ذریعہ کافی رقم حاصل ہوئی۔ اس قسم کے برتاؤ کے لئے ہمیں بنیادی وجوہ کی تلاش کرنا چاہیئے۔ لوگ ہندی فلمیں کیوں دیکھتے ہیں؟ ہندی فلموں میں خیالی خوابوں سے بہت سارے نوجوان لڑکے بری طرح پر متاثر ہوتے ہیں۔ خاص طور پر ان فلموں میں بہت سارے مناظر جیسے ایک غریب لڑکے کا ایک امیر لڑکی سے شادی، بھائی چارگی کے جذبے، محبت نیز گیتوں، ناچ اور لڑائی ساتھ ہی مناظر کی خوبصورتی وغیرہ دیکھنے والوں کو متاثر کرتے ہیں۔ ایسے نوجوان ان فلموں کی تکنکی خوبیوں سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن کیوں باشعور لوگ اس قسم کی فلمیں دیکھیں گے۔

سب سے پہلے مثال کے طور ان تجربات کا ذکر کروں گا جو کلکتہ سے ۱۰۰ میل کے فاصلہ پر واقع ایک گاؤں میں سینما فلم سوسائٹی نے کیا۔ ان لوگوں نے مثال کے طور پر ۱۱ فیچر فلمیں گاؤں والوں کو دکھائیں۔ ان میں کچھ فلمیں یہ ہیں۔

(۱) پتھیر پنچالی، (۲) بائیسکل تھیف، (۳) وائلڈ اسٹرابیریز (۴) راشومون، (۵) بیٹلشپ پوٹمکن، (۶) خوف کی اجرت۔ تیا کرتوا زبان میں فلموں کی نمائش کرتے وقت رواں تبصرہ کر دیا گیا۔ فلموں کی نمائش کے بعد لوگوں نے دیکھنے والوں کی رائے معلوم کرنے کی کوشش کی۔ ان فلموں کے دیکھنے والوں میں زیادہ تر غریب کاشتکار، مزدور اور کسان تھے۔ ان میں سے بعض لوگوں نے زندگی میں پہلی بار فلمیں دیکھیں۔ ان گیارہ فلموں میں سے صرف وائلڈ اسٹرابیریز کو دیکھنے والے سمجھ نہ پائے۔ لیکن دوسری طرف ان لوگوں نے دیگر فلموں کے لب ولباب کو اچھی طرح سمجھا۔ اس عملی تجربہ کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ ہماری کل آبادی کے ۷۰ فی صد لوگ دیہاتوں میں متوسط درجہ کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر فلمیں تیار کی جائیں تو یہاں کے لوگوں کو بہتر فلمیں زیادہ پسند ہوں گی۔ اگر ہم بہتر فلموں میں موجودہ رجحان کا تجزیہ کریں تو یہ بات آسانی سے کہی جاسکتی ہے کہ ایسی فلمیں شہری لوگوں کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ — چنانچہ ایسی فلمیں مزدوروں اور کسانوں کو پسند نہیں آئیں گی کیونکہ ان میں سے زیادہ تر لوگ جاہل ہوتے ہیں۔ اس لئے بہتر فلم تیار کرنے والے اپنی فلموں کے لئے ایسے موضوعات کا استعمال کریں جو ہمارے لوگوں کو اکثر پسند ہو۔

بہتر فلموں کے لئے بڑا بازار تیار کرنے کے لئے ایک عوامی تحریک شروع کرنی چاہیئے۔ یہ اچھا وقت ہے کہ ہمارے ملک میں اس قسم کی تحریک چلائی جائے۔ مثال کے طور پر ۱۹۴۸ء میں تلنگانہ کسانوں کی جدوجہد پر مبنی ایک تیلگو فلم، بنام 'ماں بھومی' بنائی گئی۔ جب اس فلم کو حیدرآباد میں دکھانے کے لئے پیش کیا گیا تو اس وقت اس فلم کو تیار کرنے والوں نے ٹریڈ یونینوں اور کسانوں کی تنظیموں سے اپیل کی کہ وہ اپنے اپنے ممبروں سے اس فلم کو دیکھنے کی درخواست کریں، کیونکہ یہ فلم ان کی جدوجہد پر بنائی گئی ہے۔ اس اپیل کا اچھا اثر ہوا اور اس علاقہ میں یہ فلم کافی عرصہ تک دکھائی گئی۔

یہ اچھا وقت ہے کہ اچھی فلمیں بنانے والے اپنی بلندی سے نیچے اتریں اور اپنی فلموں کی نمائش اور پرچار کے لئے ٹریڈ یونین، کسان، نوجوان اور طلباء کی تنظیموں کا تعاون حاصل کریں۔ صرف اسی طریقہ سے وہ بڑے بجٹ کی کل ہند فلموں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

ایسا مغربی بنگال میں آسانی سے ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ ریاست سارے ہندوستان میں ترقی پذیر تحریک میں ہمیشہ آگے رہی اور آگے رہے گی۔ بہتر فلم سازوں کو اپنی خود پسندی کو فراموش کرنا چاہیئے اور مستقبل میں بہتر فلموں کے فروغ اور ترقی کے لئے عوامی تنظیموں کا تعاون حاصل کرنا چاہیئے۔ اس قسم کی تحریک کے لئے مغربی بنگال کافی اچھی جگہ ہے۔ چنانچہ بہتر فلم بنانے والوں اور بیدار لوگوں کی مشترکہ کوششوں سے صرف مسلسل تحریک ہی کے ذریعہ بنگلہ فلموں کے مستقبل کو شاندار بنایا جاسکتا ہے۔

سُندربن علاقہ کیلئے ترقیاتی اسکیمیں

حکومت مغربی بنگال نے سندربن علاقہ کی ترقیاتی اسکیموں کے مصارف کے لئے ۲۶ء۳ لاکھ روپیہ منظور کیا گیا اور یہ رقم ممبر سکریٹری سندربن ترقیاتی بورڈ کے زیر اختیار دیدی ہے۔ اسکیموں کی تفصیل یہ ہے:۔ (۱) رام گنگا گرام پنچایت میں اتھرا گاچھی نیری گھاٹ سے سکھالانچ گھاٹ تک ۹۳۰۰ فیٹ لمبی دیہی سڑک کی تعمیر (۲) رام گنگا ایس کے وی ایس لمیٹڈ کے قریب کٹ ماری کھال پر پلیا کی تعمیر (۳) کاکی تلہ انچل میں ۳۴ فیٹ لمبے چنگاری کھال کی تعمیر۔

ہوڑہ ریجنل ٹرانسپورٹ اتھارٹی کی تشکیل

حکومت مغربی بنگال نے سات ممبروں پر مشتمل ہوڑہ ریجنل ٹرانسپورٹ اتھارٹی کی تشکیل کی ہے۔

اور مدراس جانے لگے۔ ایسا معلوم ہوا کہ ہندوستان کے مشرقی حصہ میں
دوسری عالمی جنگ کا اثر، بنگال کا عظیم قحط، ہندوستان کی تقسیم اور اس کے
بعد کے واقعات، ان تمام باتوں نے بنگال کو مادی اور روحانی توانائی سے
محروم کر دیا۔ مشرقی پاکستان سے لاکھوں لاکھ پناہ گزین کی آمد سے مغربی بنگال
تباہی کے قریب آ گیا۔ مرکز اور ریاستوں میں نئی کانگریس حکومتوں نے
چھوٹے کاروباریوں جیسے آزاد فلم پروڈیوسروں، ڈائرکٹروں اور
فلم ٹکنیشنوں کو سہولتیں فراہم کرنے کی جگہ مفاد پرستوں کا زیادہ خیال رکھنا
شروع کر دیا۔

مغربی بنگال کی ایسی حالت یکایک نہیں ہوئی۔ جواہرلال نہرو نے
سنہ ۱۹۴۴ء میں یوں لکھا: ایک اہم حقیقت جو آج نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ
ہندوستان کے وہ علاقے جو برٹش حکومت کے تحت زیادہ دنوں تک
رہے آج وہی سب سے زیادہ غریب ہیں۔ اس حقیقت سے انکار کرنا
مشکل ہے کہ بنگال ایک زمانہ میں بہت ہی امیر اور ترقی یافتہ علاقہ تھا لیکن
برٹش حکومت کے ۱۸۰ سال بعد، جیسا کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ اس بنگال کی
حالت میں بہتری لانے اور خود۔ حکومت کے آرٹ کی یہاں کے لوگوں کو تعلیم
دینے کے سلسلہ میں انگریزی حکومت کو جی توڑ محنت کرنی پڑی، ابھی آج
یہی علاقہ بھوک مری کا شکار ہے۔ ہندوستان کے معاشی تاریخ دانوں نے
یہ بات دیکھی کہ اٹھارویں صدی کے ختم ہونے کے بعد سے ہی، جب برطانیہ
اپنی سیاسی طاقت کو مدراس اور بمبئی کی طرف تیزی سے بڑھا رہا تھا،
تو اس وقت بنگال کی فاضل آمدنی کو بمبئی اور مدراس میں بھیج دیا جاتا تاکہ
ان علاقوں پر برطانوی انتظامیہ کو چلانے کے لئے زیادہ اخراجات کو
برداشت کیا جا سکے۔ برطانوی جہازوں کے مالکوں کا یہ مقصد تھا کہ بنگال
کے نمک اور شکر کی صنعتوں کو تباہ کر کے مدراس میں نمک صنعت اور
جاوا میں شکر صنعت کی ترقی کی جائے اور انھوں نے ایسا ہی کیا۔ برٹش ہندوستان
کی مالیاتی پالیسی نے بھی ویسا ہی طریقہ کار اختیار کیا۔ چند صوبوں خاص طور
پر بمبئی اور مدراس کے لئے دیگر صوبوں مع بنگال کے مقابلہ میں بہت زیادہ
رقوم مخصوص کر دی گئے۔ اگرچہ بنگال کی آبادی زیادہ تھی اور ریونیو بھی بہت زیادہ
اکٹھا کیا جاتا تھا۔ برٹش حکومت کے دوران معاشی تفریق کی ترقی میں سیاسی
مقصد کارفرما تھا۔ بنگال میں غیر ملکی حکمراں عوام کی لوٹ کھسوٹ اور
قتل عام پر مبنی اصولوں پر عمل درآمد کر رہے تھے اور اس کی وجہ سے بنگال

تقریباً ۳۰ سال پہلے کلکتہ میں پہلا بین الاقوامی فلم فیسٹول
منعقد ہوا تھا۔ اس وقت مغربی بنگال کی فلم صنعت بحران کی گرفت میں تھی
ن نے مشرقی بنگال کا بازار کھو دیا۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران چھوٹے
ہوئے جنگی۔ ٹھیکہ داروں نے جو کالے روپے کمائے، انھیں ان لوگوں نے
دوسری سرگرمیوں میں لگا دیا اور اس طرح یہاں ایک سو سے زیادہ فلمیں
بن کر نکل رہی تھیں۔ وہ اسٹوڈیو، جہاں یہ فلمیں تیار ہو رہی تھیں، آہستہ آہستہ
یکے بعد دیگرے بند ہونے لگے اور ملازمت کے لئے ڈائرکٹر اور ٹکنیکل ماہرین بمبئی

کے عوام کو کافی مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور اس کی وجہ سے ان کے دلوں میں اس حکومت کی مخالفت کرنے کا جذبہ بیدار ہونے لگا اور اسی جذبہ کو دبانے کے لئے برٹش حکومت نے مذکورہ منصوبہ بند طریقہ کار کو اپنایا۔ آزادی کے بعد کے دور میں اس تفریق کی کمی نہیں ہوئی بلکہ اس میں اضافہ ہوا۔ مختلف ریاستی حکومتیں ... مائل بمحاذ حکومت مرکز کے اس سلسلے میں امتیازی پالیسی کی مسلسل شکایت کر رہی ہیں۔

مجھے اس پس منظر کو ذرا تفصیل کے ساتھ پیش کرنا پڑا کیونکہ فلم صنعت کے مسائل پر گفت و شنید کرتے وقت یہ رجحان پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے وطن کے بنیادی ... معاشی مسائل سے کچھ حد تک مختلف ہے۔ آزاد ہندوستان نے ملی جلی معیشت کو ترجیح دی۔ فلم صنعت نے خاص طور پر پرائیویٹ سیکٹر کی طرح ترقی کا گرچہ برٹش ہندوستان حکومت نے بھی فلم تیار کرنے اور اس کی نمائش کرنے کے کام چھوڑے ہوا نہ پرست تا کیا تھا اس حکومت کا اہم مقصد یہ تھا کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں ان فلموں کے ذریعہ قومیت کا پروپگنڈا نہ کیا جا سکے۔ جب انگریزوں نے ہندوستان کو چھوڑا تو ہندوستانی صنعت کی فہرست میں کپڑے کی صنعت اول نمبر پر اور فلم صنعت دوسرے نمبر پر تھی۔ لیکن تیار کئے جانے والی فلموں کی تعداد کے لحاظ سے ہندوستان کا نمبر صرف ہالی ووڈ کے بعد تھا۔

لیکن آج صورت حال بدل چکی ہے۔ ہندوستانی صنعت کی فہرست میں ہندوستانی فلم صنعت کا مقام دسویں نمبر پر ہے، لیکن اس کے باوجود ہندوستانی فلم تیار کرنے والوں ملکوں میں سرفہرست ہے۔ ۱۹۷۸ء میں ہندوستان نے ۶۰۰ سے زیادہ فیچر فلمیں اور ۱۰۰۰ کے قریب مختصر عرصہ کی چھوٹی فلمیں تیار کیں۔ ۱۶۰ اسٹیڈیو، ۳۰۰ تجربہ گاہوں، ۱۰۰۰ سے زیادہ پروڈیوسروں، ۱۲۰۰ ڈسٹری بیوٹروں، ۶۰۰ سے زیادہ فلمی رسالے اور ... کو ملازمین اتنی فلمیں تیار کرنے اور ان کی نمائش کے لئے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۷۸ء میں سینما گھروں کی تعداد ۹۵۵۱ تھی، ان میں ۶۰۴۰ سینما گھر مستقل تھی اور باقی دورہ کرنے والے سینما گھر تھے۔ ان میں سے ۵۰ فی صد سینما گھر جنوبی ریاستوں میں ہیں جن میں سے آندھرا پردیش میں سب سے زیادہ یعنی ۱۶۰۱ سینما گھر ہیں ایک جگہ سے دوسری جاکر فلم دکھانے والے سینما گھروں کی سب سے زیادہ تعداد ۱۷۶ تامل ناڈو میں ہے۔ ملک میں گشتی سینما گھروں کی دو تہائی سینما گھر جنوبی ریاستوں میں ہیں۔ (یعنی کل ۳۵۲۱ میں سے ۲۳۶۴ گشتی سینما گھر ہمارے

ملک میں ہر روز تقریباً ایک کروڑ سے بھی زیادہ لوگ سینما دیکھتے ہیں اور سالانہ سینما گھروں کو ٹکٹوں کی فروخت سے ۲۰۰ کروڑ سے بھی زیادہ روپئے ملتے ہیں۔ ان میں سے ۵۰ فی صد رقم تفریحی ٹیکس کی صورت میں ریاستی حکومت کو ملتی ہے۔ اکسائز ڈیوٹی، ہندوستانی فلموں کی فلموں کی نمائش سے حاصل ہونے والے کرایے وغیرہ سے مرکزی حکومت کو ٹیکس حاصل ہوتا ہے ہندوستانی سینما میں خاص طور پر شہری آبادی کی خدمت کرتی ہیں حالانکہ شہروں میں کل آبادی کے صرف ۲۰ فی صد لوگ آباد ہیں۔ صرف گشتی سینما گھر مضافاتی لوگوں کی خدمت کرتے ہیں۔ (یہ اعداد و شمار مرکزی حکومت کی شائع کردہ رپورٹ سے لئے گئے ہیں)۔

مغربی بنگال میں سینما گھروں کی بابت صورت حال کچھ مختلف نہیں ہے۔ ہمارے یہاں تقریباً ۴۰۰ مستقل سینما گھر اور ۲۰۰ گشتی سینما ہیں۔ کلکتہ اس کے آس پاس کے علاقوں میں تقریباً ۔۔ سینمائیں ہیں اور باقی اضلاع اور سب ڈویژنی شہروں میں ہیں۔ گشتی سینما مضافاتی آبادی کی خدمت کرتی ہے۔ مغربی بنگال میں تیار کردہ فلموں کو ان سینماؤں میں نمائش کے لئے ۱۵ فی صد نمائشی وقت نہیں ملتا۔

لیکن کون ان فلمی بازاروں کو کنٹرول کرتے ہیں اور سینما جانے والے لوگوں کو کیا دکھایا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام ملکوں میں بڑے اور چھوٹے شہروں میں واقع بڑے بڑے سینما گھروں کے مالکوں کے ساتھ مل کر بازار معاشی ڈسٹری بیوٹر اس کا کنٹرول کرتے ہیں اور ان سینما گھروں میں تفریحی فلمیں۔ مار پیٹ اور جنس پر فلمیں۔ دکھائی جاتی ہیں۔ میرے پاس برطانیہ، فرانس اور جاپان کے فلم اور سینما سے وابستہ کارکنوں کے ٹریڈ یونین کی رپورٹیں ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ان ملکوں کے سینما گھروں پر صرف چند ڈسٹری بیوٹروں کا کنٹرول ہے اور ان کی مدد سے ہالی ووڈ فلمیں مقامی فلموں کو دبا دیتی ہے۔ ایشیا پیسفک ڈیر۔ ویڈیو اور کرس کی کلکتہ منعقدہ ایک حالیہ کانفرنس میں جاپان کے نمائندہ ٹکاو سمک نے ترقی پذیر ترقی یافتہ ملکوں کو ہالی ووڈ کے ذریعہ ثقافت کی غیر قومیت کے خطرہ کی بابت ہوشیار کیا۔ ہم ہندوستان میں، روزانہ اپنی فلموں کے ذریعہ بھی اس طریقہ کار کے نتیجہ کا تجربہ کر رہے ہیں۔

ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان میں ہالی ووڈ کو کوئی خاص مقام حاصل نہیں ہے۔ آئک گھٹک نے ۱۹۵۲ء میں منعقد پہلے بین الاقوامی

فلم فیسٹول میں نمائش کردہ فلموں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا تھا بہت ساری
ہندوستانی فلموں میں ہالی ووڈ کے خیالات نمایاں ہوتے ہیں۔ رتک نے اس
فیسٹول کی بڑی تعریف کی کیونکہ پہلی بار ہندوستان بازار میں اینگلو۔امریکن
اجارہ داری کو توڑ دیا گیا اور روس، چیکوسلوواکیہ، اٹلی اور فرانس کی تیار کردہ
سماجی حقائق پر مبنی فلمیں اتنی مقبول ہوئیں کہ تفریحی فلموں کو سیناؤں کے
بکس۔آفس میں ٹکٹ کی فروخت سے حاصل کردہ رقوم کی بنیاد پر جو برتری حاصل
تھی، وہ ختم ہوگئی۔ رتک نے اس امید کا اظہار کیا کہ ہندوستانی فلموں میں
زندگی کے حقائق کو پیش کیا جاسکے گا۔ اس کی وجہ سے بہت سارے فلم تیار
کرنے والے متاثر ہوئے اور انھوں نے اس طرح کی فلمیں تیار کیں۔ اوپن سیٹی۔
روم، فلم دیکھ کر مرنال سین نے کہا کہ اس فلم میں دوسری عالمی جنگ
کے دوران اٹلی میں سماجی سورشیں دکھائی گئی ہیں اور اس فلم میں ہر آرٹسٹ
نے جو تنہا رہنا پسند کرتے ہیں، بہترین کردار ادا کیا۔ (میری چنے اپریل ۱۹۵۲ء)

اس کے بعد سے بہت سارے واقعات ہوئے۔ رتک گھٹک،
ستیہ جیت رائے اور مرنال سین ان کے ساتھ ہی شیام بینیگل، ایم ایس
ستھیو، باسو چٹرجی، راموکرنت، پٹابھی رام ریڈی، اڈور گوپال کرشنن،
گریش کرناڈ، بی۔وی۔کارنتھ، گیریش کسارا والی، سید مرزا، کمار ساہنی
و دیگر افراد نے نئی قسم کی بہت ساری فلمیں تیار کیں، ان میں سے بعض تو
کاروباری فلموں سے بہت مختلف ہیں۔ ستیہ جیت رائے کو آج ایک
بین الاقوامی شخصیت حاصل ہوگئی ہے اور دیگر افراد قومی اور بین الاقوامی
انعامات حاصل کررہے ہیں۔

اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ متوازن سینما کی مانگ اور بامقصد بنیاد
تیار کررہی ہے۔ لیکن ابھی جو موجودہ صورت حال ہے کیا وہ کاروباری فلم بازار
کی ساخت میں تبدیلی لاسکتی ہے۔ نہیں لوگ ایسا نہیں کرسکتے۔ صرف
ایک اچھی بات جو رونما ہوئی ہے، وہ نئی لہر کی اشاعت ہے جو سنہ ۱۹۶۰ء
میں مغربی بنگال سے شروع ہوکر ہندوستان کے دیگر علاقوں میں پھیل رہی
ہے۔ ایسا ہوا لیکن مغربی بنگال کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑی، کیونکہ برٹش ہندوستانی
سماجی نظام سے ورثہ میں ملی ہوئی سینما صنعت کا بنیادی ڈھانچہ قائم و
دائم ہوگیا اور اسے خود کو مستحکم بنانے کے لیے بڑھتی ہوئی زمیندارانہ کے زیراثر
ریاستی طاقت سے اس کی سرپرستی کی جاتی ہے۔

آزادی کے بعد مرکزی حکومت نے ایک مقصد کے تحت فلم تجارت میں
دخل اندازی کرنی شروع کردی حالانکہ اس مقصد پر اکثر پارلیامنٹ
کے اندر اور باہر بحث و مباحثہ ہوتا ہے۔ گرچہ مرکزی حکومت کو فلموں کی
پیداوار اور نمائش پر کنٹرول کرنے کے کافی اختیارات ہیں۔ فلم کو مشترکہ
فہرست میں رکھنے کے لئے مرکزی حکومت نے حالیہ کوشش کی ہے تاکہ ریاستوں کو
جو ذرا بہت اختیار حاصل ہے۔ اس سے محروم کردیا جائے۔ تاہم ان
فلموں کی تیاری اور نمائش کو ایک صنعتی ایکٹ اعلان کرنے سے انکار
کردیا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ اقدام مفاد پرستوں کے مفاد کے سامنے
ہتھیار ڈال دینے کے برابر ہے۔ اس کی وجہ سے فلم کے آرٹسٹوں، مزدوروں
اور ٹکنکی ماہرین کو ان کے حقوق اور سہولتوں سے محروم کردیا گیا، حالانکہ
دیگر صنعتوں میں برسر روزگار مزدوروں کو جو اس سے زیادہ طاقتور بجلی
گھروں اور دیگر جگہوں میں کام کرتے ہیں، مذکورہ سہولتیں فراہم ہیں۔ سنسر
قوانین میں اصلاح اور ترمیم لانے کے نام میں کانگریس اور جنتا پارٹی
کے زیر قیادت مرکزی حکومت نے سنسر کے سخت قوانین بنائے جنکی
رو سے سرمایہ دارانہ اور زمیندارانہ استحصال اور حکومت کرنے والے
طبقہ کی نااہلیت کی تنقید پر پابندی عائد کردی گئی، نیز جنسی اور مارپیٹ
کی فلموں کی نمائش کی کھلی چھوٹ دی گئی۔ فلم فائنس کارپوریشن
کم و بیش دکھاوے کا ادارہ بن گیا۔ پونے فلم اور ٹی وی فلمی آرٹ
سکھانے میں طلبا کی یقیناً کافی مدد کررہے ہیں لیکن تربیت ختم کرنے
کے بعد ان کے لئے ملازمت فراہم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قومی
اور بین الاقوامی فلم فیسٹول کا انعقاد تو کم و بیش ایک سالانہ رسم بن چکا ہے
اس سے کاروباری فلموں کے انسانیت سوز اثرات کو کم کرنے میں کوئی
خاص مدد نہیں ملتی۔ ان لوگوں نے قومی اور بین الاقوامی انعامات پانے
والی ترقی پذیر فلموں کی نمائش میں نمائش کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں
صحت مند تفریح نہیں فراہم کرتے، بہتر سماجی نظام کے لئے جد وجہد
کو ناکام بنانے کے لئے، ان فلموں کی تعداد میں سال بہ سال اضافہ ہوتا
جارہا ہے۔ پول روتھا نے کمرشیل مغربی فلموں کے اثر کی بابت جو کچھ کہا تھا
وہ سب باتیں ہندوستان میں دکھائی دے رہی ہیں۔ پرانے فلم
بینوں کی جگہ ایک نئے قسم کے فلم بین پیدا ہوئے ہیں جو جنسی لغویات
دیکھنا پسند کرتے ہیں اور وہ سب پردے پر ناگفتہ بہ مناظر کو دیکھنے کے
لئے ہر جگہ جانے کو اور بڑی بڑی رقم دینے کو تیار رہتے ہیں۔

مغربی بنگال میں تیار کردہ فلموں کے لئے بازار کی کمی ایک الگ تھلگ نہیں ہے، بلکہ یہ تو ایک مسئلہ ہے جس کے لئے ہندوستان کے تمام ترقی پسند فلم سازوں کو متحدہ طور پر جد و جہد کرنے کی ضرورت ہے۔ بائیں محاذ حکومت اچھی اور تفریحی فلموں کی تیاری کی ہمت افزائی کرنے کے لئے بہت سے اقدامات کئے۔ مشہور ڈائرکٹروں کو مالی امداد اور ترقی پذیر فلم سازوں کو گرانٹ اِن ایڈ دیئے۔ مرحوم ٹکنیشینوں کے خاندان کو زر نقد انعام دئے اور دیگر اقدامات کے ذریعہ بائیں محاذ حکومت بنگال کی فلم صنعت کو مدد فراہم کر رہی ہے لیکن جب کل ہند ڈسٹری بیوٹروں اور سینما گھروں کے مالکوں کی لالچ سے بھری سرگرمیوں پر کنٹرول کرنے کے لئے متحدہ محاذ حکومت نے بل پاس کیا تو اسے ہندوستان کے صدر کی منظوری نہیں ملی۔ لیکن اس بل میں ایسی کونسی بات تھی جس پر صدر نے اعتراض کیا۔ اس بل میں یہ باتیں درج تھیں کہ اگر ایک شخص خواہ وہ شیام بینگل ہو ایم۔ ایس۔ ستھیو یا ستیہ جیت رائے، مغربی بنگال میں فلم تیار کرتا ہے تو اسے اس فلم کی سنسر تاریخ کے مطابق اس فلم کی نمائش کی اجازت ملنی چاہئے، فلم کی نمائش سے باکس آفس میں جتنے روپے حاصل ہوں گے ان کی تقسیم کے سلسلہ میں ضوابط اور مغربی بنگال میں تیار کردہ فلموں کی مغربی بنگال کے سینماؤں میں ایک سال میں کم از کم ۲ ہفتہ تک کے لئے نمائش کو لازمی قرار دیا جائے۔ کیا مذکورہ باتیں ایسی ہیں کہ ان سے ہندوستان کے اتحاد کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ ایک حکومت، جو چیخ چیخ کر یہ اعلان کرتی ہے کہ سوشیلزم اس کی بنیاد ہے اور ہر سال ترقی پذیر فلموں کے لئے فلم سازوں کو انعام و اکرام عطا کرتی ہے، ایسی فلموں کی نمائش کے سلسلہ میں خاموش رہتی ہے۔ کیا یہ سوشیلسٹ اعلانات کا مذاق نہیں ہے۔

ریاست مغربی بنگال کے باہر کے ہندوستانی فلم سازوں جیسے شیام بینگل، ایم۔ ایس۔ ستھیو اور دیگر ترقی پذیر فلم سازوں کی سرگرمیوں کو فروغ دینے کیلئے بائیں محاذ حکومت کی کوششوں کو اس نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیے کہ مغربی بنگال فلم صنعت کا مسئلہ بنیادی طور پر ہندوستان میں ترقی پذیر فلم سازوں کا مسئلہ ہے کیونکہ ان لوگوں کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ حقیقی قومی فلم آرٹ کی ترقی کے ذریعہ اطلاعات، تعلیم اور تفریح کا کام بہتر طور پر انجام دیا جاسکے۔

پورلیا میں کوڑھ کی روک تھام اور بیخ کنی کے خصوصی پروگرام کے لئے وزیر اعلیٰ کی اپیل

وزیر اعلیٰ مغربی بنگال شری جیوتی باسو نے ضلع پورلیا میں کوڑھ کی روک تھام اور بیخ کنی کے خصوصی پروگرام کے افتتاح کے موقع پر حسب ذیل اپیل جاری کی ہے۔

ضلع پورلیا میں کوڑھ کی روک تھام اور بیخ کنی کے لئے ایک خصوصی پروگرام یکم فروری ۱۹۸۲ء سے شروع کیا جا رہا ہے۔ اس کے تحت ڈاکٹروں کی نگرانی میں تین دواؤں کے ذریعہ کوڑھ کا بھرپور علاج کیا جائے گا۔ یہ پروگرام پورے ضلع کا احاطہ کرے گا اور اسے مختلف خطوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اگرچہ دواؤں، ڈاکٹروں اور دیگر عملہ کا بندوبست حکومت کرے گی، تاہم یہ ضروری ہے کہ پورلیا کے لوگ اس پروگرام کی اہمیت کو سمجھیں تاکہ تمام متاثر افراد اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس علاج سے جہاں اس بیماری کی روک تھام ہوگی وہیں اس کے مریضوں سے دوسروں کو بیماری کی چھوت نہیں لگے گی۔

بلاشبہ عوام، ان کے نمائندوں اور عوامی اداروں جیسے پنچایتیں نیز ضلع نظم و نسق کے مکمل تعاون ہی سے یہ پروگرام کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس بیماری میں مبتلا ہونا قابل ملامت نہیں ہے بلکہ یہ امر یقینی طور پر قابل اعتراض ہے کہ علاج کی سہولتیں دستیاب ہونے کے باوجود اس کا علاج نہ کرایا جائے۔ میں خاص طور پر پورلیا کے روشن خیال لوگوں سے اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے اپیل کرتا ہوں اور اس بیماری میں مبتلا افراد سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ آگے بڑھیں اور اس پروگرام سے فائدہ اٹھا کر اپنا مکمل علاج کرائیں۔
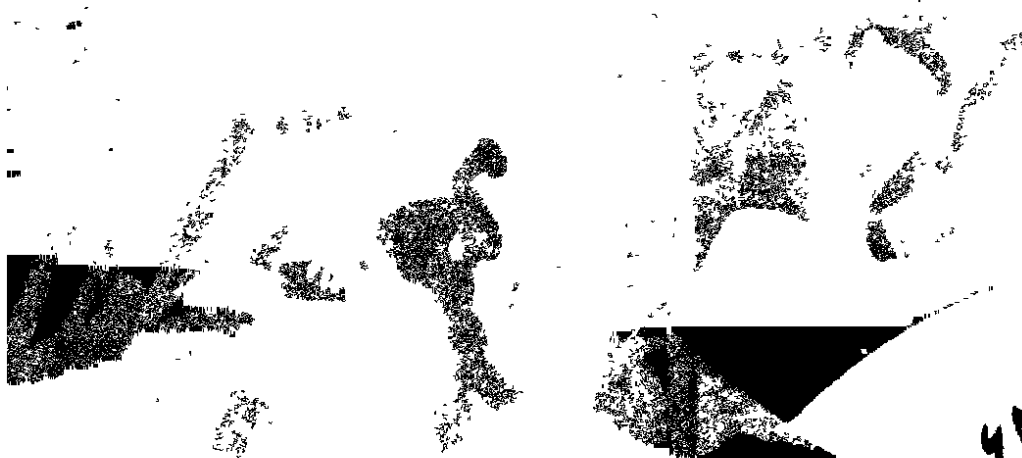
مغربی بنگال ۱۵ فروری ۱۹۸۳ء

پندرہ روزہ:-

مغربی بنگال

کلکتہ

شرح خریداری:-
سالانہ ۳ روپئے
فی پرچہ کی قیمت
۱۲ پیسے

مدیر اعلیٰ:-
ایس۔ کے۔ سین گپتا

مدیر معاون:-
محمدؐ اعظم

جلد نمبر ۲۹	۱۵ فروری سنہ ۱۹۸۴ء	شمارہ نمبر ۴

شری۔ بی۔ جی پانڈے گورنر مغربی بنگال ۲۳ جنوری سنہ ۱۹۸۴ء کو کلکتہ میں نیتا جی سبھاس چندر بوس کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے۔

Chief Editor : S . K . Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and Printed by Impressive Impression 10, Dr. Kartick Bose Street, Calcutta-700 009.

بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں گاندھی جی کے خیالات

از:- پرالودھ بسواس

اپنے ذاتی تجربہ کے پیش نظر بابائے قوم گاندھی جی کو اس بات کا یقین تھا کہ ایک بچہ استعداد اور قابلیت کی بہتری اور ترقی کے لئے تعلیم مناسب طور پر اپنے فرائض انجام نہیں دے سکتی اگر اس بچہ کو اس کی مادری زبان میں تعلیم نہ دی جائے۔ انھیں اس بات کا بھی یقین تھا کہ مادری زبان سے حاصل کردہ تعلیم ایک بچہ کی معاون ہوتی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے وہ اپنے طبقہ کے لوگوں کی زندگی میں پورے طور پر حصہ لے سکتا ہے۔ گاندھی جی نے خود اپنے تجربہ سے اسبابات کی وضاحت کی۔ ان کی مادری زبان گجراتی تھی اور ۱۲ سال کی عمر تک انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنی مادری زبان میں حاصل کی۔ اس سطح تک وہ حساب، تواریخ اور جغرافیہ سے بھی کچھ حد تک واقف ہو چکے تھے۔ ہائی اسکول میں بھی تین سال تک مادری زبان کے ذریعہ انھوں نے تعلیم حاصل کی۔ لیکن چوتھے سال سے انھیں ہر موضوع انگریزی زبان کے ذریعہ سیکھنا پڑا۔ ان کے خیال کے مطابق ان کے لئے یہ ایک "ستون" ثابت ہوا۔ ہائی اسکول میں پڑھتے پڑھتے جب کچھ دن گذر جاتے ہیں تو طلباء کو بہت ساری باتیں زبانی یاد رکھنی پڑتی خواہ ان لوگوں نے ان باتوں کو اچھی طرح سمجھا ہو یا نہیں۔ زیادہ تر طلباء ان باتوں کو اچھی طرح نہیں سمجھ پاتے۔ انھوں نے اس بات کا اعتراف کیا۔ "میرے سر میں درد پیدا ہو جاتا جب ہمارے استاد ہمیں جیومیٹری پڑھاتے اور سمجھاتے جیومیٹری میری سمجھ میں نہیں آتی یہاں تک ہم لوگ جیومیٹری کے ۱۳ ویں تھیورم تک پہنچ گئے۔ یہاں میں ناظرین کے سامنے اس بات کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ جیومیٹری، الجبرا اور اسی طرح کے دوسرے موضوعات کے تکنیکی الفاظ کے مترادف گجراتی الفاظ کیا ہیں۔ اب مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ حساب، جیومیٹری، الجبرا، کیمسٹری اور علم ہیئت کو سیکھنے مجھے چار سال لگے، لیکن اگر میں انھیں انگریزی کی جگہ گجراتی میں سیکھتا تو مجھے صرف ایک سال کی ضرورت ہوتی نیز میں موضوعات کو صاف صاف طور پر اچھی طرح سمجھ بھی لیتا۔"

گاندھی جی کو ایک زبردست رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا اور وہ یہ کہ ذریعہ تعلیم نے ان کے اور ان کے خاندان کے ممبروں، جنھوں نے انگریزی اسکولوں میں تعلیم حاصل نہیں کی، کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی۔ گاندھی جی کے والد گرچہ بہت ذہین شخص تھے لیکن وہ انگریزی کا ایک لفظ بھی نہیں جانتے

گاندھی جی ہمیشہ یہی محسوس کرتے کہ وہ خود اپنی ہی گھر میں تیزی سے اجنبی بنتے جا رہے ہیں۔ عوام کی خدمت کرنے، ان سے بات چیت کرنے میں انھیں انگریزی زبان کا استعمال نہیں کرنا پڑا اگر وہ انگریزی زبان نہیں پڑھتے تو انھیں بہت سی باتوں سے محروم رہنا پڑتا۔ اس کے باوجود انھیں اس بات پر یقین تھا کہ اگر وہ ان قیمتی اوقات کو انگریزی سیکھنے کی جگہ اپنی مادری زبان کو اچھی طرح سیکھنے میں گذارتے تو اپنے پڑوسیوں کے درمیان اپنی تعلیم کی اشاعت کر سکتے۔ وہ گجراتی زبان کو مالا مال کر سکتے اور اس طرح عوام کی بہترین طور پر خدمت کر سکتے۔

ظاہر ہے کہ گاندھی جی انگریزی اور اس کے علم ادب کی اہمیت کو کم کرنا نہیں چاہتے تھے۔ انگریزی سے انھیں کتنی محبت

تو اس کا اندازہ وہ ہر کچھ رسالہ میں چھپے مضامین سے کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ یقین تھا کہ انگریزی ادب کا، جو کہ ایک غیر ملکی سرزمین میں پیدا ہوا ہے، ہمارے دلوں میں جگہ نہیں پا سکتا۔ اس لئے ان کی یہی رائے تھی کہ تمام ہندوستانیوں کو اپنی وراثت کی تعمیر کرنی چاہیئے۔ دوسری زبان سے قرض لینا خود ہندوستان کی اپنی زبانوں کو غریب تر کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ ہندوستانی کبھی غیر ملکی زبان کے ذریعہ ترقی نہیں کر سکتے۔ اس سلسلہ میں گاندھی جی کے خیالات بہت ہی دلچسپ ہیں، "رامچندر، رانا تھ کی لاثانی تخلیقات سے واقف ہونے کے لئے مجھے بنگلہ زبان سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا بہترین ترجمہ مجھے مل جاتا ہے۔ اسی طرح گجراتی لڑکے اور لڑکیوں کو ٹالسٹائی کی مختصر کہانیوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے روسی زبان سیکھنا ضروری نہیں۔ انگریز لوگ تو اس بات پر فخر سے اعلان کرتے ہیں کہ دنیا کی بہترین ادبی تخلیقات تو ان ہی لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ سیکسپیئر اور ملٹن کے خیالات کیا تھے، انھوں نے کیا لکھا، اسے جاننے کے لئے مجھے انگریزی سیکھنے کی کیوں ضرورت ہوگی؟"

یہ کہنا یہاں ضروری ہے کہ ہماری قومی حکومت اسکالروں کی ایک جماعت تیار کرے اور اسے یہ ذمہ داری دے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں سے جو کچھ سیکھنا ہو، ان میں سے جو بہترین ہوں، انھیں وہ سیکھیں اور اپنی اپنی مادری زبان میں ان کا اچھا ترجمہ کریں۔

ہمارے ملک میں ہماری غلط اور غیر سود مند یا شدہ دستاویز تعلیم کے ذریعہ ہمارے ملک میں ہمارے لاکھوں لاکھ لوگوں کے درمیان مسلسل غلط پرچار کیا جا رہا ہے۔ زیادہ تر تعلیم یافتہ لوگ، اسکالر اور اساتذہ جب انگریزی میں گفتگو کرتے ہیں تو اپنے دلی خیالات کو ظاہر کرنے میں اکثر لڑکھڑا جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی مادر وطن میں اجنبی بن گئے ہیں کہ اکثر انگریزی الفاظ کے استعمال کے بغیر وہ تقریر کر ہی نہیں سکتے۔ وہ دوسروں کو انگریزی میں

خیالات رکھتے ہیں۔ اس کمزوری کے سلسلہ میں گاندھی جی نے کہا تھا "اس بات پر بحث کی جاتی ہے کہ ہمارے کالجوں میں جتنی چیزیں بیکار ثابت ہوتی ہیں، ان سے ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اگر ان کالجوں میں ایک جگدیش بوس بھی پیدا ہو جائے تو اگر یہ تعلیم ناگزیر ہے، تو میں مذکورہ باتوں کی تائید کرتا ہوں۔ مزید برآں بوس کے نمودار ہو جانے سے اس بحث میں مدد نہیں ملتی، کیونکہ بوس موجودہ تعلیم کی پیداوار نہیں ہے۔ بہت ساری دشواریوں پر قابو پا کر وہ نمودار ہوئے۔ لیکن ان کا علم عوام کے لئے غیر ترسیل پذیر بن گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ کوئی بھی شخص بوس نہیں بن سکتا، اگر اسے انگریزی معلوم نہ ہو۔ میرے خیال میں اس سے بڑی توہم پرستی ہو نہیں سکتی۔"

گاندھی جی اس بات کی تائید کرتے تھے کہ صوبائی زبانوں کو ان کی حق بجانب جگہ دی۔ اس کے لئے انھوں نے اس بات کو ترجیح دی کہ انگریزی میڈیم کے ذریعہ جابرانہ قبضہ سے مادری زبان کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم میں کچھ عارضی دشواریاں کہیں بہتر ہوتی ہیں۔ صوبائی زبانوں کی حیثیت اور اہمیت کو بڑھانے کے لئے گاندھی جی نے اس رائے کا اظہار کیا عدالتوں کی زبان اس صوبہ کی زبان ہونی چاہیئے جہاں یہ واقع ہیں۔

ہمارے سماج کے سربرآوردہ لوگوں کو یہ جان کر دھکا لگے گا کہ گاندھی جی نے ذریعہ تعلیم کے سوال کا فیصلہ کرنے کے لئے عالموں کو حق دینے سے انکار کیا تھا۔ گاندھی جی نے اس سلسلے میں کہا تھا، "میرے خیال میں یہ ایسا سوال نہیں ہے کہ جس کا جواب عالموں کو دینا ہے۔ وہ سب اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ایک جگہ کے بچوں اور بچیوں کو کس زبان کے ذریعہ تعلیم دی جائے۔ ہر آزاد ملک میں ان کے لئے اس سوال کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ نیز وہ اس بات کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ بچوں کو کن کن موضوعات کی تعلیم دی جائے۔ اس بات کا انحصار اس ملک کی، جہاں بچے رہتے ہیں، ضرورتوں پر ہے۔ قومی رضا کو بہترین طریقے سے بروئے کار لانے کا یہ ایک ذریعہ ہے۔ جب یہ ملک آزاد ہو جائے گا تب ذریعہ تعلیم

کا سوال یک طرفہ حل ہو جائے گا۔ اور علما اسی کے مطابق نصاب اور
کتابیں تیار کریں گے۔ آج جس طرح غیر ملکی حکومت کی ضرورت کو تعلیم
کے ذریعہ پورا کیا جا رہا ہے اسی طرح آزادی کے بعد ہندوستان
کی تعلیم بھی اس ملک کی ضرورتوں کو پورا کرے گی جب تک کہ ہم تعلیم یافتہ طبقہ
کے لوگ اس سوال سے کھیلتے رہیں گے اس وقت تک مجھے ڈر ہے ہم اپنے تصور کا خود مختار، آزاد اور متحد
ہندوستان پیدا نہیں کر سکیں گے۔ (ہریجن ۹ جولائی سنہ ۱۹۳۸ء)

گاندھی جی خاص طور پر بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں
انگریزی میڈیم کے ذریعہ تعلیم دینے کے شدید مخالف تھے۔
اس سلسلہ میں ان کا کہنا ہے کہ "مجھے یقین ہے کہ قوم کے بچے جو
اپنی مادری زبان کے علاوہ دیگر زبان میں تعلیم حاصل کرتے ہیں،
وہ میرے خیال میں گویا خودکشی کرتے ہیں۔ یہ ان کا پیدائشی
حق ان سے چھین لیتا ہے۔ ایک غیر ملکی زبان کے معنی یہ ہوئے کہ بچوں
پر بہت زیادہ دباؤ پڑتا ہے۔ یہ ان کی اصلیت سے انھیں بے بہرہ کر
دیتا ہے۔ ان کی پرورش پر اس تعلیم کا اثر ہوتا ہے اور انھیں
ان کے گھروں سے الگ تھلگ کر دیتا ہے۔ اس لئے میں
اسے بہت ہی اہم قومی المیہ سمجھتا ہوں۔"

(سیلون میں گاندھی جی کے ساتھ، صفحہ ۱۰۶)

گاندھی جی مزید رقمطراز ہیں کہ "غیر ملکی زبان کے واسطہ سے
دماغی پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں اور یہ ہمارے بچوں کے اعصاب پر حد
سے زیادہ دباؤ ڈالتی ہیں اور انھیں رٹو اور نقال بنا کر اصل اور
کام کاج اور خیالات سے محروم کر دیتی ہیں اور اس طرح جو کچھ وہ سیکھتے
ہیں اسے عوام تک یا اپنے خاندان تک پہنچا نہیں سکتے۔ غیر ملکی
زبان کے واسطہ نے ہمارے بچوں میں خود ان کے اپنے وطن میں تقریباً غیر ملکی
بنا دیا۔ موجودہ نظام کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے۔ غیر ملکی زبان کے میڈیم نے ہماری اپنی زبانوں کی ترقی کو
روک دیا۔ اگر میرے پاس مطلق العنان کے اختیارات ہوتے تو میں اپنے بچے اور
بچیوں کا غیر ملکی زبان کے واسطہ سے تعلیم بند کر دیتا اور تمام ٹیچروں
اور پروفیسروں سے کہتا کہ وہ مادری زبان میں تعلیم دینا شروع کریں
اور اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔
میں اس کے لئے ٹیکسٹ کتابوں کی تیاری کا بھی انتظار نہیں کروں گا۔
اس تبدیلی کے بعد باقی چیزیں خود بخود بدل جائیں گی۔ (ینگ انڈیا، یکم
ستمبر ۱۹۲۱ء)۔

ہم لوگوں کی طرح غریب قوم کے بچوں پر انگریزی یا کوئی غیر ملکی
زبان لادنے سے ان بچوں کی قدرتی ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ پیدا ہوتی
ہے۔ شاید یہ ان بچوں کی قوت تخلیق کو ختم کر دیتی ہے۔ شروع میں یادداشت
کی بہتری اور ترقی میں تربیت دینے کے لئے ہم ایک زبان سیکھتے ہیں۔
چنانچہ شروع میں ہی انگریزی یا دیگر غیر ملکی زبان کا سیکھنا بچوں
پر غیر ضروری بوجھ لاد دیتا ہے۔ بچہ اپنی مادری زبان نہ سیکھ کر یہ
غیر ملکی زبان سیکھتا ہے۔ اسی لئے گاندھی جی شہری ساتھ ہی
دیہی بچوں کے لئے یہ ضروری سمجھتے تھے کہ مادری زبان پر ہی ان کی ترقی کی
پختہ بنیاد قائم کی جائے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ بنگال میں
اس حقیقت اور سچائی کو اسکالروں اور عالموں کے سامنے ثابت کرنے
کی ضرورت ہوتی ہے۔

گاندھی جی نے بچوں کی تعلیم میں مادری زبان رائج کرنے کی لازمی
ضرورت کو محسوس کیا۔ اس سلسلہ میں ان کا کہنا ہے کہ "اگر وہ
لوگ جن کے ذمہ نوجوانوں کی تعلیم ہے، غور کریں تو انھیں معلوم
ہوگا کہ انسانی ذہن کی ترقی کے لئے مادری زبان اتنی قدرتی ہے جتنا
بچوں کی جسمانی بہتری کے لئے ماں کا دودھ۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات
ہو ہی نہیں سکتی۔ بچہ اپنا ماں سے پہلا سبق حاصل کرتا ہے۔ اس
لئے میں مادر وطن کے خلاف اس بات کو ایک گناہ تصور کرتا ہوں اگر اس کے
بچوں پر ان کی ذہنی اور دماغی ترقی کے لئے ان پر ان کی مادری زبان
کے علاوہ کوئی دوسری زبان لادی جائے۔ (میڈیم آف انسٹرکشن از ایس۔
این۔ اگروال، الہ آباد، میں گاندھی جی کا پیش نامہ ۱۸ ر مارچ ۱۹۲۹ء)

گاندھی جی بلا جھجک انگریزی کو ایک بین الاقوامی تجارت اور
فن سفارت کی زبان کی حیثیت سے تسلیم کرتے تھے۔ یہ زبان بہت
زیادہ ادبی خزانہ سے بھرپور ہے اور اس کے مطالعہ سے ہمیں مغربی
ثقافت اور خیالات کی بابت اچھی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مغربی
دنیا کی سائنسی ترقی سے ہم واقف ہوتے ہیں۔ اس لئے انگریزی کا جاننا
ضروری ہے یقیناً صرف چند لوگوں کے لئے، سبھوں کے لئے نہیں۔
ایسے کیسوں میں انگریزی کی ضرورت پوچھ گچھ سے باہر ہے۔ لیکن کیا
ہم اسی بات کی بنیاد پر ہمارے دلوں میں اپنی مادری زبان کی جگہ

انگریزی کو جگہ دیں گے۔ انگریزوں سے ہمارے جو تعلقات ہیں ان کے پیش نظر انگریزی کے لئے بھی یہ غیر قدرتی جگہ ہوگی۔ اس سلسلہ میں گاندھی جی یوں رقمطراز ہیں کہ ہندوستانی دماغ کی اعلیٰ ترین ترقی انگریزی علم کے بغیر بھی ممکن ہے۔ ہمارا یہ اقدام ہندوستان کے مردوں اور خاص طور پر عورتوں کے بیمار ہونے کے برابر ہے اگر ہم اپنے لڑکے اور لڑکیوں کا یہ سمجھنے کی ہمت افزائی کریں کہ انگریزی جانے بغیر بہترین سوسائٹی میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ سوراج کے لئے یہ لازمی ہے کہ انگریزی کے لئے اس غلامانہ حرکت کو دور کیا جائے۔"

انگریزی۔ بنیادی تعلیمی نظام نے انگریزی تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو ان کے تمدنی وسائل سے محروم کردیا اور ان میں سے بہت سارے لوگوں کو نقل کرنے والوں کی جماعت میں تبدیل کردیا۔ ہندو برطانیہ ثقافتی تعلقات میں دراڑ کر کے ہندوستانی زبانوں کو الگ تھلگ رکھنے کا کام ایک افسوسناک باب ہے۔ بنگلہ نشاۃ ثانیہ جس کی بابت یقین سے کہا جاتا ہے کہ یہ ثقافتی اتحاد سے عالم وجود میں آیا ہے، عوام پر گہرا اثر ڈال سکتا۔ اگر ملک میں اس وقت مادری زبان پر مبنی تعلیم کا نظام ہوتا۔ زبان کی حد بندی کی وجہ سے عام لوگوں تک سربراہوں کی باتیں پہونچ سکیں۔ اس حقیقت نے کہ کوئی بھی ملک نقال پیدا کر کے ترقی کر سکتا ہے اور نہ ایک صحیح قوم بن سکتا ہے، گاندھی جی کو یہ کہنے پر مجبور کیا کہ بہت ساری کمزوریوں کے باوجود میں اپنی مادری زبان سے اسی طرح چپکا رہوں گا جس طرح میں ماں کے سینے سے چپک جاتا تھا۔ یہی مجھے تقویت پہونچا سکتی ہے۔ انگریزی اپنی جگہ پر ایک زبان ہے اسے میں تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن اگر یہ اس جگہ کو دخل کرے جو اس کی نہیں ہے تو یقیناً میں اس کا شدید مخالف ہوں۔ بلاشبہ انگریزی ایک عالمی زبان ہے۔ اسی لئے میں اسے دوسری یا اختیاری زبان کی حیثیت سے اسکول میں نہیں بلکہ یونیورسٹی کورس میں جگہ دونگا۔ یہ صرف چند لوگوں کے لئے ہوگا۔ لاکھوں لوگوں کے لئے نہیں" (ہریجن، ۲۵ اگست ۱۹۴۶ء)

ملکی سطح پر مفت ابتدائی تعلیم رائج کرنے کے سلسلے میں ہمارے ہم مقصد کبھی بھی مکمل نہیں ہوسکے۔ آزادی کے تیس سال بعد بھی ہم ہماری آبادی کا بڑا حصہ اسی میں عوام کے درمیان تعلیم کی اشاعت میں ناکام رہے ہیں۔ ہمارے ملک میں جب تعلیم کی یہ حالت ہے تو اس وقت چند لوگوں کے لئے انگریزی سکھانے پر کروڑوں روپے خرچ کرنا بے معنی سی بات ہو جاتی ہے۔ ہم اس بات کو محسوس کر رہے ہیں کہ گاندھی جی جو ہماری قوم کے ایک معمار نے ہندوستانی قومی تعلیمی نظام کی صحت اور فروغ کے لئے جو راہ دکھائی تھی، اس سے ہم لوگ دور ہوتے جا رہے ہیں۔ میرے خیال میں یہ قومی لحاظ سے بدترین درجہ کی نافرمانی ہے۔

بقیہ :- فلمیں اور سرکاری قوانین

تبدیلیاں لائی جا سکتی ہیں کہ ان آن گنت اعتراضات کے درمیان ہم ایسے نتائج پر پہونچیں جن سے ان اعتراضات کی تصحیح کر سکیں۔ لیکن ہم لوگ بدل چکے ہیں۔ ہم لوگ ضدی ہیں، ہم لوگ بے چین ہیں اور اس تباہ کن دور میں رہتے ہوئے ہمیں اس صورتحال کا مقابلہ کرنا چاہیئے، اور اس کے لئے ہمیں آزادی کی ضرورت ہے۔ یہاں ایک فلم تیار کرنے والے کی حیثیت سے میں سیاسی آزادی کے حق میں ہوں اور دیگر اقدامات بھی یہ اقدام لازمی ہے لیکن مسٹر کھوسلہ نے اس کا ذکر اپنی رپورٹ میں نہیں کیا۔ وہی بہتر طور پر اس کی وجہ بتا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ سنسر شپ کے قوانین اب تک تشریح کی رہی ہیں۔ ایک شخص اپنی سمجھ کے مطابق ایک خاص قانون کا ایک مقصد نکالتا ہے لیکن دوسرے اس کی دوسری تشریح کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک خاص فلم کے سنسر کرتے وقت جو اعتراضات کئے جاتے ہیں اور سنسر بورڈ کے مختلف افراد جن باتوں کی سفارشات کرتے ہیں انھیں اکثر انفرادی پسند اور ناپسند کہا جا سکتا ہے سماجی لحاظ سے مختلف فلموں خاص طور پر غیر سیاسی فلموں پر مذکورہ بالا طریقہ کار سے کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ لیکن مختلف قسم کی فلموں کے لئے، جن میں ہمارے وقت کے جذبہ کی جھلک ملتی ہیں، ہمارے موجودہ قوانین کی مناسب طور پر تشریح کرنا چاہئے ورنہ اگر انفرادی تشریح کے لئے کوئی جگہ رکھی گئی، تو ممکن ہو سکتا ہے کہ اس سے پریشانی پیدا ہو۔

از۔ خواجہ مسعود

پیکاسو جدیدیت کا علمبردار

جب جمہوریت پسند لوگ فرانکو کے فاشسٹ فوجیوں کے خلاف انتہائی بہادری کے ساتھ لڑ رہے تھے تو اس وقت پیکاسو نے امریکن آرٹسٹ کانگریس کے پاس ایک پیغام بھیجا جس میں انھوں نے امریکن آرٹسٹوں کے کردار کا یوں ذکر کیا "میں نے ہمیشہ اس بات پر یقین کیا اور اب بھی کرتا ہوں کہ آرٹسٹ جو روحانی قدروں کے ساتھ زندہ رہتے ہیں اور کام کرتے ہیں وہ ایک ایسے تنازعہ میں جہاں انسانیت اور تہذیب کے اعلیٰ ترین قدروں کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے، خاموش نہیں رہ سکتے" ان کا آرٹ ان باتوں کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ انھوں نے بیسویں صدی کے ضمیر اور بیداری کے میدان جنگ سے ایک مراسلہ نگار کی حیثیت سے خود کو ثابت کر دکھایا۔

آزادی کے سلسلہ میں ان کے فرائض کیا ہیں، اس بات کو ثابت کرنے کے لئے انھوں نے بیسویں صدی کی سب سے زیادہ مشہور پینٹنگ کی مصوری کی۔ پیکاسو نے کالج سے جو کچھ سیکھا تھا انھیں اپنی پینٹنگس میں استعمال میں لایا یعنی انھوں نے "گورنیکا" کے خوف کے اظہار کے لئے اپنی مصوری میں صفائی، تمثال اور تاثیر کے ہر طریقہ کار کا استعمال کیا۔ ایک چلاتی ہوئی عورت کا بہتا ہوا سر، مایوسی میں اپنے بازوؤں کو پھیلاتے ہوئے شخص، اپنے ایک پاؤں کو اپنے پیچھے چھوڑ کر آگے کی طرف بھاگتی ہوئی عورت، ایک گھوڑا کا جس کا منہ کھلا ہوا ہے، درد اور چراغ کو پکڑے ہوئے ہاتھ، کراہتا ہوا بیل، اپنے بچہ سے چمٹی ہوئی عورت، انگلیوں کے پیچیدہ گچھے ۔ یہ تمام دیکھنے والوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کرتے ہیں۔ کبھی اس کے ساتھ ہی دیگر اقسام کی مصوری بھی ہے جیسے ایک ہیرو کا کٹا ہاتھ، ہیرو زمین پر پڑے ہوئے اور ٹھیک اس کے ہاتھ کے اوپر چھوٹے پودہ کی پتیوں سے وہ تلوار پکڑے ہوئے ہے۔ ان کے علاوہ ایک بجلی بتی بھی ہے جو بجھی بجھی روشنی پھیلا رہی ہے۔

لاکھوں لوگوں نے اس پینٹنگ کو دیکھا اور انھوں نے فاسزم کے خلاف لکھی گئی درجنوں کتابوں کے مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فاسزم کے خلاف ابھارا۔ جب وہ گورنیکا پر کام کر رہے تھے کہ ایک افواہ پھیلی کہ انھیں فرانکو سے ہمدردی ہے تو انھوں نے ایک بیان شائع کیا جس میں انھوں نے کہا "میرے بارے میں ایک لمحہ کے لئے کوئی ایسا کیوں سوچ سکتا ہے۔ گورنیکا میں، نیز میری تمام حالیہ مصوری میں میں نے فاسسٹوں کے خلاف اپنے شدید جذبات کا اظہار کیا تھا" پیکاسو نے اس بات کا بھی اعلان کیا کہ کہاں ان کی تصویر واقعی پینٹنگ کو جانا ہے۔ ان کی تصویریں نیویارک کے میوزیم آف ماڈرن آرٹ میں آویزاں تھیں۔ اس میوزیم نے ان تصویروں کو بطور قرض لیا تھا، انھوں نے کہا کہ ان تصویروں کو آخر میں اسپین میں ہی جانا ہے۔ سنہ ۱۹۶۹ میں فرانکو کے حاشیہ نشینوں نے پیکاسو کو مطلع کیا کہ فرانکو کی یہ خواہش ہے کہ ماڈرن آرٹ کے نئے میڈرڈ میوزیم میں ان کی پینٹنگس آویزاں کی جائیں، پیکاسو نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا اور یہ اعلان کیا، "یہ پینٹنگس اسی وقت اسپین جائیں گی جب وہاں جمہوری آزادی برقرار ہو جائے گی۔" اب جبکہ اسپین فاشزم کی لمبی اور خوفناک راتیں گذر گئیں، "گورنیکا" کو اسپین میں واپس لایا گیا

دوران ۲۵ اکتوبر کو اعلان کر دیا گیا۔ اس دن وہاں پکاسو کی صد سالہ سالگرہ بھی منائی گئی۔ فسطائیت کے خلاف پکاسو کے خیالات تمام بنی نوع انسان کے لیے پیغام بن گئے تاکہ وہ سب اس بات کا خیال رکھیں کہ فسطائیت کبھی کسی بھی شکل اور صورت میں نمودار نہ ہو سکے۔

بلاشبہ رجعت پسندی کے خلاف ان کی دلیرانہ جدوجہد خود ان کی پینٹنگس سے عیاں ہو جاتی ہے۔ جیسے یہودیوں کو ایک جگہ رکھنے کے کیمپ میں نازیوں کے ظلم کے خلاف 'لاش گھر' (سنہ ۱۹۴۵ء)، کوریا میں قتل عام (سنہ ۱۹۵۱ء)، جنگ اور امن (۱۹۵۲ء) وغیرہ۔ نیز سرد جنگ کی انتہائی شدت کے دوران اس کی تصویر 'امن کا فاختہ' (سنہ ۱۹۴۸ء) نیوکلیائی جنگ کی عالمگیر بربادی کے خلاف ساری دنیا کے لوگوں کو متحد کرنے کے لیے، عالمی امن تحریک کا پیامبر بن گیا۔ امن کا فاختہ، پانچوں براعظموں پر خوشی خوشی لہرا رہا ہے۔ 'گورنیکا' نے فسطائیت کی موت کی گھنٹی بجائی تو دوسری طرف 'فاختہ' دنیا کے سارے لوگوں کے لیے امن، ترقی اور خوشحالی کے شاندار مستقبل کی طرف شاندار طریقے سے پرواز کر رہی ہے۔

دوسری عالمی جنگ کے دوران جب پیرس نازیوں کے قبضہ میں تھا، تو اس وقت پیرس میں ٹھہرنا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا۔ لیکن پکاسو پیرس میں ٹھہرے اور مزاحمت کی علامتی طاقت بن گئے۔ اس وقت ان کی ملاقات مزاحمت کے عظیم سپہ سالار دینے کا سانژ سے ہوئی۔ کا سانژ کی بیوی ڈومینک کا سانژ کو نازیوں نے مار ڈالا تھا۔ کا سانژ نے ایک فرانسیسی شاعر پال الوار کی مدد سے پکاسو کے گھر کے پاس ہی ایک جگہ پوشیدہ طور پر رہنے لگے۔ کا سانژ نے نہ صرف پکاسو کو بلکہ بہت سارے عالم فاضل لوگوں سے کہا کہ وہ سب کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دو عزیز دوستوں یعنی عظیم فرانسیسی شاعر لوئی آراگوں اور پال الوار نے پکاسو کی تبدیلی میں اہم کردار ادا کیا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہوئے، تو انھوں نے جواب دیا "میں کمیونسٹ پارٹی کے پاس اس طرح آیا ہوں جیسے ایک شخص چشمہ کی طرف جاتا ہے"۔ اپنی زندگی کے آخر تک وہ فاسزم اور شہنشاہیت کے زبردست مخالف رہے۔

اگر آرٹ کے کورس کو بدلنے والا اور اس دنیا کو انقلابی نظر سے دیکھنے والا ایک ہی شخص ہے تو وہ ہے پکاسو۔ وہ بہت ہی دلکش، راست باز اور ہمہ گیر آرٹسٹ تھے۔ ہر حکمراں کی خواہشات

نے اپنا اثر چھوڑا۔ سنہ ۱۹۰۷ء سے جب انھوں نے 'لا ڈی موسیلز ڈی اویگنون' پینٹ کر کے مغربی آرٹ کی روایتی خوبیوں پر حملہ کرنا شروع کیا، تو انھوں نے ایک نئے دور — جدید آرٹ کے دور کا آغاز کیا۔ ان کی پینٹنگس کی شکل کتنی مسخ شدہ کیوں نہ ہو، ان کے رنگ کتنے متشدد اور چمکدار کیوں نہ ہوں، انھوں نے ان کے ذریعہ بہت سارے لوگوں پر اپنے خیالات کا پرچار کیا، یہاں تک کہ ساری دنیا کی توجہ ان کی طرف مرکوز ہو گئی۔ یورپ والی دنیا کی ٹکر ٹوٹنے سے ان کی بہت ساری قدریں ادھر ادھر بکھر گئیں، نیز اس افراتفری کے عالم میں پکاسو نے بکھری ہوئی چیزوں کو اکٹھا کرنا شروع کیا تاکہ ان سے کچھ نئی چیز بنائی جائے۔ وہ ہمیں یہ دکھانا چاہتے تھے کہ افراتفری کے عالم میں بھی، نیز منتشر ٹکڑوں سے بھی نئے خیالات، نئی قدریں، دنیا کو دیکھنے کے لیے نیا زاویہ نظر پیدا ہو سکتا ہے اور ہوگا۔

پکاسو ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم مصوری کو ایک نئی روشنی میں دیکھیں۔ وہ ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم اپنے باطن کے تجربات کو جنھیں ہم محسوس کرتے ہیں لیکن جن کا اظہار نہیں کر سکتے، زیر غور رکھیں۔ وہ ہمیں ایسی چیز دکھاتے ہیں جس پر ہم نے سطحی طور پر غور کیا لیکن اسے کبھی بھی آرٹ کا موضوع نہیں سمجھا۔ مثال کے طور پر کسانوں اور ماہی گیروں کے، جو اپنے کندھوں پر انسانیت کا بوجھ لیے پھرتے ہیں، بدنما پاؤں، اس کے پینٹنگس میں بار بار دکھائے گئے ہیں۔ اپنی زندگی بھر انھوں نے، خواہ ان کی مصوری کا طرز کیسا ہی کیوں نہ ہو، ہمیشہ اپنی مصوری میں مظلوم اور غریبوں کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور ان کے نیلے یا گلابی عرصہ میں سرکس کے لوگوں کے دبلے پتلے جسم یا بھوکے بھکاریوں کا نقشہ ملتا ہے۔ اس کے بعد کے عرصہ میں گورنیکا میں کشت و خون دیکھتے ہیں، لیکن ان تمام موقعوں پر پکاسو آگے آگے رہے، اور کبھی تجربہ کی خاطر اسے نہیں چھوڑا۔

پکاسو ایک ایک آتش فشاں پہاڑ کی مانند تھا جو ہمیشہ پھوٹتا رہتا، اور ان کی ۵۰۰۰ پینٹنگس، ۳۴۰۰۰ ڈرائنگ، ایک لاکھ لیتھوگراف اور ۳۰۰ مجسمے اس بات کے گواہ ہیں۔ اس کے باوجود ان کا آرٹ اس بات کا گواہ ہے کہ کبھی بھی منتشر آرٹ نہیں ہوتا۔

رشید قریشی

فانی صاحب کی ایک غزل

میری فوقانی تعلیم کا ایک سال دارالشفا ہائی اسکول میں گزرا۔ اس وقت فانی صاحب اس اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اور چونکہ ہیڈ ماسٹر کو بھی کچھ نہ کچھ پڑھائی کا کام کرنا پڑتا تھا وہ فوقانی جماعتوں کو انگریزی پڑھاتے تھے۔ وہ نہ صرف ہیڈ ماسٹر تھے بلکہ ایک مشہور شاعر بھی تھے۔ اس لئے ان کے گھنٹے میں ایک عجیب خاموشی طاری رہتی۔ وہ جب کمرہ میں داخل ہوتے سب کھڑے ہوجاتے اور وہ کرسی پر بیٹھ جاتے تب ہی اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھتے۔ یہ عمل اس احتیاط اور خشوع و خضوع کے ساتھ ہوتا جیسے نماز کے ارکان ادا ہو رہے ہیں۔ فانی صاحب سیپ کی گنڈیاں لگی سلک کی شیروانی پہنتے اور سر پر ہلکے سرخ رنگ کی رومی ٹوپی ہوتی۔ ان کا چہرہ خاص طور پر بہت متاثر کن تھا۔ پیلی پیلی افسردہ رنگت، ستواں ناک، سوچتی ہوئی سوجھی سوجھی آنکھیں۔ ان سے کبھی آنکھیں چار ہوتیں تو یہ محسوس ہوتا وہ دیکھ تو رہے ہیں۔ لیکن جس کو دیکھ رہے ہیں وہ ان کو نظر نہیں آرہا ہے۔ وہ پڑھاتے بھی اس طرح تھے جیسے اس کام میں انہیں دلچسپی نہیں۔ بس ایک فرض ہے جو ادا ہو رہا ہے۔

فانی صاحب سنبھل کر پوری جماعت پر ایک اچٹتی نظر ڈالتے اور اس وقت جماعت کا مانیٹر کھڑے ہو کر کتاب کھولتا اور اس دن کے سبق کی نشاندہی کرتا۔ یہ مانیٹر پورا چھ فٹ اونچا ہٹا کٹا اور کالا عمر کا طالب علم تھا اور اسکول میں اس کا صرف یہ کام تھا کہ فٹ بال کے میچوں میں گول کیپر بنا رہے اور ہر امتحان میں ناکام ہوتا رہے۔ وہ مسلسل چار سال سے اسی جماعت میں تھا لیکن اکثر تاثر تھا کہ مانیٹر کی خاطر ناکام ہوتا چلا جا رہا ہے ورنہ کامیاب ہونا کون سا مشکل کام ہے۔ جونہی مانیٹر کھڑا ہو جاتا تو فانی صاحب دھیمے خشک لہجہ میں کہتے "افضل! تمہیں کھڑے رہنے کی ضرورت نہیں۔ بیٹھے بیٹھے ہی جو کچھ کہنا ہو کہہ دیا کرو۔" لیکن فانی صاحب ذرہ برابر بھی مسکراتے نہ تھے۔ ایک دن مانیٹر نے جماعت میں اعلان کیا کل سب کو حاضر رہنا ہے کل فانی صاحب اپنی غزل

مالِ سوزِ غمہائے نہانی دیکھتے جاؤ
بھڑک اٹھا ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ

کا مطلب سمجھانے والے ہیں۔

جس زمانہ کی یہ بات ہے اس وقت شاعر کا کلام عام طور پر طربیہ محفلوں میں گانے کی "چیز" سمجھا جاتا تھا اور کسی شاعر کی مقبولیت کا معیار یہی تھا کہ اس کا کلام طوائفیں گاتی ہیں یا نہیں۔ مجھے یاد ہے شادی کی ایک صبح تا نصف النہار دعوت میں طائفہ کا انتظام تھا۔ دولہا مسند پر بیٹھا تھا اور اس کے اطراف اس کے خوش مزاج نوجوان دوست شوخ فقرہ بازیوں اور شریر حرکتوں سے دھوم مچا رہے تھے کسی کی فرمائش پر گانے والی نے فانی صاحب کی یہی غزل چھیڑی، گانے والی بہت خوش آواز اور بہت زیادہ خوبصورت تھی جب وہ اس شعر پر پہنچی۔

اک اٹھا شورِ ماتم آخری دیدار میت پر
اب اٹھا چاہتی ہے لاشِ فانی دیکھتے جاؤ

تو ایک منچلے نے دولہے کی دستار میں دس کا نوٹ پھنسا دیا، گانے والی گانے والی اشارہ پاکر ایک اندازِ مستی میں بل کھاتی اٹھو کر کھاتی ہوئی اور اٹھلاتی دولہے کی طرف بڑھنے لگی۔ سارنگی نواز بھی سارنگی اٹھایا اس کے پیچھے چلنے لگا، اب اٹھا چاہتی ہے۔ لاشِ فانی۔ اور گانے والی دولہا کے مقابل لیٹ گئی اور اپنے چہرہ کو زندگانی

بڑے بڑے گھنگھروں والے پلو سے اس طرح ڈھانپ لیا کہ ایک آنکھ ہی کے باہر نکلی رہی۔ اس کھلی آنکھ نے نجانے کیا جادو کیا کہ محفل یکایک ہزاروں آنکھیں جو اپنے اپنے کاموں میں بظاہر مصروف نظر آتے تھے سب کی سب اس پر آ لگے اور کچھ چاہتا نہ چھپتے یا گاہک اور تماش بین زور شور سے مشاق ادا تو ہیں ہو رہے کہتے یہ ظاہر کرنے کے لئے یہ کام بھی ان کے بس میں ہے۔ [illegible] کی جھلک ہر یاں کی خوشبو کو بے اڑی تو کچھ سنجیدہ رنگ بھی کسی نہ کسی بہانے آ موجود ہوئے۔ کمر کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر وہ سیدھا کھڑے ہونے کی کوشش کرتے اور یہ اندازہ لگانا مشکل نہ ہوتا کہ جب تک یہ گانے والی گاتی رہے گی ان کی خمیدہ کمر سیدھی ہوا رہے گی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ زنانہ سے نوجوان لڑکیاں روتے ہوئے چہرے سے گھونگھٹ ہٹا کر کمروں میں سے آ گئیں اور رونے کی آواز کو دبانے کے لئے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر گانا سنتی تھیں۔ اب وہ اٹھا چاہتی ہے والی خالی اور گانے والی آگے کو سر کا کر دوزانو بیٹھ گئی۔ وہ کچھ جھکی ہی تھی کہ دولہا کے دوستوں کے سر دولہا کے سر سے پھر گئے۔ سر دولہے اس جھکنے کو اپنے سر سے اتار کر گانے والی نے اپنے ہونٹوں سے دس روپیہ کا نوٹ اٹھا لیا۔ اس لوٹ کر ساری محفل لٹا کر جیب میں ڈالتے ہوئے وہ شرمائی، بال سنوارتی اپنی جگہ آ بیٹھی۔ دولہا محفل ہنسی ہنستے ہنستے اپنی سرخ دستی سے چہرہ کا پسینہ پونچھتا رہا۔

محفل لطف و سرور کی بلندی سے ڈھلان پر آ رہی تھی۔ گانے والی تالی بجاتی بجاتی ایک لمحہ کے لئے رکی . . . . . . اور منہ پھیر کر پلو کی آڑ میں ہو گئی اور پھر پلو آہستہ آہستہ سرکنے لگا۔

سنے جاتے نہ تھے تم سے میرے دن رات کے شکوے . . .
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ۔ دیکھتے جاؤ . . . . قرار و شکیب کے بندھن ٹوٹ گئے۔ کسی نے آہ بھری کسی نے دل تھاما، گلا رندھنے لگا۔

آہ و بکا کا طوفان تھمتا رہا اور گانے والی گاتی رہی۔
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ۔
خوشی یا غم کا اثر قبول کرنے میں انسان کا رویہ کبھی کبھی

ناقابل فہم ہو جاتا ہے۔ خوش رہے گا تو غم کو بھی خوشی کا رنگ دے لیگا غمزدہ ہو گا تو خوشی کو بھی غم بنا لیگا لیکن فانی صاحب کا معاملہ کچھ مختلف تھا۔ اسکول میں مشہور تھا کہ ان کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی۔ وہ وقت سے پہلے ہی چل بسی تو انہوں نے اس صدمہ کا اتنا اثر لیا کہ اپنی شاعری کو اپنے غم کا ذریعہ اظہار بنا لیا۔ ایک ہمارے استاد رضا صاحب تھے وہ فانی صاحب کو مرگ شاد کا رونے والا شاعر کہتے تھے لیکن افضل الدین مانیٹر کہتا تھا "فانی صاحب اپنے گھر میں ہنسی خوشی رہتے ہیں دوستوں سے گپ شپ ہوتی ہے شعر شاعری چلتی ہے بالکل پتہ نہیں چلتا ان کو اپنی بیوی کے مر جانے کا غم ہے۔ میں خود انہیں ایک دن ان کے گھر میں دیکھ آیا ہوں وہ کچھ سنجیدہ ہو کر کہنے لگے "یہ سب شاعروں کی شاعری ہے ریاض خیر آبادی کا نام سنا ہے؟" ہم پوچھتے "وہ کس اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں؟" افضل الدین مانیٹر اپنی معلومات کا رعب جمانے لگتا "وہ بھی ایک شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں شراب بہتی ملے۔ شراب خانہ آباد رہتا ہے لیکن ان کی تصویر دیکھو تو اتنی بڑی داڑھی کہ اگر پیشانی سے شروع ہو تو پورا چہرہ ڈھک جائے۔ یہ اپنے فانی صاحب کا غم بھی ایسا ہی ہے۔ شاعری کی خاطر۔ لیکن ہمارے شعور کی رسائی تو صرف اس حد تک تھی کہ ان بیچاروں کی بیوی مر گئی ہے۔ فانی صاحب کمرہ میں داخل ہوتے سب آرزومندانہ عقیدت کے ساتھ کھڑے ہو گئے وہ بیٹھ گئے تو مانیٹر نے کتاب کھول کر سامنے رکھ دی اور مسکراتے ہوئے کہا" صاحب آج آپ کی اس غزل کا مطلب سنیں گے۔" مانیٹر اپنے آپ کو استادوں کا بھی مانیٹر سمجھتا تھا اس لئے کبھی فانی صاحب کے آگے بھی ڈھیٹ ہو جاتا تھا۔ اس نے ہم سبھوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ فانی صاحب گردن جھکا کر اپنی غزل پڑھنے لگے۔ اس کے بعد کسی گہری سوچ میں پڑ گئے۔ ایک ٹھنڈی سانس بھری بھر اور مقابل کی دیوار تکنے لگے۔ ایک جھرجھری انہوں نے لی اور پہلی بار ان کے ہونٹوں پر سے مسکراہٹ کا سایہ سا گزر گیا۔ انہوں نے ورق الٹ دیا۔ ہم سب سوالی نظروں سے مانیٹر کو دیکھنے لگے۔ فانی صاحب کچھ کہنے ہی کو تھے کہ وہ کھڑا ہو گیا۔ صاحب ہم سب آپ سے اس غزل کا مطلب سننے کے منتظر ہیں اور آپ؟ فانی صاحب نے ٹوک دیا۔ بیٹھ جاؤ افضل الدین اور جماعت سے مخاطب

ہوئے" میں اپنی کسی بھی غزل کا مطلب نہیں سمجھاؤں گا۔ آئیے آج اس غزل کے بعد جو غزل ہے "مانیٹر پھر کھڑا ہو گیا" صاحب آپ کیا ہم سے ناراض ہو گئے ہیں"۔ فانی صاحب نے کھنویں چڑھالیں نہیں یہ بات نہیں میں اپنے اشعار کا مطلب اس لئے نہیں بتانا چاہتا کہ اگر میں ایسا کروں تو میرے اشعار کے مطلب محدود ہو کر رہ جائیں گے لوگ بعد میں کہیں گے خود فانی نے اس شعر کا یہ مطلب بتایا ہے اب اس کا کوئی دوسرا مطلب مستند قرار نہیں پاسکتا"۔ مانیٹر نے بیٹھے بیٹھے کہا "تو پھر جانے دیجئے، کچھ بھی نہ پڑھائے" فانی صاحب کا چہرہ کا رنگ سرخ ہونے لگا۔ انہوں نے مانیٹر کی طرف پلٹتے ہوئے کہا "افضل الدین کھڑے ہو جاؤ" اور جماعت کو گھورتے ہوئے کہا "میں ڈرل ماسٹر صاحب کو بھیجتا ہوں وہ میری غزل کا مطلب آپ کو اچھی طرح سمجھا دیں گے۔ انہوں نے اپنی گردن دو تین دفعہ ادھر اُدھر پھیری اور جماعت چھوڑ کر چلے گئے تو ہم سبھوں نے مانیٹر کو گھیر لیا۔ کیا بات ہے چچا آج آپ کو کھڑا کیا گیا اور ڈرل ماسٹر صاحب کو مزاج پرسی کے لئے بھیجا جا رہا ہے"۔ مانیٹر ہنسنے لگا، فانی صاحب جب فانی نہیں ہوتے ہیڈ ماسٹر ہوتے ہیں بہت تیز نظر اور زود رنج ہو جاتے ہیں۔ مجھے ان کی دیکھتے جاؤ والی غزل کے بارے میں معلوم ہے کہ اس میں ان کے دل کا درد دفن ہے اس لئے میں نے اس غزل کو ایک رسالہ سے کاٹ کر آج کی ان کی غزل "دنیا میری بلا جانے سستی ہے یا مہنگی ہے۔ موت ملے تو مفت نہ لوں ہستی کی کیا ہستی ہے - پرچسپاں کر دیا تھا۔ اگر فانی صاحب اس غزل کا مطلب سمجھانے پر آمادہ ہو جاتے تو شاعری کے ساتھ ساتھ شاعر کو بھی روتا ہوا ہم دیکھ لیتے۔ لیکن لاشِ فانی تو پیچ و تاب کھاتی اٹھ کر چلی گئی۔ مانیٹر کے تبصرہ پر ہم چپ رہے تو اس نے غصہ سے آنکھیں پھاڑلیں ہم سبھوں کو ہی ہی ہنسنا پڑا۔ اس دکھاوے کی ہنسی کے پیچھے ہمارے دل کا وہ گھاؤ تھا جو مانیٹر کے گستاخانہ طنز سے لگا تھا ہمیں تصور میں بھی فانی صاحب کو لاش کی شکل میں دیکھنا گوارا نہ تھا۔

فانی صاحب کو تو زندگی کے کٹھن سفر میں ابھی بہت سی جان لیوا منزلیں طے کرنا تھا۔ ان کو ملازمت سے علیحدہ ہونا تھا۔ گزر بسر کے لئے شاہی دربار سے وابستہ ہونا تھا۔ پھر تو تنہا ہونے کے ڈر سے گھر میں چھپ کر بیٹھنا تھا اور آخر زندگی سے بیزار ہو کر اپنے فانی جسم کو بھی چھوڑ جانا تھا۔ اور ان کی لاش کو اس وقت تک سڑتے رہنا تھا جب تک کہ محکمہ آرائش بلدہ کے لاوارث لاشوں کے فنڈ سے تجہیز و تکفین کی رقم منظور نہ ہو جاتی۔ اور یہ افضل الدین مانیٹر کہہ رہا تھا۔ لاش فانی پیچ و تاب کھاتی اٹھ کر چلی گئی۔ مین ایٹر (MAN-EATER) کہیں کا.......

(بشکریہ آندھرا پردیش)

سُندربن علاقہ میں سڑکوں کی تعمیر

حکومت مغربی بنگال نے سُندربن علاقہ کی ترقی کے پروگرام کے تحت سڑکوں کی تعمیر اور درستی کے لیے ۰۷ر۴ لاکھ روپیہ الاٹ کیا ہے۔ منظور شدہ اسکیمیں یہ ہیں (۱) بسنتی ڈولپمنٹ بلاک میں بسنتی بازار سے رام کرشنا پور۔ کھیا۔ گھاٹ تک پختہ ۱۳۲۰۰ فیٹ لمبی پختہ سڑک کی تعمیر (۲) اسی بلاک میں کھالی گرام پنچایت کے تحت کھیرشی کھالی میں سڑک کو بہتر بنانا۔

صنعت سے متعلق مشاورتی کمیٹی کی تشکیل نو

حکومت مغربی بنگال نے محکمہ صنعتی تو تعمیر کے لیے صنعت سے متعلق مشاورتی کمیٹی کی دوبارہ تشکیل کی ہے۔ اس کے ممبران یہ ہیں۔ ڈاکٹر ڈبلی بنرجی، مینیجنگ ڈائرکٹر ٹراسکرل پی لمیٹڈ۔ چیرمین (۲) شری ایچ بجایا، سابق ڈائرکٹر انڈین انسٹی ٹیوٹ آف منیجمنٹ (۳) شری ایس کے گپتا، پارٹنر، مسرز گپتا، چودھری اور گھوش، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس (۴) چیرمین اور مینیجنگ ڈائرکٹر، مغربی بنگال صنعتی ترقی کارپوریشن (۵) اسپیشل سکریٹری محکمہ مالیات (۶) سکریٹری محکمہ ترقی اور منصوبہ بندی (۷) سکریٹری محکمہ کامرس (۸) سکریٹری محکمہ صنعتی تو تعمیر۔

از۔ مرینال سین

فلمیں اور سرکاری قوانین

سنہ ۱۹۵۹ء کی بات ہے۔ فلم سنسر بورڈ نے ایک بنگلہ فلم "ہیڈ ماسٹر" دیکھنے کے بعد اس کے ایک منظر کے سلسلہ میں اعتراض کیا۔ اس منظر میں ایک دیوار دکھائی گئی تھی اور اس دیوار میں کچھ سیاسی باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ اس بورڈ نے حکومت کے خلاف کئے گئے نعرہ بازی کا اتنا خیال نہیں کیا لیکن وہاں لکھے ہوئے تین حروف "سی پی آئی" پر کافی اعتراض کیا۔ پروڈیوسر کو فوراً طلب کیا گیا اور اس سے مذکورہ تینوں حروف کا کاٹ دینے کو کہا گیا۔ جبکہ حروف سی پی آئی اس فلم کے فریم کے پچھلے حصہ میں تھا۔

ایک مکمل شاٹ سے سی پی آئی کو کاٹنا ایک مسئلہ بن گیا۔ پروڈیوسر نے جو فلم کے ڈائرکٹر بھی تھے، بورڈ کو بہت ہی تفصیل سے بتایا کہ تکنیکی لحاظ سے ایسا کرنا ممکن نہیں۔ اس کا متبادل یہ ہے کہ پورے شاٹ کو نکال دیا جائے۔ پروڈیوسر ڈائرکٹر نے اس منظر کی وضاحت کی اور بورڈ نے اس بات کا اعتراف کیا کہ دیوار کے سامنے جو واقعات رونما ہو رہے ہیں بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ لیکن بورڈ کو اس بات کا افسوس ہے کہ وہ اس سلسلہ میں کچھ کر نہیں سکتا اور ان تین حروف کو فلموں سے الگ کرنا پڑیگا۔

پروڈیوسر نے پہلے بحث کیا، پھر ڈرایا دھمکایا، لیکن آخر میں اس نے اپیل کی۔ لیکن سرکاری رویہ میں نرمی نہیں پیدا ہوئی۔ جھنجھلا کر اور مایوس ہوکر پروڈیوسر۔ ڈائرکٹر ایڈیٹنگ کے کمرہ میں گئے اور وہاں ضروری تصحیح کر دی۔ وہاں بہت سارے فریم تھے ایک ایک کرکے تمام فریموں کو نکالا اور ایک خوردبین کے ذریعہ متعلقہ فلموں سے حروف سی پی آئی کو آہستہ آہستہ رگڑ کر صاف کر دیا۔

ایک چلتی فلم میں ہر سکینڈ میں ۲۴ تصویریں دکھائی جاتی ہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ مذکورہ فلم ۵ سکینڈ تک دکھائی گئی تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ فلموں کے چھوٹے چھوٹے ۱۲۰ فریموں سے سی پی آئی حروف کو صاف کرنا پڑا۔ یہ آسان کام نہیں تھا اور پروڈیوسر ڈائرکٹر کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

سنہ ۱۹۷۱ء میں یعنی ہیڈ ماسٹر واقعہ کے دس سال سے زیادہ عرصہ کے بعد، حالات میں کچھ تبدیلی ہوئی۔ میں اپنا کیس بتاؤں کہ میری فلم "کمیونسٹ پارٹی" میں کہیں بھی کاٹ چھانٹ نہیں کی گئی۔ میں نے فلمیں تیار کیں جن میں کسانوں اور قبائلیوں کو ہتھیار سے مسلح دکھایا، ڈھول اور بانسری سے لیس دکھایا۔ میری ان فلموں کو، جن میں سیاسی خیالات کا اظہار کیا گیا اور تمام نیوز ریل فلموں کو کسی نے چیلنج نہیں کیا۔ ایک دن اتفاق سے میں نے ایک منظر کی تصویر کھینچی جس میں طلبا کے احتجاجی جلوس کو پولس بے رحمی کے ساتھ پیچھے دھکیل رہی ہے۔ اسے بھی سنسر بورڈ کی منظوری حاصل ہو گئی۔ تمام باتیں کافی ہمت افزا تھیں۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ

آج جس طرح سنسر شپ ہوتا ہے، وہ ۱۹۵۹ء میں نہیں ہوتا تھا۔ ۱۹۶۶ء میں، اگر آپ ذرا پیچھے کی طرف دیکھیں، سُکھ دیو نے ایک گھنٹہ کی دستاویزی فلم انڈیا ۱۹۶۷ء تیار کی تھی۔ اس سے کچھ عرصہ قبل ہمارے عزیز دوست مرحوم چاری نے ایک فلم تیار کی تھی جس کا نام 'فیس ٹو فیس' (آمنے سامنے) تھا۔ ان دونوں فلموں کے بعد پرتاپ شرما نے ایک تیسری فلم تیار کی، جس میں بہار کی خشک سالی کے بہت ہی دردناک مناظر دکھائے گئے۔ اس فلم میں انھوں نے حکمرانی مسائل پر بہت سخت روح افشاں تنقیدیں بھی کیں۔

ان فلموں میں بہت سی باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا، کبھی تنقید کرتے ہوئے تو کبھی آہستہ آہستہ یہ کہا گیا کہ حکومت نے جو حالات پیش کئے ہیں وہ اچھے نہیں تھے۔ ان فلموں میں پیش کردہ حقائق میں طعن پوشیدہ تھا۔ ان میں غصہ اور نفرت کا اظہار تھا۔ سنسر بورڈ نے ان تمام باتوں پر اعتراض نہیں کیا۔ یہ فلمیں، بغیر کسی کاٹ چھانٹ کے عام نمائش کے لئے پاس کر دی گئیں۔

بورڈ کے سرٹیفکیٹ سے متعلق، نیز بعد میں سُکھ دیو، چاری اور پرتاپ شرما کی فلموں کی تمام نمائش کے بعد، چند اندرونی کہانیاں بھی پیدا ہوئیں۔

چند ذمہ دار کوارٹر کی طرف سے ان تینوں فلموں کی بابت ان کے سنسر شپ سے پاس ہونے کے قبل اور بعد بھی اعتراضات ہوئے تھے۔ مثال کے طور پر مرارجی دیسائی کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے انڈیا ۱۹۶۷ء فلم میں پیش کردہ صورت حال کی معروضیت کی بابت کچھ نہیں کہا، لیکن ان کے خیال میں ایسی فلموں میں حب الوطنی کا فقدان تھا اور یہ بیجا تھیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شری ایس۔ کے پاٹل کو بھی مرارجی سے اس سلسلہ میں اتفاق تھا اور انھوں نے اس بات کی کوشش کی کہ ان فلموں کی نمائش نہ ہو۔ اس وقت ان کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی اعتراض کیا لیکن ان فلموں کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچایا جا سکا۔

اس کے صرف تین سال بعد سُکھ دیو نے ایک بڑی اچھی تصویر بنائی، کیونکہ اس وقت وزارت اطلاعات و نشر و اشاعت کے تحت فلم ڈویژن کے نیوز ریل سیکشن کے پروڈیوسر کو فوراً ادھر بلایا گیا اور کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کی دہلی کمیٹی کے منظم کردہ 'بند' کے چند مناظر کی تصویریں لینے پر اسے چارج شیٹ کیا گیا۔ دہلی کے پالیسی سازوں کے مطابق یہ یعنی کمیونسٹ بند کی تصویر لینا، تصویر اٹھاتے وقت لال جھنڈے کی بھی تصویر لینا اور سرکاری ذرائع سے اس فلم کی اشاعت کرنا، بہت ہی غلط اقدام تھا۔ پروڈیوسر کو وارننگ دی گئی اور اس سے کہا گیا کہ وہ اپنے کاموں کی طرف دھیان دے۔ اس کے علاوہ اسے اور کچھ نہیں کہا گیا۔

اگر ہم ماضی کی فلموں کا معائنہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس طرح کی بہت ساری فلموں پر ماضی میں ان حکام نے کنٹرول کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں ایسی بھی فلمیں ملیں گی جن میں تھوڑی بہت اصلاحات کا بھی ذکر کیا گیا۔

اس طرح جہاں تک فلموں کی سنسر شپ کا تعلق ہے تو یہ فلموں کی ایک طرفہ تصویر ہے۔ دوسری طرف ہمارے پاس کھوسلہ کمیٹی، کی لمبی رپورٹ موجود ہے۔ اس رپورٹ میں بہت ساری تجویزیں پیش کی گئیں جن میں پیار کرنے، بوسہ لینے اور کپڑے اتار کر ننگے ہونے جیسے مناظر پر پابندی عائد کر دی گئی۔ لیکن یہ بڑی تعجب خیز بات ہے اور یہ کچھ کم اہم نہیں ہے کہ اپنی رپورٹ میں مسٹر کھوسلہ نے سیاسی مسائل کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ دلیرانہ پرنکی باتوں۔ خواہ وہ معتدل ہوں یا کڑے کڑے الفاظ سے بھرپور ہوں۔ کی تصویریں اٹھانا اور حکومت کی کارگزاریوں پر کچھ کہنا، ایک بات ہوتی ہے، لیکن اپنے خیالات کو سیاسی طور پر بیان کرنا، دوسری بات ہے۔ جیسا شی چند روس کی زندگی میں جو اہم واقعات ہوئے انھیں صحیح طور پر پیش کرنا ایک بات ہوتی ہے۔ لیکن ان پر مبنی سیاسی فلم تیار کرنا دوسری بات ہے۔ سیاسی تصویر تیار کرنے اور اپنے خیالات کو سیاسی طور پر پیش کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سنسر شپ میں بڑی حد تک اصلاحات کی جائیں اور ان اسباب کا کھوسلہ کمیٹی کی رپورٹ میں کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔

آج کا دور بہت ہی اہم دور ہے۔ حکمراں پارٹی کے اندر اور سب سے بڑی مخالف پارٹی کے اندر تفرقہ، پارلیمنٹ کے اندر اور باہر شور و غل مچانے والے مختلف خیالات کی بہت ساری دیگر جماعتیں، اس کے ساتھ ہی سی پی آئی (ایم ایل) اور دیگر چھوٹے چھوٹے گروپ کی اپنی اپنی جوش کے احساس دلانے کی کوشش وغیرہ نے آج ہمارے ملک میں ہماری زندگی میں بہت حد تک تبدیلی لائی ہے۔ ہم سب آج ایک نہ ایک طرف مشغول رہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان مشغولات کے دوران ہم اپنے خیالات میں

بقیہ صفحہ ۔ ۱۴۳

سرکاری خبریں

پورلیا میں کوڑھ کی روک تھام کا پروگرام

ضلع پورلیا میں کوڑھ کی روک تھام کا ایک خصوصی پروگرام یکم فروری ۸۲ء سے مرکزی حکومت، عالمی ادارۂ صحت اور سویڈیش انٹرنیشنل ڈولپمنٹ ایجنسی کی امداد سے شروع کیا جا رہا ہے۔ اس کے تحت ڈاکٹروں کی نگرانی میں تین دواؤں سے مریضوں کا بھرپور علاج کیا جائے گا۔ یہ پروگرام پورے ضلع کا احاطہ کرے گا۔ شری بی۔ ڈی۔ پانڈے گورنر مغربی بنگال نے پورلیا کے لوگوں سے اپیل کی ہے کہ وہ کوڑھ کی بیخ کنی کے اس پروگرام سے فائدہ اٹھائیں۔ شری جیوتی باسو نے اپنے پیغام میں کہا ہے کہ یہ پروگرام عوام، اُن کے نمائندوں اور عوامی اداروں جیسے پنچایتوں کے مکمل تعاون ہی سے کامیاب ہو سکتا ہے۔ انھوں نے بھی اس مرض میں مبتلا لوگوں سے اس سہولت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے اپیل کی ہے۔

مندرج فہرست اقوام کی فلاح کیلئے آبپاشی کی اسکیمیں

۳۸ر۵ لاکھ روپیہ کی منظوری

حکومت مغربی بنگال نے ۸۲-۱۹۸۱ء کے دوران مختلف اضلاع کو مندرج فہرست اقوام کی بہبود کے لئے آبپاشی کی اسکیموں پر عملدرآمد کے لئے ۵ر۳۸ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) پورلیا، جلپائی گوڑی، کوچ بہار، بردوان، بیر بھوم، بانکوڑا، مدناپور — تین تین لاکھ روپیہ (۲) ہگلی اور مغربی دیناج پور ڈھائی ڈھائی لاکھ روپیہ (۳) ندیا اور مرشد آباد — دو دو لاکھ روپیہ (۴) مالدہ اور ہوڑہ — ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ (۵) دارجلنگ — ۵۰ ہزار روپیہ (۶) ۲۴ پرگنہ — ۶ر۵ لاکھ روپیہ۔

کالمپانگ میونسپلٹی میں سڑکوں کی مرمت

حکومت مغربی بنگال نے پہاڑی علاقوں کی سریع ترقی کے ریاستی پلان کے تحت کالمپانگ میونسپلٹی میں سڑکوں اور ڈرینوں کی مرمت کے لئے ۷۹ر۱۱ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔ ان اسکیموں پر عملدرآمد کے لئے یہ رقم ڈپٹی کمشنر دارجلنگ کے زیر اختیار دیدی گئی ہے۔ چیئرمین کالمپانگ میونسپلٹی ان پر عملدرآمد کریں گے۔

نومبر ۸۱ء کے دوران ملازمین ریاستی بیمہ کارپوریشن کی سرگرمیاں

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ ملازمین ریاستی بیمہ کارپوریشن نے نومبر ۸۱ء کے دوران بیمہ شدہ مزدوروں کو کام کے دوران زخمی ہونے پر تقریباً ۳۲ لاکھ روپیہ کی ادائیگی کی۔ مزید براں ۱۰۷۴ متعلقین کو بطور پنشن ۴۳۲ر۱ لاکھ روپیہ اور بیمہ شدہ خواتین کو زچگی کے لئے ۵۰ر۱ لاکھ روپیہ ادا کیا گیا۔ کارپوریشن نے علاج کے لئے مزدوروں کو ۷۰ لاکھ روپیہ ادا کیا۔ زیر نظر مہینے کے دوران علالت کی توسیع شدہ مراعات کے طور پر ۸ لاکھ روپیہ کی ادائیگی کی گئی۔ نیز غلط بیانی پر ۱۲ آجروں کے خلاف قانونی کارروائی کی گئی۔

ضلع مدناپور میں آبپاشی اسکیم کے لئے

۹۷ر۱ لاکھ روپیہ کی منظوری

حکومت مغربی بنگال نے ۸۲-۱۹۸۱ء کے دوران ضلع مدناپور کے جیاگرام بلاک میں مرالی آبپاشی اسکیم پر عملدرآمد کے لئے ۹۷ر۱ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔ اس اسکیم پر اڈیشنل ایکزیکیوٹیو انجینیر، مغربی مدناپور ڈویژن اس اسکیم پر عملدرآمد کریں گے۔

کلکتہ میں منعقدہ فلم فیسٹول سنہ ۸۲ء میں شرکت کرنے والے (دائیں سے بائیں) فلم 'کل جگ' کی ہیروئن شریمتی سوپریہ پاٹھک، ڈائرکٹر شری شیام بینیگل اور پروڈیوسر و ایکٹر شری ششی کپور۔
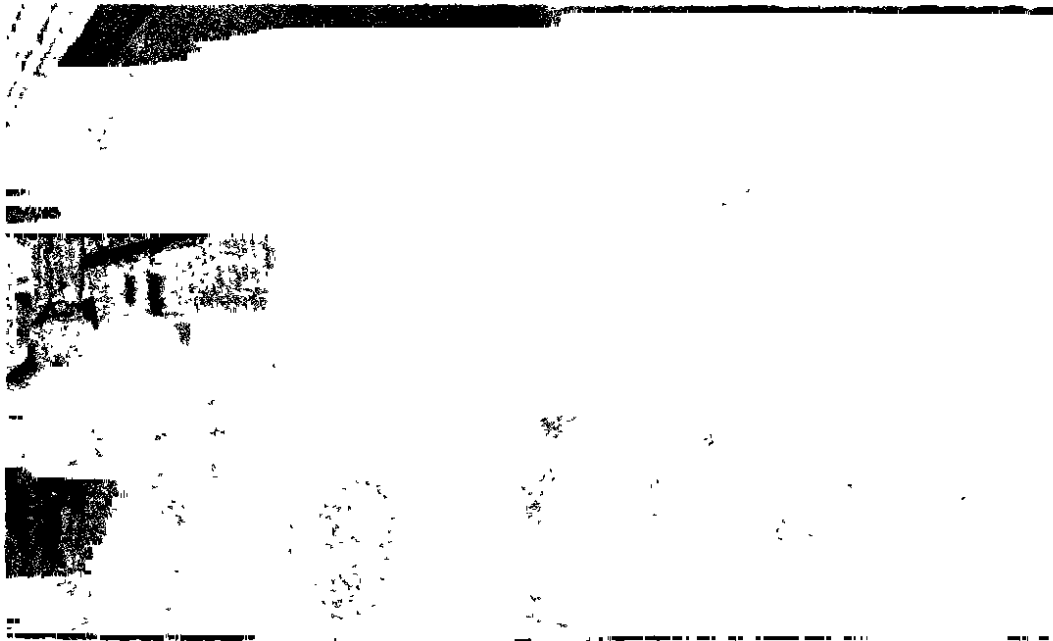
نیو مارکیٹ کلکتہ کے آس پاس واقع ایک سینما کے سامنے فلم فیسٹول سنہ ۸۲ء کے دوران ٹکٹ خریدنے والوں کی بھیڑ۔

Regd. No. WB/CC-
Vol. 28 No. 4
PRICE- 12 Paise

چیکوسلواکیہ کے سفیر کے ساتھ رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کی ملاقات۔

معذور بچوں کیلئے چڑیا خانہ کلکتہ کی طرف سے دو چکے والی کرسیوں کا عطیہ

پندرہ روزہ :-

مدیر اعلیٰ :-
ایس۔ کے۔ سین گپتا

مدیر معاون :-
محمد اعظم

مغربی بنگال

کلکتہ

شرح خریداری
سالانہ — ۳ ر روپے
قیمت
۱۲ ر پیسے فی پرچہ

شمارہ نمبر ۵	یکم مارچ سنہ ۱۹۸۲ء	جلد نمبر ۱۴

شری جتن چکرورتی وزیر تعمیرات عامہ مغربی بنگال ان شہیدوں کی یاد میں جو جیلوں میں جان بحق تسلیم ہوئے، پہلی کتاب مجاہد آزادی شریمتی شانتی دیوی کو حال ہی میں مہاجاتی سدن، کلکتہ میں منعقدہ ایک تقریب میں پیش کرتے ہوئے۔

از۔ پورتیوش کمار دت

ہندوستانی چائے... ہندوستان کے سنگفو قبیلہ کا عطیہ

حال ہی میں انڈین ٹی ایسوسی ایشن (آئی ٹی اے) نے اپنی صد سالہ سالگرہ منائی۔ اس تقریب میں دیگر لوگوں کے علاوہ سر پرسیول گریفت جو 'دی ہسٹری آف انڈین ٹی انڈسٹری' کے مشہور مصنف بھی ہیں نے بھی شرکت کی۔ اس موقعہ پر میں نے یہ سوال اٹھایا کہ کیوں سنگفو چیف کے نام، جس نے رابرٹ بروس کو چائے کے بیج اور پودے دیئے تھے، کو چھوڑ دیا گیا؟ آئی ٹی اے کے چیئرمین نے اس اجتماع کو مطلع کیا کہ ایسے سوالات کے اٹھانے سے سر گریفت کو پریشانی ہوگی اور اس طرح ہم یہ سن نہ سکے کہ اس سلسلہ میں اس تاریخ داں کا جواب کیا ہوتا۔ میں نے کسی کو خوش کرنے یا پریشان کرنے کیلئے یہ سوال نہیں اٹھایا تھا بلکہ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ درحقیقت کس نے ہندوستانی چائے کو دریافت کیا۔ اس میٹنگ میں بعض افراد نے ہنستے ہوئے مجھے بتایا کہ چائے کے دریافت کرنے والے سنگفو چیف تھے۔ میٹنگ میں موجود دیگر لوگوں نے اس سوال کے اٹھانے پر مجھے مبارکباد دی۔ بہر حال میرے لئے یہ قومی اہمیت کا سوال ہے۔ اتنے دنوں تک تمام مصنفوں نے 'بروس برادرس' کے سر پر چائے دریافت کرنے کا سہرا چڑھایا تھا۔ اگر یہ حقیقت ہے تو بھی اس کی تائید کرنی چاہیئے اور اگر ایسا نہیں ہے تو ہمیں حقیقت معلوم کرنی چاہیئے اور اسے تسلیم کرنا چاہئے۔

مشہور آسامی مورخ بینو دھر شرما انگریزوں کے سامنے چائے رائج کرنے کا سہرا عظیم باغی منی رام دیوان کے سر باندھتے ہیں اور وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ دیوان ہی تھے جنہوں نے انگریزوں کو آسام میں جنگلی چائے کے پودے کی پیداوار کی بابت بتایا۔ میں اس نقطہ پر بعد میں بحث کرونگا۔

کروں گا۔

چائے کی بابت کچھ کہنے سے پہلے آیئے ہم یہ دیکھیں کہ سنگفوؤں کی بابت ہماری معلومات کتنی ہیں۔ ڈاکٹر سنیتی کمار چیٹرجی کے مطابق سنگفو برمیس۔ کوکی۔ چن گروپ (کیراتا۔ جنا کرتی، صفحہ ۲۵) سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہرا شیو بکر اسٹاف ہ دتے نے اپنی کتاب 'دی وائلڈ ٹرائبس آف انڈیا' (۱۸۸۲ء میں شائع ہوئی) میں ان لوگوں کی بابت یوں لکھا ہے:-

"سنگفوز کھامپٹیوں سے زیادہ طاقتور طبقہ ہے۔ یہ بارہ 'گام' یا قبیلوں میں منقسم ہے جن میں تین یا چار قبیلوں کو سب سے زیادہ با اثر سمجھا جاتا ہے اگرچہ یہ سب قبیلے آزاد تھے اور ان میں اتحاد نہیں تھا تاہم ایک عام مقصد کو حاصل کرنے میں وہ متحدہ ہو جاتے۔ ان لوگوں کا مذہب بدھ مت تھا اور یہ سب دیکھنے میں کھمتیوں سے ملتے جلتے ہیں (صفحہ ۱۶۷ دوبارہ شائع کردہ سنہ ۱۹۷۴ء)۔

ولیم روبنسن نے اس سے قبل (۱۸۴۱ء میں) سنگفوؤں کی بابت یوں لکھا:-

اس وادی کے سرحدی علاقوں میں رہنے والے سنگفو سب سے زیادہ طاقتور قبیلے ہیں ..... سنگفو برسوں تک آسامیوں کیلئے خوف بنے رہے" (صفحہ ۳۷۷ - اے ڈسکرپٹیو اکاؤنٹ آف آسام)

جان مکوش نے اپنی کتاب 'ٹوپوگرافی آف آسام' (سنہ ۱۸۳۷ء) میں یوں رقمطراز ہیں۔ "سنگفو برسوں تک بدمعاش آسامیوں کے لئے خوف بنے رہے، اور وہ اکثر آسامیوں کو پکڑ کر لاتے اور انہیں غلام

اپنے ظلم و ستم کس حد تک ڈھایا گیا تھا۔ اس کا اندازہ صرف اس بات
سے لگایا جا سکتا ہے کہ مرحوم کیپٹن نیوف ویلی کو... سے زیادہ آسامی
بدی غلام واپس کئے گئے اور شاید اس وقت آسام حکومت میں
فتنہ بپا ہے... آسامی اور منی پوری کا لوگ قید میں تھے اور غلاموں
کی طرح زندگی گذار رہے تھے (صفحہ ۱۵، دوبارہ شائع ہونے کی تاریخ
۱۹۷۵ء)۔

سنگفو بہت ہی اہم علاقے میں آباد تھے۔ سر ایڈورڈ گیٹ
نے اپنی کتاب "آسام کی تاریخ" میں یوں ذکر کیا "سنگفو" جو ملک کے
ہموار علاقے میں رہتے تھے، نوا ڈیہنگ اور ٹنگا پانی ندیوں کے پار
ہماری سرحدوں سے مشرق کی طرف آباد ہوتے گئے۔ پھر ان لوگوں
نے انگریزوں کی حکومت کی اطاعت قبول کر لی۔ انگریزی سرکار نے ان
لوگوں سے کوئی محاصل اور لگان طلب نہیں کیا، لیکن گم یا بسپا قبیلہ کے
سردار سے یہ کہا گیا کہ   ضرورت پڑنے پر مہیا ہو
پر مشتمل ایک فوج بھیجنی ہوگی، ساتھ ہی اگر وہ پٹکائی درہ کے آس پاس
کوئی حرکت دیکھے جس سے اس علاقہ میں تشویش پیدا ہو سکتی ہے تو اسے
فوراً اس کی اطلاع برٹش حکام کو کر دینی چاہیئے۔

آسام کی تاریخ میں اس درہ کی کافی اہمیت ہے۔ سر گیٹ یوں رقمطراز
ہیں "یہی راستہ تھا اور یہی درہ تھا جسے پار کر کے آہوم قبیلے کے لوگ پہلی
بار آسام میں داخل ہوئے اور برما کے حالیہ حملہ آوروں نے بھی اسے راستہ کا
استعمال کیا" (صفحہ ۳۴۲)

سر گیٹ نے اس علاقہ کی بابت مزید تفاصیل بتائیں۔ سنگفو، کھامتی قبیلہ
کے ساتھ ملک کے اس حصہ میں رہتے تھے جس کے آس پاس بوڑھی دیہنگ"
نوا دیہنگ اور ٹنگا پانی ندیاں بہتی تھیں۔ یہ علاقہ پہلے آہوم قبیلہ کا تھا۔
لیکن سنگفو، کا اصلی وطن چنیدون ندی اور پٹکائی کے درمیان واقع پہاڑی ملک
تھا۔ یہاں یہ سنگھین کے نام سے مشہور تھے۔ آسام کی سرحد پر جس نام سے یہ
مشہور رہے، قبائلی لغت میں اس کے معنی آدمی ہیں۔

مذکورہ بالا باتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سنگفو قبیلے کے لوگ بدھ مت
کے ماننے والے تھے اور ایسا ہو سکتا ہے کہ بدھ مت کے ماننے کی وجہ سے سنگفو
قبیلے کے لوگ چائے کے پودوں اور ان کی خوبیوں سے واقف ہوئے۔
ہمیں یہ بات مسٹر گریفتھ کے مضمون سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ اس
مضمون کو ولیم رابنسن نے اپنی کتاب "اے ڈسکرپٹو اکاؤنٹ آف آسام"
(سنہ ۱۸۴۱ء) میں شائع کیا۔ اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستانی چائے
کے پودوں کو مسٹر بروس نے دریافت کیا۔ کہتے ہیں کہ سنہ ۱۸۲۳ء میں مسٹر رابرٹ
بروس پہلی بار آسام آئے۔ ان کے پاس بہت سارے سامان تھے،
وہ انھیں وہاں فروخت کرنا چاہتے تھے۔ وہ پہلے برٹش تاجر تھے جو
ہماری سرحد کو پار کر کے اتنی دور آئے تھے۔ اس وقت لوگ صرف
ملک برما کے نام سے واقف تھے اور یہاں صرف برمی لوگ رہتے تھے۔
اس سے زیادہ اس ملک کی بابت کچھ معلوم نہ تھا۔ مسٹر بروس رنگپور کے سردار
سے ملے۔ چونکہ مسٹر بروس نباتاتی تحقیقات کے کام میں دلچسپی لیتے تھے
اس لئے انھوں نے قدرتی حالات میں وہاں کے پہاڑوں پر اگتے ہوئے چائے پودوں
کو دریافت کیا۔ انھوں نے سنگفو کے سردار کو تحریری طور پر حکم دیا کہ وہ
ان پودوں کی طرح کوئی اور پودے انھیں "فراہم کریں۔ سنہ ۱۸۲۴ء میں برما جنگ
کے چھڑ جانے کے بعد، ان کے بھائی مسٹر سی۔ اے بروس کو توپ لے جانے والی
کشتیوں کے ایک ڈویژن کا کمانڈر مقرر کیا گیا، اور حکم کے مطابق یہ سدیہ
تک گئے۔ جب برما کی دارالسلطنت پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو اس وقت
سنگفو کے سرداران کے پاس خراج عقیدت پیش کرنے آئے۔ مسٹر
بروس نے اس موقع پر ان سے چائے کے پودوں کی بابت کہا اور یہ سنتے ہی
انھوں نے ان کے بھائی کا اقرار نامہ ان کے سامنے پیش کر دیا (صفحہ ۱۴۶
کتاب دوبارہ سنہ ۱۹۷۵ء میں شائع کی گئی)۔

مذکورہ بالا باتوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نام نہاد دریافت کنندہ یا
ان کے بھائی نے صرف موقع سے فائدہ اٹھایا اور پہلے سے تمام انگریزوں
کی طرح انھوں نے اس سردار کے نام کو فراموش کر دیا، حالانکہ ہندوستان
میں اسی سردار نے سب سے پہلے چائے کے پودوں کو دریافت کیا۔

اس کے بعد مسٹر بروس نے نئے دریافت کردہ پودوں کی بابت یہ معلوم
کرنے کے لئے کہ درحقیقت یہ چائے کے پودے ہیں، سنگفو سردار سے
حاصل کردہ چائے پودوں کو کلکتہ میں بوٹانیکل گارڈن کے سپرنٹنڈنٹ
کے پاس بھیج دیا۔ جہاں انھوں نے ان پودوں کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ
بات معلوم کی کہ یہ پودے، چائے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں لیکن جو پودے
انھوں نے بھیجے ان کی پتیاں چین کے اگنے والے چائے پودوں کے پتوں سے کچھ
مختلف ہیں (گریفتھ)۔

اس کے بعد سے انگریزوں نے چائے پودوں کے علاقوں کی تلاش شروع کردی۔ اس کام کی تفصیل کی پہلی خبر ولیم گریفتھ کے "پرائیوٹ جنرل" میں شائع ہوئی۔ مسٹر گریفتھ سنہ ۱۸۳۶ء کے شروع میں چائے پودوں کی جانچ کرنے کے لئے آسام بھی گئے تھے۔

مسٹر گریفتھ کو آسام میں بہت سارے جگہوں میں چائے کے پودے نظر آئے۔ ان پودوں کے پاس پاس جنگلی پودے بھی اُگے ہوئے تھے۔ نیز ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شروع شروع میں چائے باغات کے مالکان، چائے کاشت کے بہت سارے سائنسی طریقہ کار سے واقف تھے۔ وہ طریقہ کار درج ذیل ہیں۔

(۱) چائے باغات میں شمال اور جنوب میں چائے کے پودے اگائیں جائیں۔

(۲) یہ جنگل کے اس جگہ پیدا ہوتی ہے جہاں زمین ملکی اور خشک ہوتی ہے اور جہاں پانی کی نکاسی کے لیے چھوٹے چھوٹے نالے ہوتے ہیں۔

(۳) سنگفوؤں کا کہنا ہے کہ چائے کے پودے سایہ میں بہتر اُگتے ہیں۔

ہمیں یہ معلوم ہے کہ گذشتہ صدی کے آخری دور میں شمالی مشرقی ہندوستان کے میدانی علاقوں میں چائے کے پودوں کے درمیان بڑے بڑے سایہ دار درختوں کو اُگانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن کسی نے بھی غریب قبائلیوں کی باتوں کی طرف خاص دھیان نہیں دیا اور اس کی وجہ سے شروع میں شروع میں چائے باغات کو کافی نقصان پہونچا۔

ہم پہلے ہی یہ بات کہہ چکے ہیں کہ جب اہوم لوگ آسام میں داخل ہوئے تو ان لوگوں نے ان زمینوں کو استعمال کرنا شروع کیا جو سنگفو لوگ استعمال کرتے تھے۔ گریفیت کے مذکورہ بالا باتوں سے چائے کے متعلق ایک دلچسپ بات کا پتہ چلتا ہے۔ "چائے کے نئے اقسام کے پودے بہت ہی دلچسپ پودے ہیں، میرے خیال میں یہ حقیقی پودے ہیں۔ اسے آسام کے لوگ ابھوئی اپ، کہتے ہیں یا جنگلی چائے کہتے ہیں یہ پودے حقیقی چائے کے پودوں سے مختلف ہیں۔ حقیقی چائے کے پودوں کو فوٹی اپ کہا جاتا ہے اور اسے صرف دوا کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر جان ایم کوش نے ہندوستانی چائے کی بابت مندرجہ ذیل باتیں بتائیں "چائے کا پودا، جو چین کی چائے کے پودہ کی طرح ہے، پہاڑوں پر اچھا لگتا ہے۔ ان پہاڑی علاقوں میں پہاڑی قبائلی جیسے کھامتی، سنگفو اور مٹک۔ رہتے ہیں" ان قبائلیوں کو چائے کافی اچھی ہوتی ہے اور یہاں کے سبھی لوگ چائے پیتے ہیں۔"

"مسٹر بروس نے حال ہی میں سنگفو کے علاقوں کا دورہ کیا اور ان لوگوں سے بات چیت بھی کی۔ انھوں نے اس علاقہ میں چائے ہزاروں پودے اُگے ہوئے دیکھا اور وہاں سے انھوں نے چائے کے چند پودے، چند پتیاں اور بیج لائے (اوٹو گرافی آف آسام۔ یہ کتاب پہلی بار سنہ ۱۸۳۵ء میں شائع ہوئی، سنہ ۱۹۷۵ء میں اس کی دوبارہ اشاعت کی گئی۔ صفحات ۳۲۔۳۱)

مذکورہ بالا حقائق سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ہم لوگ کس حد تک چائے کے سلسلہ میں مذکورہ بالا قبائلیوں اور خاص طور پر سنگفو قبیلہ کے ممنون ہیں۔ کاروباری پیمانہ پر چائے کی تیاری کا کام سب سے پہلے انگریزوں نے شروع کیا۔ یہ لوگ چائے کاشتکاروں سے چائے کی پتیاں حاصل کیا کرتے۔ اس سلسلہ میں سر ایڈورڈ گیٹ نے اپنی کتاب "اے ہسٹری آف انڈیا" میں یوں لکھا ہے:۔

ہندوستانی چائے کی دریافت کے بعد مسٹر سی۔ اے۔ بروس کو سرکاری چائے جنگلات کا سپرنٹنڈنٹ مقرر کیا گیا۔ انھوں نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ پہلے وہ تنکشم پور گئے اور وہاں ان تمام علاقوں کا دورہ کیا جہاں چائے کے پودے کافی تعداد میں اگائے جاتے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے یہیں سے چائے کی پتیوں کی خریداری کا بھی انتظام کیا۔ چائے کی پتیاں سنگفو اور دیگر دیہی باشندے توڑتے اور وقتاً فوقتاً ان پتیوں کو چائے کارخانہ میں لاتے۔ سنگفو لوگ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ چائے کی تیاری کے لئے کس قسم کی پتیاں توڑی جانی چاہئے۔ اس سلسلہ ولیم گریفتھ یوں رقمطراز ہیں۔

" یہاں سنگفو لوگوں نے یہ دکھایا کہ وہ سب اپنے لئے کس طرح چائے تیار کرتے ہیں۔ وہ سب چائے کی ننھی ننھی پتیاں استعمال کرتے تھے۔"

اس سے قبل گریفتھ نے یوں لکھا کہ چائے کی پتیاں بڑی بڑی ہوتیں۔ ان کا رنگ گہرا سبز ہوتا اور ان کی لمبائی ۴ سے ۸ انچ تک ہوتی۔ جنگلی پودے سے۔ ۱۰ جون سنہ ۱۸۳۹ء سی اے بروس نے چائے کی تیاری اور آسام میں چائے باغات کی وسعت اور پیداوار کے سلسلہ میں اپنی رپورٹ میں یوں لکھا۔

"ایک دیوانیہ انیم زادت سنگفو نے ان علاقوں کی تلاش میں جہاں
سے کے پودے اُگتے ہیں میری کافی مدد کی۔ دیوانیہ چائے کے پتوں
کے بارے میں واقف ہے اور اپنے گھر میں دیگر سنگفو کے ساتھ اکثر چائے
پیتا ہے۔ اس نے مسٹر بروس کو بتایا ہے کہ جیپر انڈیا سے ایک دن کے
سفر کے فاصلے پر، ناگا پہاڑ ہے جہاں چائے کے پودے کثرت سے اُگتے ہیں'
اور اس نے خود ان باغات کو دیکھا ہے۔"

ایک ۸۰ سالہ خاندانی گاؤں کے سربراہ نے ۱۸۳۹ء میں مسٹر سی اے
بروس کو بتایا کہ ۱۷۷۵ء میں جب وہ خود سولہ برس کے تھے، ان کے والد
تین سال کے بعد چائے کے پودوں کی کاٹ چھانٹ کیا کرتے تاکہ نئے
اور اچھے پتے نکلیں۔

یہ دیکھا گیا ہے کہ مندرجہ بالا علاقہ میں سیاسی صورت حال تشفی
بخش نہ تھی اور یہ قطعی طور پر آسامیوں کے حق میں نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کیوں شروع شروع میں آسامیوں کے درمیان چائے مقبول نہ ہوئی گرچہ ہم نے یہ بات
دیکھی ہے کہ وہ ایک دوا کی طرح چائے کے استعمال سے واقف تھے۔
بدقسمتی سے 'برون تک آپ' یا 'پل اپ' کی بابت ہم کسی آسامی دستاویز سے
اور یا سے اچھے آسامی دوستوں سے میں کچھ معلوم نہ کر سکا۔

اب ہم چائے کی دریافت سے منی رام دیوان، ہندوستان کے
عظیم باغی، کا کیا تعلق تھا، جیسی یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

"آسام میں چائے کی دریافت بعد میں موضوعِ بحث بن گئی۔
ڈاکٹر ولیش نے سب سے پہلے لفٹننٹ چارلٹن کا دعویٰ پیش کیا اس دعوے
کو بعد میں ترمیم کی گئی، اس دعوے کو مسٹر سی۔ اے۔ بروس اور ان کے بھائی
جو ریاست کے میجر رابرٹ بروس کے حق میں منتقل کر دیا گیا۔ چونکہ میجر بروس
کا انتقال ہو چکا تھا، اس لئے مسٹر سی اے بروس کو انگلش سوسائٹی
آف آرٹس نے بنگال کی زراعتی اور باغبان سوسائٹی کے ذریعہ ایک تحفہ
بطور انعام دیا گیا۔ لفٹننٹ چارلٹن اور میجر جینکنس دونوں ہی نے اس انعام
کے خلاف احتجاج کیا اور بعد میں ان کے درمیان بہت سارے خط و کتابت
ہوئے۔ آخر میں ان لوگوں کے دعوے کو تسلیم کر لیا گیا اور ۳ جنوری ۱۸۴۲ء
کو بنگال کی زرعی اور باغبانی سوسائٹی کے صدر نے کیپٹن چارلٹن کو ایک
سونے کا تحفہ دیا کیونکہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اس حقیقت کی تصدیق
کی کہ چائے کے پودے دیسی ہیں اور آسام میں اُگتے ہیں۔ میجر جینکنس کو سونے
کا تحفہ بطور انعام دیا گیا کیونکہ انھوں نے اس انکوائری کو کامیابی کے ساتھ پایۂ
تکمیل تک پہنچانے میں سرگرم کردار ادا کیا۔ اس طرح ایک ہی شخص جس کو
انعام نہیں ملا، اصلی دریافت کرنے والا تھا۔ اتفاق سے چائے آسام میں
کتاب کے مصنف مسٹر سموئل بیلڈن کہتے ہیں کہ ایک مقامی باشندہ منی رام دیوان
نے ہی سب سے پہلے چائے دریافت کی۔ ایسا ہو سکتا ہے اس نے پہلی بار میجر
بروس کی اس جگہ کی سیر کرائی جہاں چائے کے پودے اُگتے تھے۔

اس سلسلہ میں دیوان نے خود برٹش راج کو ایک خط لکھا تھا، آیئے
اس خط پر غور کریں۔ خط یوں ہے۔

"جب ملک پر برما کے لوگوں کا قبضہ ہو گیا تو میرے والد کو بور کا گوئی
کے عہدہ پر فائز کیا گیا۔ پھر جب ۱۸۲۵ء میں انگریزوں نے اس صوبہ کو فتح
کر لیا تو مسٹر ڈبلیو ڈی اسکاٹ، کرنل رچرڈ واسن، کیپٹن نوبین وغیرہ نے نہ صرف
میرے والد کو ان کے عہدہ پر برقرار رکھا بلکہ سابق حکومت کے تحت
رائج نظام لگان کے سلسلہ میں ان سے گرانقدر معلومات حاصل کی۔

"مجھے کیپٹن نوبین نے اس ضلع کا سررشتہ دار اور تحصیل دار بنایا۔
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۶-۱۸۲۵ء اور ۱۸۲۷ء میں جب لگان کی صورت میں
۳۵ ہزار روپئے سے زیادہ حاصل نہیں ہوتا تھا؛ میری تقرری کے
بعد اس علاقہ میں ہر سال ایک لاکھ روپئے بطور ر حاصل ہوئے۔

مذکورہ بالا باتوں سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ دیوان کا برٹش راج
سے تعلق ۱۸۲۸ء سے قبل قائم نہیں ہوا۔ اس بات کی اطلاع کسی اور نے
نہیں بلکہ خود دیوان دی۔ ان باتوں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چائے کی
دریافت سے خود کو وابستہ کرنے کا خیال اس کے دل میں بعد میں پیدا
ہوا۔

ان کے علاوہ دیوان نے برٹش راج کی وہ کیا خدمت کیا کرتا۔
اس کا ذکر کیا، ساتھ ہی 'رپورٹ آف ملس' سے وابستہ اپنی رپورٹ
میں لوگوں کا ذکر کیا، لیکن یہاں بھی دیوان نے کہیں بھی اس بات کا ذکر
نہیں کیا کہ اس نے بروس بھائیوں کو چائے کی موجودگی کی بابت اطلاع فراہم
کی، گرچہ اسی دوران دیوان آسام چائے کمپنی میں بحیثیت دیوان برسرِ کار
تھا اور اسی دوران اس نے بہت سے باغات قائم کئے۔

دیوان ہندوستان کا ایک عظیم فرزند ہے اور اسے لوگ اس کی
آزادی کی محنت اور اس کے قربانیوں کے لئے ہمیشہ یاد رکھیں گے، لیکن

ہم کسی حالت میں بھی آسام میں چائے کے پودوں کی دریافت کو دیوان سے وابستہ نہیں کر سکتے۔

گیٹ نے ہندوستان میں چائے کے پودوں کی دریافت کی بابت بہت ہی دلچسپ باتیں لکھیں۔ اس رپورٹ سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ برخلاف کپتان جنکنس نے چائے کے پودے کی دریافت کا سہرا مسٹر سی اے بروس بھائیوں کے سر باندھا۔

رَنِفسن نے اپنی کتاب 'ڈسکرپٹیو اکاؤنٹ آف آسام' میں چائے کی دریافت کا سہرا بروس بھائیوں کے سر ہی باندھا ہے۔ یہ کتاب ۱۸۴۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ نیز چائے کمیٹی کے ڈاکٹر والس نے ۱۸۳۷ء میں ایک رپورٹ داخل کی، جس میں انھوں نے تفتیش کرنے کے بعد، کیونکہ اسی کام کیلئے انھیں آسام بھیجا گیا تھا، یہ بتایا کہ یہ مسٹر بروس اور جورہاٹ میں متعین ان کے بھائی مرحوم مینجر رابرٹ بروس ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے آسام چائے سے عوام کو روشناس کرایا اور ایسا انھوں نے بہت سارے برس قبل، جبکہ کسی کو بھی اس کی موجودگی کا علم بھی نہیں تھا، کیا۔ آخر میں انڈین آفس لائبریری میں مسٹر میکوش کی کتاب ٹوپوگرافی آف آسام، جسے ۱۸۳۷ء میں شائع کیا گیا تھا، کتاب کی ایک کاپی کے ورق کے حاشیہ میں ایک نوٹ لکھا ہوا ہے جو میرے خیال میں کپتان جنکنس نے خود لکھا تھا۔ "مسٹر بروس ہی نے چائے دریافت کی تھی۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ آسام میں چائے کے پودوں کی موجودگی کا علم سب سے پہلے رابرٹ بروس کو ہوا کیونکہ وہ ۱۸۲۳ء سے ہی اسی صوبہ میں تھے اور سنگفو سردار سے، جنھیں چائے کی بابت علم تھا، ان کی ملاقات ہوئی۔"

"رابرٹ کے بھائی سی اے بروس نے ۲۰ دسمبر ۱۸۳۶ء کو جنکنس کو یوں خط لکھا — 'میرے مرحوم بھائی نے، جو برما سے جنگ چھڑنے کے قبل آسام میں تھے، مجھے ان پودوں کی بابت بتایا اور یہ میں ہوں جو آپ کو زبانی اس کی اطلاع دے رہا ہوں اور سرکاری طور پر میں اس موضوع کو ۱۸۲۳ء میں آپ کے علم میں لایا، نیز میں نے یہ بھی بتایا کہ یہاں ادی باشی کس طریقے سے چائے تیار کرتے ہیں۔

گرچہ برٹش تاریخ دانوں نے چائے کی دریافت کا سہرا بروس کے سر باندھا، تاہم ہم یہ دیکھتے ہیں قبل کے ادیبوں نے سنگفو سرداروں کے ساتھ ان کے تعلقات کا کافی ذکر کیا۔

درحقیقت دریافت کرنے والوں کی تعریف، جیسا کہ قبل کے ادیبوں نے کی تھی صحیح معنوں میں اب نہیں کی جاتی۔ چائے کے پودے آسام میں تھے اور جیسا کہ قبل ذکر کیا گیا ہے کہ وہاں کے قبائلی پتیوں سے چائے تیار کر کے پیتے تھے۔ اس لئے بروس بھائیوں کا دعویٰ حقیقت سے کافی دور ہے۔ اسی طرح آسام چائے کی دریافت کے سلسلہ میں بھی دیوان کے دعووں کو کافی ثبوت کے بغیر قبول نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ ہندوستانی چائے کے پودوں کو برٹش راج کے حوالہ کرنے میں سنگفو قبیلہ کے کردار کو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم اس حقیقت کو قبول نہ کریں تو ہم وہی بھول کریں گے جو برٹش مورخین نے شروع سے ہی کی۔

بہرحال میں نے اس عظیم سنگفو سردار کے نام معلوم کرنے کی کوشش کی جسے برٹش مورخین نے تسلیم نہیں کیا۔ شری بھندلیرا نے اپنی کتاب ۱۸۵۵ء آسام میں، سنگفو کی بابت کچھ بیان کیا ہے "سنگفوؤں کے درمیان آؤکم۔ گنگی نے ۳ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک فوج تیار کی۔ نیز جس راستہ سے حملہ کرنے جانا تھا اس پر بہت ساری جگہوں میں غلہ کے گودام تعمیر کئے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے لوہاروں کو کہا کہ بہت لمبی زنجیر تیار کرے، جس میں دس ہزار گول گول ہتھ کڑیاں ہوں تاکہ کمپنی کے دس ہزار لوگوں کو ہتھ کڑی پہنا لایا جاسکے۔ جب یہ سب تیاریاں ہو رہی تھیں تو ان کے دوست بنگرو دتھوسنگ کو انگریزی سپاہیوں نے قید کر لیا۔"

انگریزوں کی حکومت کے اس اقدام سے سنگفو قبیلہ کے ایک طاقتور سردار بیسا گم بہت ناراض ہوئے۔ پہلے وہ انگریزوں کے دوست تھے اور انھیں بہت سارے ہتھیار انگریزوں نے دیئے تھے ساتھ ہی انھیں ہر ماہ ۵۰ روپے بطور بخشش دیئے جاتے۔ لیکن اب یہ انگریزوں کے دشمن بن گئے۔

میں نے سمجھا کہ میری امید پوری ہوگئی اور مجھے سنگفو کے بڑے سردار کا نام معلوم ہوگیا اور یہ کہ یہی بیسا گم ہی وہ سردار ہے،

لیکن جب میں نے مندرجہ باتیں پڑھیں تو مجھے اپنا خیال بدل دینا پڑا۔

"اس موقع پر جون ۱۸۲۵ء میں برمی فوجیں پھر ٹیکئی میں داخل ہوئے اور سنگفوؤں نے ان کا ساتھ دیا۔ کیپٹن نوئف ویلی نے ڈسا ۵۵ ویں نیٹیو انفینٹری کی فوج لیکر آگے بڑھے اور تواوینگ تک گئے اور بار بار حملہ کرنے کے بعد حملہ آور فوج کو شکست دی اور انھیں بیساگام اور دیگر سنگفو گاؤں سے نکال باہر کیا۔ بیساگام کو بھی خود اس نے تباہ و برباد کیا (اے ہسٹری آف آسام۔ گیٹ صفحہ ۳۲۸)

اسی طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بیسا سنگفو گاؤں کا یا ایک قبیلہ کا نام ہے اور گام اور گوم کے معنی سردار یا قبیلہ ہیں۔ گرچہ ہمیں اس بات پر سو فی صد کا یقین نہیں ہے کہ بیساگام ہی نے انگریزی حکومت کو چائے کے پودوں سے روشناس کرایا تھا تاہم ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ وہی آدمی ہو سکتا ہے جس کی ہمیں تلاش ہے۔

بہرحال اے جے مفاٹ ملس (۱۸۵۱) کی رپورٹ سے منسلک آپر آسام کے پولیٹیکل ایجنٹ کی رپورٹ کے مطالعہ سے ہمیں اس سردار کی بابت مزید باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ چند باتیں درج ذیل ہیں۔

"سنگفو کا ملک کئی برسوں سے خاموش تھا لیکن سنگفوؤں کے ۱۸۳۹ء میں شدیا اور سیکواہ پر حملے اور بعد دیگر علاقوں پر حملوں نے سنگفو علاقہ کی صورت حال بڑی حد تک تبدیل کر دی۔ سر تل اے۔ وائٹ کی رپورٹ کی تاریخ کے بعد سے سنگفو کی آبادی میں بڑی تبدیلی نظر آئی۔ بیساگم اپنے اسٹیشن میں جیل میں مر گیا..."

(اے۔ جے۔ ڈالٹن) اسی طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ برٹش راج کے ہاتھوں بیساگم کی بھی وہی حالت ہوئی جیسے تمام مجاہدین آزادی نے خوشی خوشی بہادری کے ساتھ قبول کیا۔ ای ٹی ڈالٹن کی مذکورہ رپورٹ سے منسلک جو کاغذات ہیں ان سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ سن ۱۸۲۶ء سے بہت سارے سنگفو سرداروں نے انگریزوں کی حکومت سے وفاداری کی قسم کھائی، لیکن کہیں بھی ہمیں اس رپورٹ میں بیساگم کا نام نہیں ملا۔

مسٹر ماندیوان نے اپنی رپورٹ میں ان دشواریوں کا ذکر کیا جن کے تحت عوام کام کر رہے ہیں، یہاں بھی اس غریب قبائلی سردار کا بھی نام ملتا ہے وہ رپورٹ یوں ہے۔

" مسٹر اسکاٹ نے بیساگم راجہ کو ہر مہینہ ۵۰ روپے بطور پنشن دینے کی منظوری دی، لیکن بعد میں جب یہ پنشن دینا بند کر دیا گیا تو اسی وقت سے مذکورہ بالا پریشانیاں شروع ہوئیں۔"

اب ہم اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیوں اس سردار کے نام کو چھوڑ دیا گیا۔ اس سردار نے برٹش راج کے خلاف جدوجہد کی اور یہی واحد وجہ ہو سکتی ہے کہ کیوں برٹش مصنفوں نے اس سردار کے نام کو فراموش کر دیا۔ لیکن ہمیں ابھی کھوج لگانے، جانچ پڑتال کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہمیں یہ معلوم ہو سکے کہ وہ کون شخص تھا جس نے سب سے پہلے چائے کے پودوں اور بیج کی بابت انگریزوں کو بتائی۔ ساری دنیا میں ہندوستانی چائے رائج کرنے والا وہی شخص تھا۔ کسی کو بھی چائے پودوں کے کھوج لگانے والا کہا جا سکتا۔

ایک ہندوستانی کی طرح ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اس شخص کا نام دریافت کریں جس نے چائے دریافت کی ساتھ ہی ہمیں اس بات کو صاف طور پر کہنا چاہیئے کہ یہ بروس برادرس، نہیں تھے جنھوں نے چائے کے پودوں کو دریافت کیا بلکہ یہ سنگفو سردار تھے جنھوں نے چائے دریافت کی اور ان لوگوں کے نام کو فراموش کر دیا گیا کیونکہ وہ غریب ہندوستانی قبائلی تھے اور برٹش راج کے خلاف انھوں نے جنگ کی تھی۔

بقیہ :- صفحہ ۱۲ کا

کے بعد لڑکے والوں کی طرف سے ٹال مٹول ہونے لگتا ہے تو لڑکی کسی دن اپنے ہونے والے سسرال چلی جاتی ہے۔ اور بغیر کسی سے پوچھے گھر میں داخل ہو جاتی ہے پھر گھر والے اس لڑکی کی مخالفت کرتے ہیں۔ اسے نکالنے کے لئے اس کے ساتھ سخت رویہ اپناتے ہیں۔ لیکن سب کے باوجود بھی اگر لڑکی ٹکی رہ جاتی ہے تو آخر میں اُسے قبول کر لیا جاتا ہے۔

ان کے سماج میں عورتوں کی عزت مردوں سے زیادہ ہوتی ہے اور ان کے سماج میں جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو)

ہندوستانی آدیباسیوں میں شادی کا رواج

آدی باسی ہم لوگوں سے رسمی رواج، روپ رنگ اور کئی دیگر
باتوں میں مختلف ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں جاننے پر ہمیں احساس
ہوتا ہے کہ ہم آج کے دور سے بہت پیچھے ہیں۔ پھر بھی ہندوستانی
تہذیب و تمدن میں ان کا ایک اہم مقام ہے۔

ان کے چال چلن، رہن سہن، مذہب، رسمی رواج وغیرہ ہم لوگوں
سے بالکل مختلف ہیں۔ ان کے رسمی رواجوں میں کچھ ایسی مثال ملتی ہے جو
ہم لوگوں کے لئے ایک حیرت انگیز امر بن جاتے ہیں۔

ان کے تمدن میں PROBA TONARY MAMAGE
ہم لوگوں کی دلچسپی اور حیرت کا امر بن سکتے ہیں۔ اس میں لڑکا
کچھ دنوں تک اپنی ہونے والی بیوی کے یہاں رہتا ہے تاکہ دونوں کو
ایک دوسرے کے چال چلن، عادات و اطوار کا پتہ چل جائے۔ اگر اس
بیچ لڑکا اور لڑکی میں کوئی اختلاف نہیں ہوا، دونوں ایک دوسرے
سے مطمئن رہے تو شادی کر دی جاتی ہے لیکن اگر بات اس
کے مختلف ہوئی تو پھر شادی نہیں ہوتی ہے۔ اور لڑکا اپنے
گھر چلا جاتا ہے۔ تو پھر شادی نہیں ہوتا ہے۔ اور لڑکا اپنے گھر چلا جاتا ہے۔
پھر یونہی ہمیں اگر بغیر شادی کے لڑکا اپنے گھر چلے لگتا ہے تو اسے
لڑکی کے والدین کو کچھ نقد رقم دینی پڑتی ہے۔ آسام میں "لوکی" وغیرہ
ذات میں اس چلن کی زندہ مثال ملتی ہے۔

دوسری مثال ہے 'اغوا شادی کا'۔ لڑکا جب اپنی جیتی کو
بیاہنے میں ناکام ہوتا ہے تو وہ میلے وغیرہ میں لڑکی کی مانگ میں [illegible]
سیندور لگا کر اغوا کر لیتا ہے اور تب سماج بھی کچھ وقت کے بعد

ذاتوں میں پائی جاتی ہے۔ اگر کوئی عورت شادی کے بعد اپ
شوہر کو چھوڑ دیتی ہے تو شوہر کو لڑکی کی قیمت واپس مل جاتی ہے
یہ رواج ہم سنتھال اور دکرٹیا کو، کرتی اہل وغیرہ مختلف
آدی ذاتوں میں پاتے ہیں۔

اسے قبول کر لیتا ہے۔ یہ چلن کھڑیا، بیرہور، سنتھال، منڈا وغیرہ

ان لوگوں میں ایک مثال "خدمت شادی" کا بھی ملتا ہے
اس رواج کے مطابق لڑکا اپنے ہونے والے سسر کے گھر ایک معین وقت
تک نوکری کرتا ہے اور اسی دوران میں وہ گھر کا سب کام کرتا ہے، جو گھر
کے لڑکے کو کرنا چاہیے۔ اس طرح جو پیسہ وہ کماتا ہے اس سے لڑکی
قیمت چکا کر شادی کرتا ہے۔ منی پور کی پوری آدی ذاتوں میں تین سال
تک یہ خدمت کرنی پڑتی ہے لیکن دیگر ذاتوں میں وقت کا تعین نہیں ہے

شادی کا ایک اور طریقہ رائج ہے۔ اگر محبوب اور محبوبہ کی شادی
کسی اقتصادی یا سماجی وجوہات کی بنا پر نہیں ہو پاتی ہے تب ایک پروگرام
کے مطابق لڑکا لڑکی گاؤں سے کہیں دور جا کر چھپ جاتے ہیں اور وہیں کچھ
وقت تک ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ اور پھر جب وہ اپنے گاؤں واپس
ہیں تو ان کی شادی کر دی جاتی ہے۔ اسے ہم لوگ marriage by
capture کے نام سے جانتے ہیں۔

[illegible] آدم ذات میں 'گرل گھر گھوڑ' نام کی ایک شادی کا رواج ہے۔
وغیرہ کے موقع پر ہونے والے ایک عام میلہ میں کسی مقام پر ایک لمبا سا لکڑی
کا کھمبا زمین میں گاڑ دیا جاتا ہے۔ اس کھمبے کے اوپری سرے پر ایک [illegible]
میں گڑ یا ناریل کا کچھ ٹکڑا باندھ دیا جاتا ہے۔ اس میدان میں ایک طرف

باقی ص [illegible]

رانا گھاٹ-II پروجکت، ڈاک خانہ، ارن گھاٹہ، ضلع ندیا

دیہی ترقیاتی پروگرام کی تکمیل

سنہ [illegible] میں مغربی بنگال اجتماعی علاقائی ترقیاتی ایکٹ مجریہ ۱۹۷۳ کے تحت مغربی بنگال اجتماعی علاقائی ترقیاتی کارپوریشن قائم کیا گیا۔ یہ کارپوریشن مغربی بنگال کے تمام ضلعوں میں کام کر رہا ہے۔ رانا گھاٹ-II سی اے ڈی پی ان میں سے ایک ہے۔

الف- (۱)	اس پروجیکٹ کا کل جغرافیائی علاقہ	۲۱۴۸۹ ایکڑ
	آبپاشی کے تحت علاقہ	۷۲۴۶ ایکڑ
	کل زرعی زمین	۱۰۵۶۷ ایکڑ
(۲)	آبادی	۳۶۴۶۱ عدد
	مرد	۱۹۳۰۳ عدد
	عورت	۱۷۱۵۸ عدد
(۳)	شیڈولڈ کاسٹ	۲۰۶۴۴ عدد
	شیڈولڈ ٹرائب	۱۲۷۶ عدد
	دیگر	۱۴۵۴۲ عدد

(ب) کسانوں کی تقسیم:-

کسانوں کی قسمیں	خاندان کی تعداد	زرعی زمین ملکیت (ایکڑ میں)
بے زمین	۱۶۰۵	—
حاشیائی	۱۴۱۸	۲۰۲۴
چھوٹے	۸۸۶	۳۰۴۱
بڑے	۵۸۲	۴۹۳۹
کاریگر اور دیگر	۱۰۰۳	۶۵۳

(ج) آبپاشی کی سہولتیں۔

آبپاشی کے ذرائع	گہرے ٹیوب ویل کی تعداد	کم گہرے ٹیوب ویل کی تعداد
سی اے ڈی پی	۱۸	۳۵۷
سرکاری	۹	۲۵
پرائیویٹ	—	۶۷
سی اے ڈی پی ایف ایس سی لمیٹڈ		۴۵

سی اے ڈی پی کے گہرے ٹیوب ویل کو سی اے ڈی پی کے اسٹاف، جنھیں تنخواہ دی جاتی ہے، چلاتے ہیں اور کم گہرے ٹیوب ویلوں کو کیشتڑ بخشش چلاتے ہیں۔ گزشتہ ایک سال میں سب سے اہم ترقی یہ ہوئی کہ کم گہرے ٹیوب ویلوں کو چلانے میں ۱۸ فی صد کا اضافہ ہوا۔

(د) اس پروجیکٹ نے نہ صرف آبپاشی کا انتظام کیا بلکہ اس نے سائنسی کاشتکاری کے لیے کسانوں کو زرعی سامان جیسے

بیج، کھاد اور دیگر اشیاء سپلائی کرنے کی سہولتیں بھی فراہم کیں۔
اس پروجیکٹ کے تحت سبد لپور، پور بنگا پاڑہ، دالوا باڑی، دیتا ولیہ اور باہر گاچھی گاؤں میں ۵ سروس اسٹیشن (مراکز فروخت) قائم کئے گئے ہیں جہاں سے کسانوں کو ضرورت کی چیزیں سپلائی کی جاتی ہیں۔

(ہ) دیہی اور زرعی قرض فراہم کرنے کی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے یہ پروجیکٹ اپنے فارمرس سروس کوآپریٹو سوسائٹی کے ذریعہ اس پروجیکٹ کے علاقہ میں رہنے والے کسانوں کو زرعی قرض کی سہولتیں فراہم کر رہا ہے۔

(و) <u>بازار میں فروخت</u>۔

اس پروگرام کو اور بھی جامع بنانے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ زرعی پیداوار میں اضافہ کے لئے حسب مناسب بازار بھی فراہم ہو اور اگانے والوں کو ایک اچھی قیمت بھی ملے۔
اس پروجیکٹ نے زرعی پیداوار کی، خاص طور پر پاٹ اور کلائی دال، جنھوں نے زرعی پیداوار کی قیمت پر اچھا خاصہ اثر کیا، بازار میں فروخت کے لئے پر خلوص کوشش کی۔ ۱۹۸۱ء میں اس پروجیکٹ نے یہ نشانہ مقرر کیا تھا کہ فارمرس سروس کوآپریٹو سوسائٹی کے ذریعہ جے سی آئی کے مقررہ مناسب قیمتوں پر مقامی اگانے والوں سے ۱۳۵۰۰ کوئنٹل پاٹ خریدا جائے۔

لیکن اس پروجیکٹ میں بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ جوٹ کارپوریشن آف انڈیا نے کام کے فی دن میں ایک گاڑی سے زیادہ پاٹ لینے سے انکار کر دیا۔ اس لئے اس بات کے پیش نظر اس پروجیکٹ کو مجبوراً حصولیابی کے کام کو اس وقت تک ملتوی رکھنا پڑا جب تک کہ جے سی آئی پورا پاٹ اٹھا نہ لے جائے۔

<u>پاٹ اسٹوریج</u>۔

ہمارے مجوزہ ایڈمنسٹریٹو بلڈنگس اور کولڈ اسٹوریج کے پاس ہی ایک اجتماعی ٹھنڈے گھر کی تعمیر ہو رہی ہے۔
اس سے ہمارے اسٹوریج کے پروگرام اور بازار میں فروخت کرنے کی اسکیم کو کافی مدد ملے گی۔ یہ کام اب قریب الاختتام ہے۔
ایک پروگرام یہ بھی ہے کہ ہمارے الیف ایس سی ایس
بلڈنگ کے نزدیک این سی ڈی سی کی مالی امداد سے ایک الگ اسٹوریج تعمیر کیا جائے۔ اس کے لئے زمین بھی خریدی گئی ہے۔

یہ اجتماعی اسٹوریج بہت بہتر طور پر کام کر سکتا ہے اگر اس کے سامنے کی سڑک بہتر طور پر تعمیر کی جائے۔ یہ سڑک تقریباً ۱۲۰۰ فیٹ لمبی ہوگی اور پی ڈبلیو ڈی کی مدد سے اس سڑک کو اس طرح تیار کیا جائے کہ اس پر ہر موسم میں گاڑیاں آسانی سے آمد و رفت کر سکیں۔

<u>چھوٹے پیمانہ کی صنعت</u>

زرعی ترقی کے ساتھ ساتھ اس پروجیکٹ نے چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی ترقی کے لئے بہت سارے پروگراموں پر عمل درآمد کا کام شروع کر دیا ہے، اس اقدام کی وجہ سے بہت سارے مضافاتی بے روزگاروں کو روزگار فراہم ہوا۔

(الف) اس پروجیکٹ نے ایک نیم پروسیس لینس کارخانہ چالو کیا ہے۔ اس ۱۳ دیہی عورتیں کام کرتی ہیں۔ آگے چل کر دیگر لوگوں کو اس میں روزگار فراہم کرنے کے مدنظر اس صنعت کا اس سوسائٹی کی طرح انتظام کیا جائے گا۔ اس صنعت کی تیار کردہ مصنوعات کی فروخت کی ذمہ داری ارتھی انڈسٹریل کوآپریٹو سوسائٹی لمیٹڈ نے لی۔

(ب) اس پروجیکٹ کے پاس نئے ماڈل چرخے کی ۳۲ یونٹیں اور مسکن چرخے کی ۲۵ یونٹیں قائم کرنے کا پروگرام ہے۔ اس سلسلہ میں مشینیں خریدی جا چکی ہیں اور یہ یونٹیں بہت جلد چالو ہو جائیں گی۔

(ج) ان کے علاوہ اس پروجیکٹ نے عورتوں کے لئے ۵ رجسٹرڈ ایسوسی ایشن کا انتظام کیا ہے۔ یہاں لباس تیار کرنے اور پھلوں کو پروسیس کرنے کا انتظام کیا جائے گا۔

(د) شہد کی مکھیوں سے شہد حاصل کرنے کے پروگرام کو بھی بروئے عمل لایا جائیگا۔ اس سلسلہ میں شہد کی مکھیوں کے لئے ۱۲۵ مصنوعی چھتے سپلائی کئے جائنگے اور تقریباً ۲۵ دیہی عورتوں کو اس کام میں لگایا جائے گا۔ اب تک ہمارے مصنوعی چھتے اور دیگر ضروری ساز و سامان حاصل کر لئے گئے ہیں۔

<u>تعلیم بالغان</u>

۱۹۸۰ء میں ہم لوگوں نے بالغوں کی تعلیم کے لئے ۳۰ مرکزوں ـــ

مراکز مردوں کے لئے اور ۳ مراکز عورتوں کے لئے — کا انتظام کیا۔ فروغ
اس پروجیکٹ کے تحت ۹۰۰ بالغوں کو تعلیم کا کام شروع کیا۔ لیکن
جن میں ۵۵۳ افراد نے ۱۰ مہینے کا کورس ختم کیا۔ اس سال یعنی
۸۱-۱۹۸۰ء میں اس پروجیکٹ نے ۳۰ مراکز - ۲۵ مراکز مردوں کے لئے اور
عورتوں کے لئے - نے چالو کئے۔ ان میں ۹۰۰ بالغوں کو تعلیم دی گئی۔ ان میں
۷ مرد تھے اور ۱۵۰ عورتیں نوخواندہ تھیں۔

پانی ترقی پروگرام :-

اس پروجیکٹ نے قبائلیوں اور دیگر فرقوں کے علاقوں میں پینے کے پانی
سپلائی کے لئے ۲۰ نئے ٹیوب ویل بٹھائے اور ۲۰ پرانے ٹیوب ویلوں کو
دوبارہ بٹھایا۔

شیڈولڈ کاسٹ ترقیاتی پروگرام

اس پروجیکٹ کے علاقہ میں شیڈولڈ کاسٹ کے لوگوں کی بابت ایک
جائزہ لیا گیا۔

ایک پروگرام کے تحت پنچایت سے مشورہ کرنے کے بعد ترجیحی بنیاد پر
شیڈولڈ کاسٹ خاندانوں کے درمیان جلدی اور زیادہ پیداوار کے ...
۲۰ تیل کے ۲۰۰ اور دال کے ۱۰۰ مینی کٹس تقسیم کئے گئے۔

مویشیوں کی پرورش و پرداخت پروگرام

اس پروجیکٹ نے مویشیوں کی پرورش و پرداخت کے سلسلہ میں متعلقہ
لوگوں کی تربیت دی ہے اور اس نے رتنا لیہ ... ت دفتر میں یعنی ہمارے پروجیکٹ
علاقہ میں مویشیوں کے علاج کا کام شروع کر دیا ہے۔ جانوروں کے علاج
ایک ڈاکٹر، جو رانا گھاٹ III سی ڈی بلاک کا ہے، یہاں ہفتہ میں ایک روز
آتا ہے اور جانوروں کے علاج کے لئے مفت دوا تقسیم کرتا ہے۔ اس سے کسانوں
کو کافی فائدہ پہونچا۔ این ڈی ڈی بی کی مدد سے ۵ ڈیری کوآپریٹیو سوسائٹیاں
قائم کی گئیں۔

ماہی پروری :-

اس پروجیکٹ نے اپنے علاقہ میں ماہی پروری کے پروگرام کو اپنایا ہے
اس علاقہ میں مچھلیوں کی پرورش کے لئے ۳ مظاہرے بھی پیش کئے گئے۔
اس علاقہ میں اس پروجیکٹ سے غریب لوگوں کو ۱۲۰۰۰ چھوٹی مچھلیاں دی
گئیں تاکہ وہ ان کی اپنے اپنے تالاب میں پرورش کریں۔

خصوصی اسکیم قرض

اس پروجیکٹ کے تحت گیہوں اور تیل کے بیجوں کی علی الترتیب ۵۰ ایکڑ
اور ۵ ایکڑ زمینوں پر جلد سے جلد پیداوار کے پروگرام کو بروئے کار لایا گیا۔
اس اقدام سے نہ صرف پروجیکٹ علاقہ کے بلکہ پروجیکٹ کے باہر کے
علاقوں کے لئے بیج کی ضرورتیں پوری کی جائیں گی۔

مہیلا سمیتی

اس پروجیکٹ کے انتظامیہ کے تحت دو مہیلا سمیتیاں رجسٹرڈ کی گئیں۔
یہ سمیتیاں اس بات کا خیال رکھیں گی کہ دیہی عورتوں کی اقتصادی ترقی کی رفتار
جاری رہے۔

از :- سنتوش کمار چکرورتی
ایس۔ ڈی۔ آئی۔ او، راناگھاٹ۔

بقیہ :- ہندستانی آدیباسیوں ....

لڑکے ایک گول بناکر ناچتے رہتے ہیں۔ اور دوسری طرف کچھ لڑکیاں گول
بناکر ناچتی رہتی ہیں۔ کچھ دیر کے بعد لڑکیوں کا جھنڈ ناچتے ناچتے اس
کھمبے کو گھیر لیتی ہیں۔ اب ان لڑکوں کے جھنڈ میں سے ایک لڑکا جسے شادی
کرنی ہوتی ہے نکل کر لڑکیوں کے گھیرے میں آجاتا ہے اب وہ لڑکا کھمبے
میں چڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر لڑکیاں اسے چڑھنے سے روکتی ہیں۔
وہ لڑکا کھمبے پر نہ چڑھ پائے اس کے لئے ان لڑکیوں سے جو بھی بن پڑتا
ہے کرتی ہیں۔ اسے نوچتی کھسوٹتی ہیں۔ یہاں تک کہ ڈنڈوں اور جھاڑو
کا بھی استعمال کرتی ہیں۔ ان ساری تکلیف کے باوجود بھی لڑکا اگر
کھمبے پر چڑھنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اوپر تھیلے میں باندھے
ہوئے گڑ اور ناریل کا ٹکڑا کھانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تب
اس لڑکے کا یہ حق ہو جاتا ہے کہ جس لڑکی سے چاہے شادی کر سکتا ہے۔

آدی واسیوں میں ایک ٹیکس شادی کا بھی رواج ہے۔ اس میں
دلچسپ بات یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے لڑکی حاصل کرنے کے لئے
لڑکی کے والدین کو لڑکی کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔ یہ نقد کی
بجائے کسی چیز کی شکل میں دی جاتی ہے۔

سنتھال اور بیرہور ذاتوں میں ایک انوکھا طریقہ
شادی کا رائج ہے جسے ہم ہٹھ شادی کے نام سے جانتے ہیں
جب کسی لڑکی کی شادی نہیں ہو رہی ہوتی ہے یا شادی طے ہونے

باقی صفحہ پر

زرمبادلہ کے حصول میں سیاحت کی اہمیت

۱۹۵۱ء میں ہندوستان کو ۱۶۸۲۹ غیر ملکی سیاحوں کی آمد سے ۷۷ء۲ کروڑ روپئے کا زرمبادلہ حاصل ہوا تھا۔ لیکن ۱۹۸۰ء میں سیاحوں کی تعداد ۸۰۰۱۵۰ اور ان سے حاصل شدہ زرمبادلہ کی مالیت ۴۸۲ کروڑ روپے ہو گئی۔

عالمی جنگ کے بعد دنیا کے کئی حصوں میں بے مثال اقتصادی خوشحالی اور فضائی نقل و حمل کے فروغ کی بدولت آج عالمی تجارت میں سیاحت کا مقام سر فہرست ہے۔ یہ اس وقت دنیا کی دوسری سب سے بڑی برآمدی صنعت ہے۔ لیکن یہ محض ایک صنعت نہیں بلکہ ایک تحریک بھی ہے، جس کو تقویت پہنچانے کے لئے کئی صنعتوں کو فروغ دیا جاتا ہے۔

سیاحت کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ ہزاروں برس سے لوگ تیرتھ یاترا کے لئے یا نئی سرزمینوں اور نئے نظریات کی تلاش میں سفر کرتے رہے ہیں۔ لیکن آج کل کی جیسی سیاحت دوسری عالمی جنگ کے بعد شروع ہوئی۔ گزشتہ ۳۰ برس میں اس کی تیزی سے ترقی ہوئی ہے۔

۳۰ برس قبل صرف ۲ء۵۳ کروڑ افراد نے غیر ممالک کا سفر کیا اور ۲۱۰ کروڑ امریکی ڈالر خرچ کئے۔ لیکن ۱۹۸۰ء میں مسافروں کی تعداد ۲۸ء۶۵ کروڑ اور خرچ کی مالیت ۹۲۵۰ کروڑ روپے ہو گئی۔ یہ اضافہ اتنا زیادہ ہے کہ فیصد اضافے کا حساب لگانا بے سود ہوگا۔

ہندوستان میں ۱۹۵۰ء تک سیاحت پر بہت کم توجہ دی گئی۔ صحیح معنوں میں ۱۹۵۱ء سے اس طرف توجہ دی جانے لگی۔ اس سال کے دوران ملک میں ۱۶۸۲۹ غیر ملکی سیاح آئے تھے جن سے ۷۷ء۲ کروڑ روپے کا زرمبادلہ حاصل ہوا۔ ۱۹۵۵ء تک یہ تعداد ۴۳۲۶۹ ہو گئی یعنی ان پانچ برسوں میں ۱۸ء۶ فی صد سالانہ اضافہ ہوا اور حاصل شدہ زرمبادلہ ۱۰ء۳۰ کروڑ روپے ہو گیا۔ ۱۹۷۰ء تک یہ اعداد بالترتیب ۲۸۰۸۲۱ اور ۲۶ء۶۰ کروڑ روپے تھے مگر ۱۹۸۰ء کے دوران یہ اعداد بالترتیب ۸۰۰۱۵۰ اور ۴۸۲ کروڑ روپے ہو گئے۔

حاصل شدہ زرمبادلہ کا حساب سیاحوں کے اخراجات کے سروے کے ذریعہ لگایا جاتا ہے۔ محکمہ سیاحت کے لئے مختلف تحقیقی ادارے یہ سروے کرتے ہیں۔ ۱۹۵۱ء اور ۱۹۵۵ء کی رقوم کا حساب ریزرو بینک آف انڈیا کے فراہم کردہ اعداد و شمار کی بنیاد پر لگایا گیا تھا۔ ریزرو بینک آف انڈیا اب بھی یہ حساب رکھتا ہے لیکن ان میں اور سروے کے ذریعہ حاصل شدہ اعداد و شمار میں فرق ہوتا ہے کیونکہ موخر الذکر میں غیر ممالک میں مقیم ہندوستانیوں اور پاکستان و بنگلہ دیش کے شہریوں سے متعلق اعداد و شمار کو شامل نہیں کیا جاتا۔ ریزرو بینک آف انڈیا کے اعداد و شمار کی بنیاد پر ۱۹۸۰ء میں حاصل شدہ زرمبادلہ ۷۸۵ کروڑ روپے تھا جبکہ محکمہ سیاحت کی طرف سے کرائے گئے سروے کی بنیاد پر یہ رقم ۴۸۲ کروڑ روپے تھی۔ ان اعداد و شمار کے فرق کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ۱۹۸۰ء میں ۵۰۰ کروڑ روپے اور ۷۸۵ کروڑ روپے کے درمیان زرمبادلہ حاصل ہوا۔ ۵۰۰ کروڑ روپے کا زرمبادلہ بھی کچھ کم اہم نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زرمبادلہ حاصل کرنے والی ہندوستانی صنعتوں میں سیاحت کا تیسرا یا چوتھا نمبر ہے۔

قومی معیشت میں سیاحت کی صورت حال قدرے دل خوش کن ہے لیکن عالمی سیاحت میں اس کا تناسب بہت کم ہے مثلاً ۱۹۸۰ء میں

عالمی سیاحوں کی کل تعداد ۲۸ء ۲۵ کروڑ تھی۔ اس میں ہندوستان آنے والے سیاحوں کی تعداد صرف ۰ء۲۱ فی صد ہے۔ اس طرح سیاحت سے دنیا بھر کو حاصل ہونے والے زرِ مبادلہ ۰ء ۹۲۵ کروڑ امریکی ڈالر) میں سے ہندوستان کو صرف ۶۴ء۰ [illegible] حاصل ہوا۔

ایک اور زاویے سے دیکھا جائے تو یہ موازنہ گمراہ کن ہے۔ دنیا کی ۹۳ فیصد سیاحت صرف ترقی یافتہ ممالک میں ہوتی ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں صرف سات فی صد اور جنوبی ایشیا میں ۵ء۰ فی صد سیاح آتے ہیں۔ موٹر گاڑی کے ذریعہ محض چند گھنٹے میں کوئی فرانسیسی اسپین پہنچ سکتا ہے اور سوئٹزرلینڈ کا کوئی باشندہ اٹلی پہونچ سکتا ہے۔

ہندوستان میں سیاحت کے فروغ کے وسیع امکانات موجود ہیں۔ گزشتہ ۳۰ برس کے دوران ہندوستان نے سیاحت کے میدان میں بہت ترقی کی ہے تیز آئندہ دس یا بیس برسوں میں اور اس کے بعد بھی اور زیادہ ترقی کرے گا۔

۱۹۷۹ء سیاحت کے لئے کچھ اچھا سال نہ تھا کیونکہ اس سال صرف ۲ء۲ فی صد اضافہ ہوا جبکہ ۱۹۸۰ء میں سیاحت میں ۷۶ء۴ فی صد اضافہ ہوا۔ اس سال کے ابتدائی چھ ماہ میں دس فی صد اضافہ ہوا ہے لیکن یہ پوری طرح کافی نہیں ہے کیونکہ ہندوستان میں سیاحت کا اضافہ ۱۵ تا ۲۰ فی صد تک ہو چکا ہے۔ درحقیقت یہ واحد سیکٹر ہے جس میں ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۸ء کی دہائی میں ۲۶ء۴ فی صد ہوا ہے۔

زرِ مبادلہ حاصل ہونے کے علاوہ سیاحت سے دیگر کئی فائدے بھی ہیں۔ ہندوستان میں سیاحت کے ذریعہ آنے والا ایک ڈالر ہندوستانی معیشت کو مختلف طریقوں سے ۲۰ء۳ ڈالر دیتا ہے یعنی ملک کی طرف سے حاصل کیا گیا ۰ء۵ کروڑ روپے کا زرِ مبادلہ مجموعی طور سے ۱۶۳۵ کروڑ روپے کی اقتصادی سرگرمیاں انجام دیتا ہے۔

سیاحت کی کامیابی کو صرف روپے یا ڈالر کی شکل میں نہیں ناپنا چاہیئے۔ اس سے اور بھی فائدے حاصل ہوتے ہیں جو کہ غالباً زیادہ اہم ہیں۔ سیاحت سے آمدنی کی مساویانہ تقسیم خصوصاً دیہی علاقوں میں روزگار کی فراہمی قومی ایک جہتی اور فرقہ وارانہ میل جول نیز بین الاقوامی میل جول اور خیر سگالی میں مدد ملتی ہے۔

اعلانیہ

فارم IV (رول ۸)

مغربی بنگال

رجسٹریشن آف نیوز پیپر (سنٹرل) رولس ۱۹۵۶ء کے رول ۸ کے تحت مندرجہ ذیل تفاصیل شائع کی جا رہی ہے۔

(۱) مقامِ اشاعت — رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ۔ ۷۰۰۰۰۱

(۲) وقفہ اشاعت — پندرہ روزہ

(۳) پرنٹر کا نام — دینیکر رائے

کیا وہ ہندوستان کا شہری ہے — ہاں

پتہ ۱۶ سردار کارتک بوس اسٹریٹ۔ کلکتہ ۷۰۰۰۰۹

(۴) شائع کرنے والے کا نام — دھیریندر ناتھ دت

کیا وہ ہندوستان کا شہری ہے — ہاں

پتہ — ایڈیٹر آف پبلیکیشن،

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور،

حکومت مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس،

کلکتہ۔ ۷۰۰۰۰۱

(۵) ایڈیٹر کا نام — دھیریندر ناتھ دت

پتہ :- ایڈیٹر آف پبلیکیشن،

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور،

حکومت مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس

کلکتہ۔ ۷۰۰۰۰۱

(۶) اس پندرہ روزہ پرچہ کے مالکوں اور شرکت داروں کا نام۔

(۱) مالک کا نام۔ حکومت مغربی بنگال، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

(۲) ایک فی صد شرکت داروں کے نام — کوئی نہیں

میں دھیریندر ناتھ دت، اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ جو تفاصیل دی گئی ہیں وہ میرے علم و یقین کے مطابق صحیح ہیں۔

دستخط

دھیریندر ناتھ دت پبلشر

یکم مارچ ۱۹۸۲ء

مغربی بنگال میں زراعت

مغربی بنگال مزدوروں کی رن

کلکتہ میں مغربی بنگال سرکاری سنگیت اکاڈمی کا افتتاح

کلکتہ میں مغربی بنگال سرکاری سنگیت اکاڈمی کے افتتاح کے موقع پہ سنگیت کا پروگرام

شہری اور جمہوری حقوق کی بحالی، برقراری اور توسیع میری حکومت کا بہت ہی کارنامہ ہے

شری بی۔ ڈی۔ پانڈے، گورنر، مغربی بنگال

شری بی۔ ڈی۔ پانڈے گورنر مغربی بنگال نے ۱۲ مارچ ۱۹۸۲ء کو مغربی بنگال دستور ساز اسمبلی کا افتتاح کیا۔ اپنی افتتاحی تقریر میں گورنر نے ۲۱ جون ۱۹۷۷ء سے جب موجودہ بائیں محاذ حکومت برسر اقتدار آئی تھی، اب تک ریاستی حکومت کی گرانقدر کارگزاریوں کا ذکر کیا۔

انہوں نے کہا "شہری اور جمہوری حقوق کی بحالی، برقراری اور توسیع میری حکومت کا بہت ہی اہم کارنامہ ہے۔ "مختلف سیاسی خیالات کی پارٹیوں اور جماعتوں کو اس بات کی کھلی اجازت دی گئی ہے کہ وہ سب اس ریاست میں اپنے خیالات کا آزادی سے اظہار کریں اور اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ میری حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ نیشنل سیکیورٹی ایکٹ اور اسنشیل سروسیز مینٹیننس ایکٹ جیسے قوانین کو اس ریاست میں لاگو نہیں کریگی۔ اس ریاست میں انتہائی حد تک اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے۔ میری حکومت خاص طور پر اس بات پر بھی خیال رکھتی ہے کہ قبائلیوں اور ہریجنوں کو کسی قسم کی بے حرمتی کا سامنا کرنا نہ پڑے اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے ہمارا انتظامیہ ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔ عام طور پر ان برسوں میں مغربی بنگال میں امن و امان کی صورت حال سارے ملک میں تقریباً سب سے بہتر ہے گرچہ کبھی کبھی مفاد پرستوں نے دیہی علاقوں میں، خاص طور پر بیج کے بونے اور فصل کی کٹائی کے موقعہ پر امن و امان کی صورت حال کو بگاڑنے کی کوششیں بھی کیں، لیکن جہاں کہیں بھی ایسی صورت حال پیدا ہوئی تو وہاں بہت سخت انتظامی اقدامات کئے گئے۔

دستور کی پابندیوں کے تحت میری حکومت نے گذشتہ پانچ برسوں میں محنت کش عوام کو انتظامی، قانونی اور مالی اقدامات کے فوائد پہونچانے کی کوشش کی۔ جاگیر رکھنے والوں لوگوں کو خوش رکھنے اور محروم طبقوں کے لوگوں کے مفادات کو کچل دینے کے لئے امن و امان کے قوانین کا استعمال نہیں کیا گیا۔ ساری ریاست میں بے زمین مزدوروں، چھوٹے کاشتکاروں اور برگداروں، سارے ہی محنت کش طبقوں کے لوگوں کے حقوق میں توسیع کرنے کے لئے قوانین پاس کئے گئے۔

میری حکومت ان تبدیلیوں پر، جو اس نے مضافاتی آبادی میں تخلیقی قوت پیدا کرنے کے لئے شروع کی ہے اور جسے مستحکم بنایا ہے بجا طور پر فخر کرتی ہے۔ اس ریاست میں اصلاحات آراضی کی تیز رفتاری کے سبب ملک کی توجہ مبذول کی ہے۔ برگداروں کے قانونی حقوق کو نافذ کرنا اور آپریشن برگہ کام کی تکمیل اس ریاست کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر

ص

نئے مالی سال کے شروع سے لیکر موجودہ اسمبلی کی مدت ختم ہونے کے دن تک سرکاری اخراجات کے سلسلے میں ووٹ آن اکاؤنٹ

وزیر مالیات حکومت مغربی بنگال اشوک مترا

گذشتہ پانچ برسوں میں ۱۲ ریاستی حکومتوں نے کل جتنے وسائل اکٹھا کئے

ہم لوگوں نے الیکشن کمشنر سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ اس سال ۵ مارچ سے قبل ریاستی اسمبلی کے لئے انتخابات کے کام مکمل کر لیں۔ لیکن اب چونکہ انتخابات نئے مالی سال میں ہوں گے۔ اس لئے یہ ضروری ہے نئے مالی سال کے شروع سے لیکر موجودہ اسمبلی کی مدت کے ختم ہونے کے دن تک سرکاری اخراجات کے سلسلے میں اکاؤنٹ کیلئے آپ لوگوں کی منظوری حاصل کی جائے۔ دستور کی دفعہ ۲۰۶ کے تحت میں نے یہ اعلان کیا ہے کہ میں سنہ ۸۲-۸۳ء کے لئے سالانہ مالی گوشوارہ اور اس کی تائید میں آمدنی اور خرچ کے گوشوارے پیش کروں لیکن آمدنی اور اخراجات کا تخمینہ عارضی ہے۔ نئی حکومت کے برسراقتدار آنے کے بعد اخراجات کی تجاویز پر از سر نو غور کیا جائے گا اور اسی طرح محاصل کی بابت غور و خوض کیا جائے گا۔

دو اور وجوہ کے لئے بھی سالانہ مالی گوشوارہ میں مندرج تخمینہ عارضی ہیں سنہ ۱۹۸۱-۸۲ء کے لئے جاری آمدنی کی جو سنہ ۱۹۸۲-۸۳ء کے لئے ابتدائی کمی ہے ریزرو بینک آف انڈیا کے فراہم کردہ اعداد و شمار کی صورت میں پیش کیا گیا۔ جنوری سنہ ۱۹۸۱ء سے لیکر چھ ماہ سے زیادہ عرصہ تک ریزرو بینک آف انڈیا کے کام کاج میں دشواریاں پیدا ہو گئیں اور اس کا اثر اس کے یہاں ہمارے اکاؤنٹس پر بھی ہوا۔ لہذا سنہ ۱۹۸۰ء کے پہلے چوتھائی

عرصہ میں کمرشیل ٹیکس کی مد میں ہمیں جو رقوم حاصل ہوئیں وہ سنہ ۱۹۸۰ء میں اسی عرصہ میں حاصل کردہ رقوم سے ۳۰ فی صد زیادہ تھیں۔ لیکن جنوری سے مارچ سنہ ۱۹۸۱ء کے دوران دیگر مدوں میں بہت ہی کم رقوم حاصل ہوئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے جو یہ خیال کیا تھا کہ سنہ ۸۰-۸۱ء کے آخر میں بھی اتنی ہی کمی ہوگی جتنی کہ شروع میں وہ ہو نہ سکا اور آخر کمی ۱۱۱ کروڑ روپے کی ہوئی۔

یہاں میں سنہ ۸۲-۸۳ء کے لئے تخمینہ کردہ سالانہ اخراجات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں ان اخراجات میں ۵۰۸ کروڑ روپے کے تخمینہ کردہ سالانہ منصوبہ کے اخراجات بھی شامل ہیں۔ عزت مآب ممبران اس بات سے واقف ہیں کہ یہی ہمارا مقصد ہے کہ اس ریاست میں ترقیاتی اقدامات پر اخراجات میں بتدریج اضافہ کیا جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر ہم نے اس ریاست میں ترقیاتی اقدامات پر اخراجات میں بتدریج اضافہ کیا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر ہم نے اس ریاست کے سالانہ پلان کے سائز کو سنہ ۷۶-۷۷ء میں ۲۳۰ کروڑ روپئے سے بڑھا کر موجودہ مالی سال میں ۵۰۰ کروڑ روپئے کر دیا ہے۔ ترقی کی اس رفتار کو برقرار رکھنے کے لئے ہم اسے ضروری سمجھتے ہیں کہ سنہ ۸۲-۸۳ء میں سالانہ پلان کے

سائز میں اور بھی اضافہ کیا جائے۔ سال رواں میں قیمتوں میں جو اضافہ ہوا ہے، اس کے پیش نظر سالانہ پلان میں اضافہ نہایت ہی حاشیائی ہے۔

چنانچہ میں ایک بار پھر اس بات کو دہرا رہا ہوں کہ ۱۹۸۲-۸۳ء کی ابتدائی اور آخری کمی کے تخمینے پر بعد میں غور و خوض کر کے، کچھ تبدیلیاں لائی جا سکتی ہیں۔ اسی لئے موجودہ تخمینے دستوری ضرورتوں کے پیش نظر پیش کئے جا رہے ہیں۔

گزشتہ سال بجٹ پیش کرتے ہوئے پچھلے دور حکومت کے پانچ برسوں کے دوران مغربی بنگال میں جو اہم معاشی تبدیلیاں رونما ہوئیں، ان کا میں نے تفصیل سے ذکر کیا تھا۔ دو دن قبل گورنر بھی اپنے خطاب میں اور آج بھی اقتصادی جائزہ، جو آپ کو آج دیا گیا ہے "ان برسوں میں جو شاندار تبدیلیاں رونما ہوئیں، ان کی طرف آپکی توجہ مبذول کرائی۔ گزشتہ پانچ برسوں میں ہماری کامرانیوں کے سلسلے میں مغربی بنگال کے لوگوں کو بہت ہی جلد اپنا فیصلہ سنانے کا موقعہ ملے گا۔ بلاشبہ بائیں محاذ حکومت کے مقاصد اور پالیسیوں کی عوام تائید کریں گے۔ اب میں عزت مآب ممبروں کی توجہ ان مالی مسائل کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے جن سے ریاستی حکومتیں عموماً اور حکومت بنگال خصوصاً دوچار ہے۔

۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آنے کے بعد سے ہم لوگ وسائل اکٹھا کرنے کے لئے کتنی جاں توڑ محنت کر رہے ہیں، اس سے عزت مآب ممبران بخوبی واقف ہیں۔ ان کوششوں کی وجہ سے، ہم ریاستی بجٹ اخراجات کو ۱۹۷۶-۷۷ء میں ۴۹۰ کروڑ روپے سے بڑھا کر موجودہ مالی سال میں ۱۰۰۱ کروڑ روپے کر سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ تیس سال میں جتنے فاضل وسائل اکٹھا کئے گئے تھے، ہم لوگوں نے گزشتہ پانچ برس میں ان سے کہیں زیادہ اکٹھا کئے۔ ریزرو بینک آف انڈیا کے اعداد و شمار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان پانچوں برسوں میں چند برسوں میں ۲۱ ریاستی حکومتوں نے کل جتنے وسائل اکٹھا کئے تھے، ہم لوگوں نے ان سے کہیں زیادہ وسائل اکٹھا کئے۔ اس کے باوجود مرکزی حکومت کی مختلف پالیسیوں کی وجہ سے ریاستی حکومت کے وسائل پر دباؤ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اہم اور ضروری چیزوں کی قیمتوں میں، ساتھ ہی مسافروں اور مال اسباب کے ریلوے کرایے میں اضافہ نے مرکزی حکومت حالیہ برسوں میں۔ ظاہر ہے انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ کی ہدایتوں کو روبہ عمل لاتے ہوئے۔ حکومت ہندنا فذ کر رہی ہے، آمدنی اور خرچ دونوں ہی طرف ریاستی حکومتوں کے مسائل میں کافی اضافہ کر دیا ہے۔

جیسا کہ عزت مآب ممبروں کو معلوم ہے، اس وقت سے ریاستی حکومتوں کو بہت زیادہ محاصل کا نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہے جب سے حکومت ہند نے تمباکو اور تمباکو کی اشیاء، چینی اور کپڑوں پر ریاستی حکومتوں کے سیلس ٹیکس عائد کرنے کے حق کو فاضل آبکاری ایکٹ کے ذریعے لیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہماری طرف سے سپریم کورٹ نے ایک مقدمہ دائر کیا گیا ہے جس میں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ دستوری لحاظ سے یہ ایکٹ صحیح ہے یا نہیں۔

یہ معاملہ اب بھی سپریم کورٹ ہی میں ہے، لیکن اس دوران مرکز نے اس ایکٹ کی وسعت میں اضافہ کرنے کی تجویز پیش کی تاکہ اس کے تحت دیگر اہم چیزیں، معہ پٹرول کی مصنوعات، کھاد، سمنٹ، الونیم، کاغذ وغیرہ آ جائیں۔ ریاستی حکومت مغربی بنگال کے عوام سے درخواست کرتی ہے کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے اس اقدام کی مخالفت کریں۔ ہم لوگ بھی سنٹرل سیلس ٹیکس ایکٹ میں درج اس دفعہ کو نکال باہر کرنے کے لئے مہم چلائیں گے جن کے تحت ان چیزوں پر مخصوص پارلیمنٹ خصوصی اہمیت کا سامان قرار دے، ۴ فی صد سے زیادہ سیلس ٹیکس عائد کرنے کی ممانعت ہے۔ اس ایکٹ کی وجہ سے ریاستی حکومتیں اہم چیزوں جیسے کوئلہ، لوہا اور اسٹیل کی مجموعی پیداوار سے حسب خواہ ریونیو حاصل نہیں کر سکتیں۔

دستور کے تحت ریاستی حکومتوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ برآمد کرنے کی چیزوں پر سیلس ٹیکس عائد کرے۔ برآمدات کے فروغ کیلئے مرکزی حکومت کی موجودہ کوشش کی وجہ سے بہت ساری چیزیں جیسے چائے، پاٹ وغیرہ برآمد کی جا رہی ہیں، اس کے نتیجہ میں ریاستی حکومت کو ریونیو ٹیکس کا نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ بڑی اچھی بات ہوگی کہ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے مرکز ریاستوں کو کافی رقوم دے۔

وسائل اکٹھا کرنے کا ایک اہم ذریعہ دستور کی دفعہ ۲۶۹ میں رکھی گئی گنجائش کا بہتر استعمال ہے یعنی اس دفعہ کے تحت چند ٹیکس مرکزی حکومت لاگو کر لی ہے اور وہی وصول کرتی ہے۔ اس ٹیکس سے حاصل

کردہ رقم کو ریاستوں کے درمیان تقسیم کرنا چاہئے، لیکن اب تک
مرکز اس فنڈ کو استعمال میں لانے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے۔ ایسے
حالات میں اس اوور ڈرافٹ ٹیکس کو ریاستوں کو دے دینا چاہئے
اور اس سلسلے میں دستور میں مناسب ترمیم لانی چاہئے۔

دستور ہند کے مطابق سنٹرل ایکسائز ڈیوٹیز
(مرکزی محصول چونگی) سے جو رقم حاصل ہوتی ہیں، انھیں مرکز اور ریاستوں
کے درمیان تقسیم کرنا چاہئے۔ ساتویں مالیاتی کمیشن نے بھی یہی بات
کہی ہے کہ ریاستوں میں مذکورہ چونگی سے حاصل کردہ رقوم کی ۴۰ فی صد
رقم میں تقسیم کرنی چاہئے۔ اس کمیشن کی سفارش کو ناعمل بنانے
کے لئے، مرکز نے ایکسائز ڈیوٹیز کی شرحوں کو ٹھیک کرنے کے بجائے، کوئلہ،
اسٹیل، پٹرول کی مصنوعات اور کھاد وغیرہ جیسی چیزوں کی قیمتوں میں
انتظامی فرمان کے ذریعہ اضافہ کرنے کے اقدامات کئے۔ مساوات کا یہی
تقاضہ ہے کہ ان چیزوں کی انتظامی قیمتوں میں اضافہ سے جو رقوم
حاصل ہو رہی ہیں ان کا ۴۰ فی صد حصہ مرکز ریاستوں کو دے دے۔

اس طرح کوئلہ اور دیگر معدنیات کے لئے قیمت کی بنیاد پر
ریاستی حکومتوں کو رائلٹی (معاوضہ) دینے پر مرکز مجبوراً راضی ہوا ہے۔
ہماری یہ مانگ ہے کہ اب سے مرکز کوئلہ اور دیگر معدنیات کی بازار میں
اصل جو قیمت ہے، اس کا ۲۰ فی صد، جیسا کہ تیل کے معاملہ میں کیا جاتا ہے،
بطور رائلٹی ادا کرے۔

عزت مآب ممبروں کی منظوری کے بعد ۱۹۷۹ء سے
ریاستی حکومت کے ملازمین ۔۔۔ نیز وہ تمام ملازمین جنھیں ریاستی
حکومت سے تنخواہیں اور اجرتیں ملتی ہیں۔ کو مرکزی حکومت کی شرحوں
کے مطابق مہنگائی بھتہ دیا جا رہا ہے۔ اب تک ریاستی
حکومت کو اس مد میں ۲۰۰ کروڑ سے زیادہ روپئے کا بوجھ برداشت
کرنا پڑا۔ اس کی وجہ سے ہماری بجٹ پر بھی کافی دباؤ پڑا۔ اس لئے
ہم مرکز سے اس بات کی بار بار درخواست کر رہے ہیں کہ اخلاقی
بنیاد پر اس فاضل بوجھ کو برداشت کرنے کے لئے ریاستی حکومت کو
رقم فراہم کرے لیکن ہماری کوشش رائیگاں ثابت ہوئی۔ ہمیں امید ہے کہ
آٹھویں مالیاتی کمیشن جسے بہت ہی جلد قائم کیا جائیگا اپنی سفارشات
کرتے وقت اس بات کو بھی پیش نظر رکھیگا۔

انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ سے توسیع شدہ سہولت قرض کی شرائط
کے مطابق مرکزی حکومت اب اس دباؤ کے تحت ہے کہ وہ پرائیوٹ
اخراجات کی ہمت افزائی کرے اور اسی لحاظ سے اخراجات عامہ میں
کمی کرے۔ چونکہ مرکز کو اپنے اخراجات میں یہاں تک کہ غیر ترقیاتی
چیزوں پر بھی اخراجات میں کمی کرنے میں بہت ہی تکلیف محسوس
ہوتی ہے، اس لئے مرکز کی یہ خواہش ہے کہ ریاستیں اپنے اپنے اخراجات
معہ ترقیاتی اخراجات اور غریبوں کی فلاح و بہبود کے لئے اخراجات
اور غریبوں کی فلاح و بہبود کے لئے اخراجات میں کمی کریں۔ اس طرح
۸۰-۱۹۷۹ء سے مرکزی حکومت کے بجٹ میں اجتماعی خسارہ تقریباً
۷۰۰۰ کروڑ روپئے ہو گیا جبکہ ۲۲ ریاستی حکومتوں کا مجموعی اجتماعی خسارہ
جیسا کہ ان کے بینک اوور ڈرافٹوں سے ظاہر ہے۔

۲۵۰۰ کروڑ روپیہ ہے۔ اس طرح یہ بات نہایت نامناسب
معلوم ہوتی ہے کہ مرکز ریاستوں کو اپنے اپنے اوور ڈرافٹ (بینک سے
قرض) میں کمی کرنے کے لئے، خواہ ایسا کرنے سے ان کے پلان کا اخراجات
کم کیوں نہ ہو، مجبور کرنے کے لئے زبردست مہم چلا رہا ہے۔
اس میں ہمیں کوئی شک نہیں کہ مغربی بنگال کے عوام اس بے تکی
مانگ کے خلاف زبردست احتجاج کریں گے اور ہمارے اس نقطہ
نظر کی حمایت کریں گے۔ بینکوں سے قرض پانے کی سہولتوں سے مرکز اور
ریاستی حکومتیں دونوں برابر مستفید ہوتی رہی ہیں۔ ہمارا یہ بھی مطالبہ
ہے کہ کام کے بدلہ اناج پروگرام کو، جس سے لاکھوں دیہی غربا مستفید
ہو رہے تھے اور جسے آئی ایم ایف کی ہدایت پر مرکز نے ختم کر دیا
ہے، پھر سے پوری طرح بحال کیا جائے۔

جیسا کہ عزت مآب ممبران واقف ہیں کہ مرکزی بجٹ میں تجاویز
جیسے انکم ٹیکس کی شرحوں میں نئی ترمیم، ریاستی حکومتوں کے
ریونیو پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ چونکہ انکم ٹیکس کا ۸۰ فی صد رقم ریاستوں
کے درمیان تقسیم کر دینا ہوتا۔ اس لئے یہ بات نہایت اہم ہے
کہ مرکز یک طرفہ فیصلہ کرنے سے قبل، ان تمام مالی امور پر جن سے
ریاستیں اور عوام کی معاشی حالت متاثر ہوتے ہیں، ریاستوں سے
صلاح و مشورہ کرے۔

آخر میں یہاں یہ ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ ایک سال سے

آئی۔ایم۔ایف سے حاصل کردہ قرض کی شرائط ہماری قومی اقتصادی پالیسیوں کے خلاف ہیں

شری جیوتی باسو، وزیر اعلیٰ

ہم لوگ ایک سال سے زیادہ عرصہ کے بعد قومی ترقیاتی کاؤنسل میں مل رہے ہیں اس لئے میں آپ لوگوں سے معذرت خواہ ہوں اگر میں اظہار ناخوشی کے ساتھ اپنی تقریر شروع کروں۔ کیا مرکزی حکومت اس کاؤنسل کو اہمیت دے رہی ہے؟ یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ کاؤنسل قوم کے لئے معاشی اور سماجی ترقی کا ڈھانچہ تیار کریگا۔ ہم میں سے بہت سارے لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ سے مرکزی حکومت نے توسیعی سہولت قرض کی جو شرائط قبول کی ہیں وہ ہماری قبول شدہ قومی معاشی پالیسیوں کے خلاف ہیں۔ میرے خیال میں آزادی کے بعد سے ہم لوگ ملک کی ترقی کے لئے جس حکمت عملی کو بروئے عمل لا رہے ہیں یہ شرائط اس کی مخالف ہیں۔ نیز یہ شرائط تو غیر ملکی سرمایہ کے لئے ایک کھلی دعوت ہے، ساتھ ہی یہ شرائط اجارہ داری اور کثیر القومی کارپوریشن کے سلسلہ میں ماضی کی پالیسی کو رد کرنے کی ہدایت دیتی ہیں۔ ان میں اور بھی بہت سی باتیں درج ہیں جیسے باہر سے قرض لینے کا امتیازی حق، دیگر ملکوں کے ساتھ قرض کی ادائیگی، اور زر کی سپلائی یا بجٹ میں کمی کی حد مقرر کرنے وغیرہ۔ یہ باتیں میرے خیال میں قوم کی آزاد فیصلہ سازی پر بری طرح متاثر کرتی ہے۔ لیکن مرکزی حکومت نے احجاجات کو مناسب نہ سمجھا کر ان امور پر گفت و شنید کرنے کے لئے قومی ترقیاتی کاؤنسل کی میٹنگ بلائی جائے۔ میں نے وزیر اعظم کو خط لکھا تھا کہ قرض لینے سے قبل اس طرح کی میٹنگ بلائی جائے، لیکن مجھے ان کی حکومت کی طرف سے نفی میں جواب ملا۔

اگر قومی ترقیاتی کاؤنسل اس قسم کی قومی اہمیت کے امور پر غور نہ کرے، تو اس کاؤنسل کا کیا مقصد ہے اور ہم سب کیوں یہاں ہیں؟ اس کاؤنسل کی افادیت تو میری نظروں کے سامنے ہیں، اگر اس سے ان امور کی بابت، جہاں مرکز اور ریاستوں کے درمیان تعاون کی ضرورت ہوتی ہے اور جہاں مرکز اور ریاستی حکومتوں کے درمیان بات چیت کے ذریعہ ان پالیسیوں کی بابت، جن پر عمل درآمد کیا جا رہا ہے یا کیا جائیگا، غلط فہمی کو دور کیا جا سکتا ہے، مشورہ لیا جائے۔ لیکن اگر کاؤنسل کو فیصلے پیش کئے جائیں، تو اس سے اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔

اب میں اس کاؤنسل کی موجودہ نشست کے لئے مخصوص ایجنڈا کا ذکر کروں گا۔ اس ایجنڈا میں پہلی بات یہ ہے کہ موجودہ سال کو پیداواری سال ہونے کا اعلان کیا جائے۔ یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں وزیر اعظم ہم لوگوں سے کن امور کی تکمیل کا وعدہ لینا چاہتا ہے۔ ہم لوگ ایک نہ ایک کام کو بروئے عمل لانے کے لئے روایتی طور پر 'سال' مناتے ہیں، لیکن یہ روایت ہی رہتی اور کبھی بھی موثر نہیں بنتی۔ ہم سب یہاں اکٹھا ہوئے ہیں، پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے۔ لیکن یہ تو مزدور ہی ہیں جو پیداوار میں بہتری لانے اور اس میں اضافہ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ آپ اس جگہ پیداوار میں اضافہ کر ہی نہیں سکتے جہاں محنت کش طبقہ یہ محسوس کرے کہ اسے دبایا جا رہا ہے اس کا استحصال کیا جا رہا ہے۔ آزادی کے بعد سے کسی بھی وقت

زرعی اجرت ایسا ہو تاکہ غیر منظم مزدوروں کے لئے کم از کم قیمتوں میں اضافہ کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ غیر منظم طبقہ کے مزدوروں کی حالت تو اور بھی ابتر ہو گئی۔ منافع میں اضافہ ہوا لیکن اجرتوں میں اضافہ نہیں ہوا، بلکہ اجرتیں کم ہو گئیں۔ گزشتہ دو برسوں میں تو ملی تحفظ ایکٹ اور لازمی خدمات برقرار ایکٹ وغیرہ قوانین نافذ کر کے محنت کش طبقہ پر براہ راست حملہ شروع کر دیا گیا۔ بونس پانے کے حق کو بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ ٹریڈ یونینوں کے خلاف انسدادی اقدامات کو اور بھی تیز کر دیا گیا ہے۔ اگر محنت کشوں پر اعتماد نہ کیا جائے اور ان کے کم سے کم مطالبات کو پورے نہ کئے جائیں تو ایسی حالت میں پیداوار میں اہم یا مستقل اضافہ ہو نہیں سکتا۔ اگر وزیر اعظم موجودہ سال کو پیداواری سال میں تبدیل کرنے کی خواہاں ہیں تو انھیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ تمام جمہوری اور ٹریڈ یونین حقوق مزدوروں کو بحال کر دیئے جائیں۔ اس کے ساتھ ہی، زراعت میں اگر ہم زیادہ سے زیادہ پیداوار میں اضافہ کرنے کے خواہاں ہیں تو لاکھوں لاکھ حقیقی اور چھوٹے کسانوں کو ان کے غلے کی اچھی قیمت اور زرعی مزدوروں کو بہتر اجرت دی جانی چاہیے۔

ایجنڈے میں دوسری بات نیا ۲۰ نکاتی پروگرام ہے۔ وزیر اعظم نے اس پروگرام کا اعلان کیا تھا۔ مجھے یہ عجیب سا لگتا ہے کہ کونسل سے کہا جا رہا ہے وہ اس پروگرام پر اس کے اعلان کئے جانے کے بعد، قبل نہیں، گفت و شنید کرے۔ میں نے حال ہی وزیر اعظم کو ایک خط لکھا تھا جس میں اس ۲۰ نکاتی پروگرام کے سلسلہ میں میں نے اپنے نقطہ نظر کا اعلان کیا تھا۔ اس سے قبل کے ۲۰ نکاتی پروگرام کا، جس کا ہنگامی حالت کے دوران اعلان کیا گیا تھا، بہت سے علاقوں میں نفی نتیجہ ظاہر ہوا اور یہ بات بھی ظاہر نہیں کی گئی کہ کہاں تک اس پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا۔ ہماری ریاست میں ہم بائیں محاذ کے ۳۶ نکاتی پروگرام کو بروئے عمل لا رہے ہیں۔ وزیر اعظم کے اعلان کردہ ۲۰ نکاتی پروگرام کی بہت ساری باتیں ہمارے ۳۶ نکاتی پروگرام کے مطابق ہیں۔ اس طرح ہمارے اور وزیر اعظم کے پروگرام میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے، اس لئے ہم اپنے طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ہم ہر ممکن طریقہ سے تعاون کریں گے۔

جیسا کہ میں نے اپنے خط میں وزیر اعظم سے کہا تھا کہ تعاون تو دو طرفہ کام ہے۔ غریبوں، پسماندہ اور استحصال کے شکار لوگوں کی ترقی کے پروگرام صرف اسی وقت کامیاب ہوں گے جب مرکز بھی خوشی خوشی ریاستوں کے ساتھ تعاون کرے۔ اپنے محدود ذرائع اور اقتدار کے تحت رہتے ہوئے حکومت مغربی بنگال نے غریبوں، شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب اور اقلیتوں کی فلاح و بہبود کے لئے بہت سارے دور رس اقدامات کئے، اور ایسے اقدامات انتظامات کے نظام کی لامرکزیت کے ذریعہ کئے گئے۔ بدقسمتی سے گزشتہ دو برسوں میں مرکز کے سخت اور یکطرفہ ہدایت نے اس کام کو مکمل کرنے کی راہ میں زبردست روڑے رکھ دیئے۔

میں مرکزی حکومت کے اس فیصلہ کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں جس کے تحت کام کے لئے اناج پروگرام کے لئے اناج کی سپلائی میں بہت زیادہ کمی کر دی گئی۔ آزادی کے بعد سے مضافاتی علاقوں میں غریبی دور کرنے کے لئے یہ بہت ہی اہم پروگرام تھا لیکن اس فیصلہ نے اس پروگرام کو ختم کر دیا۔ حکومت کے اناج کے اسٹاک میں کمی ہو سکتی ہے لیکن سماجی انصاف کا یہ تقاضہ ہے کہ غریبوں کو سب سے پہلے اناج سپلائی کیا جائے۔ لیکن مرکز نے اس کے خلاف فیصلہ کیا۔

اس سلسلہ میں میں جامع دیہی ترقیاتی پروگرام کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اس پروگرام کی تکمیل کے لئے سرکاری ذرائع کے ساتھ ساتھ بنکوں سے بھی فنڈ فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔ چونکہ زیادہ تر بنکوں کو قومیا لیا گیا ہے۔ اس لئے میں نے یہ خیال کیا کہ ان کے ذریعہ ہی حکومت کی ہدایات کو بروئے عمل لایا جائے گا۔ لیکن گزشتہ دو برسوں میں ہمیں بہت ہی تلخ تجربہ ہوا، کیونکہ زیادہ تر بنکوں نے جامع دیہی ترقیاتی پروگرام میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ ہم لوگوں نے مرکزی حکومت سے بار بار درخواست کی کہ وہ اس سلسلہ میں بنکوں کو سمجھائے بجھائے، لیکن مرکزی حکومت نے ایسا نہیں کیا۔ نیز ہم نے چھوٹے کسانوں، بٹائی داروں، آرٹسٹوں اور بے روزگار نوجوانوں کی مدد کرنے کے لئے قومیائے گئے بنکوں کا کردار افسوسناک رہا۔ وزیر اعظم کے بیانات میں انتہائی حد تک زمین رکھنے کے سلسلہ

میں ترامیم اور فیصلوں کی تکمیل، فاضل زمینوں کی تقسیم اور انتقال کا ور قانونی رکاوٹوں کو دور کر کے زمین کے ریکارڈ کو مکمل کرنے کی ضرورت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کاؤنسل کو یہ جاننے سے دلچسپی ہوگی کہ ہماری اسمبلی نے پوشیدہ زمینوں کی کھوج اور انھیں ضبط کرنے کے لئے ہمارے اصلاح اراضی ایکٹ میں ترمیم کی، لیکن ترمیم شدہ بل کئی مہینوں سے مرکزی حکومت کے پاس پڑا ہوا ہے، اسے اب تک صدر کی منظوری نہیں ملی۔ اس لئے ہم کیسے اس بات پر یقین کر سکتے ہیں کہ مرکزی حکومت بھی اصلاحات اراضی کے کام کو پُرخلوص طریقہ سے انجام دینا چاہتی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ ہم سبھوں کی یہی خواہش ہے کہ ترقیاتی اور دیگر پروگراموں کو مقررہ وقت کے اندر پایۂ تکمیل تک پہونچایا جائے۔ لیکن بہت ساری سطحوں پر ہمیں سستی نظر آتی ہے، نیز ذمہ داریوں سے نکل بھاگنے کا رجحان نظر آتا ہے۔ ان تمام کمزوریوں کو دور کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی، قیمتوں، بنیادی خام اشیاء اور دیگر ضروری سامان اور ان کی نقل کے سوال پر، مرکزی حکومت کو ایک اہم ذمہ داری نبھوانا ہے اور اسے اس ذمہ داری کو نبھانا چاہئے۔

آج کی نشست کے لئے ایجنڈا میں تیسری بات امن وامان اور خاص طور پر کمزور طبقوں پر ظلم کی بابت ہے۔ خوش قسمتی سے ہماری ریاست میں یہ اہم مسئلہ نہیں ہے اور ان لوگوں کے حقوق کی مکمل طور پر حفاظت کی جاتی ہے۔

اس ایجنڈا میں جو تجویز پیش کی گئی ہے اس سے مجھے کچھ حیرت ہوئی، کیونکہ اس تجویز میں یہ باتیں درج ہیں کہ مغربی بنگال تقریباً بڑی تیزی سے فرقہ وارانہ واقعات رونما ہوئے ہیں۔ عام طور پر ہماری ریاست میں امن وامان کی صورت حال کافی بہتر ہے گرچہ وقتاً فوقتاً مختلف کوارٹروں سے یہاں وہاں مشکلات پیدا کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ اس طرح وزیر اعظم کے اس حالیہ عوامی اعلان کہ دیگر جگہوں کے مقابلہ میں مغربی بنگال میں امن امان کی صورت حال ابتر ہے، کا حقیقت سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ درحقیقت میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ان کا اس بے تکے اعلان سے مقصد کیا ہے۔ یہاں میں ایک اہم مسئلہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن سے ہم دوچار ہیں اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ

ان کی سیاسی پارٹی کے مختلف گروپوں کے درمیان مسلسل لڑائی جھگڑے ہو رہے ہیں، اور اس کی وجہ سے گزشتہ دو برسوں میں کم از کم ۲۴-افراد مارے گئے۔ مجھے امید ہے کہ وہ ان عناصر کو زیر قابو کر سکتے ہیں اور اسی طرح اس ریاست میں امن وامان کی صورت میں بہتری لانے میں ہماری مدد کر سکتے ہیں۔

ایجنڈے میں چوتھی بات دریائی پانی کے تنازعات کی بابت ہے۔ اس سلسلہ میں میں صرف ایک ہی بات کہنا چاہتا ہوں۔ خواہ اس میں یہ کیوں نہ فیصلہ کیا جائے کہ سیاسی سطح پر۔ جیسا کہ ایجنڈا میں ذکر ہے۔ پانی ذرائع بورڈ قائم کیا جائے، میرے خیال میں یہ اقدام اور بھی زیادہ سودمند ثابت ہوگا کہ مستقل تکنیکی کمیٹی قائم کی جائے جو ریاستوں کے درمیان رونما ہونے والے تنازعات کا تکنیکی پہلوؤں کا مسلسل جائزہ لیتی رہے گی۔ میں اپنے ساتھیوں سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو سکے، ایسے تنازعات کو عوامی شکل نہ دی جائے، کیونکہ جب ایک بار جذباتی مسائل لازمی تکنیکی مسائل سے مل جاتے ہیں، تو پھر ایسے مسائل کو حل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ایجنڈا میں آخری بات منصوبہ اور ریاستوں کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے مالی امداد سے متعلق ہے۔ مجھے اس سلسلہ میں بہت کچھ کہنا ہے بلاشبہ ہمارا منصوبہ بندی کمیشن ہے جو ہمیں اس امر پر اور دیگر متعلقہ مسائل کی بابت مشورہ دیتا ہے۔ لیکن گزشتہ دو برسوں میں اس کمیشن کے ساتھ متعدد بار میں نے بات چیت کی اور اس سلسلہ میں میرا تجربہ مایوس کن ثابت ہوا۔ ہم اس بات کی امید کرتے ہیں کہ اس ملک میں ترقی اور نیم ترقی کے مسائل پر منصوبہ بندی کمیشن پورا طور پر غور کریگا۔ ہمارے خیال میں اس کمیشن کو مرکز اور ریاستوں کے لئے ایک مشیر کی طرح کام کرنا چاہئے ساتھ ہی غربت کے بوجھ کو کم کرنے، خصوصی سمتوں میں کمیابی کو دور کرنے مختلف طبقوں اور علاقوں کے درمیان آمدنی کے نابرابری کو کم کرنے وسائل پیدا کرنے کے مسائل کو حل کرنے اور اسی طرح کی دیگر ضروری باتوں کے لئے یہ کمیشن اپنی خدمات پیش کریگا۔

باقی آئندہ ۹

جوش ملیح آبادی

ایک جائزہ

پروفیسر احتشام حسین کے مضمون سے اقتباسات

جوش بحیثیت شاعر اور فرد ایک متنازعہ شخصیت رہے ہیں۔ مگر جوش کی انسان دوستی اور ترقی پسندی پر کوئی شبہ نہیں کر سکتا۔ ماہنامہ "افکار" کراچی نے ۱۹۶۰ میں "جوش نمبر" شائع کیا جس میں ممتاز مارکسی نقاد پروفیسر احتشام حسین نے ایک طویل مطالعاتی مضمون لکھا تھا۔ اس میں جوش کے ذہنی ارتقاء کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ہم اس مضمون سے بعض اقتباسات یہاں نقل کر رہے ہیں جس سے جوش کے سیاسی فکر کے ارتقاء کا اندازہ ہوتا ہے۔

انگریزی سامراج کے خلاف جس متحدہ قومیت کا ظہور ہو رہا ہے۔ اس سے مستقبل کی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں اور وہ تمام لوگ جو آزادی کے خواہاں تھے، مذہبی تنگ نظری اور فرقہ وارانہ ذہنیت کو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن سامراجی سازشوں طبقاتی خود غرضیوں اور قدیم تہذیبوں کو زندہ کرنے کی تمناؤں نے متحدہ قومیت کے تصور کو کاری ضرب لگائی اور وہ اتحاد پیدا نہ ہو سکا جو غلامی کی رسی کو توڑ دیتا۔ جوش ان باتوں سے بالکل بیگانہ نہ تھے۔ انھوں نے اپنی انسان دوستی کا ثبوت پہلی جنگ عظیم اور ۱۹۱۸ کی خشک سالی پر نظم لکھ کر دیا تھا۔ انھوں نے وطن سے وعدہ کیا تھا کہ

"تیری خدمت میں جان دے دوں گا"

(وطن، شعلہ و شبنم) اب جو دنیا بدلی اور آزادی خیالی پیدا ہوئی تو ایک غلام ملک کا نمائندہ بھی منافق ہو کر اور شاعر کی حیثیت سے انھیں اپنے فرض کا احساس ہوا

"فطرت نے مجھ کو پکارا ہے ملک و ملت کے لئے — اب آبرو ہے مجھے پروائے ننگ و نام کہاں
ہوا ہے حکم کہ لے کام تو زبانِ صرصر سے — اب اختلاطِ نسیمِ سُبک خرام کہاں
ہوا ہے حکم کہ بن جا زبانِ آتش و برق — اب آبِ چہرۂ خوبانِ لالہ فام کہاں
نظر ہے اوج پہ جنبش میں ہیں پرِ پرواز — بساطِ خاک پہ اب آ سکے وہ تیر کہاں
تغیرات کی زد سے گزر رہی ہے نگاہ — اب اہتمامِ تماشائے حسنِ بام کہاں
لبِ حیات نے چھیڑا ہے قصۂ خونیں — مری زبان کو اب رخصتِ کلام کہاں
چلا ہوں سر بکف اس سمت آج خود جوش — اب آرزوئے سرِ نامہ و پیام کہاں ؟

یہ ایک رومانی خیال پرست کا عزمِ عمل ہے۔ وہ چہرۂ خوباں اور تماشائے لبِ بام میں الجھا رہا ہے۔ انقلاب لانے کے لئے چہرۂ خوباں سے منھ موڑ لینا ضروری بھی نہیں ہے۔ لیکن جوش کے یہاں ہر جذبے کا ردِعمل شدید ہوتا تھا اسی ایک لمحہ میں جب ان پر ترکِ محبوب کا جذبہ طاری ہوا، محبوبہ کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ بہرحال ۱۹۲۵ء سے ان کے کلام میں ملکی اور قومی مسائل نے بھی جگہ پانا شروع کر دیا تھوڑے دنوں میں وہ ایک انقلابی مجنون اور انتہا پسند بت شکن کی طرح اپنی نظموں کے تیز اور زہریلے نشتر لئے ہوئے میدان میں اتر آئے۔ اس طرح چیختے چلاتے توڑتے پھوڑتے آگے بڑھنے لگے کہ انقلاب ایک خیالی ارادہ معلوم ہونے لگا۔

جوش اس پُرخلوص سپاہی کی طرح گولیاں چلاتے رہے جو جنگ فتح کرنے کی دھن میں اتنا دیوانہ ہو چکا ہے کہ نہ اپنے ساتھیوں پر نگاہ رکھتا ہے نہ میدانِ جنگ کی شاطرانہ چالوں سے کام لیتا ہے اور نہ جنگ کے دوسرے محاذوں کی حالت سے واقف ہے سیلاب و موج کی طرح ہر دیوار کو ڈھاتے چلے گئے۔

بوڑھوں کی مجلس میں یہ نعرہ لگایا۔

کام ہے میرا تغیر، نام ہے میرا شباب — میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب

غلاموں سے یہ کہا۔

اے ہند کے ذلیل غلامانِ روسیاہ — شاعر ہے تو ملاؤ خدا کے لئے نگاہ

شریکِ زندگی سے یوں مخاطب ہوتے۔

اے شریکِ زندگی اس بات پر روتی ہے تو — کیوں مرا ذوقِ ادب ہے مائلِ جام و سبو
کس لئے اس پر نہیں روتی کہ ہے گرمِ فغاں — سجدہ و زنار میں جکڑا ہوا ہندوستان

نازک اندامانِ کالج کو اس طرح آواز دی۔

دیر سے تو پالے کے حقو کو ہوئے بیٹھے ہو ذرا — سینہ گیتی میں ہے جس کی دھمک سے خلفشار
شغل ذہنیت سے مگر فرصت تمہیں ملتی نہیں — کیا تمہارے پاؤں کے نیچے زمیں ہلتی نہیں

مسلمانوں سے کہتا۔

ہاں خود وزر دمجھو تو ہے اسلام کا زیور — باندھے کا فقط جامۂ احرام کہاں تک

ہندوؤں کو یوں پکارا ۔

باز شئے زر ! تا خدائی کے لیے تیار ہو — ڈوبنے والی ہے کشتی قوم کی ہوشیار ہو

اور دونوں کو یوں مخاطب کیا ۔

توڑ اس جال کو جکڑے ہے جو بازو تیرے — بستۂ کشمکش سبحہ و زنار نہ بن
پست سے پست ہو جو چیز وہ بن جا لیکن — مر کے بھی جنس غلامی کا خریدار نہ بن

آزادی کا تصور واضح ہو تو طبقاتی تضاد بھی نمایاں ہو گیا۔ یوں تو کچھ دنوں سے ہندوستان میں علمی حیثیت سے اشتراکیت کا چرچا تھا سرمایہ دار اور مزدور، زمین دار اور کسان کا مقابلہ کیا جا رہا تھا لیکن عملی سیاسیات میں ان خیالات کا اظہار برائے نام ہوا تھا اصلاحی حلقہ نظر انقلابی ہوتا جا رہا تھا۔ جوش نے بھی اسی زمانے میں جو نظمیں لکھیں ان میں اشتراکی رجحان پایا جاتا ہے۔ جوش کا ذہنی ساخت اور انسان دوستی کا یہ منطقی نتیجہ تھا کہ وہ خوب سے خوب تر کی طرف بڑھیں۔ جو چیز انسانی ترقی کی رفتار کو بڑھائے اس کا ساتھ دیں، تحریک آزادی کی رفتار بھی عملی دشواریوں سے دوچار ہوتی تھی۔ جوش کا ذہن ان سے آزاد تھا اس لئے وہ ہر قدم پر قوم پرستوں کے ساتھ ہی نہیں چل رہے تھے بلکہ کبھی کبھی ان کے آگے بھی نکل جاتے تھے شاعری کو پیمبری سمجھ رہے تھے اس لئے صرف عوام ہی نہیں سیاسی رہنماؤں کی رہبری بھی کرنا چاہتے تھے۔

ریاست حیدرآباد کا تنگ و تاریک فضا اس شعلے کو بہت دنوں تک اپنے دامن میں جگہ نہیں دے سکتی تھی۔ جوش کا آتش نوا ایک طرف شہر یار کا اور سرمایہ داری کا حکومت اور اقتدار پر آگ برسا رہی تھی تو دوسری طرف ارباب مذہب بدظن ہو رہے تھے۔ ریاستوں میں سازشوں کا جال بچھا رہنا مطلق العنان امیر ریاست کو کسی ایک وظیفہ خوار سے برگشتہ کر دینا آسان تھا .... "عتاب شاہی" نے جوش کو چند گھنٹوں کے اندر ریاست کی حدود سے باہر نکل جانے پر مجبور کیا۔ لا مذہبیت، دہریت اور آزاد خیالی کے ساتھ ساتھ ان پر اپنے اشعار میں نظام حیدرآباد کی توہین کرنے کا الزام لگایا گیا اور جوش مورد عتاب ہو گئے۔

کلیم نے تھوڑے ہی دنوں میں اچھی خاصی مقبولیت حاصل کر لی۔ اسی میں جوش نے نثر کے مضامین بھی لکھے (ان مضامین میں سے اکثر کو یک جا کر کے "نگارستان ایجنسی دہلی" نے "اشارات" کے نام سے شائع کیا) نثر "روح ادب" کے دور میں لکھی گئی تھی لیکن اس دور کی نثر میں صرف شاعری تھی۔ ادب لطیف لکھنے کی کوشش کی تھی اور اب ملکی اور ادبی مسائل، فلسفیانہ مباحث اور سماجی حقائق پر نگاہ پڑ رہی تھی فطری جوش اور شدت احساس ان مضامین میں بھی نمایاں ہے رنگینی ضرورت سے زیادہ نمایاں ہے استدلال پر جذباتی انداز حاوی ہے لیکن اس میں زندگی کو سمجھنے سمجھانے اور بہتری کی جانب اشارہ کرنے کی کوشش کار فرما ہے۔

دہلی کے قیام میں جوش کو ہندوستان کے متعدد سیاسی رہنماؤں سے ملنے کے مواقع ملے۔ دفتر شاہی نظام کو قریب سے دیکھنے اور آزمانے کا موقع نصیب ہوا۔ آزادی کی جدوجہد شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔ نیا دستور ہندوستان پر عائد کیا جا رہا تھا سو رجعت پسند تحریک بنا رہے تھے کچھ ترقی پسند البتہ فاشزم اور سامراج دونوں کے گلے گھونٹ دینے کی تدبیریں تیار رہے تھے اور ہندوستانی سیاست کی گتھیوں کو بین الاقوامی حالات کے پس منظر میں حل کرنے میں کوشاں تھے۔ جوش نے بھی اس نقطۂ خیال کو تسلیم کیا اور جب ستمبر ۱۹۴۳ میں بمبئی کی انجمن ترقی پسند مصنفین کانفرنس شریک ہوئے تو تذبذب قریب قریب دور ہو چکا تھا۔ انہوں نے (ساغر نظامی کے ساتھ) جو بیان دیا وہ ان کے خیالات کی واضح تصویر ہے۔ اس بیان میں جوش نے واضح طور پر ہندوستان کے لئے ایک اشتراکی نظام کا خیال ظاہر ہے ہند و مسلم اتحاد قومی حکومت "آزادی" "فاشزم" کا استیصال اور نئے ہندوستان کی تعمیر اس بیان کے مرکزی خیالات ہیں۔ کہتے ہیں۔

نیا دستور ہندوستان پر عائد کیا جا رہا تھا۔ انتہا پسند جماعتیں ابھر رہی تھیں۔ انجمن ترقی پسند مصنفین وجود میں آ چکی تھی اور ادبی افق پر نئے ستارے طلوع ہو رہے تھے۔ جوش سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنی شاعری کو ملک کی ترقی پذیر قوتوں سے ہم آہنگ کر دینا چاہتے تھے۔ فرض اور محبت کی جنگ میں کبھی فرض کی جیت ہوتی تھی۔ کبھی محبت کی اور یوں جوش کی شاعری کا کارواں طوفانوں سے کھیلتا گلستانوں میں گلگشت کرتا۔ آندھیوں سے لڑتا۔ نسیم سحر کے جھونکوں میں ٹھہرتا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا نئی پود کے اکثر شعراء ان سے متاثر تھے۔ انہیں "شاعر انقلاب" اور "شاعر اعظم" کہہ کر خطاب کیا جا رہا تھا۔ عمر بھی پختہ کاری کی منزل میں تھی اس لئے خیالات میں زیادہ گہرائی نظر آتی ہے۔ عقل اور جنون کی کشمکش بڑھتی جا رہی تھی حقیقت افسانے سے دست و گریباں ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران جوش بمبئی میں تھے۔

ہندوستان کے زیادہ تر رہنما جیلوں میں بند یا باہر تھے وہ بے دلی سے فاشزم

قتال خون و جنگ ہے، جنون جبر و قہر ہے
گرج ہے بات بات میں، فسون زہر زہر ہے
فضا پہ رقص مرگ ہے زمیں پہ موج زہر ہے
سپاہیوں کا زور ہے، تباہیوں کی لہر ہے

کمال میں تیر حرب ہے، کمیں میں شمشیر یار ہے
خزاں کہیں گے پھر کسے، اگر یہی بہار ہے

.....

جوش کو یہ آزادی مکمل نہیں معلوم ہوئی کیونکہ ابھی اس خاکے میں بہت کچھ رنگ بھرنا تھا۔ ایک اشتراکی سماج کی آرزو ان کے دل میں کروٹیں لے رہی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ آزاد ملک انقلاب کی تیز رو کر ہندوستان ہی کو ایک ترقی پسند جمہوریت میں نہ تبدیل کر دے بلکہ ایک انسانی قوم کی تعمیر کرے جس کا کوئی دین اور مذہب نہ ہو، سب انسان ہوں۔

آزادی کے بعد ناقص آزادی کا احساس، یہ احساس یا فاتح کی حیثیت سے پریشان حال وام کر سکتے ہیں یا اپنے خوابوں کو چکنا چور ہوتے دیکھنے والے ادیب اور شاعر۔ چنانچہ جوش نے اپنی اس دور کی نظموں میں اس کی طرف برابر اشارے کئے ہیں۔

(جوش کی نظم "ماتم آزادی" ۱۹۵۶ء ہمارے نئے حکمرانوں کی بدکاریوں کا کچا چٹھا ہے)۔

○

چونکہ اردو کے شاعر اور قوم پرست شاعر کی حیثیت سے ان کی سب سے زیادہ شہرت اور عزت تھی اس لئے اس درمیان میں حکومت نے انہیں وہ اعزاز بھی بخشا جو ہندوستان کے صرف چند سپوتوں کو نصیب ہوا تھا یعنی انہیں پدم بھوشن کے خطاب یا اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔ ہندوستان کی سب سے اہم علمی انجمن "ساہتیہ اکیڈمی" کے رکن مقرر کئے گئے۔

(سرکاری رسالہ "آج کل" کے ایڈیٹر ہوتے) .... بظاہر وہاں ہاتھوں سے خوش تھے لیکن خوش باشی، عیش، خواہش زر اور امید ترقی کے جذبات انہیں کہیں اور کھینچ رہے تھے۔

چنانچہ انہوں نے آخر کار یہی طے کیا کہ وہ پاکستان میں جینا اور مرنا پسند کریں گے۔

○

جوش کی شخصیت، ان کے شاعرانہ انداز نظر کی طرح پیچ در پیچ رکھتی ہے وہ جب ان کا فلسفہ کے تعلیم میں چھپ جاتی ہے تو گفتگو میں ظاہر ہوتی ہے اور گفتگو میں واضح نہیں ہوتی تو اشعار میں جھلکیاں ہوتی ہے۔ اس شخصیت کی تکمیل میں خود ان کی عمر کے تقریباً ساٹھ سال اور ان کی کئی پشتیں شریک ہیں۔ اسے وقت کے تقاضوں نے سنوارا ہے اور مختلف قسم کے اثرات اور تصورات کے رنگ و روغن چڑھاتے ہیں جنون و حکمت کی آمیزش، شعلہ و شبنم سے ملاپ، فکر و نشاط سے وابستگی، عرش و فرش کی سیر، سیف و سبو سے شغل، سموم و صبا سے دلچسپی اور صرف آخر تک پہنچنے کی آرزو نے جوش کی شخصیت کو پیچ در پیچ بنا دیا ہے یہ ایک بے قید و بند ہواؤں کی طرح پھر نے والا شاعر اور وقت کی آواز پر کان دھر کر فکر کے سانچے میں ڈھلنے کی آرزو مند تفکر پسند انسان کی شخصیت ہے جو بے راہ روی اور اخلاقی اقدار دونوں کو دعوت دیتا ہے کہ اسے سہارا دیں۔ جوش کی زندگی اور اطوار میں کلاسیکیت اور رومانیت میں راستوں اور نئی جستجوؤں، قدامت اور جدت کی ایسی آمیزش ہے کہ وہ بعض اوقات مجموعۂ اضداد نظر آنے لگتے ہیں اور اسی تضاد کی پرچھائیاں ان کی شاعری اور افکار پر پڑنے لگتی ہیں ....

○

مختصر یہ کہ جوش کی شاعری ان کے ذہنی ارتقاء کا آئینہ ہے۔ ان کی شاعری ان کی شخصیت، جلال و جمال، حسن و قبح اور بلندی و پستی کو بڑی خوبی سے منعکس کرتی ہے ان کی ذہنی کشمکش، فکری درماندگی، تصور پرستی، سماجی عقائد ہر ایک کی جھلک ان کی ہزارہا لفظوں میں بکھری پڑی ہے۔ ان کی شخصیت میں جو نراجی بانکپن ہے وہ روایت اور بغاوت کی کشمکش سے پیدا ہے لیکن وہ رومانیت اور تصوف سے مادیت اور حقیقت کی طرف، تقدیر پرستی سے جبر کی طرف اور جنون سے حکمت کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بقیہ صـــ کا

زیادہ عرصہ تک انتظار کرنے کے باوجود، ہم لوگوں کو اب تک اپنا کمرشیل بینک قائم کرنے کے لئے ریزرو بینک آف انڈیا اور مرکزی حکومت سے اجازت نہیں ملی۔ گزشتہ پانچ برسوں میں ہمارے تجربات کے پیش نظر چھوٹی صنعتوں اور دیہاتی علاقوں میں آمدنی اور روزگار میں اضافہ اور ترقی کو مستحکم کرنے کے لئے ایسے بینکوں کا قیام ضروری ہو گیا۔ اس سلسلے میں تاخیر نہایت ہی غیر معمولی ہے اور اس اقدام سے عوام کو مفاد کے لئے حکومت کی دلچسپی کی کمی کا پتہ چلتا ہے۔

ان تمام مسائل کی بابت ہم لوگ آنے والے انتخابات میں عوام کی رائے معلوم کریں گے اور اس ارادے کے پیش نظر ہم اس ریاست میں اور اس ملک میں بہتر سماجی معاشی نظام کے قیام کے لئے اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں گے۔

بقیہ: شہری اور جمہوری حقوق ......

کرنا فوروں کے بعد اگست ۱۹۷۷ء سے تقریباً دس لاکھ ایکڑ فاضل اراضی بے زمین مزارعین اور چھوٹے کسانوں کے درمیان از سر نو تقسیم کی گئی ، ساتھ ہی تمام ضلعوں میں دیہی مزدوروں کی حقیقی اجرت میں کافی اضافہ ہوا۔

لودھا قبیلے کے طلباء کیلئے ۲۶ ہزار روپیہ

حکومت مغربی بنگال نے ۸۲-۱۹۸۱ء کے دوران لودھا قبیلے کے طلباء اور طالبات کے پانچ آشرم ہوسٹلوں کے اخراجات کے لئے ۲۶ ہزار روپیہ منظور کیا ہے۔

دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں پانچ پرائمری اسکولوں کی تعمیر

حکومت مغربی بنگال نے دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں پانچ پرائمری اسکولوں کی تعمیر اور ۲۱ پرائمری اسکولوں کے لئے فرنیچر کی خریداری کے واسطے ۲ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے ۔ مزید برآں گوم بوائز ہائی اسکول دارجلنگ کے لئے دو منزلہ عمارت کی تعمیر کے واسطے ۴۰ ہزار روپیہ منظور کیا ہے ۔ یہ رقومات ان اسکیموں پر عمل درآمد کے لئے ڈپٹی کمشنر ، دارجلنگ کے زیر اختیار دیدی گئی ہیں ۔

دارجلنگ میں نگہداشت مویشیان کی ترقی

حکومت مغربی بنگال نے ضلع دارجلنگ میں نگہداشت اور علاج مویشیان کی مزید سہولتوں کی فراہمی کی متعدد اسکیموں پر عمل درآمد کے

لئے مجموعی طور پر ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ روپیہ کے مصارف کی منظوری دی ہے ۔

کالمپانگ میں سڑکوں کی مرمت

حکومت مغربی بنگال نے پہاڑی علاقوں کی سریع ترقی کے دیا گیا پلان کے تحت کالمپانگ میونسپلٹی میں سڑکوں اور ڈرینوں کی مرمت کے لئے ۱،۹۰ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے ۔ ان اسکیموں پر کالمپانگ میونسپلٹی کے چیرمین عمل درآمد کریں گے۔

کرشنا نگر کالج کی ترقی کی اسکیمیں

حکومت مغربی بنگال نے کرشنا نگر گورنمنٹ کالج کی ترقی کی کئی اسکیمیں منظور کی ہیں جن میں بائیولوجی اور فزکس شعبہ جات کی عمارتوں کی تعمیر اور موجودہ لائبریری کی موجودہ بلڈنگ کی ترقی وغیرہ شامل ہیں۔ حکومت نے اس مقصد کے لئے ۷،۵ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے ۔

وزیر برائے اعلیٰ تعلیم شری شمبھو گھوش نے جو حال ہی میں کالج گئے تھے یہ اعلان کیا کہ جولائی ۱۹۸۲ء سے کالج میں قانون کی کلاسیں شروع کرنے کی تجویز حکومت کے زیر غور ہے ۔

ٹیکسٹائل لائسنسوں کی تجدید

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ سنہ ۸۲-۱۹۸۱ء کے لئے جاری کئے گئے ٹیکسٹائل لائسنسوں کی معیاد ۳۱ مارچ ۱۹۸۲ء کو ختم ہو جائے گی ۔ لائسنس داروں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنے لائسنسوں کی تجدید کرالیں ۔ تجدید لائسنس کے پروگرام کے بارے میں ڈائرکٹر ٹیکسٹائلس ٹریڈ اینڈ سپلائیز ڈیپارٹمنٹ ۱۱ - اے ، مرزا غالب اسٹریٹ کلکتہ سے معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں ۔ جو لائسنس داران ۳۱ مارچ ۱۹۸۲ء کے اندر اپنے لائسنسوں کی تجدید کے لئے درخواست نہیں دیں گے ان کا لائسنس منسوخ ہو جائے گا ۔

شانتی نکیتن میں رابندرا ناتھ ٹیگور ہال کا ایک منظر

Regd. No. WB/CC-52
Vol. 28 No. 25
PRICE-12 Paise

MAGHREBI BENG
15th March

اسٹوڈنٹس ہیلتھ ہوم کلکتہ کے زیر اہتمام ۱۸ مارچ ۸۲ء کلکتہ میں پیدل یاترا ۸۲ء کا ایک منظر۔ اس یاترے میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے بھی سرت بوس روڈ اور آچاریہ جگدیش چندر بوس روڈ کی کراسنگ پر شرکت کی۔

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impresion 57, Sree Gopal Mallick Lane,

مغربی بنگال

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، دانکونی کی مدر ڈیری (دودھ گھر) میں۔

ہندوستان میں جمہوریت کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے

وزیر اعلیٰ جیوتی باسو

"کانگریس (آئی) ہندوستان میں عدالت کو دبانے اور جمہوریت کو تباہ کرنے کے کام میں سرگرم ہے چنانچہ ہندوستان میں جمہوریت کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ لیکن لوگوں کو جمہوریت کی تخریب کے لئے کانگریس (آئی) کے ذریعہ کی جانے والی کوششوں کو ناکام بنانے اور جمہوریت کی بقا کے لئے مدد دینے کے لئے مرکوز کوشش کرنی چاہیئے"

یہ باتیں شری جیوتی باسو، وزیر اعلیٰ، مغربی بنگال نے کلکتہ میں منعقدہ ایک عام جلسہ میں کہیں۔ یہ جلسہ ۲۱/ مارچ سنہ ۸۲ء کو کلکتہ میدان میں بائیں محاذ کے زیر انتظام منعقد کیا گیا تھا۔

شری باسو نے مزید کہا کہ کانگریس (آئی) ججوں پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کریں۔ کورٹ کے ججوں کی منتقلی نئی دفعہ، عدالت کو مرکزی حکومت کے تابع بنانے کی ایک چال ہے۔

وزیر اعلیٰ نے اس بات کا ذکر کیا کہ جب سے شریمتی اندرا گاندھی دوبارہ برسر اقتدار آئیں اسی وقت سے جمہوریت پر حملوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ آسام اور کیرالا کے گورنروں کا کوئی وقار نہیں ہے۔

کیونکہ انھوں نے اقلیتی حکومتوں کی سفارش پر ان دونوں ریاستوں میں اسمبلیوں کو توڑ دینے کا مشورہ دیا۔

شری باسو نے اس بات پر زور دیتے ہوئے کہا کہ مغربی بنگال میں لوگ یہاں صدارتی حکومت قائم کرنے کی کوشش کا مقابلہ کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ اتر کھنڈ، گورکھا ریاست اور سنتھالوں کے لئے الگ ریاست کے لئے مانگوں پر تلاطم پیدا کر کے مفاد پرستوں نے مغربی بنگال عدم استحکام پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔ مغربی بنگال میں حلقائی اور فرقہ وارانہ فسادات پھیلانے کی کوششیں جب ناکام ہوگئیں تو اس کے بعد اس قسم کی کوششیں کی جانے لگیں۔ انھوں نے عوام سے درخواست

تاکہ وہ سب حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے چوکس اور ہوشیار رہیں۔

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ کانگریس (آئی) کی معاشی پالیسی بالکل ناکام ثابت ہوئی۔ قوم کو مسائل در مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ تیزی سے بڑھتی ہوئی قیمتیں اور بڑھتی ہوئی بے روزگاری نے لوگوں کو مایوس کر دیا ہے۔ انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ سے حال ہی میں قرض لینے کے بعد معاشی امور کی بابت فیصلے کرنے کی آزادی کو بھی باہر والوں کے ہاتھوں دے دیا گیا ہے۔

شری باسو نے کانگریس آئی کو اس ریاست میں ایک ایسی پارٹی قرار دیا جس پر مقامی اٹلیوں کی حکومت ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس ریاست ایسی پارٹی کو اقتدار سونپا نہیں جا سکتا۔ آخر میں انھوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ آنے والے انتخابات میں بائیں محاذ کو اور بھی زیادہ کامیابی حاصل ہوگی۔

باقی صفحہ ۷ کا

ترقیاتی مسئلہ کے مالی وسائل کے علاوہ دیگر پہلو بھی ہیں۔ کیا منصوبہ بندی کمیشن اور یہ کاؤنسل وسائل کی تقسیم کو اطمینان کی نظر سے دیکھتا ہے؟ وسائل کی تقسیم ایسی صورت حال پیدا کر دیتی ہے جہاں دو ریاستوں جہاں آبادی کم و بیش ایک جیسی ہے کے منصوبوں کے اخراجات میں مجموعی طور پر اور فی کس بنیاد پر، کافی فرق ہوتا ہے، یا جہاں ایک ریاست کو، جہاں غربت اور بے روزگاری کافی زیادہ ہیں، دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں، جہاں کی معاشی حالت بہتر ہے میں کم مرکزی امداد دی جاتی ہے یا جہاں براہ راست مرکزی سرمایہ کاری یا عوامی مالی اداروں سے سرمایہ کاری بہت حد تک کم ہوتی ہے۔
پوری قوم ایسے امور کی بابت سربراہی اور رہنمائی کے لئے قومی ترقیاتی کاؤنسل کی طرف تکتی ہے۔ مجھے پوری امید ہے خلوص اور دانشمندی کے ساتھ ہم اس کاؤنسل میں خدمات انجام دیں گے۔

(وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کی، قومی ترقیاتی کاؤنسل کی میٹنگ میں تقریر)

بقیہ صفحہ ۱۴ کا

تقسیم کے ذریعہ ایسی صورت حال پیدا ہو سکتی جہاں ہمارے مضافاتی علاقوں میں کام کرنے والے لوگوں کی بڑی اکثریت کو روزگار فراہم ہو سکتا۔

جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ جلد از جلد اقتصادی ترقی، جس میں صنعتی اور زرعی ترقی شامل ہے، کے بغیر بے روزگاری کے مسئلہ کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں دیہی صنعت کو، جو ہماری معیشت کی بنیاد ہے، آزادی کے بعد سے رو بہ عمل لانے والی پالیسی کے ذریعہ بتدریج کمزور بنا دیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ بڑی اچھی بات ہے کہ مغربی بنگال میں جب سے ہماری حکومت قائم ہوئی ہے، ہم اس رجحان کو بدلنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ گذشتہ چند برسوں میں ہماری حکومت نے جو اقدامات کئے ہیں ان سے ہماری مضافاتی معیشت کی حالت بہتر ہو گئی ہے۔ ہم لوگوں نے آہستہ آہستہ اپنی گھریلو اور چھوٹی صنعت، ہینڈلوم صنعت اور اسی طرح کی دیگر چھوٹی چھوٹی صنعتوں کا احیاء نو کیا اور انھیں از سر نو تعمیر کیا۔ ہماری ریاست کی کارگزاری کا پتہ نیشنل ہینڈلوم اکسپو سے بھی چلتا ہے۔

یہاں میں اس سلسلہ میں اس بات کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس ریاست میں روزگار کے امکانات میں جو کمی ہوئی ہے اس کی وجہ وہ پالیسی ہے جسے اجارہ دار اور کثیر الاقوام کارپوریشن، جو صنعتی شعبہ پر چھائے ہوئے ہیں، بروئے عمل لاتے ہیں۔ یہ لوگ استحصال کے روایتی طریقہ کار کو بروئے عمل لاتے ہیں، وہ سب اس ریاست سے اپنی کمائی ہوئی آمدنی کو باہر لے گئے اور اپنے اس استحصال کے پھل کا ایک کسر بھی اس ریاست میں دوبارہ نہیں لائے۔ اس سلسلہ میں پاٹ صنعت کی کارکردگی سب سے خراب ہے۔ اس صنعت نے اب تک برسوں پرانے ٹوٹے پھوٹے مشینوں اور آلات کو نہیں بدلا۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے بہت سارے طریقوں سے کام کے بوجھ میں اضافہ کر دیا اور پیداوار کے روایتی طریقہ کار میں ضروری تبدیلی لائے بغیر کام کرنے کے طریقہ کار کو تبدیل کر دیا۔ اور اس بحران کے تمام بوجھ کو مزدوروں کے سر لاد دیا۔ اس کی وجہ سے نہ صرف اس ریاست میں روزگار کے مواقع میں کمی ہوئی بلکہ اس نے صنعتی سیکٹر میں ابتر حالات پیدا کر دیئے اور اس سے سارے ملک کی اقتصادی حالت بری طرح متاثر ہوئی۔

آخر میں ایک بار پھر خود روزگار کے فروغ کے لئے آپ کے تربیتی پروگرام کی کامیابی کے لئے امید کرتا ہوں۔

دوسری قسط

آئی ایم ایف سے حاصل کردہ قرض شرائط ہماری قومی اقتصادی پالیسیوں کے خلاف ہیں

شری جیوتی باسو، وزیر اعلیٰ

لیکن عملی طور پر ہمیں کمیشن سے کسی قسم کی ہدایت نہیں ملتی۔ مثال کے طور پر جب ہم لوگوں نے قیمت، سرمایہ کاری کی پالیسیوں، جو ہمارے خیال میں بین علاقائی ترقی پر اثر انداز ہوتی ہیں، سے متعلق مسائل کا کمیشن سے ذکر کیا تو اس وقت ہم سے کہا گیا کہ ان مسائل پر قومی ترقیاتی کاؤنسل غور وخوض کریگا اور اسی کے فیصلہ کو کمیشن روبہ عمل لاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کمیشن کا کام بس اب یہ رہ گیا ہے کہ وہ ان مسائل کی تقسیم کا کام کرے جو اسے وزارت مالیات ہی بتاتی ہے کہ اتنے مسائل ہیں جنھیں مختلف مرکزی وزارتوں اور ریاستی حکومتوں کے درمیان تقسیم کرنا ہے۔

جب یہ کمیشن قائم کیا گیا تھا تو اس وقت شاید ہی اس کا یہ ارادہ تھا، کیونکہ قومی ترقیاتی کاؤنسل کے قبل کے اجلاس میں اور وزراء اعلیٰ کی کانفرنس میں ہم نے مرکز اور ریاستوں کے درمیان مالی رشتہ کی موجودہ ساخت کا از سر نو تعمیر کی ضرورت کی طرف توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سنہ ۱۹۵۰ء سے اس ملک میں اہم تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ زراعت میں نمایاں بہتری ہوئی اور صنعتی بنیاد کو اور بھی وسیع اور پختہ بنا دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم اس حقیقت سے کس طرح انکار کر سکتے ہیں کہ گزشتہ ۳۰ برسوں میں فی کس آمدنی کی شرح میں اضافہ سالانہ ایک فی صد سے کچھ زیادہ ہوا ہے۔ کس طرح ہم ان حقائق سے انکار کر سکتے ہیں کہ بے روزگاری بڑھتی ہی جا رہی ہے، امیروں اور غریبوں کے درمیان فرق بڑھتا ہی جا رہا ہے، کل آبادی کے ۵۰ فی صد سے زیادہ لوگ نام نہاد غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح پر زندگی گزار رہے ہیں۔ ان تمام باتوں کی اہم وجہ بلاشبہ موجودہ سیاسی۔ معاشی ڈھانچہ ہے جس میں اثاثوں کی از سر نو تقسیم ایک بے معنی سی بات ہوتی ہے اور یہ ایک موثر گھریلو بازار کی نشوونما اور ترقی میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود موجودہ نظام کی بنیاد پر، ہمارے خیال میں اقتصادی ترقی تیزی سے ہو سکتی ہے اور بین علاقائی تفریق میں کمی آسکتی ہے اگر وسائل اکٹھا کرنے اور معاشی فیصلہ سازی کے سلسلے میں اور بھی زیادہ لامرکزیت کے اصولوں کو اپنایا جائے۔ بدقسمتی سے، مالی وسائل کے زیادہ سے زیادہ تفویض اختیارات پر راضی ہونے کی جگہ مرکز میں حکومت نے حالیہ برسوں میں مخالف سمت جانے کی کوشش کی ہے۔ اس کا ریاستی حکومتوں کی مالیاتی حالت پر گہرا اثر پڑا۔ ساتھ ہی پنجسالہ منصوبوں کے لئے مالی وسائل فراہم کرنے کے سلسلے میں ان کی صلاحیت بھی اس سے متاثر ہوئی۔ ہم نے سنہ ۱۹۵۷ء میں کئے اس فیصلہ کی مصلحت کی بابت اپنے شک وشبہ کا اظہار کیا تھا کیونکہ پہلے تمباکو اور اس کی مصنوعات، چینی اور کپڑوں پر سیلس ٹیکس عائد کرنے کا ریاستوں کو دستوری حق حاصل تھا لیکن سنہ ۱۹۵۷ء میں مرکز نے ریاستوں سے یہ حقوق چھین لئے اور خود ان چیزوں پر فاضل اکسائز ڈیوٹی عائد کرنے کا اختیار لے لیا۔ اس نئے طریقہ کی وجہ سے جلد طور پر معیشت کے لئے وسائل اکٹھا

کرنے میں کافی کمی ہوگئی ہے۔ ہم لوگوں نے سپریم کورٹ آف انڈیا کے پاس ایک درخواست داخل کی تھی جس میں ہم لوگوں نے یہ سوال کیا تھا کہ ماحصل اکسائز ڈیوٹیز کی اسکیم دستور کے لحاظ سے جائز ہے یا نہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ابھی یہ معاملہ عدالت کے زیر غور ہے لیکن مرکز نے یہ تجویز پیش کر دی کہ سیلس ٹیکس کے احاطہ سے اور بھی کئی چیزوں کو باہر نکالا جائے اور ان پر مزید ڈیوٹی کے تحت ٹیکس حاصل کرنے کے لئے انھیں دوسری فہرست میں شامل کر دیا جائے۔ ان چیزوں میں پٹرول کی مصنوعات، کھاد، سمنٹ، کاغذ اور المونیم شامل ہیں۔ ریاستی حکومتوں کو سیلس ٹیکس میں سے رقوم حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن اگر ریاستوں کے سیلس ٹیکس میں اس طرح کاٹ چھانٹ کی جاتی رہے تو انھیں زیادہ زیادہ حد تک مرکز پر ہی انحصار کرنا پڑے گا۔

کیا میں دیگر شدید مسائل کا بھی ذکر کروں؟ مجھے یقین ہے کہ حالیہ مہینوں میں مرکزی حکومت نے اسٹیل، کوئلہ، پٹرول کی مصنوعات وغیرہ جیسی اہم چیزوں کی انتظامی قیمتیں بڑھا کر کیا خدمت انجام دی ہیں، یہاں موجودہ وزراء اعلیٰ مجھ سے اتفاق کریں گے۔ مالیاتی کمیشن کی سفارشات کے مطابق اگر اکسائز ڈیوٹیز کی شرحوں میں اضافہ کرکے انتظامی قیمتوں میں اضافہ کیا جائے، تو اس مد کے تحت حاصل کردہ رقوم کی ۴۰ فی صد رقم ریاستوں کو ملنی چاہئے۔ شاید کسی مقصد کے تحت ان رقموں سے ریاستوں کو محروم رکھنے کے لئے مرکزی حکومت ان چیزوں کی بازاری قیمتوں میں انتظامی حکم کے ذریعہ اضافہ کر رہی ہے۔ کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

اب میں یہاں کوئلہ اور دیگر معدنیات سے حاصل ہونے والی رائلٹی کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اگر ان چیزوں کی بازاری قیمتوں میں اضافہ ہو جائے تو رائلٹیوں میں ردوبدل کرکے اعلیٰ قیمتوں سے حاصل ہونے والے فوائد میں حصہ دار بننے کا ریاستوں کو دستوری حق حاصل ہے۔ بہر حال مرکز نے بہت ہی افسوس کے ساتھ قیمتوں میں تناسب کے حساب سے رائلٹیاں مقرر کیں۔ اس بات کی واحد وجہ یہ ہے کہ [illegible] ذرائع کو چھوڑنا نہیں چاہتا ہے۔ اس کی وجہ سے مرکز اپنے کاموں کے لئے زیادہ سے زیادہ وسائل استعمال کر سکتا ہے۔ اس [illegible] نہیں ہو سکتا۔ لیکن جو کچھ مرکز اپنے لئے رکھتا ہے

دہاریاستوں کا نقصان ہوتا ہے۔

وقتاً فوقتاً مرکزی وزارت مالیات اور منصوبہ بندی کمیشن ریاستوں کو سخت سست کہتے ہیں کہ وہ سب کافی وسائل حاصل نہ کر سکے۔ لیکن کیا وہ لوگ ایسے خطابات پیش کرنے سے قبل ہمارے زاویہ نظر پر غور کرتے ہیں؟ مثال کے طور پر مغربی بنگال میں چار اہم صنعتی مصنوعات جن سے ہمیں کافی سیلس ٹیکس حاصل ہونے کی امید ہے کوئلہ، اسٹیل، پاٹ کی مصنوعات اور چائے ہیں۔ لیکن چونکہ مرکز نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کوئلہ، لوہا اور اسٹیل کی مصنوعات کو سنٹرل سیلس ٹیکس ایکٹ کے تحت اعلان کردہ اشیاء قرار دیا جائے، اس لئے ہم ان چیزوں پر ۴ فی صد سے زیادہ سیلس ٹیکس عائد نہیں کر سکتے۔ بہت زیادہ چائے اور پاٹ برآمد کئے جاتے ہیں اور یہاں بھی دستور کے تحت ہم ان پر سیلس ٹیکس عائد نہیں کر سکتے۔ یہ بڑی اچھی بات ہوگی اگر منصوبہ بندی کمیشن ان مسائل کا، جو ٹیکس عائد کرنے پر پابندی سے پیدا ہوئے ہیں، تجزیہ کرے۔

میں یہاں دستور کی دفعہ ۲۶۹ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اس دفعہ کے تحت مرکز چند ڈیوٹیز اور ٹیکس عائد کر سکتا ہے اور انھیں وصول کر سکتا ہے۔ ان سے جو رقوم حاصل ہونگی، انھیں مکمل طور پر ریاستوں کو منتقل کرنا چاہیے۔ شاید بعد میں ذکر کردہ شرط نے اس دفعہ کو بروئے کار لانے میں مرکز کا جوش و خروش کم کر دیا۔ فاضل ذرائع اکٹھا کرنے کے لئے اس دفعہ کا بہت ہی کم استعمال کیا گیا۔

میں اس بات سے خوش ہوں کہ ایجنڈا میں چھوٹی بچتوں کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم لوگوں نے ایک اور تجویز پیش کی تھی کہ ڈاک خانوں کے ملازمین کو چھوٹی بچتوں کی افزائش اور ترقی کے لئے ان کی خدمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھیں کچھ محرک کمیشن دیا جائے اور اس کمیشن کی رقم ریاستی حکومت دیگی، لیکن افسوس کہ مرکز نے اب تک اس تجویز کی بابت کچھ نہیں کہا۔

اب میں یہاں ایک اور بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ مرکزی وزارت مالیات سیلس ٹیکس، اوکٹروئے وغیرہ میں تبدیلی لانے کے لئے گفت و شنید کرنے کے لئے ریاستی وزراء کی میٹنگ طلب کرنے کی خواہاں ہے۔ لیکن یہ ٹیکس ریاستی فہرست کے دائرہ عمل میں ہیں۔

میری یہ خواہش ہے کہ مالی امور کی بابت، جس پر مرکز کو پوری ذمہ داری حاصل ہے لیکن جو ریاستوں پر مساوی طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ سبھی اسی طرح کی گفت و شنید کی جائے۔ خواہ یہ انکم ٹیکس ہو یا اکسائز ڈیوٹی، ان سے حاصل کردہ رقوم مرکز کے ساتھ ساتھ ریاستوں کو بھی ملتی ہیں، اور اس لئے بجٹ پیش کرنے سے قبل ایسی تجاویز مرتب کرتے ہوئے، مجھے اس بات کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کیوں غیر رسمی بنیاد پر ہی ریاستوں سے مشورہ نہیں کیا جاتا۔ ایسی غیر رسمی بات چیت تو غیر ملکی ایجنسیوں جیسی انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ کے نمائندوں سے اکثر کی جاتی ہے۔

مجھے اس بات سے بڑی خوشی حاصل ہوئی ہے کہ مرکزی حکومت ساتھ ہی ریاستی حکومتوں کی تنخواہوں، اجرتوں اور بھتوں کی ساخت میں جو پیچیدگیاں ہیں، ان کے سلسلہ میں اب مرکز میں کچھ بیداری پائی جا رہی ہے۔ حالیہ برسوں میں بہت سارے ریاستی حکومتوں نے اپنے ملازمین کو مرکزی شرحوں کے مطابق مہنگائی بھتہ دینا شروع کر دیا ہے۔ یہ تو قدرتی بات ہے کہ جہاں ایک ہی جگہ میں دونوں حکومتوں کے ملازمین کام کرتے ہیں تو یہ نہایت ہی نامناسب ہوگا کہ ملازمین کی ایک جماعت کو بڑھتی ہوئی قیمتوں کے لئے دوسری جماعت سے کم معاوضہ دیا جائے۔ اس لئے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ منصوبہ بندی کمیشن اور مرکز کی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ مرکزی شرح پر یہ بھتہ دینے کے لئے ریاستوں کی مدد کریں۔ اب میں ریزرو بنک آف انڈیا سے لئے جانے والے اوور ڈرافٹ (قرض) کے مسئلہ کا ذکر کروں گا۔ میں نے یہ بات دیکھی ہے کہ منصوبہ بندی کمیشن اور مرکزی وزارت مالیات اس بات کی کوشش کر رہی ہے کہ ریاستی منصوبوں کے سائز میں اس حد تک کمی کر دی جائے جس حد تک انہوں نے گذشتہ برسوں میں اوور ڈرافٹ لیا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ کس طرح ایک منصوبہ بندی کمیشن ایسا قدم اٹھا سکتا ہے۔ جب مرکز اپنی آمدنی سے اپنے اخراجات کو پورا نہیں کر سکتا تو بجٹ میں خسارہ کا سہارا لیتا ہے۔ اسی طرح کی حالت میں ریاستیں بھی ریزرو بنک آف انڈیا سے اپنے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے اوور ڈرافٹ کا سہارا لیتی ہیں۔ دونوں باتیں ایک جیسی ہیں اور ان کا معیشت پر ایک جیسا اثر پڑتا ہے۔ مرکزی حکومت کا ۸۰-۱۹۷۹ء اور ۸۱-۱۹۸۰ء کے لئے مجموعی بجٹ خسارہ تقریباً ۱۵۰۰ کروڑ روپیہ ہوا اور آئندہ سال کے لئے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خسارہ ۱۵۰۰ کروڑ روپیہ ہوگا۔ میرے خیال میں ۸۳-۱۹۸۲ء کے لئے مرکز کا سالانہ منصوبہ ۱۱۰۰۰ کروڑ روپئے کا ہوگا۔ اگر ریاستی حکومتوں کے لئے جو فارمولہ پیش کیا گیا ہے، اسے مرکز کے لئے بھی بروئے عمل لایا جائے تو مرکز کا سالانہ منصوبہ کم ہو کر ۲۵۰۰ کروڑ روپئے کے لگ بھگ ہو جائے گا۔ تو ایسی حالت میں ملک کی ترقی کا کیا ہوگا؟ اگر یہی فارمولہ ریاستوں کے لئے بھی اپنایا جائے تو انکی ترقی کا کیا ہوگا؟ افراط زر کے چکر کے پیش نظر میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مالی وسائل کا نہایت ہی کفایت شعاری کے ساتھ انتظام کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں مشترکہ کوشش کرنی چاہئیے۔ مرکز کو یک طرفہ طور پر ریاستوں پر اپنی رائے لادنی نہیں چاہئیے۔

میں نے وزیر اعظم کا ایک بیان پڑھا ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حکومت راجستھان کو خشک سالی کی وجہ سے امداد پر جو رقوم خرچ کرنی پڑی ہے، اس کی وجہ سے اسے اوور ڈرافٹ کے مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا۔ میں نے یہ رپورٹ بھی دیکھی ہے کہ اس اوور ڈرافٹ کی وجہ سے منصوبہ بندی کمیشن نے راجستھان کے لئے سالانہ پلان کا ۸۲-۱۹۸۱ء میں جو سائز تھا، ۸۳-۱۹۸۲ء میں اس میں اضافہ کرنے پر راضی نہیں ہوا۔ راجستھان خشک سالی سے بری طرح متاثر ہوا جس سے وہاں کے لوگوں کو کافی پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور اب لوگوں کو سزا دی جا رہی ہے اور ترقیاتی فنڈ سے محروم رکھا جا رہا ہے کیونکہ ان لوگوں کی حکومت نے خشک سالی امداد پر اپنے وسائل خرچ کئے۔ کیا اس اقدام کے کوئی معنی ہیں؟ میری تو یہی رائے ہے کہ راجستھان میں ترقیاتی اخراجات میں اضافہ کرنا چاہیئے، خشک سالی کی وجہ سے کمی نہیں کرنی چاہیئے۔

میری یہ تجویز ہے کہ ان تمام مسائل پر جلد از جلد فیصلے نہیں کرنے چاہئیں۔ ریاستی حکومتوں سے بات چیت کرنی چاہیئے۔ اگر ہم دستور کی دفعات پر سختی سے عمل کریں، تو ریاستی اسمبلیوں کو ہی اپنے پلان کا سائز مقرر کرنا ہوگا، منصوبہ بندی کمیشن صرف مرکزی امداد کے لئے سفارش کر سکتا ہے۔ اس نقطہ سے آگے بڑھنے کے معنی ریاستوں کے اختیارات کی خلاف ورزی کرتی ہیں۔

باقی صفحہ ۴ پر

شاداب رضی - ایم - اے (گولڈ میڈلسٹ)

کرشن چندر کا ایک افسانوی مجموعہ

منشی دھنپت رائے پریم چند کے بعد ابھرنے والے اردو افسانہ نگاروں میں کرشن چندر کا نام اور مقام ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ کرشن جی کی ادبی شخصیت لازوال ہے۔ انہوں نے عہد آفرین شان و شکوہ کے ساتھ فنِ افسانہ نویسی کے میدان میں قدم رکھا۔ اگر غور کیا جائے تو اُن کے فن میں مقصدیت کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کا فن ماحول و معاشرت اور تہذیب و سیاست کے عناصر اربعہ کا مرکب نظر آتا ہے۔ کرشن جی نے جو بھی افسانے لکھے ہیں اُن میں انہیں عناصر کا غلبہ ملتا ہے۔ یوں تو انہوں نے متعدد ناول بھی لکھے ہیں لیکن ناولوں کی دنیا میں ان کی اہمیت نسبتاً بہت اہم نہیں تاہم ان کے ناول بھی اکثر اسی مرکزِ ثقل کی طرف مائل نظر آتے ہیں جو ان کے افسانوں کا ہے۔ اس امر کی تصدیق کے لئے ان کے کسی بھی ناول کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے خواہ "وہ کارنیوال" "چاندی کا گھاؤ" "یادوں کے چنار" ہو یا پھر ان کا شاہکار ناول "شکست" ہی کیوں نہ ہو۔

کرشن جی سے قبل گرچہ پریم چند بھی اپنے سماج کی عکاسی کر چکے تھے۔ وہ سماج کے منفی رجحانات کو "کفن" جیسے لازوال افسانے میں اور "نرملا" "میدانِ عمل" اور "گئودان" جیسے یادگار ناولوں میں پیش کر چکے تھے لیکن بحیثیت مجموعی پریم کے لہجہ میں ایک مخصوص قسم کا دھیما پن ملتا ہے جو عام طور پر ایک مصلح کا طرۂ امتیاز ہوا کرتا ہے۔ پریم چند کے یہاں وہ تیز و تند اور پُرجوش لہجہ مفقود ہے جو کرشن چندر کے بیشتر افسانوں کا خاصہ ہے۔ چنانچہ لہجے کی تیزی و تندی کے لحاظ سے بھی افسانوں کی دنیا میں کرشن چندر کی حیثیت ایک ایسے باغی کی ہے جس نے سماجی اقدار اور سیاسی مسائل کے ساتھ ساتھ تہذیبی رجحانات پر ایک نئے زاویے سے روشنی ڈال کر سماج کی کہنگی و فرسودگی، سیاست کی ناہمواری اور تہذیب کی بدنمائی کو اجاگر کیا اور اذہان میں ایک انوکھی ہلچل مچا دی۔ چنانچہ کرشن چندر نے پریم چند کی حقیقت پسندی اور زندگی سے خلوص کی روایت کو بہت شاندار بنا کر آگے بڑھایا۔ انہوں نے زندگی کو ہی اپنے فن کی بنیاد قرار دیا ہے اور زندگی پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کا آرٹ سیکھا ہے۔ مشاہدہ میں قوت اور فن میں چابکدستی پیدا کی ہے۔ وہ اپنی کہانیوں کے لئے مواد براہِ راست زندگی سے لیتے ہیں۔

آرٹ اور ٹکنیک کے سلسلے میں کرشن چندر ایک ممتاز انفرادیت کے مالک ہیں۔ وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ اس باب میں وہ کسی کی تقلید کرتے نظر نہیں آتے۔ کرشن کی اس خصوصیت کا احساس تقریباً ان کے ہر افسانے کے مطالعے کے بعد ہوتا ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں کرشن کی اس خصوصیت کا احساس تقریباً ان کے ہر افسانے کے مطالعے کے بعد ہوتا ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں کرشن کے صرف ایک مجموعہ "ایک گرجا ایک خندق" کے افسانوں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔

"ایک گرجا ایک خندق" کرشن چندر کے دس افسانوں کا ایک مجموعہ ہے۔ اس میں بالترتیب یہ افسانے ہیں۔

"دوسری موت" "علیا آباد کی سرائے" "گھاٹی" "ایک دن" "شہتوت کا درخت" "پتھر اور گیت" "بطلا کا مندر لیٹیلہ" "ایک گرجا

ایک خندق"، "تکالو بھنگی" "اور ناہر فن"

مجموعہ مذکورہ کے بعض افسانے خالصتاً رومانی ہیں اور بعض سیاسی لیکن ان میں سے ہر افسانہ ہماری زندگی کے مسائل اور ان کی بنیادی پیچیدگیوں کی عکاسی کرتا ہے۔ ان میں سے "دوسری موت" میں اگر فرقہ وارانہ فسادات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی ہے اور سردار رویندر سنگھ کی دو موت ایک اخلاقی و روحانی اور دوسری جسمانی موت دکھائی گئی ہے تو علیا آباد کی سرائے" میں ارائی کے کردار کے توسط سے کرشن نے ان بد چلن شادی شدہ عورتوں پر شدید طنز کیا ہے جو بالطبع تعیش پسند ہوا کرتی ہیں اور جو اپنے شوہر کے علاوہ بھی بوئے غیر کے شائق ہوا کرتی ہیں۔ اسی لئے کرشن چندر نے لکھا ہے۔

"۔۔۔ اور میں نے اپنے نوکر سے کہا کہ تم ٹھیک
کہتے تھے کہ علیا آباد کی سرائے میں
چڑیلیں رہا کرتی ہیں ۔۔۔۔۔"

اسی طرح ایک گرجا ایک خندق" میں ہلاکت خیز اور انسانیت سوز جنگوں کو اگر تباہ کن لعنت سے تعبیر کیا ہے تو "کالو بھنگی" اور "شہتوت کا درخت" میں اقتصادی نابرابری اور طبقاتی کش مکش کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ "بھیروں کا مندر لمیٹڈ" میں موصوف نے مذہب کی آڑ میں ہونے والی برائیوں اور حصولِ دولت کے لئے آئے دن برپا ہونے والی انسان کشی اور قتل و خون ریزی کی نقاب کشائی بڑی چابکدستی کے ساتھ کی ہے پھر "ناہر فن" میں ہندوستان کی پسماندگی اور اپنی قدیم چیزوں اور اسلاف کے کارناموں پر قناعت پسندی کو کرشن چندر نے بڑی فنی مہارت کے ساتھ "قطب مینار" "ساڑی" اور "جلیبی" کے مثلث محصور کر دیا ہے۔ مجموعہ "ایک گرجا ایک خندق کے تین افسانوں "گھاٹی" "پتھر اور گیت" اور "ایک دن" میں کرشن چندر نے عشق و محبت اور جنسی جذبے کو اپنا موضوع بنایا ہے۔

ان باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ کرشن چندر کے یہاں موضوعات میں تنوع ملتا ہے۔ اگر ان کے تمام افسانوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کا شاید ہی کوئی اہم مسئلہ اور جذبہ ان کی نوکِ قلم سے بچ سکا ہو۔ وہ حسن عشق، بھوک، افلاس، طبقاتی کش مکش، عصمت فروشی، تعیش پسندی، اقتصادی نابرابری، گندی سیاست، قومی و ملکی پسماندگی اور انسانیت کش فرقہ واریت غرض کہ جتنے سارے مسائل ہماری دنیا میں اہمیت رکھتے ہیں ان کا ایک بڑا حصہ کرشن کے افسانوں میں واقعات فارمولوں سے نہیں بلکہ زندگی کے مشاہدوں سے جگہ پاتے ہیں۔ دوسرے افسانہ نگار بھی اپنا موضوع و مواد زندگی سے اخذ کرتے ہیں۔ لیکن ان کے ہاں یہ تنوع نہیں - کرشن کے مشاہدے کی دنیا وسیع ہے اور ان کی عقابی نگاہ زندگی میں ربط و پراگندگی دونوں کو داخل و خارج سے دیکھ لیتی ہے اور وہ واقعات کے انتخاب میں اپنے مقصد کی حرارت و حدت کو شامل کر کے ایک نئی جان ڈال دیتے ہیں۔

پلاٹ سازی کے باب میں بھی کرشن چندر ایک انفرادیت قائم کرتے ہیں۔ پلاٹ کے سلسلے میں ارسطو نے کہا ہے:-

"... A tragedy, must have a begining, a middle, and an end ----"

(Poetics — by Aristotle) انگریزی ترجمہ

لیکن کرشن چندر نے اس سلسلے میں ارسطو کی تقلید نہیں کی بلکہ پلاٹ کے متعلق اپنے نظریات کی وضاحت کرتے ہوئے غالباً "سرخ حاشیے" میں لکھا ہے کہ:-

"۔۔۔۔ بظاہر نہ اس (پلاٹ) کی کوئی ابتدا رہوتی
ہے نہ انتہا۔ خیال کی ایک رو ہے جو شروع
سے آخر تک چلی آتی ہے۔ یہ کسی وسطی مقام پر
رکنے کے بجائے امڈتی ہوئی آخر تک چلی آتی ہے۔
کبھی پلاٹ کا جو نقطہ آخر ہوتا ہے وہ خود ایک نئے
پلاٹ کی تمہید ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔"

کرشن چندر نے اپنے بیشتر افسانوں میں پلاٹ کے متعلق انہیں خیالات کو مدِ نظر رکھ کر پلاٹ سازی کی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ پلاٹ کے معاملہ میں وہ کافی ترقی پسند اور جدت طراز واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے بعض ایسے افسانے بھی لکھے ہیں جن میں پلاٹ کے آثار ہی نہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ بلا پلاٹ کے افسانے ہیں تو بے جا نہ ہوگا لیکن کرشن کا فن کارانہ کمال یہ ہے کہ ان کے ایسے افسانے بھی بے حد کامیاب ثابت ہوئے ہیں مثال کے طور پر افسانہ "ایک گرجا ایک خندق" یا ذرا موضوع سے

ہٹ کر "دو فرلانگ لمبی سڑک" ہی کو لیجئے۔

"ایک گرجا ایک خندق" میں دو دوست ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں۔

اور دونوں میں سے ایک دوست دوسرے کو جنسے ہوٹل میں چلنے کو کہتا ہے جہاں بازاری عورتیں اپنے گاہکوں کے ساتھ اسکاچ وہسکی حلق میں انڈیلا کرتی ہیں اور سرور چڑھنے پر اپنی عصمت کا گوہر شاہوار ہوس پرستوں کے حوالے محض چند ہرے نوٹوں کے عوض کیا کرتی ہیں۔ یہاں تک ایک افسانہ مکمل ہو سکتا تھا لیکن افسانہ اس مقام پر ختم نہیں ہوتا بلکہ ان دونوں میں سے ایک دوست گھومتا ہوا "باب الہند" تک جاتا ہے جہاں کارمن نام کی ایک فرانسیسی لڑکی گیت گا گا کر ناچ رہی ہوتی ہے اور لوگ بھیڑ لگائے اس کا ناچ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ گیت ختم ہونے کے بعد لوگ اسے پیسے دیتے ہیں اور وہ سب سے مانگتی پھرتی ہے۔

"۔ ۔ ۔ ایک پیشا سینور، ایک پیشا سینور ۔ ۔ ۔ ۔"

وہ اس لڑکی کے قریب ہوتا ہے اور ان کے تعلقات آپس میں دوستی کی حد تک بڑھ جاتے ہیں۔ وہ پوچھنے پر بتاتی ہے کہ اس کا نام کارمن ہے۔ کارمن اس کا نام دہرا رکھ دیتی ہے جو اس کے گدھے کے بچے" کا نام تھا۔ اس طرح کارمن اسے ٹونو کے نام سے پکارتی ہے۔ کارمن، ٹونو کی بہن کی شادی کے موقع پر اس کے گھر جاتی ہے۔ اس روز اپنے ماضی کے اوراق اس کے سامنے بکھر جاتے ہیں۔ اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ کارمن خود دلہن بنی بیٹھی ہے اور ظالم فوجیوں کے ہاتھوں مارا گیا اس کا منگیتر مدفون ہے۔ وہ کیوں مارتے ہیں وہ۔

اس طرح بچوں کو مار دیتے ہیں۔ لڑکوں کو گولی
کا نشانہ بنا دیتے ہیں۔ ماں باپ کو پھانسی چڑھا
دیتے ہیں، بہنوں کی عزت لوٹ لیتے ہیں۔
اوہ! اوہ!!"

اس نقطے پر پہنچ کر افسانہ ختم ہو جاتا ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو اس میں پلاٹ نام کی کوئی چیز نہیں لیکن بلاشبہ یہ ایک کامیاب افسانہ ہے۔ فن کے لئے سب سے اہم چیز ہم "وحدت تاثر" کا نام دیتے ہیں وہ اس افسانے میں پوری شدت کے ساتھ موجود ہے۔ اس سے کرشن کی فن کارانہ بصیرت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ یہ افسانہ نہ صرف موضوع و مواد کے اعتبار سے اہم ہے بلکہ یہ اپنی ساخت کے لحاظ سے بھی ایک اہم کارنامہ ہے۔ ٹیکنیک میں جدت پیدا کرنا کرشن چندر کا ایک انفرادی کمال ہے۔

ایک گرجا ایک خندق کے بعض افسانے ایسے بھی ہیں جن میں پلاٹ کافی منظم اور مربوط ہے۔ مثال کے طور پر "بھیروں کا مندر" "ملبیلا" "پتھر اور گیت" اور "شہتوت کا درخت" وغیرہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں بھی پلاٹ میں ابتدا، وسط اور انتہا تینوں کی جلوہ گری ملتی ہے لیکن یہاں بھی کرشن چندر نے اپنی شگفتگی اور تازہ کاری کو خاص طور سے ملحوظ رکھا ہے۔ ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہئیتی تجربوں سے روایت اور فن کی دنیا کو وسیع کرنا چاہتے ہیں۔ بلاشبہ اس کوشش میں کرشن کو کامیابی ملی ہے اور وہ اس کے لئے مبارکباد کے مستحق بھی ہیں۔

یہ کوئی انوکھی بات نہیں کہ کرشن چندر کے تخلیق کردہ کردار اسی دنیائے آب و گل کے جیتے جاگتے انسان نظر آتے ہیں کیونکہ اب اردو افسانے فن کے بہت سارے ارتقائی مراحل طے کر چکے ہیں اور بیشتر افسانہ نگاروں کے کردار جیتے جاگتے انسان نظر آتے ہیں لیکن کرشن کے ہاں ایک بات ایک بات اس ضمن میں بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ ان کے کرداروں میں بھی تنوع ملتا ہے۔ جس طرح ان کے موضوعات ہیں۔ وہ قرۃ العین حیدر اور بہت حد تک واجدہ تبسم کی طرح صرف اعلیٰ طبقہ سے ہی اپنے کرداروں کا انتخاب نہیں کرتے بلکہ ان کے یہاں طبقہ بالا کے ساتھ ساتھ وسطیٰ اور ادنیٰ طبقوں کے کردار بھی نظر آتے ہیں مثلاً ایک گرجا ایک خندق" کے افسانوں سے ہی کردار پیش کئے جا سکتے ہیں — نواز موچی کا کردار جو "شہتوت کا درخت" کا ہیرو ہے، اس کی شادی میں کل ملا کر صرف سترہ روپے خرچ ہوتے ہیں۔ یا پھر "کالو بھنگی" کو لیجئے، جس کی ماہانہ تنخواہ آٹھ روپے کی ہے اور دوسری طرف اس رانی کا کردار بھی موجود ہے جو "علیا آباد کی سرائے" میں ایک اجنبی نوجوان کے ساتھ شراب کی بوتلیں لنڈھا کر خوب داد عیش دیتی ہے۔ غرضیکہ کرشن چندر کے ہاں ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے کردار نظر آتے

ہیں۔ ان میں اعلیٰ بھی ہیں اور ادنیٰ بھی ہیں، ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی، سکھ بھی ہیں اور عیسائی بھی ــــ کرشن کی فنکارانہ بصیرت اور ژرف بینی کا اس سے بھرپور اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے کردار جس خاندان اور جس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں کرشن اس کی کماحقہٗ واقفیت رکھتے ہیں۔ ان کے کرداروں کی خوبیاں اور خامیاں دونوں روشن ہیں۔

ورنہ نہ تو غیبی فرشتے ہیں اور نہ ہی محض شر کے پتلے بلکہ وہ تو انسان اور صرف انسان دکھائی دیتے ہیں جن کی تخلیق میں خیر و شر دونوں کا حسین امتزاج ہے۔ کرشن چندر کے تخلیق کردہ کرداروں کے متعلق کسی ناقد کا قول ہے کہ وہ کرداروں کے بخیے ٹانکتے ہیں ــــ مجھے اس سے اتفاق نہیں کیونکہ کرشن چندر کے یہاں بھی ہمیں منٹو کے ایشر سیاں اور کلونت کور جیسے لافانی کردار نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر مجموعہ ''ایک گرجا ایک خندق'' کے کالو بھنگی اور کارمن کے کرداروں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے یا پھر افسانہ ''دوسری موت'' کے سردار دوتیر سنگھ کا یہ اور بات ہے کہ کلونت اور کارمن دونوں کی نوعیتیں جداگانہ ہیں۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ ایشر سنگھ ایک ڈاکو تھا اور کالو محض ایک بھنگی۔ لیکن جہاں تک کرداروں کی فنا اور بقا کا سوال ہے کرشن چندر کے یہ کردار منٹو کے لافانی کرداروں سے کسی بھی طرح کم نہیں۔

دیگر اصناف ادب کے مقابلہ میں افسانہ نویسی کا فن خاص لچک رکھتا ہے۔ اس میں اظہار اور تکنیک کے ان گنت راستے ہیں۔ یہ آزادی فن کار کی تخلیقی قوت کی آزمائش بھی بن جاتی ہے کیونکہ پامال اور مستعمل راستوں کے انتخاب میں فرسودگی کا احتمال رہتا ہے اور نئے طریقے نکالنے میں بھٹک جانے کا۔ تاہم جنہیں اپنے مواد پر، اپنی نگاہ پر اور اپنے اسلوب پر بھروسہ ہے وہ دونوں طرح سلامت روی کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ کرشن چندر کے افسانوں کو پڑھ کر دل میں یہ سوال ابھارنے کی کوشش نہیں کرتا کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ بلکہ ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ تکمیل فن اور صناعی ہیئت کی تزئین اور آرائش کی مخصوص کوشش کئے بغیر ایک طرح کی تکمیل حاصل کر لیتے ہیں۔

فن میں وسیلہ اظہار و ابلاغ کی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی کہ مواد و موضوع کی بلکہ اس میں تو ایسا جادو ہے کہ کبھی کبھی مواد کی سطحیت کا پردہ دار بن جاتا ہے اور زبان و بیان کے دلدادہ حضرات اس کے چند ترجیحات حلق سے نیچے اُتار کر مست ہو لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو تنہا اسلوب پر فن کی عمارت کھڑی کی جا سکتی ہے اور نہ اسے نظر انداز کر کے۔ کرشن فن کے اس گُر سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ اس کے برتنے پر قدرت بھی رکھتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں لچک اور توانائی، دل کشی اور گہرائی کے ایسے پہلو ہیں جنہیں انفرادیت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ نہ تو بوجھل اور گراں بار ہے اور نہ ہی بالکل سپاٹ۔ کرشن چندر کے یہاں زبان اور خیال میں ایک نامیاتی رشتہ ہے۔ وہ اپنے خیال کی ادائیگی کے لئے مناسب الفاظ متوازن لہجہ اور پرکار اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ اظہار کی نزاکتوں اور پیچیدگیوں پر جب پوری قدرت حاصل ہو جاتی ہے تو نثر میں وہ آہنگ پیدا ہو جاتا ہے جسے کبھی کبھی شاعری سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے کرشن چندر کے انداز تحریر کی روانی شگفتگی اور دل کشی ــ وہ ''شہتوت کا درخت'' میں ایک منظر یوں پیش کرتے ہیں۔

''. . . فضا میں شہتوت کی دھیمی دھیمی نرم نرم گرم گرم خوشبو تھی اور بھنوروں کا شیریں نغمہ تھا اور شریر لڑکوں کی پیہم دھوم میں ــــ ہرے طوطوں کی شوخ بولیاں اور اُن کی زعفران رنگ چونچیں اور پھر نیلے آسمان میں سفید بالوں کے قریب رنگا رنگ پرندوں کی وہ تیز اُڑان جیسے نگاہ میں ایک لمحے کے لئے دھنک کے سارے کے سارے رنگ یکایک ہنس پڑے ہیں . . . .''

اب ملاحظہ ہو کرشن کی مُرقع کشی ــ ''علیا آباد کی سرائے'' میں لکھتے ہیں:۔

''. . . ایک گرجر لڑکی تھی۔ اتنی صبیح تھوڑی جیسے برف، گال جیسے سیب، آنکھیں جیسے نرگس . . . . پتلی چھریری اور رنگت اس قدر نازک نازک سی سنہری گویا صبح کے شبنمی دھندلکے میں سورج کی کرنیں جھلملا رہی ہوں . . . .''

اب ایک اقتباس "شہتوت کا درخت" سے پیش کیا جاتا ہے۔ ذرا ملاحظہ کیجئے فطرت کی مصوری:۔

"۔۔۔۔ جب بہار آئی شہتوت کے درخت پر کونپلیں پھوٹنے لگیں اور خشک سیاہ ٹہنیاں اپنی سیاہی چھوڑ کر بھوری اور بھوری سے گلابی اور گلابی سے سبزی مائل چمکتی ہوئی ڈالیاں بنتی گئیں اور پھر ان ڈالیوں کی آنکھوں میں نازک نازک کونپلیں اور ریشم سے بھی ملائم پتیاں پھوٹنے لگیں۔۔۔"

ان مثالوں اور اقتباسات کے مطالعہ سے ذہن و دل کو ایک مخصوص قسم کا حظ ملتا ہے۔ ان سے ہمارے ذوقِ جمال کی تسکین بھی ہوتی ہے۔ کرشن کے علاوہ اردو افسانہ نگاروں میں شاید ہی کوئی اس پائے کی زبان اور اندازِ بیان کی دولت اپنے اندر رکھتا ہو۔ ان کے اسلوب میں زبان بیان کا حیرت انگیز امتزاج ملتا ہے لہٰذا کرشن چندر کے افسانوں کا تجزیہ کرتے ہوئے سید احتشام حسین نے "روایت اور بغاوت" میں بجا طور پر لکھا ہے کہ:۔

"کرشن چندر اردو کی صفِ اوّل کے افسانہ نگاروں میں ہیں ۔۔۔۔ ان کے افسانوں میں تازگی اور شگفتگی، شادابی اور رعنائی ہے۔۔۔۔"

ایک دوسری جگہ بھی احتشام حسین نے انہیں خیالات کا اظہار کیا ہے لکھتے ہیں:۔

"کرشن چندر کے افسانوں میں مجھے وہ سب کچھ ملتا ہے جس کے لئے میں افسانہ پڑھتا ہوں۔ اقدارِ حیات اور اقدارِ ادب کا جمالیاتی تناسب"

سید احتشام کی یہ تمام باتیں کرشن کے فن اور اسلوب پر صادق آتی ہیں لیکن ان تمام تر خصوصیات کے علاوہ کرشن چندر کا اسلوب ان کے فن کو بہت حد تک مجروح بھی کرتا ہے۔ وہ منظر کشی مصوری فطرت اور مرقع کی تخلیق میں حد درجہ جزئیات نگاری سے کام لیتے ہیں۔ ان کے اکثر افسانوں میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ جزئیات نگاری دراصل ناول نویسی کا فن ہے۔ مختصر افسانوں کی دنیا میں اس کا گزر نہیں۔ خصوصاً کرشن کے مجموعہ "گرجا ایک خندق" میں جو بھی افسانے شامل ہیں ان میں سے ہر افسانے کا ایک بڑا حصہ مرقعات و مناظر اور فطرت کی جزئیات پر مبنی ہے اگر اس خارجی جزئیات نگاری کو وہ کرداروں کی نفسیاتی تحلیل کے کام میں لاکر داخلی رویہ اختیار کرتے تو ان کے فن میں اور بھی جان پڑ جاتی۔

- - - - - - - - -

تعلیم بالغان مرکزوں کیلئے گرانٹ

حکومت مغربی بنگال نے مالی سال کے دوران پانچ تنظیموں کو اپنے تعلیم بالغان مرکزوں کو چلانے کے لئے ۲۷۲۰۰ روپیہ منظور کیا ہے۔ یہ سب تنظیمیں ضلع ۲۴ پرگنہ کی ہیں۔

کھیتی کے جدید طریقوں کے مظاہرہ کیلئے ۲ ہزار روپے

حکومت مغربی بنگال نے سندربن ترقیاتی بورڈ کے تحت مختلف ترقیاتی مرکزوں میں کھیتی کے جدید طریقوں کے مظاہرہ کے لئے ۲ ہزار روپیہ منظور کیا ہے۔ ایڈمنسٹریٹو افسر سندربن ترقی بورڈ کے حوالے یہ رقم کر دی گئی ہے جو حسب ضرورت پڑنے پر ممبر سکریٹری سندربن ترقی بورڈ کی منظوری سے اس رقم کو دوبارہ الاٹ کریں گے۔

بردوان ڈویزن کے لئے منطقائی سیلس ٹیکس مشاورتی کمیٹی

حکومت مغربی بنگال نے بردوان ڈویزن کے اضلاع (ضلع ہگلی کو چھوڑ کر) کے لئے منطقائی سیلس ٹیکس مشاورتی کمیٹی کی تشکیل کی ہے۔ یہ کمیٹی سیلس ٹیکس کے مختلف قوانین کے نظم و نسق سے متعلق امور کے بارے میں اپنے مشورے دے گی۔ یہ کمیٹی ۱۲ ممبروں پر مشتمل ہوگی۔ اسپیشل سکریٹری یا جوائنٹ سکریٹری ریاستی محکمہ مالیات اس کے چیرمین ہوں گے۔

از:- سزا ھاری کوی راج

چُوار بغاوت سنہ ۱۷۹۹ء

آج سے ایک سو بر اسی (۱۸۲) سال پہلے مدناپور میں چواروں نے ۲۱ مارچ سنہ ۱۷۹۹ء کو برٹش نوآبادکاروں کے خلاف بغاوت کی تھی۔

بغاوت کا مرکز وہ علاقہ تھا جسے اس وقت جنگل محل کہتے تھے۔ نیز رائے پور، جھاڑی، دوام پاڑا، بارہ بھوم اور سنگھ بھوم (مدناپور) باغیوں کے اہم مراکز تھے۔ باغی سردار مدناپور شہر کے آس پاس کے گاؤں پر اکثر بہادری کے ساتھ حملہ کرتے۔ برطانوی سرکار کو یہ ڈر لاحق ہو گیا کہ باغی اس سرکار کو مار بھگانے کے لیے مدناپور خزانہ پر حملہ کر سکتے ہیں۔

اس بغاوت کی وجہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ریونیو پالیسی تھی۔ اس پالیسی نے جنگل محل دیہی معیشت کو مکمل طور پر غیر مستحکم بنا دیا۔ جنگل محل میں سماجی ڈھانچہ کی کچھ اپنی خصوصیات بھی تھیں۔ یہاں سب سے اوپر قدیم زمیندار خاندانوں کی ایک جماعت تھی، اور سب سے نیچے وہ لوگ تھے جنھیں پیک، ڈگوار اور عام رعیت کہا جاتا تھا۔ ان دونوں کے درمیان پیک سردار تھے، جنھوں نے اس سرزمین میں امن و امان برقرار رکھنے میں نہایت ہی اہم رول ادا کیا۔ سردار پیک اور ان کے پیروکاروں کو چوار کہتے ہیں۔ پائیک اور ان کے سردار صدہا برسوں سے زمینوں کے مالک تھے۔ سردار اپنی زمینداری میں ہر گاؤں سے ایک چھوٹی سی رقم بطور ٹیکس، جسے شکو نندو (چین کی نیند) کہتے ہیں وصول کرتا۔ اس سرزمین میں امن قائم رکھنے کے لیے زمیندار اور گاؤں والے خوشی خوشی شکو نندی ادا کر دیتے۔

اس حالت کو جس نے جنگل محل میں روایتی سماجی نظام کو برقرار رکھنے میں مدد دی، ایسٹ انڈیا کمپنی کی نئی ریونیو پالیسی نے بالکل تبدیل کر دیا۔ اس کمپنی کی حکومت کا پہلا قدم یہ ہوا کہ اس نے پیکانوں کی زمینوں پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ پرانے زمینداروں سے ان کی زمینیں چھین لی گئیں اور ایسے زمینوں کو باہر کے علاقوں کے بے ایمان زمینداروں کے حوالہ کر دیا گیا۔

بغاوت کی ایک عام وجہ پیکوں کی زمینوں پر قبضہ تھی۔ زمینداروں کی حد سے زیادہ بے چینی نے آگ میں تیل کا کام کیا۔ پیک سردار اس بغاوت کے حقیقی سربراہ تھے۔ ان میں بارہ بھوم کے لال سنگھ، دوام پاڑہ کے بدیا ناتھ سنگھ، بگڑی کے گوبردھن دِگھپتی اور دیگر سردار شامل تھے۔ مدناپور کی رانی شیرومنی، نارا جول کے چونی لال خان، رائے پور کے درجن سنگھ اور دیگر زمینداروں نے باغیوں کا ساتھ دیا۔ سرداروں اور ان کے پیک ساتھیوں کے ساتھ زمینداروں اور دیگر دیہی باشندوں نے شرکت کی اور یہ بغاوت زبردست طاقت بن گئی۔

سارا جنگل محل بغاوت کی آگ سے جل اٹھا۔ ایک انگریز افسر یوں رقمطراز ہیں، جنگل محل کے تمام لاقانونی قبیلوں نے پیکوں کا ساتھ دیا، قتل و غارت گری شروع کر دی اور مجسٹریٹوں کی کچہری کے دروازہ تک بغاوت کی آگ کو پہنچا دیا۔ مدناپور شہر کی بنیاد بھی ہلنے لگی۔ کم سے کم ۲۴ دیہاتوں پر حملہ کیا گیا اور انھیں جلا ڈالا گیا۔

خود روزگار کے فروغ کیلئے تربیتی پروگرام

شری کے۔ پی۔ گھوش، وزیر محنت، حکومت مغربی بنگال نے گزشتہ ۱۵ مارچ کو دھان نگر (سالٹ لیک)، کلکتہ میں واقع ایڈمنسٹریٹو ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں خود روزگار کے فروغ کے لئے تربیتی پروگرام کا افتتاح کیا۔ اس موقعہ پر انھوں نے افتتاحی تقریر کی جو درج ذیل ہے۔

مجھے اس بات سے بڑی خوشی حاصل ہو رہی ہے کہ میں آج یہاں خود روزگار کے فروغ کے لئے تربیتی پروگرام کے موقعہ پر موجود ہوں۔ جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ بے روزگاری میں مسلسل کمی کرنے، جو ایک قومی ضرورت ہے، کے لئے حکومت ہند نے اس اسکیم کو چھٹے منصوبہ کے پروگرام کے جزو کے طور پر مرتب کیا ہے۔ اس تصور کو میں سراہتا ہوں۔ میں صرف اس بات کی امید کروں گا کہ اس اسکیم کی موثر طور پر تکمیل ہو اور اسے جاری رکھنے کے لئے تمام لازمی اور ضروری چیزیں اسے فراہم کی جائیں گی تاکہ ہماری ریاست میں بے روزگاروں کو کچھ فائدہ پہنچے۔ بہر حال اسے صرف ایسا اقدام کہا جا سکتا ہے جس سے بے روزگاری میں کچھ حد تک کمی ہو گی۔ لیکن اس اسکیم کے ذریعہ کوئی بنیادی تبدیلی لائی نہیں جا سکتی۔

یہاں اس بات پر شاید ہی زور دینے کی ضرورت ہے کہ ہمارے سماج کی از سر نو تعمیر کے بغیر ہندستان میں بے روزگاری اور نیم روزگاری کا وسیع مسئلہ کا مستقل حل نہیں نکل سکتا۔ گزشتہ دس برسوں میں بہت سارے مواقع پر حکومت ہند نے پُرخلوص طریقہ سے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بہت سارے پروگرام اور اسکیمیں مرتب کیں۔ بدقسمتی سے اس سلسلہ میں ہماری تمام امیدیں اور تمنائیں رائیگاں ثابت ہوئیں۔ درحقیقت حالیہ برسوں میں ترقی اور از سر نو تقسیم کے طریقہ کار نے الٹا رخ اختیار کر لیا ہے جس کی وجہ سے ہمارے ملک میں سماجی نابرابری کا خلیج اور بھی وسیع ہو گیا۔

آپ لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ حالیہ برسوں میں سارے ملک میں رجسٹرڈ بے روزگاروں کی تعداد ۴ کروڑ ہو گئی ہے۔ مغربی بنگال میں، جب ہماری حکومت برسر اقتدار آئی تھی اس وقت بے روزگاروں کی تعداد بیس یا بائیس لاکھ کے قریب تھی۔ بے روزگاروں کی موجودہ تعداد ۲۸ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ میں یہاں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ جب تک ہم اس مسئلہ کی بنیادی وجہ تلاش نہیں کریں گے اس وقت تک ہم اس مسئلہ کو موثر طور پر حل نہیں کر سکتے ہمیں شدید اقتصادی بحران نیز خاص طور پر ترقی میں مکمل جمود کے اسباب کو پورے طور پر ذہن میں رکھنا ہو گا جس سے ملک بالخصوص سنہ ۱۹۷۹ء کی دوسری نصف میں دوچار ہوا تھا۔

ایسے وقت میں جب کہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام درہم برہم ہو رہا ہے، ہمارے ملک میں مرکز میں فیصلہ ساز حکام سوشلزم کے نام پر عملی طور پر ترقی کے سرمایہ دارانہ راستہ پر گامزن رہنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ بنیادی اصلاحات آراضی کے لئے کوئی خاص کوشش بھی نہیں کرتے۔ ایک ملک میں جہاں ۷۰ فی صد سے زیادہ آبادی زراعت سے تعلق رکھتی ہے، وہاں جب تک کہ بے زمینوں اور کاشتکاروں کو زرعی زمینوں کی ملکیت نہ دی جائے، وسیع پیمانہ پر بے روزگاری کے امکانات رہتے ہیں۔ بنیادی اصلاحات آراضی کی وجہ سے زمینوں کی از سر نو
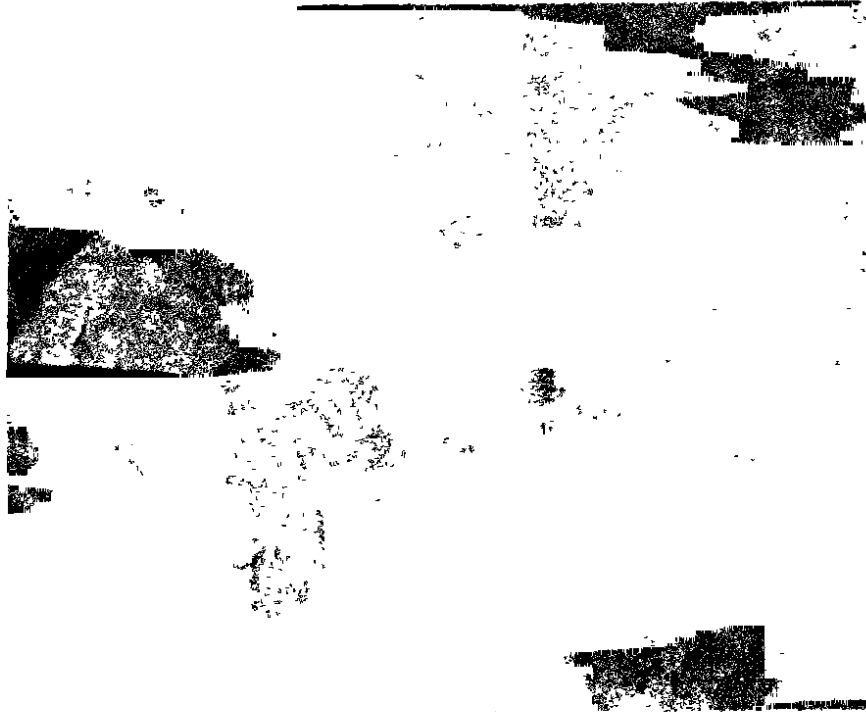
حال ہی میں رائیٹرس بلڈنگس، کلکتہ، میں وزیر اعلیٰ کی شری ایل کے جھا سے ملاقات

Regd. No. WB/CC-52
Vol. 29 No. 27
PRICE-12 Paise

MAGHREBI BENGAL
1st April

حال ہی میں شری بدھدیو بھٹاچاریہ وزیر اطلاعات اور ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس کلکتہ کے سامنے محب وطن شری منگل پانڈے کی یاد میں ایک یادگاری مینارہ کا افتتاح کرنے کے بعد مرحوم محب وطن کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ۔

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impresion 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

مغربی بنگال

۱۵/اپریل سنہ ۱۹۸۲

پندرہ روزہ

مغربی بنگال
کلکتہ

مدیر:- دھریندر ناتھ دت
مدیر معاون:- محمد اعظم

شرح خریداری
سالانہ - ۳ روپئے
قیمت فی پرچہ - ۱۲ پیسے

جلد نمبر ۲۹ | ۱۵/اپریل سنہ ۱۹۸۲ء | شمارہ نمبر ۸

کلکتہ میں اے۔بی۔ٹی۔اے کے زیر اہتمام منعقدہ کل ہند تعلیم سیمینار میں وزیر اعلیٰ تقریر کرتے ہوئے

بائیں محاذ حکومت کے پانچ برس

عوام کی فلاح و بہبود کیلئے بہت سارے اقدامات کئے گئے

بائیں محاذ حکومت اختیارات کی لامرکزیت اور گرام پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کے ذریعے ترقیاتی سرگرمیوں میں عوام کو شامل کرنے کا اپنا اہم وعدہ پورا کر چکی ہے۔

پنچایتوں کی مدد سے پہلی بار زرعی توسیع کے کام پر غریب کسانوں کی توجہ مرکوز ہوئی ہے۔ بوڑھے کسانوں کو محدود پیمانے پر پنشن دینا شروع ہوا ہے۔ بائیں محاذ کی حکومت نے ملک بھر میں سب سے پہلے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنایا۔ حقوق کے ریکارڈ میں بٹائی داروں کے نام کا ٹھیک طریقے سے اندراج کر کے ان کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے۔ زمین کا ٹیکس ادا کرنے سے چھوٹے اور درمیانی کسانوں کو، جن کا تناسب ۸۵ فی صدی ہے، چھوٹ نے ان کی زبردست حوصلہ افزائی کی ہے۔ قومیائے گئے بینکوں کی مزاحمت کے باوجود ریاستی حکومت نے چھوٹے کسانوں اور بٹائی داروں کو بینک سے قرضے دلانے کی کوششیں کیں۔

قرض سے راحت، انجمن امداد باہمی کے لئے قرضوں پر ادا کئے جانے والے سود کی رقم میں سرکاری امداد اور فصلوں کی بیمہ اسکیم سے گاؤں کے غریبوں کو بہت فائدہ پہنچا ہے اور ان کے اندر اشتیاق پیدا ہوا ہے۔

کام کے عوض اناج اور دیگر دیہی پروگرام سے جن پر بائیں محاذ کی حکومت نے عملدرآمد کیا دیہاتوں پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ ان پروگراموں کے ذریعے غریبوں کو ان دنوں میں کام مہیا کیا جب دیہاتوں میں کام نہیں رہتا اور اس طرح کھیت مزدوروں کی سودے بازی کی صلاحیت میں اضافہ کیا۔

تعلیمی مواقع غریبوں اور ٹھکرائے ہوئے لوگوں تک پہونچے اور اعلیٰ تعلیم میں پھیلی ہوئی نراجیت کو ختم کر کے تعلیمی ماحول بحال کرنے کے میدان میں ایک نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ بارہویں جماعت تک تعلیم کے لئے سرمایہ کاری میں تین گنا کا اضافہ ہوا۔ حصول تعلیم کے ذریعے کے لئے مادری زبان پر خاطر خواہ زور دیا گیا ہے جبکہ ثانوی تعلیم کے لئے انگریزی لازمی زبان رکھی گئی ہے۔ یہ تھوڑی کامیابی نہیں ہے کہ یونیورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں میں بے چینی یا بد انتظامی کے سبب تعطل پیدا نہیں ہوا۔ ریاست میں یونیورسٹیوں کے لئے نئے قانون نے ان کی انتظامیہ کو جمہوری بنانے میں کافی مدد دی ہے۔

بائیں محاذ کی حکومت نے پندرہ سو دیہی اور ابتدائی لائبریریاں قائم کرنے کے ساتھ ہی لائبریری سروسوں کو بہتر بنانے اور وسعت دینے کے لئے مختلف پروگراموں پر عملدرآمد کیا۔ ثقافتی میدان میں زوال پذیر ثقافتی رجحانات کی پوری قوت سے مخالفت کی گئی اور مختلف مقبول ثقافتی ہیئتوں میں صحت مند اور ترقی

پسماندوں کی مؤثر حوصلہ افزائی کی گئی۔ اسی طرح حکومت نے فلمی صنعت میں نئی جان ڈالنے کے اقدامات کئے اور بڑی تعداد میں قابلِ ذکر اہم فلمیں بنائیں۔

گذشتہ پانچ برسوں میں محدود لیکن قابلِ ذکر راحت دبے کچلے عوام کے مختلف حصّوں کو پہونچائی گئی ہے فلاحی مراکز کی شکل میں غریب عورتوں کو اور غریب بیوہ عورتوں کو پنشن کی صورت میں بچوں کو کھانے کے مفت مراکز اور مفت تعلیم کے ذریعہ ابتدائی اسکول کے بچوں کو دوپہر کے کھانے اور یونیفارم کے ذریعے اور بے کاروں کو بے روزگاری کے بھتے کے ذریعے اور دیہی کام کے پروگرام میں فاضل کام کے ذریعے اور دستکاری کی اور چھوٹی صنعتوں کے ذریعہ اور مزدوروں کو بہت سے بند کارخانے دوبارہ کھولنے کے ذریعے۔

بہت سے گاؤں میں پینے کے پانی کے وسائل نکالے گئے ہیں اور نئی سڑکیں بنائی گئی ہیں۔ سرکاری ملازمین، معلمین اور دوسرے لوگوں کی تنخواہیں بڑھائی گئی ہیں اور انہیں گروپ بیمہ اسکیم کے تحت لایا گیا ہے۔ پرانے نوآبادیاتی طرز کے سروس کنڈاکٹ رولز بدل دیئے گئے ہیں اور ملازمین کے ٹریڈ یونین کی سرگرمیوں یہاں تک کہ ہڑتال کرنے کے حق کو بھی تسلیم کر لیا گیا ہے۔

بائیں محاذ حکومت اس بارے میں باشعور ہے کہ بعض اہم میدانوں میں، یقینی پیش رفت کے باوجود، سہولتیں عوام کے مطالبات سے کم ہیں۔ ان تمام دائرہ کار میں سابقہ حکومت کی منصوبہ بندی اور پہل قدمی میں زبردست غفلت برتی گئی تھی۔ ان میدانوں میں غیر اطمینان بخش کارکردگی کے اسباب کے متعلق بائیں محاذ حکومت نے عوام کو اعتماد میں لے لیا ہے۔

برقی توانائی کے دائرہ کار میں بائیں محاذ کی حکومت اس وقت ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے تاکہ اس دہائی کے خاتمے تک بجلی کی پیداوار تیرہ سو میگاواٹ سے بڑھ کر چار ہزار میگاواٹ پر پہونچ جائے۔ چھ سو چالیس میگاواٹ سے زیادہ بجلی پیدا کرنے کا انتظام پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ نئے اسپتال اور صحت کے مراکز کھولے گئے ہیں۔ دودھ اور مچھلی کی پیداوار اور تقسیم کو بہتر بنانے کے لئے جو اقدامات کئے گئے ان کے بہتر اثرات ابھی محسوس ... کئے جا رہے ہیں انجمن امداد باہمی میں مستقل مفادات کو خارج کرنے کے لئے بعض اقدامات کئے گئے ہیں اس سلسلے میں ابھی بھی بہت کچھ کرنا ہے۔

اجرتوں میں اضافہ اور کام کے حالات کو بہتر بنانے کے لئے بڑی پیش رفت کرنے میں بائیں محاذ حکومت نے منظم مزدور طبقے کی مدد کی ہے۔ ان میں بہت سی فتوحات ہڑتال کئے بغیر اور استبدادی اقدامات کا سامنا کئے بغیر ہی حاصل ہو گئیں۔

بائیں محاذ کی حکومت امپلائمنٹ ایکسچینج کے ذریعے نوکری دینے کی پالیسی پر ثابت قدمی سے چلی ہے۔

ریاست میں اقلیتوں کے معاشی اور ثقافتی حقوق سے متعلق اقدامات کو بائیں محاذ کی حکومت نے زبردست اولیت دی ہے۔

نیپالی اور اردو زبانوں کی ترقی اور سنتھالی زبان کے لئے ایک رسم الخط کی ایجاد کے لئے مؤثر اقدامات کئے گئے۔ قبائلی علاقوں میں ترقیاتی سرگرمیوں کے لئے ایک نیا جوش و خروش پیدا کیا گیا ہے۔ ہریجنوں کے لئے دی جانے والی سہولتوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔ اس ریاست میں ہریجنوں کی جان و مال محفوظ ہے۔

مختلف ذاتوں کے درمیان شادی کیلئے گرانٹ

حکومت مغربی بنگال نے چھوت چھات کی برائیوں کی بیخ کنی کے پیش نظر دس جوڑوں کو مختلف ذاتوں کے درمیان شادی کے لئے ۲۰ ہزار روپیہ کی گرانٹ منظور کی ہے۔ ہر جوڑے کو ۲ ہزار روپیہ ملے گا۔

ماتری منگل پرتسٹھان کلکتہ کو گرانٹ

حکومت مغربی بنگال نے ماتری منگل پرتسٹھان کلکتہ کو اس کے مالی سال رواں کے اخراجات کے لئے ۳۵ ہزار روپیہ کی غیر مکرر گرانٹ منظور کی ہے۔ مزید براں حکومت نے اسی ادارہ کا خسارہ پورا کرنے کے لئے ۲۵ ہزار روپیہ کی مزید غیر مکرر گرانٹ منظور کی ہے۔

مظہر امام

شاد عظیم آبادی

نئی غزل کے پیش رو

نیاز فتحپوری نے ۱۹۴۲ء میں لکھا تھا کہ گذشتہ پچاس سال میں شاد عظیم آبادی سے بڑا غزل گو پیدا نہیں ہوا۔ ظاہر ہے کہ "پچاس سال" کے شاعروں میں نیاز نے پیشِ نظر داغ، امیر، جلال، حالی، اقبال، حسرت، فانی، اصغر، یگانہ اور جگر رہے ہوں گے۔ ان سربرآوردہ اور برگزیدہ غزل گویوں کے مقابلے میں شاد آبادی کو بلاوجہ ترجیح نہیں دی گئی ہے۔ فراق اس وقت تک اس صف میں شامل کئے جانے کے اہل نہیں تھے۔

نیاز فتحپوری کی اس جائزہ مناسب اور حقیقت پسندانہ رائے کے باوجود شاد کے ساتھ عام طور پر اردو کے ناقدین نے وہ انصاف نہیں کیا جس کے وہ مستحق تھے۔ شاد کسی دربار سے وابستہ نہیں رہے اور نہ کسی نواب یا رئیس کے وظیفہ خوار۔ انہیں کسی شہزادے کی اتالیقی یا استادی کا شرف بھی حاصل نہیں ہوا۔ انہوں نے نہ تو جیل جاکر "چکی" کی مشقت جھیلی اور نہ مشاعروں میں اپنے ترنم کا جادو جگایا۔ وہ پٹنہ سیٹی کے ایک محلے میں خاموشی سے فکر و فن کی شمعیں جلاتے رہے اور بادِ مخالف کا شکار ہوتے رہے۔ شاد کے حریفوں نے ایک باقاعدہ اخبار "الپنچ" کے نام سے جاری کیا اور وہ معرکہ آرائیاں ہوئیں کہ پناہ بخدا۔ شاد کے فنکارانہ ضبط نے ان تند و تیز آندھیوں کے درمیان بھی ان کی تخلیقی قوتوں پر آنچ نہ آنے دی۔ بلکہ انہیں فن کی منزلوں کو طے کرنے کے لئے سلامت روی کا انداز سکھایا۔

بتا دیا مجھے بیچ بیچ کے راستہ چلنا
خدا بھلا کرے اے شاد! لغزشِ پا کا

قائم چاندپوری اور آسی غازیپوری پر مضامین لکھنے والے نقادوں کی کمی نہیں لیکن بیسویں صدی کے سب سے بڑے غزل گو پر باقاعدہ مضمون لکھنے والے عزیز احمد اور اختر اورینوی کے علاوہ معتبر ناقد نہیں ملتا۔ اسے عصبیت کہئے یا محض بے توجہی، دونوں صورتوں میں ہمارے ناقدین خطاوار ٹھہرتے ہیں۔

شاد کی شاعری نے اس وقت اپنی عظمت کا احساس دلایا جب داغ اور امیر کا سکہ دلوں پر بیٹھا ہوا تھا، اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ غزل اپنے سارے امکانات پورے کر چکی ہے، اور اب صرف انحطاط و زوال کا امکان ہی باقی رہ گیا ہے۔ ایسے وقت میں اردو غزل میں دو نئی منفرد اور اثرانگیز آوازیں ابھریں جنہوں نے اس وقت کی غزل گوئی کا مزاج ہی بدل دیا۔ ایک آواز تھی شاد عظیم آبادی کی اور دوسری آواز تھی اقبال کی۔

اقبال کی غزل اجتہادی شان رکھتی ہے۔ اور غزل کی مجموعی

روایت سے الگ معلوم ہوتی ہے۔ ان کی غزلیں بھی اسی طرح میلاناتی (TENDENTIO US) ہوتی ہیں۔ جس طرح ان کی نظمیں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے متعلق جو حکیمانہ اور بصیرانہ اشارات اقبال کی غزلوں میں ملتے ہیں، اُن سے اجتہاد کے نئے امکانات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن تغزل یا غزلیت کی چاشنی سے بڑی حد تک عاری ہونے کے باعث اقبال کا انداز جدید مطبوع و مقبول نہیں ہو سکا ہے اور اردو کی نئی غزل پر اس کے اثرات بہت محدود ہیں۔

حسرت موہانی نے اردو غزل کو ارضیت بخشی۔ بیسویں صدی میں اردو غزل میں نئی تحریک کے جو آثار پیدا ہوئے ان کا موجد حسرت کو ہی سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی لئے انہیں جدید اردو غزل کا امام کہا گیا ہے۔ لیکن حسرت کو یہ اعزاز بخشنے والے بھول جاتے ہیں کہ حسرت سے پہلے تغزل کی ساری روایتوں اور دلکشیوں کو برقرار رکھتے ہوئے اردو غزل ایک نئے مزاج اور ایک نئی جہت سے آشنا ہو رہی تھی اور یہ مزاج عطا کرنے والے تھے شاد عظیم آبادی۔ شاد نے اس تھکا دینے والی یکسانیت، بے رنگی اور سطحیت سے اردو غزل کو نکالا جس میں یہ گرفتار تھی اور جس کے خلاف حالی نے نعرہ بلند کیا تھا — حالی نے خود غزل کو اس "قعرِ سطحیت" سے نکالنے کی کوشش کی لیکن اُن کے یہاں کبھی وہی میلاناتی رجحان پایا جاتا ہے جو کہ اقبال کے یہاں ذرا زیادہ تیز ہو گئی ہے۔ حسرت کے نزدیک شاد کی حیثیت پیش آمد کی سی ہے۔ اور حسرت، شاد سے کس درجہ متاثر تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ شاد کا پہلا دیوان "انتخابِ کلامِ شاد" کے نام سے حسرت موہانی نے مرتب کیا۔ اور اسے کانپور سے سنہ ۱۹۰۹ء میں چھپوایا۔

شاد کے یہاں عشقیہ، عرفانی یا متصوفانہ، فلسفیانہ، اخلاقی سماجی اور سیاسی ہر طرح کے اشعار ملتے اور فکر کی ہر سطح پر اُن کی شعریت برقرار رہتی ہے۔ شاد کے یہاں عشقیہ جذبات میں لطافت اور شیرینی ہے۔ اُن کے یہاں سطحی اور غیر بالغ جذبات کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اور ٹھہراؤ، ان کی شاعری کے مخصوص لوازم ہیں حتیٰ کہ ان کی مشہور غزل جو نوجوانی کے نازک جذبات کے اظہار کے اعتبار سے خصوصی توجہ کی مستحق ہے، کہیں سوقیانہ پن کا شکار نہیں ہوتی۔

؎ کالی گھٹائیں، باغ میں جھولے، دھانی دوپٹے لٹ چھٹکائے
مجھ پہ یہ قدغن آپ نہ آئیں ان سے بلا ہائے لئے زمانے
پچھلے پہر اُٹھ اُٹھ کے نمازیں، ناک رگڑنی، سجدے پہ سجدے
جو نہیں جاتی اس کی دعائیں، ان سے جوانی ہائے رے زمانے

صوفیانہ عقاید و نظریات کی تبلیغ کو شاد نے کبھی اپنی شاعری کا مقصد قرار نہیں دیا۔ وہ اوّل و آخر فنکار رہے۔ اور اسی لئے وہ اپنے ان تجربات و محسوسات کو جو عرفانی نوعیت کے ہیں شعری پیکر میں خوبصورتی سے منتقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں ؎

کون کھولے گا تیرے دل کی گرہ میرے بعد
کون سلجھائے گا الجھا ہوا گیسو تیرا
وہ عالم گیر جلوہ اور وہ حسن مشترک تیرا
خدا جانے ان آنکھوں کو ہوا کس کس پہ شک تیرا
میں تو شرمندہ ہوا بیچ میں پڑ کر ناحق
کہ دعا بھی تھی تیری، دستِ دعا بھی تیرا
اسیر جسم ہوں میعادِ قید لا معلوم
یہ کس گناہ کی پاداش ہے خدا معلوم
سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

شاد کے یہاں زبان کا تخلیقی استعمال ملتا ہے۔ ان کے یہاں بہت سے ایسے الفاظ ملیں گے۔ جو اُس وقت کی مروجہ غزل گوئی کے لئے اجنبی سے لگتے ہیں۔ زبان کو عام بول چال سے قریب لانے اور ساتھ ہی شاعرانہ حسن برقرار رکھنے میں شاد کا بہت بڑا حصہ ہے ؎

ان کی بھلی کہی صبا کیوں نہ ہوا اب کنارہ کش
عین بھنور میں لا کے جب ناؤ میری ڈبو چکے
ہے لبِ بام آفتاب، عمر کا دن اخیر ہے
کام بہت ہیں روح کو جسم کا بوجھ ڈھو چکے
مرے داغوں کی عمر اے آہ دو مجھ سے کبھی چھوٹی گا
انھوں نے ساتھ چھوڑا دل کی نیت جن سے وابستہ تھی
ہے دل کی ہیں آنکھیں دیکھنے کی اور منہ میں زبان بھی نام کی ہے۔
جس فوج کا افسر کھیت رہا وہ فوج کہو کس کام کی ہے

شاد کے کلام کا ایک معتد بہ حصہ دست بردِ زمانہ یا "دست بردِ شاگرداں" سے بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ میخانۂ الہام مرتبہ حمید عظیم آبادی کے متعلق کچھ حضرات کا خیال ہے کہ اس میں بہت سے اچھے اشعار حذف کر دیئے گئے ہیں اور کئی اشعار پر اصلاح دے کر اُن کا حُسن زائل کر دیا گیا ہے۔ خود شاد نے اپنی بہت سی غزلیں در خورِ اعتنا نہیں سمجھیں۔ حالانکہ اُن میں سے کئی نہ صرف لائقِ اعتنا بلکہ دل آویز ہیں۔ کلامِ شاد مرتبہ قاضی عبدالودود (مطبوعہ ۱۹۲۲ء) میں مندرجہ ذیل غزل موجود ہے۔ لیکن اپنے دیوان میں شاد کو اس غزل کی شمولیت پسند نہیں آئی اور غالباً اسی لئے حمید عظیم آبادی نے بھی اسے "میخانۂ الہام" میں شامل نہیں کیا۔ حالانکہ یہ دیوان شاد کے انتقال کے بہت بعد شائع ہوا ہے۔ اس غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

دل یہ چِلاتا ہے نکلی نہیں حسرت میری
عمر کہتی ہے کہ چپ، ختم ہے مدت میری

دیدنی تھا وہ نکھرنے کا سماں تیری قسم
سکتہ آئینہ کا، جلوہ ترا حیرت میری

پردہ پوشانِ وطن تم سے تو یہ بھی نہ ہوا
ایک چادر کو ترستی رہی تربت میری

پھر تو منہ ڈھانک کے اس دور پہ پڑے رہنا
اِک جھلک دیکھ لے اے صبحِ قیامت اپنی

شاد کی بعض زمینیں ہمیں موجودہ دور کی غزل گوئی کی یاد دلاتی ہیں!

خوف کی منزل راہِ عدم ہے جاگ کے سوائے نیند کے ماتے
پچھلا پہر ہے رات بھی کم ہے جاگ کے سوائے نیند کے ماتے
دیکھ لے پیارے کھول کے آنکھیں پھیر کے کروٹ باتیں کچھ کر
مان کہا تجھ کو قسم ہے جاگ کے سوائے نیند کے ماتے

اُردو میں نئی غزل کی ابتدا ارشاد عظیم آبادی اور اقبال سے ہوتی ہے۔ خود اہل پنجاب بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کا ایک ثبوت "فنون" لاہور کا "جدید غزل نمبر" ہے۔

شاد عظیم آبادی دہلی اسکول اور لکھنؤ اسکول کی بہترین روائتوں کے امین تھے۔ ان کے یہاں وہ درد مندی وہ سے نہیں ملتی جو دہلی اسکول کے اکثر شعراء کے یہاں پائی جاتی ہے۔ اُن کے یہاں وہ شوخی اور طرحداری بھی نہیں جس سے لکھنؤ اسکول کا خصوصی رنگ عبارت ہے۔ لیکن اُن کے کلام میں جو صفائی، سلاست، روانی اور برجستگی ہے، اس پر کسی بھی لکھنوی شاعر کو رشک ہو سکتا ہے۔

شاد نے اپنے مزاج کے مطابق ان رنگوں کو پسند کیا جو دو سرے اسکولوں کے شعراء میں بھی موجود ہیں، لیکن شاد نے ان اسکولوں کے شوخ اور پھیکے رنگوں کو رد کر دیا۔ اور اپنے لئے وہ رنگ منتخب کیا۔ جو نہ پھیکا ہے نہ شوخ، بلکہ دونوں کے درمیان ہے۔ اسی میں شاد کی انفرادیت کا راز مضمر ہے اور جسے ہم "شاد اسکول کہتے ہیں" وہ در اصل "بہار اسکول" کا سب سے نمائندہ اور سب سے عمدہ رنگ ہے۔

برگداروں کو مالی امداد

حکومت مغربی بنگال نے اس ریاست کے مختلف اضلاع میں رہنے والے شیڈولڈ کاسٹ طبقہ کے برگداروں اور سرکاری زمین پانے والوں کو مالی امداد فراہم کرنے کے لئے مزید ۱۱۷ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی ہے جس کی ضلع وار تقسیم درج ذیل ہے۔

ہگلی — ۶ لاکھ روپئے
مدناپور — ۲۵ لاکھ روپئے
بانکوڑہ — ۷٫۵۰ لاکھ روپئے
بیربھوم — ۷٫۵۰ لاکھ روپئے
مغربی دیناجپور — ۸٫۵۰ لاکھ روپئے
مالدہ — ۶ لاکھ روپئے
مرشد آباد — ۵ لاکھ روپئے
ندیا — ۴ لاکھ روپئے
ہوڑہ — ۳ لاکھ روپئے
کوچ بہار — ۷ لاکھ روپئے
پرولیا — ۷٫۵۰ لاکھ روپئے
دارجلنگ — ۱ لاکھ روپئے
جلپائی گوڑی — ۵ لاکھ روپئے
۲۴ پرگنہ — ۱۷٫۵۰ لاکھ روپئے
بردوان — ۱۲٫۵۰ لاکھ روپئے

از:- ڈاکٹر بھبوتوش دت

ہندستانی معیشت جب آٹھویں دہائی میں داخل ہوئی تو اس وقت وہ بہت سارے مسائل سے دوچار تھی اور ان میں سے چند مسائل تو ایسا معلوم ہوتا تھا، بہت الجھے ہوئے تھے اور ناقابل حل تھے۔ ۸۰-۱۹۷۹ء میں صحیح قومی آمدنی میں ۴٫۵ فی صد کی کمی ہوئی اور پھر اس کے آئندہ سال اس آمدنی میں ۶٫۵ فی صد کا اضافہ ہوا، لیکن اس اضافہ سے معیشت کی صورت حال میں کوئی خاص بہتری نہیں ہوئی۔ افراط زر کا دباؤ کافی بھاری تھا اگرچہ وقتاً فوقتاً اس میں کمی ہوتی تھی۔ زرعی اور صنعتی پیداوار کی حالت بھی تشفی بخش نہ تھی۔ ادائیگی کے توازن کی حالت میں چند برسوں کی غیر متوقع استحکام کے بعد باعث پریشانی بن گئی۔ اسی پس منظر میں ۸۵-۱۹۸۰ء کے لئے چھٹا منصوبہ مرتب کیا گیا اور پر امید لوگوں کو اس بات کی امید تھی کہ حالات بہتر ہوتے جائیں گے۔

دو سال گزر گئے، لیکن مسائل اب بھی موجود ہیں اور بعض بعض جگہوں میں تو مشکلات میں اضافہ ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۸۲ء سال دباؤ کا سال ہوگا اگرچہ کہیں کہیں پیداوار میں بہتری نظر آرہی ہے اور جس کی وجہ سے قومی آمدنی ۸۲-۱۹۸۱ء سے کچھ زیادہ ہو جا سکتی ہے۔ شروع میں ہمیں اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ہے کہ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری میں ہندوستان کی مجموعی آبادی، ایک اندازہ کے مطابق ۶۸٫۴ کروڑ تھی، لیکن جب چھٹا منصوبہ مرتب کیا گیا تھا تو اس آبادی کا تخمینہ ۶۷٫۲ کروڑ لگایا گیا تھا، اس طرح ہندوستان کی آبادی اس تخمینہ سے ۱٫۸ فی صد زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حالیہ تمام اعداد و شمار میں آخری تعداد اکثر عارضی تعداد سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے حساب و کتاب میں گڑبڑی پیدا ہو سکتی ہے، جیسے فی کس آمدنی میں تخمیناً کتنا اضافہ ہوا، کتنی خوراک اور دیگر ضروری چیزوں (مع سماجی خدمات) کی ضرورت ہوگی، چھوٹی بچت کے تحت کتنی رقم حاصل ہوگی وغیرہ۔ آبادی میں سالانہ اضافہ کی شرح ۲٫۲۵ فی صد کے حساب سے سنہ ۱۹۸۲ء میں کل ہند آبادی کم از کم ۶۹٫۸ کروڑ اور اور سنہ ۱۹۸۵ء میں ۷۴٫۵ کروڑ ہوگی۔ حالانکہ چھٹے منصوبہ میں آبادی کا تخمینہ سنہ ۱۹۸۵ء میں ۷۲٫۲ کروڑ لگایا گیا تھا۔

اب جو تخمینے لگائے گئے ان سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ہماری چھوٹی بچت کی شرح، گرچہ اب بھی اونچی ہے۔ حالیہ برسوں میں نیچے گر رہی ہے۔ اس سلسلہ میں مشابہت کا کام بھی مشکل ہو گیا ہے۔ کیونکہ سنہ ۷۱-۱۹۷۰ء سے اس کی خاطر خواہ نظرثانی کی جا رہی ہے لیکن بچت کی اکل گھریلو بچت کل قومی پیداوار کی فی صدی کے حساب سے نظرثانی کردہ شرح سنہ ۷۶-۱۹۷۵ء میں ۲۰٫۱ فی صد سے کم ہو کر سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۱۷٫۱ فی صد ہو گئی ۸۱-۱۹۸۰ء میں تخمینہ ۱۶٫۹ فی صد ہے۔ زیادہ سے زیادہ غیر ملکی امداد کی آمد سے ہی سرمایہ کاری کی رفتار کو برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ یہ مجموعی طور پر ادائیگی کے توازن کا مسئلہ ہے اور جہاں ایک طرف تو گھریلو پیداوار اور قیمتوں کا مسئلہ ہے تو دوسری طرف غیر ملکی فنڈ کی مقدار اور آمد سے وابستہ ہے۔

اعداد و شمار کا سرکاری اعلانیہ میں استعمال اکثر مغالطہ خیز ہوتا ہے کیونکہ پیداوار کی شرحوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء میں غذائی اجناس کی پیداوار میں ۲۲ فی صد اضافہ ہوا لیکن اس سے قبل کے سال میں ۱۸ فی صد کی کمی ہوئی تھی۔ موجودہ تخمینہ ۱۳۳۰ لاکھ ٹن ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تخمینہ خیالی ہے۔

لیکن اگر پیداوار اتنی ہو بھی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے اس سے دو سال قبل جتنی پیداوار ہوئی تھی

اسی سال اتنی ہی پیداوار ہوئی۔ پیداوار میں کمی اور حصولیابی میں کمی وجہ سے غذائی اجناس میں کا اسٹاک جون ۱۹۷۹ء کے آخر میں ۱۶۳ لاکھ ٹن سے کم ہو کر دو سال بعد ۱۳۶ لاکھ ٹن ہو گیا۔ ابھی سنہ ۸۲ء کے لئے یہاں تک کہ سنہ ۸۲-۱۹۸۱ء زرعی سال کے لئے تخمینہ لگانا ابھی مشکل ہے، لیکن ان میں خاطر خواہ اضافہ کی امید نہیں کی جا سکتی۔

سنہ ۱۹۸۱ء کے پہلے چھ مہینوں کا صنعتی پیداوار کا اعشاریہ ۱۹۸۰ء کے دوران نصف کے اعشاریہ سے بہتر ہے، لیکن یہاں بھی کمی کے بعد بہتری کا مسئلہ ہے۔ سنہ ۸۲ء کی بہتری کا انحصار بجلی کی فراہمی پر ہے۔ اعداد و شمار کے لحاظ سے اسے بہتری کہا جا سکتا ہے لیکن صنعتی پیداوار میں ہر سال ۸ تا دس فی صد اضافہ کرنے کے لئے جتنی ترقی اور بہتری کی جانی چاہئے اس سے ابھی ہم بہت پیچھے ہیں۔ اس کے علاوہ زرعی حلقہ میں بھی بجلی اور تیل کی مانگ بڑھتی جا رہی ہے۔ لیکن اب تک اس بات کا قطعی طور پر اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ سنہ ۸۲ء میں بجلی کے وسائل کی دستیابی میں حسب خواہ توسیع ہوگی یا علاقوں کے درمیان بجلی کی فراہمی میں جو فرق ہے وہ ختم ہو جائے گا۔

قیمت کی صورت حال بھی بہتر نظر آئے گی اگر ہم صرف کل ہند تھوک فروشی کے اعشاریہ کو دیکھیں۔ یہ اعشاریہ (بنیاد ۷۱-۱۹۷۰ء = ۱۰۰) ۲۲ر اگست سنہ ۱۹۸۱ء کو ۲۸۹٫۲ ہو گیا، پھر ۱۴ر نومبر سنہ ۸۱ء کو کچھ کم ہو کر ۲۸۰٫۹۴ ہو گیا، یعنی ۱۲ ہفتوں میں صرف ۲٫۰۴ فی صد کمی ہوئی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سنہ ۱۹۸۰ء کے مذکورہ ہفتوں میں قیمتوں کے اعشاریہ میں ۱۱٫۲ فی صد کی کمی ہوئی، لیکن اس سال قیمتیں اگست میں نہیں بلکہ اکتوبر میں سب سے زیادہ تھیں۔ حساب کے لحاظ سے سرکاری بیان صحیح ہے کہ تھوک قیمتوں کے اعشاریہ پر مبنی افراط زر کی شرح سنہ ۱۹۸۰ء کے نومبر میں ختم ہونے ۵۲ ہفتوں میں ۱۸ فی صد سے کم ہو کر سنہ ۱۹۸۱ء کے نومبر میں ختم ہونے والے ۵۲ ہفتوں میں ۸ فی صد ہو گئی۔

اعشاریہ میں بہتری تو نظر آتی ہے لیکن سالانہ افراط زر کی شرح کی تعریف کی بابت چند نقاط کو یاد رکھنا چاہئے۔ ہم جدید ہفتہ کے اعشاریہ کا گزشتہ ۵۲ ہفتوں کے اعشاریہ کے ساتھ یا جدید ماہواری اوسط کا گزشتہ ۱۲ مہینوں کے اوسط کے ساتھ موازنہ کر سکتے ہیں اور اس طرح دو طرح کے نتائج حاصل ہوں گے۔ اسی طرح ہم جدید ہفتہ واری (یا ماہواری) تبدیلی کو لے سکتے ہیں پھر اس شرح کو سالانہ شرح میں مرکب بنا سکتے ہیں۔ اس بنیاد پر اب (نومبر سنہ ۱۹۸۱ء میں) ہندوستان میں مرکب سالانہ افراط زر کی شرح نفی کے برابر ہو گئی۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ صارفین کی قیمت کے اعشاریہ پر مبنی افراط زر کی شرح مرتب کرنی چاہئے یہ کہتے ہوئے کہ صارفین کی قیمتوں کو بہت ساری دیگر باتیں متاثر کرتی ہیں، یا صارفین کی قیمتیں وقت کی تاخیر کے ساتھ تھوک قیمتوں کے نقش قدم پر چلتی ہیں یا ہندوستان میں صارفین کی قیمتوں کا ایک ہی اعشاریہ نہیں ہے اس مسئلہ سے دور بھاگنا اچھی بات نہیں۔

درحقیقت اگر بہت ساری دیگر باتیں ہیں جو صارفین کی قیمتوں پر اثر انداز ہوتی ہیں، تو ان کا تجزیہ کرنا چاہئے لیکن اس اقدام سے حاصل کردہ نتائج اسی بات کی طرف اشارہ کریں گے کہ صارفین پر افراط زر کا کتنا اثر پڑا ہے۔ تاخیر کی بابت جو دلیل پیش کیا گیا اسے پورے طور پر جائز قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس واسطہ میں عدم موزونیت ہے، کیونکہ جب تھوک قیمتیں بڑھتی ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ خوردہ قیمتیں بھی بڑھ جاتی ہیں، لیکن جب تھوک قیمتیں گھٹتی ہیں تو اتنی ہی تیزی سے خوردہ قیمتیں نہیں گھٹتیں۔ اگر ہندوستان میں واحد صارفین قیمت کا اعشاریہ نہیں ہے تو اس کمی کو بار اعشاریہ سے دور کیا جا سکتا ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ جون سنہ ۸۰ء کے آخر سے جون سنہ ۸۱ء کے آخر تک تھوک قیمتوں کے اعشاریہ میں ۱۱٫۷ فی صد کا اضافہ ہوا، تو اسی عرصہ میں صنعتی مزدوروں کے لئے صارفین قیمت کا اعشاریہ ۱۳٫۷ فی صد اور شہری غیر دستکار مزدور کے لئے ۱۲ فی صد ہوتا ہے، اور تھوک قیمتوں میں حالیہ کمی کی جھلک صارفین کی قیمتوں سے اب تک نہیں ملی، لیکن اگر تھوک قیمتوں میں اضافہ ہو تو صارفین کی قیمتیں بھی بڑھیں گی۔

یکن کہ [illegible] ہوگی۔ گرچہ یہ صورت حال کچھ بہتر ضرور ہے لیکن افراط [illegible] خطرہ اب تک دور نہیں ہوا ہے۔ اس نتیجہ کو تقویت پہنچی جب ہم اسامات کو پیش نظر رکھیں کہ مرکز اور ریاستوں کے بجٹوں میں آمدنی اور خرچ میں فرق بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ ۱۹۸۲ء کے پہلے ۶ مہینے بہت اہمیت کے حامل ہیں ان پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ گرچہ آئی ایم ایف نے گھریلو قرض توسیع کے لئے ایک انتہائی حد قائم کر دی ہے تاہم زر نقد کے اسٹاک میں کافی اضافہ ہوگا۔

غیر ملکی آمد و خرچ کے توازن کی حالت ۸۱-۱۹۸۰ء میں بدتر ہو گئی اور ایک جدید اندازہ کے مطابق اس عرصہ میں بیرونی ممالک سے تجارت کرنے میں ۵۶۷۵ کروڑ روپے کی کمی ہوئی اور آئی ایم ایف سے قرض لینے کے بعد) غیر ملکی زر مبادلہ کے ریزرو فنڈ میں ۳۴۲ کروڑ روپے کی کمی ہوئی ۸۲-۱۹۸۱ء میں حالت میں بہتری ہونے کی امید نظر نہیں آئی تاہم یہ بات بہت ہی ہمت افزا ہے کہ موجودہ سال کے پہلے چھ مہینوں میں گذشتہ سال کے پہلے چھ مہینوں

کے مقابلہ میں تجارتی درآمد اور برآمد میں ۶۵۰ کروڑ روپے کی کمی ہوئی۔ پانچ مہینوں میں برآمدات میں تقریباً ۱۶ فی صدی کا اضافہ ہوا، لیکن یہ ایک حد تک مغالطہ آمیز ہے کیونکہ اس دوران روپے کی قیمت میں کمی ہو گئی اور اس کے نتیجہ میں زیادہ غیر ملکی زر مبادلہ خرچ کرنا پڑا۔ ایک اہم حقیقت یہ ہے کہ اس دوران درآمدات میں ۳ فی صد کی کمی ہوئی، لیکن اب تک اس بات کی وضاحت کی نہ جا سکی

کہ درآمد شدہ معدنی تیل کی قیمت میں کچھ کمی ہوئی یا نہیں۔ اس دوران غیر ملکی زر مبادلہ کے ریزرو میں اکتوبر ۱۹۸۱ء کے آخر تک تقریباً ۱۰۰۰ کروڑ روپے کی کمی ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑے پیمانہ کی سرکاری درآمدات کی قیمت اب بھی ادا کرنی ہے اور یہ کہ کل "غائب" آمدنی کی شرح میں حسب خواہ اضافہ نہ ہو سکا۔ افسوس کے ساتھ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امدادی رقوم کی تائید کے بغیر برآمدات میں اضافہ کرنے کے لئے مثبتی کوششیں اب بھی کی جاتی ہے۔ مشینوں اور اس طرح کی دیگر چیزوں کی درآمدات میں آسانی پیدا کر دی گئی ہے کہتے ہیں کہ اس اقدام کا مقصد یہ ہے کہ گھریلو پیداوار میں اضافہ ہو۔ معدنی تیل کے مصرف میں کمی لانے

کے لئے بہت ہی کم کوششیں کی گئیں اور گھریلو پیداوار میں اضافہ ہونے میں اب بھی کافی وقت کی ضرورت ہے۔ یہ تمام کمزوریاں ۱۹۸۲ء سال میں رہیں گی۔

ضروری اصلاحی اقدامات لینے کی جگہ حکومت کو برآمدات و درآمدات کے توازن کے دباؤ کو کم کرنے کے لئے تین سال کی مدت کے لئے توسیعی سہولت سے ایس ڈی آر ۵۰۰ کروڑ (تبادلہ کی موجودہ شرح کے مطابق ۵۳۰ کروڑ روپے) نکالنا پڑا۔ ان میں سے ایس ڈی آر ۹۰ کروڑ یا تقریباً ۹۵۰ کروڑ روپے ۱۹۸۲ء کے پہلے چھ مہینوں میں دستیاب ہوں گے۔ بعد میں اگر ہندوستان معاشی پالیسی اور کارکردگی کے سلسلہ میں درج سخت شرائط کو پورا کریگا تو اسے بقیہ رقم قسطوں میں دی جائے گی اس پر سود ۸۳-۱۹۸۲ء سے اور قرض کی ادائیگی کا کام ۱۹۸۵ء سے شروع ہوگا۔

مجموعی سالانہ قرض۔ خدمات کا دباؤ ۸۷-۱۹۸۵ء سے چار سال کے لئے ۱۰۰۰ کروڑ روپئے سے بھی زیادہ ہوگا اور پھر آہستہ آہستہ ۹۳-۱۹۹۲ء تک اس میں کمی ہوگی۔ چونکہ ۱۹۸۲ء میں سود ادا نہیں کرنا ہے اس لئے اس فنڈ سے پہلی قسط یعنی ۹۵۰ کروڑ روپئے اور دوسری قسط کی بھی کچھ رقم ملے گی۔ اس سے برآمدات و درآمدات کی ادائیگی کے توازن میں بہت مدد ملے گی۔

لیکن اس امداد کو بہت زیادہ سماجی قیمت پر خریدی جائے گی۔ اس فنڈ کی شرائط کے مطابق ہندوستان کو درآمدات میں کافی سہولتیں فراہم کرنی ہوں گی، اسے فنڈ کی منظوری حاصل کئے بغیر نئے قرض لینے سے پرہیز کرنا ہوگا۔ روپے کی قیمت کم کرنے کا تو ذکر نہیں کیا گیا ہے لیکن زر مبادلہ کی حقیقی شرحوں کا ذکر فنڈ کے مقصد کو پورا کرتا ہے۔ حکومت اور کاروباری شعبہ دونوں کو قرض دینے کے لئے گھریلو قرض توسیع کی ایک انتہائی حد مقرر کر دی گئی ہے۔ تقسیم پر دی جانے والی امدادی رقم میں کمی کرنی ہوگی اور سرکاری طور پر مقرر کردہ قیمتوں میں اضافہ کرنے کی اجازت دینا ہوگا۔ پرائیویٹ، صنعت اور غیر ملکی سرمایہ پر کنٹرول میں آسانی پیدا کرنی ہوگی۔ اس کے علاوہ حکومت ہند کو کسی بھی مناسب اقدام کو اپنانے سے قبل اس کی بابت فنڈ سے مشورہ کرنا ہوگا۔ ایسے اقدامات ہماری پارلیمنٹ کی قبول کردہ قومی پالیسی کے

عین مطابق ہوں گے، ساتھ ہی یہ بات چیت کرنے پر فنڈ کی پالیسیوں کے بھی یہ عین مطابق ہوں گے۔ مزید اس بات کی بھی یقین دہانی کرائی ہوگی کہ پارلیمانی پالیسی کا جب ذکر کیا جائے گا تو اس پالیسی کو جسے فنڈ پروگرام کے مقاصد کی تکمیل کے لئے اچھا سمجھے گا الگ نہیں سمجھا جائے گا۔

فرماں روائی کو دوسرے کے حوالے کر دینے کی بابت سیاسی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن یہاں یہ بات بالکل واضح ہے کہ فیصلہ سازی کی آزادی بہت زیادہ حد تک محدود ہو گئی ہے۔ ۱۹۸۲ء میں پالیسی فیصلوں کا رجحان کنٹرول اٹھا دینے اور پرائیوٹ سیکٹر معہ کثیر القومی اداروں کی توسیع کی طرف ہوگا۔ کنٹرول اٹھا دینے سے مراد یہ ہے کہ بازار پر حکومت کی بجائے بڑے صنعت کاروں کا کنٹرول ہوگا۔ نام نہاد آزاد بازار کی طاقتوں کی ہمت افزائی سے مراد طاقتوروں کی کمزوروں کے خلاف آزاد مسابقت ہوگا۔ غیر ملکی زر مبادلہ پر وسیع پیمانہ پر حوثی کی وجہ سے جو سہولتیں فراہم ہوئی ہیں ان کی وجہ سے درآمدات میں حد سے زیادہ آسانی پیدا کر دی گئی، اس کی وجہ سے یہ درآمدات گھریلو پروڈیوسروں پر اثر انداز ہوں گی اور اس سے متبل بعض سیکٹر میں ان کی وجہ سے پیداوار میں اضافہ کی امید کم ہی ہوگی۔ تعلیم پر مالی امداد کی کمی اور کنٹرولڈ قیمتوں کی از سر نو ترتیب کے معنی یہ ہوں گے کہ غریب صارفین کو زیادہ قیمتیں ادا کرنی ہوں گی۔ سرکاری اخراجات کی انتہائی حد مقرر کرنے کی وجہ سے سماجی خدمات کے اخراجات میں یا جامع مضافاتی روزگار پروگرام جیسی اسکیموں میں کمی ہو جائے گی۔

شاید اس سال کے آخر میں جی این پی میں اضافہ ہو جائے جیسا کہ سپلائی کی طرف کے سربرآوردہ افراد کا خیال ہے، لیکن حسب ضرورت جینیں کو یکجا کرنے اور ان کی تقسیم کا کام اس حد تک نہیں ہوگا جہاں تک کہ سماجی - معاشی ترقیات کے خیال میں ایک غریب ملک میں ہونا چاہیے۔

ہمارے منصوبہ بندی فلسفہ سے دور ہٹ جانے کا کام شروع ہو چکا ہے۔ پرائیوٹ صنعت و حرفت کو مدد دینے کے لئے حال ہی میں جو بہت سارے اقدامات کئے گئے ہیں، ان سے یہ بات عیاں ہو چکی ہے جیسے غیر لائسنس صلاحیت کو قانونی شکل دینا، قرض - حصص کے تناسب میں نیم سرکاری قرض کو مساوی حصوں میں تبدیل کرنے کی گنجائش، ایسی سطح تک چھوٹی صنعت کی تعریف کو وسیع کر دینا جس سے بڑی صنعتی جماعتوں کو کھلے یا پوشیدہ ذیلی یونٹیں قائم کرنے میں سہولتیں فراہم ہوں۔ اور "کالے دھن" جسے رنگ سے سفید کر دیا گیا ہے۔ کی شکل میں متوازی مالی آلہ کی گنجائش۔ گزشتہ تیس برسوں میں منصوبہ بندی تجربے نے بہت سارے شدید نقص اور شگاف دکھلائے ہیں لیکن اس کمزوری کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بہتر طور پر منصوبہ بندی کی جائے نہ کہ اس سے دور بھاگا جائے اور نہ تمام منصوبہ بندی کے اہم فیصلوں کو خارجی باڈی کے جو اپنے طور پر سوچتی ہے کم و بیش غائب ہاتھوں میں دے دیا جائے۔ جیسے ہی ملک نے ۱۹۸۲ء میں قدم رکھا ہے، اسی وقت سے ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ معیشت کے سماجی روپ پر آہستہ آہستہ گہن لگ رہا ہے۔ گہن کا سایہ عیاں ہو چکا ہے اور سایہ بڑھتا اور تاریک ہوتا ہی جا رہا ہے۔

کرشنا نگر میں کوڑھ کے علاج کی یونٹ

حکومت مغربی بنگال نے کوڑھ کی روک تھام کے قومی پروگرام کے تحت کرشنا نگر ضلع ندیا میں کوڑھ کے علاج کی منطقائی یونٹ کے قیام کے لئے منظوری دیدی ہے۔ اس کے غیر مکرر اخراجات کے لئے ۸۶۵۰۰ روپیہ اور مکرر اخراجات کے لئے ۲۳۰۰۰ روپیہ منظور کیا گیا ہے۔

سندربن کیلئے ترقیاتی اسکیمیں

سندربن ترقی بورڈ نے چند پلوں کی تعمیر اور جیٹیوں کو بہتر بنانے کے لئے ۱۱،۵۰ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔ ان اسکیموں پر عملدرآمد کے لئے متعلقہ بلاک ڈیولپمنٹ افسروں کو ضروری رقم الاٹ کر دی گئی ہے۔

۔۔ اڑیا نظم ۔

کھلا جھروکا

اپنے ہاتھوں کو بڑھا دوں میں تری جانب اگر
کھینچ لے تو مجھے اپنی طرف / اور اپنے بازوؤں میں بھینچ کر
مجھ کو سنبھالے گا تو / اور میں / معصوم بلی کی طرح
موند کر پلکوں کو اپنی / تیرے ہی آغوش میں کھو جاؤں گی / کھو جاؤں گی
پر مجھے دن رات کے کاموں سے فرصت ہی کہاں
چھوٹی لڑکی کو سنواروں / اور بھیجوں سویرے ہی اسے اسکول کو
پھر کچن میں کچھ نہ کچھ کرتی رہوں / یا کسی شہور سے اخبار کی سرخی پڑھوں
اور پھر / سامنے سے چیختی چنگھاڑتی بس کی صدا / اور دور رہ کر
کہیں سے شور کرتے خوانچے والوں کی ادا
سائکلوں کی ایک لمبی قطار
گھر کے نوکر کا بلند آواز سے کرنا ہر اک شے کا حساب
سارے کاموں کو سمیٹے، غسل کر کے
چند پھولوں کو سجائے ہاتھ میں / سرنگوں ہو جاؤں تیرے سامنے
اور تو / دور بیٹھا نیلے گنبد کے کسی نا آشنا مینار سے
گھورتا ہوگا مجھے / مسکرا کر دیکھتا ہوگا
مری حیرانیاں / اور جب آجائے شام / دوستوں کا ازدحام
یا کبھی بچوں کا جھرمٹ / ہوم ورک آئے نہ آئے
سارے دن کی بے تکی خبریں سنائے جائیں گے / اور میں
جانے کیوں چپ چاپ / اک بے شکل اور بے نام سی تصویر پر
نظریں جمائے دیر تک / یونہی اپنے آپ میں ہی ہو جاؤں گم
پھر نہ جانے یک بیک
دن بھر کی ساری وحشتیں کیوں جاگ اٹھیں
تیرگی سے تشنگی تک کے علاقوں کی یہ کہانی

کس کے آگے میں کہوں / اور بھلا کیوں کر کہوں
مجھ کو معلوم ہے آخر
تو بلائے گا کسی دن نیلے گنبد کی طرف
تنگ اور تاریک غاروں سے اُجالوں کی طرف
میں کہ اک نادان راہی
مڑ کے دیکھوں تک نہیں
وقت پہنچا ہے کہاں کس موڑ پر
سنگِ مرمر سے بنا وہ منزلہ میرا مکان
جیسے تو ہی اک کشادہ سا جھروکا ہے یہاں
جس سے اکثر چاند اور سورج پکاریں بار بار
اور بلائے آسماں
صبح کی پہلی کرن آ آ کے دے جائے صدا
سر پہ نیلا آسماں
اور زمیں پر دور تک پھیلی ہوئی یہ ریشمی ہریالیاں
اونچے پیڑوں سے اک اک کر کے اڑتے یہ پکھیرو
چھوڑ جائیں اپنے پیچھے بے ثباتی کی نئی اک داستاں
زیست کا سارا وجود
چند ابھرتے ڈوبتے سالوں سے ہے
اور ان سالوں سے آگے
نیند سے اٹھ کر کبھی جو دیکھنا چاہوں جھروکے سے اگر
دور تک ایک موٹے پردے کے سوا
کچھ بھی نظر آتا نہیں!!
کچھ بھی نظر آتا نہیں!!

(بشکریہ: آجکل)

مغربی بنگال میں ۱۲۰۰ نئے پرائمری اسکول قائم کئے جائیں گے

حکومت مغربی بنگال نے ریاست میں اپریل ۸۲ء سے نئے پرائمری اسکول کھولنے کا فیصلہ کیا ہے اور اب حکومت نے ۱۲۰۰ نئے پرائمری اسکولوں کے قیام کے لئے ضروری منظوری دیدی ہے۔ ان اسکولوں میں سے ۱۰۰۰ اسکول دیہی علاقوں اور ۲۰۰ اسکول شہری علاقوں میں قائم کئے جائیں گے۔ دیہی علاقوں کے ۱۰۰۰ اسکولوں میں سے ۲۵۲ ان علاقوں میں کھولے جائیں گے جہاں مندرج فہرست اقوام کی کثیر آبادی ہے۔ نیز ۱۲۴ اسکول قبائلی علاقوں (بشمول کلکتہ) میں کھولے جانے والے ۲۰۰ اسکول زیادہ تر گنجان بستیوں کے علاقوں یا ان علاقوں میں جہاں اس وقت کوئی اسکول نہیں ہے جہاں بچوں کی آبادی کثیر ہے قائم کئے جائیں گے۔ حکومت نے اس مقصد کے لئے پوری ریاست میں ۱۵ اپریل ۸۲ء یا کسی بعد کی تاریخ سے ۳۴۰۰ پرائمری اسکول ٹیچروں کی تقرری کے لئے منظوری دیدی ہے۔ ان میں سے ۲۰۰۰ ٹیچر دیہی علاقوں اور ۶۰۰ ٹیچر شہری علاقوں کے نئے پرائمری اسکولوں کے لئے ہونگے اور ۸۰۰ ٹیچر شہری اور دیہی علاقوں کے موجودہ پرائمری اسکولوں کے لئے مقرر کئے جائیں۔

سڑک کو بہتر بنانے کی اسکیمیں

کلکتہ میٹرو ڈولپمنٹ اتھارٹی نے ہگلی اور ۲۴ پرگنہ کے اضلاع میں رسل و رسائل کی موجودہ سہولتوں کو بہتر بنانے کے لئے کئی اسکیمیں شروع کی ہیں۔ ان اسکیموں کے تحت دونوں اضلاع میں مختلف سڑکوں کو بہتر بنایا جائے گا۔ حکومت نے اس مقصد کے لئے ۹٫۵۶ لاکھ روپیہ منظور کیا گیا ہے۔

نرسوں کے لئے ہوسٹل

حکومت مغربی بنگال کے دارجلنگ صدر اسپتال کی نرسوں کے لئے ایک ہوسٹل تعمیر کرنے کی اسکیم شروع کی ہے۔ اس مقصد کے لئے ۱۹٫۷۵ لاکھ روپیہ منظور کیا گیا ہے۔

بانکوڑا میں آنکھ آپریشن کیمپ

ریڈ کراس سوسائٹی بانکوڑا نے گذشتہ ہفتہ بانکوڑا کے امر کانن بالی اسکول میں آنکھ کے مفت آپریشن لگایا۔ امرکانن بالیکا ودیالیہ کی طالبات نے اپنے ٹفن کی رقم سے بچت کر کے ۱۰۰ روپیہ کیمپ کے لئے بطور عطیہ دیا۔

مندرج فہرست اقوام کی فلاح کیلئے زرعی اسکیمیں

حکومت مغربی بنگال نے مختلف اضلاع میں مندرج فہرست اقوام کی فلاح کے لئے چند زرعی اسکیموں پر عمل درآمد کے واسطے ۵۶٫۶۶ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔ ان اسکیموں کے تحت مندرج فہرست اقوام کے کسانوں کو واٹر لفٹ سوائل کنڈیشنر اور پمپ مشین تقسیم کئے جائیں گی۔ مزید برآں کنووں کم گہرے ٹیوب ویلوں اور دیہی گوداموں کی تعمیر کی جائے گی۔ علاوہ ازیں پھل کے درخت لگانے کے لئے پودے بھی سپلائی کئے جائیں گے۔

سندربن میں پلوں کی تعمیر

حکومت مغربی بنگال نے بھاترپتیا بلاک، جنوبی ۲۴ پرگنہ میں ۱۱ یخته پلوں کی تعمیر کے لئے ۳٫۰۶ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔

مندرج فہرست اقوام کی فلاح کے لئے جنگل لگانے کی اسکیم

حکومت مغربی بنگال نے ضلع مدناپور میں مندرج فہرست اقوام کی فلاح کے لئے جنگل لگانے کی اسکیم کے لئے ایک لاکھ روپیہ پروجیکٹ افسر، مندرج فہرست اقوام اور قبائل کی فلاح و بہبود کے زیر اختیار دیا ہے جو اس اسکیم پر عملدرآمد کریں گے۔

مندرج فہرست اقوام کی طالبات کے لئے ہوسٹل

حکومت مغربی بنگال نے مندرج فہرست اقوام کی طالبات کے لئے ۳۰ سیٹوں پر مشتمل ایک ہوسٹل کی تعمیر کے لئے بالاپور جونیئر ہائی اسکول، مغربی دیناج پور کو ۴۰ ہزار روپیہ منظور کیا ہے۔

مندرج فہرست اقوام اور قبائل کی فلاح کی اسکیمیں

حکومت مغربی بنگال نے بانکوڑا، پرولیا اور مدناپور میں مندرج فہرست اقوام اور قبائل کی فلاح کے لئے چند اسکیموں پر عملدرآمد کے واسطے ۲٫۹۸ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔ یہ اسکیمیں بکری پالنے، زرعی آلات کی تقسیم اور کیمیاوی کھاد کی فراہمی سے متعلق ہیں۔ اس رقم میں سے بانکوڑا اور پرولیا کو ایک ایک لاکھ روپیہ اور مدناپور کو ۹۸ ہزار روپیہ الاٹ کیا گیا۔

تپ دق اسپتال کو امداد

حکومت مغربی بنگال نے نرا موئے تپ دق سینے ٹوریم، گیر حگیا انگہ کو مالی سال رواں کے دوران حکومت کے نامزد مریضوں کے لئے مزید ۵ بلامعاوضہ بستروں کے اخراجات کے لئے ۸ ہزار روپیہ منظور کیا ہے۔

سندربن علاقوں کی ترقی

۸٫۷۰ لاکھ روپیہ کی منظوری

حکومت مغربی بنگال نے سندربن کے علاقوں میں پختہ اور دیگر سڑکوں کی تعمیر، کھالوں اور تالابوں کی کھدائی نیز پلوں کی تعمیر کے لئے ۸٫۷۰ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔ جن بلاکوں میں ان اسکیموں پر عملدرآمد کیا جائے گا وہ یہ ہیں۔ بسنتی، متھراپور-۱، گوسابا اور ساگر۔

رام کرشنا مشن تپ دق سینی ٹوریم رانچی کو گرانٹ

حکومت مغربی بنگال نے رام کرشنا مشن تپ دق سینی ٹوریم رانچی کو مالی سال رواں کے دوران ۱۲۰ بلامعاوضہ بستروں کے ریزرویشن کے لئے ۱۵۶۰۰۰ روپیہ کی غیر مکرر گرانٹ منظور کی ہے۔ یہ بستر اس ریاست کے غریب مریضوں کے علاج کے لئے محفوظ کئے گئے ہیں۔

دماغی امراض کے اسپتال میں بلامعاوضہ بستر

حکومت مغربی بنگال نے مان کنڈو مینٹل اسپتال میں ریاستی حکومت کے نامزد کردہ غریب مریضوں کے علاج کے لئے ۶۰ بلامعاوضہ بستروں کے ریزرویشن کو جاری رکھنے کے لئے منظوری دیدی ہے۔ حکومت نے مالی سال رواں کے دوران ان بستروں کے اخراجات کیلئے مزید ۹ ہزار روپیہ کی غیر مکرر گرانٹ منظور کی ہے۔ علاوہ ازیں حکومت نے مالی سال رواں کے دوران مینٹل اسپتال کلکتہ اور مان کنڈو کے اخراجات کیلئے مزید ۱۲ ہزار روپیہ کی غیر مکرر گرانٹ منظور کی ہے۔

ریاستی وزیر شری پردوستا سورؔ حال ہی میں فری اسکول اسٹریٹ کلکتہ میں مغربی بنگال فائر سروس ورکرس یونین کی ۳۶ ویں سالگرہ کے دن تقریر کرتے ہوئے۔

Regd. No. WB/CC-52
Vol. 28 No. 26
PRICE-12 Paise

MAGHREBI BENGAL
15th April

حال ہی میں کلکتہ پولیس ٹریننگ اسکول میں کلکتہ پولیس فورس کے ایک جلسہ کو وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو
خطاب کرتے ہوئے تصویر میں وزیر اعلیٰ کے بائیں طرف وزیر ٹرانسپورٹ شری محمد امین تشریف فرما ہیں ۔

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impression 57, Sree Gopal Mallick Lane

مغربی بنگال
یکم مئی ۸۲

مغربی بنگال کے گورنر، شری بی۔ ڈی۔ پانڈے حال ہی میں لوک سیلاب کے سلسلہ میں برہتا چاری گاؤں میں ایک 'جھونپڑی' کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے۔

پندرہ روزہ اشاعت:-

شرح خریداری
سالانہ - ۲۰ روپیہ
فی پرچہ
کی قیمت - ۱۲ پیسے

مغربی بنگال
کلکتہ

مدیر:-
دھریندر ناتھ دت
مدیر معاون:-
محمد اعظم

جلد نمبر ۲۹ | یکم مئی - سنہ ۱۹۸۲ء | شمارہ نمبر ۹

یوم مئی کی شان و شوکت

این - کے - شاشتری

ھندستان میں مئی کے مہینہ میں گرمی ہوتی ہے - لیکن ایک طرح سے یہ موسم بہار کا مہینہ ہوتا ہے، کیونکہ اس کی پہلی تاریخ کو ساری دنیا کے محنت کش لوگ بین الاقوامی اتحاد کا تہوار مناتے ہیں -
پھر اسی موسم میں گل مہر پھول کے پودوں کی، جو کثرت سے ہندوستان کی دارالسلطنت میں اُگتے ہیں، لچکدار سبز شاخوں میں پھول کھلتے ہیں - مٹی کے لال پھول، موسم گرما کی جھلسا دینے والی ہواؤں کی موجودگی میں، زندگی اور آگے کی طرف اس کی پیش قدمی کی نمایاں طور پر عکاسی کرتے ہیں -

جہاں پھول نہیں ہوتے وہاں محنت کشوں کی ابھرتی ہوئی لاتعداد موجیں اپنے لال جھنڈے لہراتی ہیں - یہ جھنڈے اور ایک ساتھ ایک آواز میں ان کے نعرے ان کے خوابوں کی اور ان خوابوں کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لئے ان کی لمبی جدوجہد کی عکاسی کرتے ہیں - یہ خواب، یہ جدوجہد بیداری کی تاریخ ہیں -

تاریخی بیداری نے، جو گذشتہ صدی کی آخری دہائیوں میں مظلوم طبقہ کے لوگوں کو غربت اور استحصال سے نجات دلانے کے لئے ایک زبردست تحریک بن گئی تھی، ساری دنیا میں استحصال کی [illegible] الاسد نظام کو جڑ سے ہلا کر رکھ دیا - یہ اتنی تیزی سے پھیل گئی کہ اس نے جغرافیائی سیاسی سرحدوں کو پار کر لیا - دنیا کے محنت کش لوگوں نے اپنی قسمت کو بدلنے کے لئے اپنی متحدہ کوششوں کے ذریعہ، درحقیقت انسانی تہذیب کے تناظر کو تبدیل کر دیا -

محنت کشوں کے استحکام اور اتحاد کا تصور تو صنعتی دور کا تحفہ ہے، کیونکہ اس دور نے بنیادی مزدور طاقت پر آمادہ کو جنم دیا اور یہی طاقت صنعت کے پہیہ کو رواں دواں رکھتی ہے - یہی طاقت جمہوری حقوق اور انسانی وقار کو برقرار رکھنے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے -

مزدوروں کی پہلی بنیادی مانگ، جس کے لئے محنت کشوں نے متحدہ طور پر کوشش کیں، یومیہ آٹھ گھنٹے تک کام کرنے کی تھی - اس مانگ نے محنت کشوں کی بنیادی خوبی کو اجاگر کیا - یہ خود بیداری تھی اور یہ جاگیرداری کے خلاف غریب مزدوروں کی بیداری سے مختلف تھی - اب مزدوروں کو یہ معلوم ہوا کہ وہی پیداوار کی بنیادی طاقت ہیں اور سماجی انصاف کے لئے ان کی جدوجہد میں ان کا عملی اتحاد ایک خطرناک ہتھیار ہے -

یہ ۱۸۸۶ء میں مئی کی پہلی تاریخ تھی، جس دن امریکہ کے شکاگو کو مزدوروں کے، جنگی محنت کی وجہ سے امریکہ کی

صنعتی قوت کے عیسوی متحدہ اقدام کا منظر دیکھا۔ ان مزدوروں کے جھنڈوں کو ان لوگوں نے، جو یہ سمجھتے تھے کہ مزدور کو ایک انسان کی طرح زندگی بسر کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، خون میں ڈبو دیا۔ ۱۸۹۰ء کے بعد سے یہ تاریخ امریکہ اور آسٹریلیا میں محنت کشوں کے اس تو کام کے تہوار کی تاریخ بن گئی۔ جیسے جیسے اتحاد کی پکار بین الاقوامی سرحدوں کو پار کرتی گئی، زیادہ سے زیادہ محنت کش عوام اس تہوار میں حصہ لینے لگے اور وہ اپنے مطالبات کو ... رہے۔ ہندوستان میں انگریزوں کے دور حکومت ... مئی پہلی بار یوم مزدور کی طرح منایا گیا۔ روس ... جہاں ۱۹۱۷ء میں پہلا سوشلسٹ انقلاب رونما ہوا، یوم مئی بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں میکسم گورکی نے اپنی کتاب 'ماں' میں اس کا بہت ہی وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ینیز یوم مئی پر انگلش میں رقمطراز ہیں: "آج کا منظر تمام ملکوں کے سرمایہ داروں اور زمینداروں کی آنکھیں کھول دیگا اور آج وہ یہ دیکھ سکیں گے کہ تمام ملکوں کے محنت کش عوام متحد ہیں۔ یہ واقعہ ۱۸۹۰ء کو ہوا۔ اس کے بعد روزانہ آٹھ گھنٹہ کام کے دن کے لیئے مہم چلائی جانے لگی۔ اس وقت سے بہت ساری جدوجہدیں ہوئیں اور بہت ساری جگہوں پر مزدوروں نے نتیجہ حاصل ہوئی۔ اس کے بعد سے تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ محنت کشوں کی پہلی ریاست سوویت یونین عالم وجود میں آئی اور پھر دوسری عالمگیر جنگ کے بعد مختلف ملکوں کے ٹکڑوں پر مشتمل سوشلسٹ نظام نمودار ہوا۔

باقی صفحہ ۵ کا

ہیں۔ وزیر اعلیٰ نے یہ محسوس کیا کہ زرعی سیکٹر اتنے سارے ترقیاتی اقدامات کا صنعتی سیکٹر پر بھی کافی اثر پڑا۔

صنعتی تعلقات کے مسئلہ ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ اس بات پر اپنی تشفی کا اظہار کیا کہ بہت سارے کیسوں کام بند کیے یا ہڑتال کے بغیر تنازعات کا تصفیہ ہوگیا۔ انھوں نے بتایا کہ بہت سارے معاملوں میں انتظامیہ اور مزدوروں کی اپنے تنازعات کو سلجھانے کے لئے ریاستی حکومت نے مدد کی۔ انھوں نے مزید کہا "چونکہ ہم لوگوں جمہوری حقوق کی مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے، اس لئے ہم لوگوں نے جائز ہڑتال کو دبانے سے انکار کیا۔ ہم لوگوں نے مزدوروں اور انتظامیہ سے درخواست کی کہ وہ اپنے اپنے رضانامے کے مطابق عمل کریں۔ جب بھی مزدوروں کے کسی طبقہ نے غلط اور نقصان دہ اقدامات کئے تو ہم انھیں تنقید کرنے سے اور ان کے خلاف اقدامات کرنے سے نہیں رکے۔ خوش قسمتی کی بات ہے کہ ہمیں ایسے کیسوں میں عوام اور مزدوروں کی اکثریت کی تائید حاصل ہوئی" صنعتوں کی ناتوانی کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا رپورٹوں کے مطابق ایسی ناتوانی کے زیادہ تر کیسوں صنعتوں کے مالکان اور انتظامیہ ذمہ دار ہیں۔ ان کے اقدامات سے معیشت پر بہت برا اثر پڑا اور مزدوروں کو بہت ساری پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وزیر اعلیٰ نے چیمبر آف کامرس اور مالی اداروں سے کہا کہ وہ اس بات کی تجویز پیش کریں کہ کیسے صنعتوں کی ناتوانی کو دور کیا جا سکتا ہے۔

مرکزی حکومت نے سال رواں کو پیداواری سال کی طرح منانے کا اعلان کیا ہے۔ اس بات کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ پیداواری صلاحیت میں بہتری اور پیداوار میں اضافہ اشد ضروری ہیں، اس کے ساتھ ہی مزدوروں کے مفادات کی حفاظت کرنی بھی کچھ کم اہم نہیں ہے بدقسمتی سے مزدور طبقہ خود کو مجبور محسوس کرتا ہے کیونکہ اس کا استحصال کیا جاتا ہے، اس پر ظلم و ستم ڈھایا جاتا ہے۔ وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ مزدوروں کو اپنے اعتماد میں نہیں لیا جاتا۔ اگر ان کی جائز شکایتوں پر دھیان نہ دیا جائے اور ان کی کم سے کم ضرورتوں کو پورا نہ کیا جائے، تو اس کے نتیجہ میں پیداوار میں خاطر خواہ بہتری نہیں ہو سکتی۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ زرعی سیکٹر میں بھی لاکھوں لاکھ کسانوں کو ان کی پیداوار کی مناسب قیمت دینی چاہیئے اور زرعی مزدوروں کو بہتر اجرتیں دی جانی چاہیئے۔

صنعتی ترقی کیلئے اجتماعی کوشش کرنی چاہیئے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اس ریاست میں صنعتی سرگرمیوں کو تیز کرنے کے لئے اپنی ایک تقریر میں تمام متعلقہ افراد سے پرزور اپیل کی۔ وزیر اعلیٰ گذشتہ ۱۴ راپریل کو بنگال چیمبر آف کامرس کے سالانہ عام جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے یہ باتیں کہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ موجودہ صورت حال کا یہی تقاضہ ہے کہ جلد از جلد اقتصادی افزائش اور ترقی کے لئے، ساتھ ہی روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کرنے کے لئے سبھوں کو مجموعی طور پر کوشش کرنی چاہیئے۔

وزیر اعلیٰ نے مزید بتایا کہ عوام کے مختلف طبقوں سے براہ راست تعلق رکھنے کی ریاستی حکومت کی پالیسی اور اس سلسلہ میں انتظامی کام کاج انجام دینے کی بڑے اچھے نتائج پیدا دئے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ریاستی حکومت نے ہمیشہ عوام کے محروم طبقہ کے لوگوں کی رفاہ و بہبود کا خیال رکھا، اور اس ریاست کی ترقی کے لئے پرائیوٹ اور مشترکہ سیکٹروں کی اور ریاست کی متحدہ کوششوں پر کافی زور دیا گیا ہے۔

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ ریاستی حکومت نے صنعتوں کے لئے ضروری سہولتیں فراہم کرنے میں ہمیشہ اپنا دست تعاون بڑھایا ہے۔ انھوں نے اس ریاست کے پسماندہ علاقوں میں صنعتی توسیع کے لئے بہت ساری سہولتیں فراہم کیں، ساتھ ہی اس نے اس ریاست میں چھوٹے پیمانہ کی اور دیہی صنعتوں کی ترقی کے لئے بھی خصوصی کوششیں کیں۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انھوں نے کہا "ہم لوگوں نے زیادہ سے زیادہ لائسنس جاری کرنے کی پرزور تائید کی ساتھ ہی مغربی بنگال اور مشرقی علاقہ میں صنعتکاری کے لئے مرکزی حکومت اور مالیاتی اداروں کے امتیازی برتاؤ کی مخالفت کی۔"

مغربی بنگال کی صنعتی ترقی کے سلسلہ میں مرکز کی غیر دلچسپی کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ اس ریاست کو اب بھی پیٹرو کیمیکل کمپلکس، الیکٹرونک صنعتوں، جہاز کی مرمت کی بندرگاہ، ریلوں کی آمدورفت میں بہتری اور توسیع اور کوچ بہار، مالدہ، مغربی دیناج پور اور جلپائی گوڑی میں وائیڈ ویو خدمات کی توسیع سے محروم رکھا گیا ہے۔

وزیر اعلیٰ نے معیشت، پاٹ مزدوروں اور پاٹ کسانوں کے مفاد کے پیش نظر پاٹ صنعت کو قومیانے پر زور دیا۔ انھوں نے کہا "ابھی تقریباً ۴۰ ہزار سے زیادہ پاٹ مزدور ملوں میں لاک آوٹ کی وجہ سے بیکار پڑے ہیں۔ مرکزی وزیر مالیات نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس سلسلہ میں کچھ ٹھوس اقدامات کریں گے لیکن ابھی تک کچھ نہیں ہوا" وزیر اعلیٰ نے رنجیک ٹائیرس اور نیشنل ربر کمپنیوں کو قومیانے اور دیگر چند صنعتی یونٹوں کے انتظامیہ کی ذمہ داری لینے کی فوری ضرورت پر زور دیا۔ انھوں نے انتباہ کیا کہ علاقائی نابرابری میں اضافہ سے قوم کی سالمیت پر برا اثر پڑ سکتا ہے اس کے علاوہ مخصوص علاقوں میں عوام کے مصائب اور مشکلات میں اضافہ ہو جائے گا۔

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ ریاستی حکومت نے اس ریاست کی مجموعی فلاح و بہبود کے لئے اصلاحات آراضی کو ترجیح دی۔ ریاستی حکومت کے فلاحی اقدامات میں برگاداروں کی حفاظت، زرعی مزدوروں کی اجرتوں میں اضافہ، ان کے لئے، جنھیں اس سے قبل مضافاتی علاقوں میں سال میں صرف چھ مہینوں تک لئے روزگار فراہم ہوتا تھا، سال میں ۹ مہینوں تک کے لئے روزگار کی فراہمی اور ۸۵ فی صد کسانوں کو امداد کی فراہمی شامل

باقی صفحہ پر

●

اظہار مسرت

سخت جانوں سے بسائی گئی کچی بستی
ورنہ ممکن تھا مکینوں کو ترستی بستی

دھوپ کو چاٹ گئیں اونچے مکانوں کی چھتیں
ٹھنڈ کھاتی رہی فٹ پاتھ پہ پھیلی بستی

گھر میں آکر ہی ملی ہم کو ہماری دنیا
ہم بھٹکتے پھرے بیکار ہی بستی بستی

چھوڑیئے دیکھئے بستی نہ اجاڑا کیجئے
آیئے چلئے بسائیں کوئی اجڑی بستی

میرے ایثار و وفا کا یہ صلہ ہے شاید
غیر کہتی ہے مجھے خود مری اپنی بستی

محسن وقت کا لوگوں نے گلا گھونٹ دیا
شب کی آغوش میں محصور تھی ساری بستی

مثل سورج ہی ابھرتی ہیں امیدیں شاید
چمپئی ہو گئی احساس کی کالی بستی

سینکڑوں بار مرا قتل ہوا ہے پھر بھی
ہے ابھی اور مرے خون کی پیاسی بستی

وہ تو اچھا ہوا اظہار کے لب کھل نہ سکے
ورنہ الفاظ کے شعلوں سے جھلستی بستی

از:۔ شہاب شاہین

کوئی بھی انقلاب آفریں شخصیت زندہ رہتی ہوئی اپنی عمرِ طبعی کی سرحد سے نکل جانے کے بعد بھی صدیوں پر چھائی رہتی ہے۔ قوم و ملک کے تاریخی تحفظ خانے میں ہی نہیں، بلکہ سماجی اور روحانی مظاہر میں بھی، اس کے کارنامے وقت سے چھن کر چھلکتے رہتے ہیں اور نئے کارناموں کے لئے راستہ ہموار کرتے ہیں۔ لینن کے فکر و عمل کا ورثہ ایسا ہی ورثہ ہے۔

اردو شاعری نے اگر اس ورثے کو اپنے لطیف ترین سانچوں میں ڈھال لیا ہے تو اس کی تاریخی وجہ ہے۔ ایشیا اور افریقہ کی محکوم و مغلوب قوموں کو بیسویں صدی میں جس آواز نے جگایا اور للکارا اور اپنی قسمت کو بدل ڈالنے کی بشارت دی، وہ لینن کی ہی آواز تھی۔ اس آواز پر لبیک کہنے والوں کی شاعری میں اس آواز کی گونج آج بھی سنائی دیتی ہے۔ لینن کے لائے ہوئے انقلاب روس کی گونج، جو لینن اور محنت کشوں کا انقلاب تھا، فیض کے یہاں یوں سنائی دیتی ہے

طبق در طبق
آسمانوں کے در
یوں کھلے ہفت افلاک، آئینہ سا ہو گئے
شرق یا غرب سب قید خانوں کے در
آج وا ہو گئے
قصرِ جمہور کی طرحِ نو کے لئے آج نقشِ کہن
سب مٹائے گئے
سینۂ وقت سے سارے خونیں کفن
آج کے دن سلامت اٹھائے گئے
آج پائے غلاماں میں زنجیرِ پا

ایسے چھنکی کہ بانگِ درا بن گئی
دستِ مظلوم میں ہتھکڑی کی کڑی
ایسے چمکی کہ تیغِ قضا بن گئی

یا پھر سردار جعفری کے ان اشعار میں:

دوستوں کے لئے الفت کی زباں ہے لینن
دشمنوں کے لئے شمشیرِ وسناں ہے لینن
رگِ مزدور میں خوں بن کے رواں ہے لینن
دل پہ سہمے رہے اک سنگِ گراں جانیں

فیض اور سردار جعفری بالکل دو لب و لہجے کے شاعر ہیں۔ ایک کے یہاں تلمیحات میں ڈوبی ہوئی غنائی اشاریت ہے اور دوسرے کے یہاں رجزیہ انداز ہے لیکن یہاں بھی "خوں بن کے رواں" اور "اک سنگِ گراں" میں استعاراتی آہنگ موجود ہے۔ یہ دونوں شاعر اس سے قطع نظر کہ ایک پاکستان کا شاعر ہے اور دوسرا ہندوستان کا) اردو کے ممتاز شاعر ہیں اور ان کی آواز کی رسائی دور دور تک ہے اور جب ان کی آواز میں لینن کا انقلاب اور لینن کے خواب ڈھل جاتے ہیں تو ان کی تاریخی معنویت، جبر و استبداد کے پس منظر میں گہرے اضطراب کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور دنیا کے ذہنی دشعور کو متاثر کرتی ہے۔ اسی تاثر میں انسانی مساوات، محنت کی آزادی، تخلیقی جمالیات کے انقلابی تصورات شامل ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ شاعروں کی ایک نسل کے بعد دوسری نسل اٹھتی ہے لیکن لینن کے خواب و عمل کا موضوع کبھی پرانا نہیں ہوتا اور ہر نسل کا شاعر اپنے انداز میں زندگی کو انقلاب میں

۷

ڈھالنے والی اس تاریخی شخصیت سے شاعرانہ فیضان حاصل کرتا ہے جس کی مثال اجمل اجملی کے یہ شعر ہیں۔

ایک سو سال کہانی میں کوئی چیز نہیں
ایک سو سال حقیقت میں بہت ہوتے ہیں
ندیاں تہذیب کی چڑھتی ہیں، اتر جاتی ہیں
قسمتیں قوموں کی بنتی ہیں بگڑ جاتی ہیں
ظلم کے ہاتھوں دبایا ہوا سیلاب عظیم
ایک ہی لمحے میں اس طرح بپھر جاتا ہے
ظلم کی ناؤ خود اس دھارے میں بہہ جاتی ہے
ایک سو سال کہانی میں کوئی چیز نہیں۔

وہ کیا خصوصیات ہیں جو لینن کو شاعری کا ایک اٹوٹ موضوع بناتی ہیں؟ لینن کی عظمت الہام و پیغمبری کا پرتو نہیں ہے ایک متوسط، دانشور گھرانے کے چشم و چراغ کے لئے طبقاتی تعصبات اور برتری کے جھوٹے جذبے سے نکل کر، محنت کشوں کی اس طرح رہنمائی کرنا کہ ان کی قسمت کے ساتھ دنیا کی تاریخ بدل جائے۔ دراصل لینن کی عظمت کا راز یہی ہے۔ لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو جہالت اور پسماندگی کے اندھیرے سے نکالنا، ان کی خودی کو خودفراموشی کے اندھیرے غار سے نکالنا اور اس کو وقت کی روشن ضمیری کا جزو بنا دینا، انسان کا چرایا ہوا وقار قتل و غارت گری کے ہاتھوں سے چھیننا اور حقداروں کو لوٹانا۔ چھوٹی چھوٹی خوشیوں اور بڑے بڑے نشاط کے افق کو عام انسانوں کی زندگی کے افق میں ڈھال دینا۔ ایسے تاریخی کارنامے ہیں جو لینن کو لافانی بناتے ہیں۔ اقبال کی اس آواز میں زمانے کی ٹوٹتی ہوئی زنجیر ملا کی گونج ہے۔

آفتابِ تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا
آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

یہ "آفتابِ تازہ" لینن کے فکر و عمل کا معجزہ ہے۔

بقیہ: لینن کی انقلابی...

نے اسی سماجی شعور سے انقلابی عمل کی رہنمائی کی۔

آج جبکہ انقلاب کے بعد چھ دہائیوں سے زیادہ وقت گزر چکا ہے، جب دوسری عالمگیر جنگ کے بعد، ایشیا اور افریقہ کے اکثر ممالک آزاد ہو چکے ہیں، اور بہت سے ملکوں میں سماجی تبدیلیاں انقلابی رفتار سے آ چکی ہیں۔ لینن کی تعلیم، یعنی سماجی نفسیات کی تعلیم کی از سر نو تاریخی تصدیق ہو رہی ہے۔ سماجی نفسیات پر عبور دراصل عوام کی نبض کا ادراک ہے جو انقلاب اور سماجی تبدیلی کا راستہ روشن کرتا ہے۔

تیسری دنیا جو امن اور تعمیر کے لئے جد و جہد کر رہی ہے اور جس کے سامنے سوویت یونین کی مثال ہے، لینن کے تصورات و عمل سے اپنے نتائج اخذ کر رہا ہے۔ اور یہ آج کے حقائق کا مثبت پہلو ہے۔

شیڈولڈ کاسٹ کی فلاح و بہبود

ریاستی حکومت کے شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب کی رفاہ کے شعبہ نے خصوصی منصوبوں کے تحت شیڈولڈ کاسٹ کی رفاہ کیلئے مویشیوں کی پرورش کی اسکیم کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کیلئے ۵۰ لاکھ روپے دینے کی منظوری دی۔ اس رقم کی ضلع وار تقسیم درج ذیل ہے۔

(۱) اضلاع جلپائی گوڑی، ندیا، ہگلی، بانکوڑا، پرولیا اور بیر بھوم۔ ہر ضلع کو ۳ لاکھ روپئے۔ (۲) اضلاع مرشد آباد، ہوڑہ اور مالدہ۔ ہر ضلع کو ۲ لاکھ روپئے (۳) اضلاع مدناپور اور بردوان۔ ہر ضلع کو ۴ لاکھ روپئے (۴) مغربی بنگال دیناجپور ضلع کو ۵۰ر۲ لاکھ روپئے (۵) ضلع دارجلنگ کو ایک لاکھ روپیہ (۶) کوچ بہار ضلع کو ۵۰ر۴ لاکھ روپئے اور (۷) ضلع ۲۴ پرگنہ کو ۱۰ لاکھ روپئے۔

یہ رقم مذکورہ اضلاع کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کے پاس جمع کرا دیا گیا ہے۔

از:- رعنا شکور

لینن کی انقلابی نظر اور سماجی نفسیات

امن سوشلزم کے بنیادی آدرشوں کی روح میں شامل ہے۔ اسی لئے روس میں سوشلسٹ انقلاب کی فتح یابی کے بعد جس پہلے فرمان پر لینن نے دستخط کئے وہ امن کی دستاویز تھا۔ محنت کش عوام کے دل کی پکار اس میں شامل تھی جن کو جنگ نے لہولہان کر دیا تھا۔ وہ امن وسکون کے پیاسے تھے جس کی بشارت بردلتاری انقلاب نے دی۔

لینن کی انقلابی شخصیت کے بنیادی خط وخال آج تاریخ کے افق قوموں کی آزادی، انقلاب اور پرامن تعمیر کا افق ہے۔ لینن کا فلسفۂ حیات مارکسزم تھا۔ وہ فلسفہ جو انیسویں صدی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے اور جس نے بیسویں صدی میں تاریخ کے سب سے بڑے انقلاب، اکتوبر انقلاب کو جنم دیا۔ اس تاریخی حقیقت نے یہ ثابت کر دیا کہ مارکسزم ایک ایسا فلسفۂ حیات ہے جو عمل اور انقلاب کی راہیں روشن کرتا ہے۔

مارکسزم ایک فلسفۂ حیات ہے، جس کا دائرہ تاریخی حقائق کی روشنی میں لینن نے وسیع تر کیا۔ اسی لئے اس فلسفۂ حیات کا نام مارکسزم، لینن ازم پڑا۔ اور آج یہ سائنسی انقلابی نظر سماجی اور معاشی تبدیلیوں کے نئے پہلو پیدا کر رہی ہے۔ یہ ایسا فلسفہ ہے جو عمل کی آگ میں تپ کر ہر ملک اور قوم کی خصوصیات کے پیش نظر تاریخی تجربے کا ایک نیا روپ اختیار کرتا رہتا ہے۔ اور یہی خوبی اس فلسفے کو لافانی بناتی ہے اور آج ہم اس کے انقلابی سفر کا جوہر بھی لینن کی زندگی میں فکر ونظر اور عمل کا ایک شاندار امتزاج نظر آتا ہے۔

زمانہ قدیم کے مدرسہ فکر سے لے کر مارکسزم تک دو بنیادی رجحانات کام کرتے رہے ہیں۔ ایک کو عینیت پرستی کا نام دیا گیا ہے اور دوسرے کو مادیت کا۔ لیکن فلسفیانہ نظر کے یہ دو رجحانات دراصل مختلف سماجی طبقوں کے الگ الگ مفادات کا اظہار کرتے ہیں۔ زندگی کے تمام مظاہر، جن کی خارجی وجود ہے اور جن کا انحصار انسان کی مرضی اور اعتراف پر نہیں ہے۔ مادیت کے دائرے میں آتے ہیں۔ اور وہ تمام مظاہر جن کی ادراک خارجی طور پر نہیں کیا جا سکتا عینیت پرستی کے احاطے میں آتے ہیں۔ اسی لئے ایک ایسی عالمی بصیرت پیدا کرنے کے لئے ایک پورا نظام فکر پیدا کرنے کے لئے اس رشتے کی چھان بین اور پرکھ ضروری ہے، جسے "فکر اور وجود" کا رشتہ کہا جاتا ہے۔ اسی سے وجود کی عینیت پرستانہ خصوصیات کی تردید اور تکذیب ہوتی ہے۔

لینن نے ہر زمانے میں، سماجی مسائل اور انقلابی تحریک کا تجزیہ کرتے ہوئے سماجی نفسیات کے مطالعے کو وقت کے تقاضوں کو سمجھنے اور انقلابی امکانات کو حقیقت بنانے کے لئے ضروری جانا۔ ۱۹۰۵ء کے انقلاب کے وقت بھی لینن نے اس میدان میں پوری تفتیش اور جستجو کی اور اکتوبر انقلاب کے وقت بھی۔ ظاہر ہے اس کے بغیر ذہنی کاوش اور سیاسی عمل کا وہ نقطۂ انقلاب دریافت نہیں کیا جا سکتا تھا جس نے انقلاب کے خواب کو حقیقت میں بدل دیا۔

پھر انقلابی عمل میں سماجی شعور شامل ہوتا ہے۔ لینن

باقی صفحہ ۸

ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی

مولانا محمد علی جوہر اور قومی یکجہتی

مولانا محمد علی جوہر کا شمار ہمارے اُن قومی رہنماؤں میں ہوتا ہے جو ملک کی آزادی کے لیے قومی یکجہتی کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے۔ مولانا نے قومی یکجہتی کے لیے جو تاحیات جدوجہد کی اُس کا تجزیہ کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ 'قوم' کا مفہوم متعین کر لیا جائے تاکہ مولانا کے نظریات کا تجزیہ کرنے میں آسانی ہو سکے۔

قومیت پر مختلف مفکرین کے اقوال موجود ہیں۔ بعض نے کسی ایک حکومت کے زیر سایہ رہنے والی 'نیشن' کو ایک قوم تسلیم کیا ہے اور بعض نے ایک جیسے عقائد رکھنے والے افراد کو ایک قوم مانا ہے۔ کبھی کبھی ایک انتظامیہ کے تحت زندگی گذارنے والے مختلف مکتبۂ فکر اور مذہب و ملّت کے افراد بھی ایک قوم مانے گئے ہیں۔ میک آئیور کے قول کے مطابق:

"۔۔۔ قومیت مشترکہ جذبہ اور ایک دوسرے سے وابستگی کے ایک ایسے شعور کا نام ہے جسے تاریخی حالات نے جنم دیا ہو۔۔۔ جو یہ خواہش رکھتے ہوں کہ ہم اپنی حکومت بنائیں۔" لارڈ برائس نے لکھا ہے:

"قومیت وہ آبادی ہے جو زبان و ادب، تصورات اور رسم و رواج جیسے رشتوں سے اس طرح بندھی ہوئی ہو کہ وہ اپنی ٹھوس اکائی کی وجہ سے دوسری آبادی سے اپنے آپ کو علیحدہ سمجھے۔[۲]"

مذکورہ بالا اقوال کے مطابق رسم و رواج کی وابستگی قوم کو ایک اکائی بناتی ہے۔

مولانا محمد علی نے لفظ قوم پر باقاعدہ بحث نہیں کی ہے لیکن اُن کی مختلف تحریروں اور تقریروں میں 'قومیت' اور 'ملّت' پر ضمنی بحثیں ضرور ملتی ہیں۔ مولانا ایک جگہ تحریر کرتے ہیں:

"منظم کنبوں اور خاندانوں کے بغیر نہ ایک ملّت قائم ہو سکتی ہے نہ ایک قوم۔۔۔۔ لیکن ارتقا کی منزل میں ہمیں یاد رکھنا ہوگا کہ ایک اور یا چند اور منزلیں بھی ہیں۔ آخری منزل نہ فقط اپنا نفس ہے، نہ خاندان ہے، نہ ملّت ہے، نہ قوم بلکہ انسان ہے۔ سب انسان پہلے ایک امّت تھے اور سب انسان پھر ایک امّت ہو سکتے ہیں۔[۳]"

گویا مولانا کے نزدیک 'انسان' اور 'انسانیت'، قومیت اور ملّت سے بلند و بالا ہے۔ ملّت اور قومیت پر بحث کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

"اسلام نے دنیا کو یورپ کی طرح قوموں اور ملکوں میں تقسیم نہیں کیا ہے۔ بلکہ اختلافات مذہبی کی بنا پر ملّتوں میں تقسیم کیا ہے۔ لیکن اس معنی میں بھی ملّت

قومیت کے اس قدر منافی نہیں ہے کہ مختلف ملتوں کا وجود قومیت کو
بیمار بنا دے۔"

مولانا کے مندرجہ بالا بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ملتیں اگر مذہبی
لحاظ سے علاحدہ بھی ہوں تب بھی قومیت ایک ہو سکتی ہے۔

محمد علی ہمارے ان قومی رہنماؤں میں تھے جو اپنے ملک
کو آزاد اور ہندوستانی قوم کو ترقی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتے
تھے۔ ملک کی آزادی اور قوم کی ترقی کے لئے یہ ضروری تھا کہ
مختلف فرقوں کے درمیان باہمی ربط بڑھے۔

مولانا سیاست کو مذہب سے الگ نہیں سمجھتے تھے۔
اس لئے کہ اُن کے نزدیک زندگی کے ہر شعبے کا حل مذہب
میں موجود ہے۔ انھوں نے کہا:

"... مذہب کو اگر آپ سیاست سے جدا رکھیں
گے تو مذہب کے بارے میں آپ کا تصوّر غلط ہوگا۔ مذہب
زندگی کی ایک تعبیر کا نام ہے۔"

اور زندگی کی اس تعبیر نے انھیں 'حق' اور 'باطل' کا
فرق سمجھا دیا تھا۔ ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات انگریز
کے زمانے سے شروع ہوئے۔ قومی رہنما ہونے کی حیثیت
سے اس قسم کے مسائل محمد علی کے سامنے بار بار آئے۔ لیکن
انھوں نے توازن اور مساوی انداز میں ان مسائل کے حل پیش
کیے:

ہم کسی ایسے شخص کو جو مسلم نہ ہو مکلّف بالشریعۃ
نہیں کر سکتے۔ اگر اُس کے مذہب اور عقیدے کے
مطابق باجہ بجانا اور جلوس نکالنا جائز اعمال ہیں
تو ہم اسے مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ باجے کے ساتھ
کوئی جلوس نہ نکالے کہ ہماری مسجدوں کے سامنے
سے نہ گذرے اور اگر ایسا کرنا اس کا مذہبی فریضہ
ہو تب تو ہم کو اور بھی حق نہیں کہ اس کو مجبور کریں
کہ اپنی شریعت کا احترام نہ کرے۔"

یہ ایک ایسے شخص کا قول ہے جس کا دعویٰ ہے:
"میں اول مسلمان ہوں، دوم مسلمان ہوں اور آخر
بھی مسلمان ہوں۔"

مولانا نے باجہ اور مسجد کے لئے جو سطور تحریر کی ہیں۔ اگر
اُن کی تحلیل کی جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ محمد علی یہ نہیں
چاہتے تھے کہ ہندوستان کے مختلف فرقوں کے درمیان کسی بھی
قسم کا اختلاف ہو اور اس سے قومی اتحاد کو نقصان پہنچے
انھوں نے ہندو مسلم اتحاد کی پر زور تلقین کی ہے جو ان کے نزدیک
حصول آزادی کی اولین شرط ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا یہ
قول ملاحظہ ہو۔

"میں تو کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ
ہندوؤں کے ساتھ شریک ہو کر ہندوستان کی آزادی کرائیں۔"

لیکن افسوس کہ محمد علی کی ہندو مسلم ایکتا کی کوشش کے
باوجود ملک کی صورتِ حال بگڑنے لگی۔ اور جگہ جگہ ہندو مسلم
فسادات ہونے لگے۔ اور ملک میں 'شدھی سنگٹھن' اور
اس کے جواب میں مختلف تنظیمیں بننے لگیں۔ محمد علی مسلمانوں
کی تنظیم کے مخالف نہیں تھے۔ لیکن جس طرح کی تنظیم چاہتے
تھے۔ اس کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"مسلمانوں کو تنظیم و تبلیغ کی ہمیشہ ضرورت تھی
لیکن کون سی تنظیم کی۔ یہ نہیں کہ صبح سے شام
تک ہندوؤں کے مظالم اور ان کی ریشہ دوانیوں
کا دکھڑا رویا جائے۔ بلکہ اپنے نقائص کی تلاش
کی جائے اور ایک ایک کرکے ان کو دور کیا جائے۔
اگر ہندو مریض کے مرض کی تشخیص کی جائے اور
اس کو کڑوی دوا پلائی جائے تو کیا اس سے مسلمان
مریض کا مرض اچھا ہو جائے گا؟ گھوڑ دوڑ میں
ہم کو بازی جیتنا ہے مگر مسلمان گھوڑا سوار سے
کہتا ہے کہ مہمیز اور چابک مجھے نہ لگا۔ ہندو
گھوڑے کے لگا تو ہم جیت جائیں گے۔ یہ منطق ہے
جسے مسلمانوں کے دماغ سے نکالنا ہے۔"

جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں بیان کیا جا چکا ہے کہ محمد علی
کی اوّلین حیثیت ایک مسلمان کی تھی۔ اس لئے وہ مسلمانوں میں

تنظیم بھی چاہتے تھے۔ تاکہ بین الملّی جمعیت بن سکے۔ اس لئے کہ مولانا کے نظریہ کے مطابق ہندوستان اور عالم اسلام دونوں کی آزادی کی تحریکوں میں ہم آہنگی تھی۔ تحریر کرتے ہیں:

"ایک مسلمان اس قومیت کا ہرگز طرف دار نہیں ہو سکتا جو اسے اپنے دینی بھائیوں کی تنظیم سے باز رکھے لیکن وہ اس قومیت کا بھی طرف دار نہیں ہو سکتا جس کی طرف اسے بعض مسلمان کسی غیر مسلم پر ظلم کرے تو یہی نہیں کہ اُس کو اس ظلم میں مدد نہ دے بلکہ اسے اس ظلم سے باز بھی رکھے[۹]"

مولانا کی تحریر و تقریر کی قوت ہندو مسلم اتحاد پر صرف ہوئی۔ لیکن دونوں میں اختلاف بڑھتے ہی چلے گئے[۱۰] جواہر لال نہرو کے چند جملوں سے ہم اس زمانے کی صورت حال کا اندازہ لگا سکتے ہیں:

"..... اپنے زمانہ صدارت کے بعد محمد علی رفتہ رفتہ کانگریس سے دور ہونے لگے ... یا کانگریس اُن سے دور ہونے لگی..... اس میں شاید کسی فرد یا افراد کا قصور نہیں تھا بلکہ اُن حالات کا تھا جو ملک میں رونما ہوئے[۱۱]"

ان فرقہ وارانہ فسادات اور مسائل کو حل کرنے کے لئے بہت کوششیں کی گئیں۔ ان میں سب سے مشہور وہ کانفرنس تھی جو مولانا محمد علی نے اپنی صدارت کے زمانے میں ۱۹۲۴ء میں کی۔ یہ کانفرنس دہلی میں گاندھی جی کے ۲۱ روزہ برت کے دوران منعقد کی گئی تھی[۱۲] اس کے بعد شملہ اور دوسری جگہوں پر بھی کانفرنسیں کی گئیں۔ لیکن بے سود۔

مولانا محمد علی ۱۹۳۰ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن چلے گئے جہاں سے وہ کامل آزادی کا پروانہ لانا چاہتے تھے۔ یا آزاد ملک میں مرنا چاہتے تھے۔ مدینہ اخبار بجنور کی ۵ر جنوری ۱۹۳۱ء کی اشاعت کے مطابق انھوں نے پریس کے نمائندہ کو اپنا انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا:

مجھے بیماری نے آدبایا تھا۔ لیکن میں اگر ایک زندہ ہوں اور ہندو مسلمان کو ایک جگہ لانے کا جو کام شروع کیا تھا اسے پھر جاری کر سکتا ہوں۔ مولانا نے آگے چل کر فرمایا۔ ہندوؤں کی اکثریت جس قدر زیادہ کیوں نہ ہو انھیں مکمل اختیارات دے دیئے جائیں اور ہر ایک مسلم اقلیت کے حقوق کے محفوظ رکھے جائیں۔ اور اسی طرح مسلم اکثریت کو اختیارات دے دیئے جائیں اور ہندو اقلیتوں کی حفاظت کی حفاظت کی جائے!

مولانا محمد علی اپنی زندگی کے آخری ایام میں بھی لندن میں ہندو مسلم سمجھوتے کے لئے مسودہ تیار کر رہے تھے۔ جس سے دماغ پر زیادہ بوجھ پڑنے سے دماغ کی رگیں مفلوج ہو گئیں۔ دماغ کی رگوں سے خون بہنا شروع ہوا۔ ۲ر جنوری کو طبیعت خراب ہوئی ۳ر جنوری کو بیہوش ہو گئے اور پھر ہوش نہ آیا۔ ۴ر جنوری ۱۹۳۱ء کو ہندوستان کی آزادی کا خواب لیے ہمیشہ کی نیند سو گئے۔

● ●

قضا کس کو نہیں آتی ہے یوں تو سب ہی مرتے ہیں
پر اس مرحوم کی ہوئے کفن کچھ اور کہتی ہے (جوہر)

حواشی

۹ MACIVER AND PAGE: A TEXT BOOK OF SOCIOLOGY PAGE 155

۹ OUEST: ARAB-UNE NATION LECTURE 1662 PAGE 26-227

[illegible] ہمدرد ۱۷ر اکتوبر ۱۹۲۶ء [illegible] ایضاً [illegible] آجکل دسمبر ۱۹۶۸ء صفحہ ۲۳ [illegible] ہمدرد ۲۵ر نومبر ۱۹۲۶ء [illegible] آجکل دسمبر ۱۹۶۸ء صفحہ ۲۳ [illegible] ہمدرد ۱۹ر جنوری ۱۹۲۶ء [illegible] ایضاً ۷ر اکتوبر ۱۹۲۹ء [illegible] جواہر لال نہرو: میری کہانی صفحہ ۲۴۴ [illegible] ایضاً ص ۲۳۶ [illegible] جامعہ / عبداللطیف اعظمی فروری ۱۹۷۰ء ص ۲۰

از شنکر رائے

چند کی ترقی

لاکھوں کی پستی

ہندستان کا منظر اس وقت جب آزاد خود مختار جمہوریہ ہند نے اپنے ۳۳ ویں سال میں قدم رکھا، نمایاں تضاد سے دھندلا ہو گیا، حالانکہ ۲۶ رجنوری سنہ ۱۹۵۰ء کو چمکتے ہوئے سورج کی روشنی کے پس منظر میں لاکھوں لاکھ لوگوں نے خوشیاں منائی تھیں۔ ایسا جوش و خروش بیس سال پہلے بھی نظر آیا لیکن اب یہ بالکل ختم ہو چکا ہے۔ یہ امید کہ ہمارا ملک دو باتیں دہائیوں میں جانفشانی اور سخت محنت سے حاصل کردہ سیاسی آزادی سے اقتصادی آزادی (بلکہ اقتصادی خودکفالت) کی طرف مڑ جائے گی، پوری نہ ہو سکی۔ ۳۵ کروڑ لوگوں کی (جن میں سے، یہ فرض کر لیا جا سکتا ہے کہ ۵۰ فی صد سے کچھ زیادہ لوگ غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح پر زندگی بسر کر رہے ہیں) محض اپنی بقا کے لئے بھی زندگی کے دن گذارنے کی حقیر ترین خواہشات بھی تشنۂ تکمیل رہتی ہیں۔ ان کے لئے دنیا بھر میں مسلمہ کم سے کم صحت مند زندگی گذارنے کا خواب بھی ایک بھولی سی بات ہے۔

لیکن کوششیں اس مقصد کے تحت کی گئیں پنجسالہ منصوبوں اور تین سالانہ منصوبوں کے دوران ۹۰۰۰ کروڑ سے زیادہ روپے خرچ کئے گئے، لیکن اس کے نتیجہ میں ناہموار ترقی ہوئی اور سنہ ۶۵ء اور سنہ ۷۵ء کے درمیان اجارہ داروں کی تعداد نصف درجن سے بڑھ کر ۱۵ ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک متوازی معیشت بھی رونما ہوئی جس نے کم و بیش اہم معیشت کی صورت اختیار کر لی اور اسی طرح اس نے قانونی معیشت کو پس پشت ڈال دیا۔ ایک اندازہ کے مطابق تقریباً ۳۲۰۰ کروڑ روپے کے کالے دھن کا وسیع میدان میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ زمین دوز معیشت خطرناک صورت حال پیدا کر سکتی ہے، کیونکہ اس میں حقیقی معیشت کو غیر مستحکم بنانے کی قوت ہے اور ایک ایسے وقت میں جب قوم اپنے سب سے بڑے منصوبہ بندی، یعنی چھٹے منصوبہ کے کام میں مصروف ہے، زمین دوز معیشت سے کافی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ اس منصوبہ کے مقاصد میں غربت کی سطح سے نیچی سطح میں رہنے والے لوگوں کی تعداد میں کمی کرنا، بے روزگار کے نئے مواقع فراہم کرنے کی گنجائش وغیرہ جیسے اہم اقدامات شامل ہیں، لیکن جب تک ہندستان میں کالے دھن پر کوئی روک ٹوک عائد نہیں کی جائے گی، اس وقت تک منصوبہ بندی سے خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ بدقسمتی سے مرکزی حکومت اس بات پر یقین کر لی ہے کہ کالے دھن میں کمی ہو جائے گی اگر مرکز ان لوگوں کو معاف کر دے جو رضاکارانہ طور پر اپنے کالے دھن کو ظاہر کر دیں گے۔ لیکن تجربات شاہد ہیں کہ ہمیں اس سلسلہ میں کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونا نہیں چاہیئے۔ اسکے باوجود نئی دلی بار بار اس بات کو دہراتی ہے۔ کیا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مرکزی حکومت زمین دوز معیشت پر کنٹرول کرنے کی خواہاں ہے؟ یا یہ کہ مرکزی حکومت اس معاملہ میں سماجی غیر قانونی کام کرنے والوں سے مصالحت کرنا چاہتی ہے؟

اس بات سے تو انکار کیا نہیں جا سکتا کہ صنعت کے میدان میں ہندوستان نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا کی سب سے زیادہ دس صنعتی قوموں میں ہندستان کا شمار ہوتا ہے۔ اور تیسری دنیا میں ہندوستان اول نمبر پر ہے، سائنسی اور تکنیکی ماہرین کی تعداد کے لحاظ سے ممالک متحدہ امریکہ اور روس کے بعد ہندوستان کا نمبر آتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان کی غربت کی حالت میں بہت ہی سنگین ہے۔ یہاں تک کہ

آنہ بھی ہماری دو تہائی آبادی کو پینے کا اچھا پانی نہیں ملتا۔ نیز دنیا میں سب سے زیادہ بچہ مزدور ہندوستان ہی میں ہے۔ اس سے ہمیں خوشی حاصل ہوتی ہے کہ ہندوستان کی مشین ساز کمپنی بھارت ہیوی الیکٹریکلس لمیٹیڈ۔ دنیا کی بڑی بڑی صنعتی کمپنیوں جیسے سیمنس اور ایم۔ڈبلو۔ کے کی برابری کر سکتی ہے اور اسے ملائیشیا میں بجلی کے پلانٹ بنانے کا کام ملا۔ لیکن اس کے ساتھ ہمیں اس بات سے دلی افسوس ہوتا ہے اب بھی ہمارے ملک میں لاکھوں افراد شدید غربت میں مبتلا ہے۔

ہندوستان میں ایک طرف تو چند ہاتھوں میں دولت جمع ہوتی جارہی ہے اور دوسری طرف عوامی غربت میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہ دونوں ساتھ ساتھ ہیں اور انھیں دکھانے کے لئے اعداد وشمار کی کمی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانی اور غیر ملکی اجارہ داروں نے ہندوستانی صنعت سے کافی فائدہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ پبلک سیکٹر کو بہت حد تک پرائیوٹ سیکٹر پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ پبلک سیکٹر کی مصنوعات جیسے اسٹیل، کوئلہ اور بجلی، زیادہ زیادہ تر پرائیوٹ سیکٹر کی صنعتوں میں استعمال کی جاتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں پبلک سیکٹر کی تیار کردہ مصنوعات کی مانگ کا پرائیوٹ سیکٹر کنٹرول کرتا ہے۔ کیا اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ ہماری صنعت کاری خاص طور پر تجارت اور صنعت کے مفاد کے لئے کام کرتی ہے اور عوام کو اس سے بہت کم فائدہ پہونچتا ہے (اس میں صنعت کاری کے روزگار کے فراہم کردہ مواقع کو بھی زیر غور رکھا گیا ہے)۔

اب وقت آگیا ہے کہ ہم پھر سے غور کریں کہ گذشتہ ۳۰ برسوں میں ہم نے کیا کیا۔ کہاں ہماری حقیقی کمزوریاں ہیں؟ برازیل، فیلیپائنس اور جنوبی افریقہ جیسے ملکوں نے جو معاشی راستے اختیار کئے، ہندوستان نے اس سے مختلف راستہ اختیار کیا کیونکہ مذکورہ ممالک میں حقیقی معیشت کثیر القومی کارپوریشن کے زیر اختیار ہے۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کی معیشت نے کم و بیش ایک آزاد راستہ اختیار کیا، لیکن اس نے عالمی سرمایہ دارانہ معیشت سے رشتہ برقرار رکھا

اے۔ لیو کرسکی اور ایم وائلکو جیسے روسی اسکالروں کے خیال کے مطابق تیسری دنیا میں ترقی کے سرمایہ دارانہ اصول کو اپنانے والا ملک آخر میں نوآبادکاری ملک بن جاتا ہے۔ چند نوجوان سوویت ماہرین معیشت کے خیال کے مطابق ایک ترقی پذیر معیشت میں ترقی کا سرمایہ دارانہ راستہ ماتحت راستہ ہوتا ہے۔ سوویت ماہرین معیشت نے جو باتیں کہیں، ان پر ذرا غور کرنا چاہئے۔ گذشتہ سال جون میں واشنگٹن میں انڈو۔ یو۔ ایس بزنس کاؤنسل کی میٹنگ میں یہ کہا گیا کہ ہندوستانی معیشت امریکہ کے ایم این سی کے لئے باعث کشش بنتی جارہی ہے۔ انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ کا بھی آئندہ تین برسوں تک ہماری معیشت پر کافی اثر پڑیگا۔ کیا یہ سب نئی ماتحتی کی علامتیں نہیں ہیں؟ کیا یہ ترقی کے سرمایہ دارانہ راستہ اپنانے کے نتائج نہیں ہیں؟

مندرج فہرست اقوام کے لئے پیشہ ورانہ ٹریننگ

حکومت مغربی بنگال نے یوتھ سروسز ڈیپارٹمنٹ کو مندرج فہرست اقوام کی فلاح کے لئے پیشہ ورانہ ٹریننگ کی اسکیموں پر عملدرآمد کے لئے ۱۰ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔ ان اسکیموں کے تحت طباعت، ہراسٹنگ، سائیکل کی مرمت، چٹائی بنانے، کپڑے کی چھپائی، پولٹری، رسی بنانے، پھلوں کے تحفظ، پمپ سٹوں کی مرمت، بنائی، اور موٹر چلانے کی ٹریننگ دی جائے گی۔ اس ٹریننگ کے لئے مندرج فہرست اقوام کے ایسے نوجوانوں کو منتخب کیا جائے گا جو غریبی کی سطح کے نیچے زندگی گذار رہے ہیں۔ تربیت یابوں کو ۳۰ روپیہ ماہانہ وظیفہ دیا جائے گا اور ٹریننگ کی تکمیل کے بعد اپنا کام شروع کرنے کے لئے مالی امداد دی جائے گی۔

مغربی بنگال میں زراعت
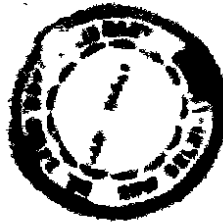
مغربی بنگال

ٹیگور نمبر
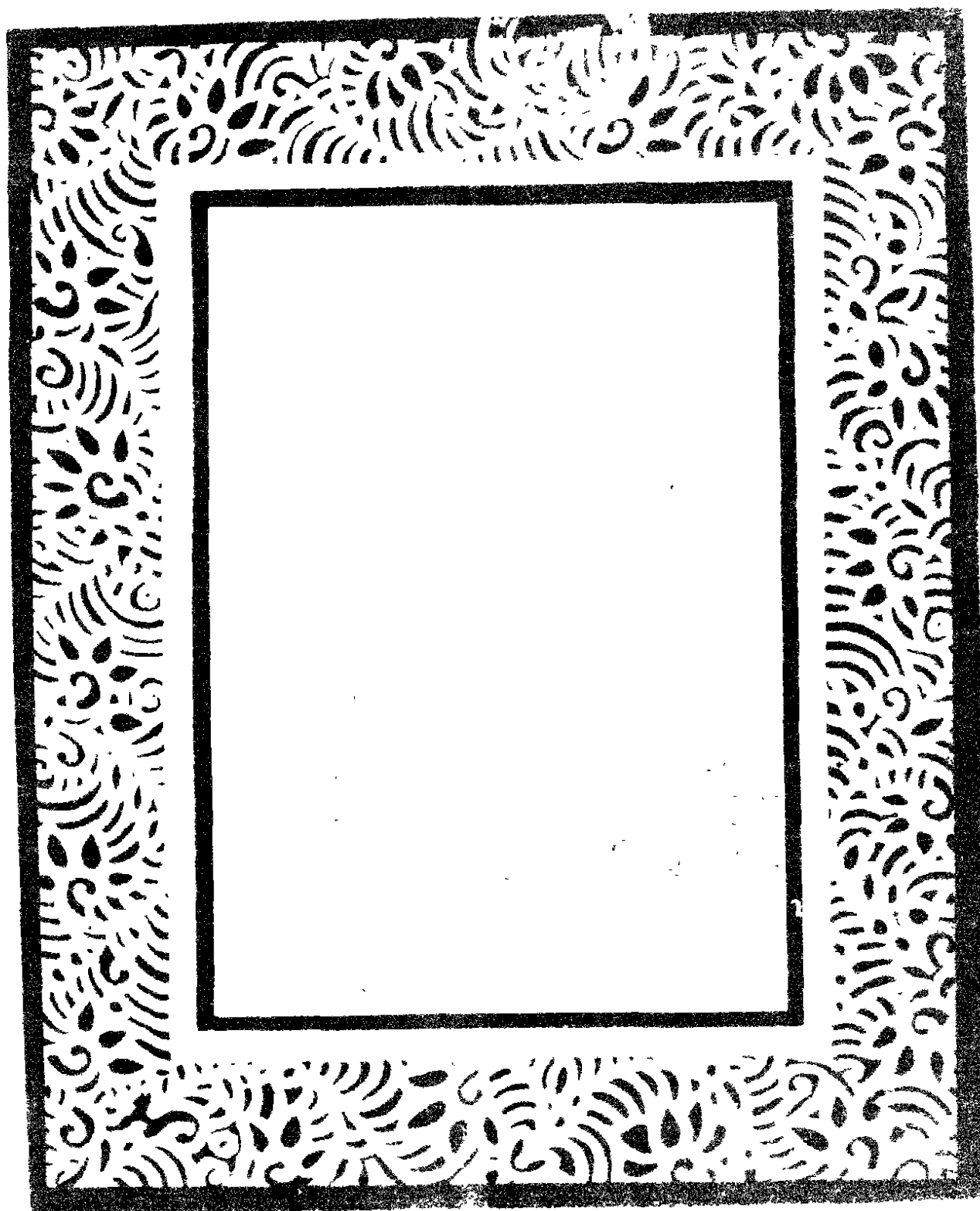
تزئین کار :۔
تارا شنکر داس

اس خصوصی شمارہ کی قیمت ۲۵ پیسے فی پرچہ

پندرہ روزہ
مغربی بنگال کلکتہ
شرح خریداری
سالانہ ۳ روپیے

جلد نمبر ۲۹ ۱۵ر مئی ۱۹۸۲ء جلد نمبر ۱۰

مدیر :۔ دھریندر ناتھ دت
مدیر معاون: محمد اعظم

شاعرِ اعظم ٹیگور

شہرۂ آفاق شاعر رابندر ناتھ ٹیگور ۷ مئی ۱۸۶۱ء کو، جوڑا سا کھو، کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا جنم دن سارے ہندوستان میں، ساتھ ہی دنیا کے دیگر ملکوں میں بھی جگہ جگہ بہت جوش و خروش اور خوشی کے ساتھ منایا جاتا ہے۔

ٹیگور عالمی شاعر تھے، اور ان کی شعری تخلیق گیتانجلی پر انھیں نوبل انعام ملا۔ ان کی شاعرانہ بصیرت، تخیل کی بلند پروازی، فلسفیانہ وجدان، پرخلوص جذبہ حب الوطنی، شدید رجائیت اور جذبہ حقیقت پسندی نے نہ صرف انھیں ایک عظیم شاعر بلکہ ایک زندہ جاوید انسان بھی بنا دیا۔

رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ پدما ندی کے کنارہ مناظرِ قدرت کے درمیان گوشۂ عافیت میں اور شانتی نکیتن کے پرسکون، فیضان بخش اور روح پرور ماحول میں گذارا۔ انھوں نے نہ صرف مظاہرہ قدرت بلکہ ان علاقوں کے سیدھے سادے لوگوں اور ان کے طرزِ زندگی سے فیضان حاصل کیا۔ آپ دیہات کے سیدھے سادے لوگوں سے محبت کرتے تھے۔ ان کے جذبات، امنگوں اور آرزوؤں کی ترجمانی کرتے اور انکے دکھ سکھ میں شریک ہوتے۔ آپ کو یہ دیکھ کر دلی تکلیف ہوتی کہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ برسوں سے غریبوں اور دیہی باشندوں کا استحصال کر رہے ہیں۔

شاعرِ اعظم ٹیگور نہ صرف ایک شاعر، فلسفی، ناول نگار، افسانہ نگار، مضمون نگار، ڈرامہ نویس، مغنی اور آرٹسٹ تھے بلکہ وہ اعلیٰ تہذیب و تمدن کے مجسم پیکر تھے۔ آپ حقیقت پسند تھے اور حیات و کائنات کے بیشتر مسائل کی بابت آپ کا نظریہ عملی اور سائنسی تھا۔ آپ کی حب الوطنی کے پُرخلوص جذبے نے آپ کو ہندوستان کی ثقافت میں نکھار پیدا کرنے کے لیے نہ صرف تحریک عطا کی بلکہ ہمارے سماج کو از سرِ نو تعمیر میں سرگرم حصہ لینے پر آمادہ کیا۔ رابندر ناتھ کا شاعری کے ساتھ ساتھ مضمون نگاری میں بھی نمایاں ترین مقام ہے۔ آپ نے بے شمار ناول، کہانیاں نظم و نثر میں لکھے، سماجی اور تمثیلی ناٹک، سماجی و سیاسی فلسفیانہ اور مذہبی موضوعات پر مقالے، پُر لطف خطوط، بصیرت افروز تنقید یا نچ کی دلچسپ کتابیں لکھیں۔ یہ سب نگارشات اپنی نظیر آپ ہیں اور یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ تخلیق کے وسیع ترین دائرہ میں ان کا کام اس قدر عظیم ہے کہ ہندوستان کے جدید معماروں اور علاقوں میں ان کا شمار کیا جا سکتا ہے۔

ربندر ناتھ ٹیگور
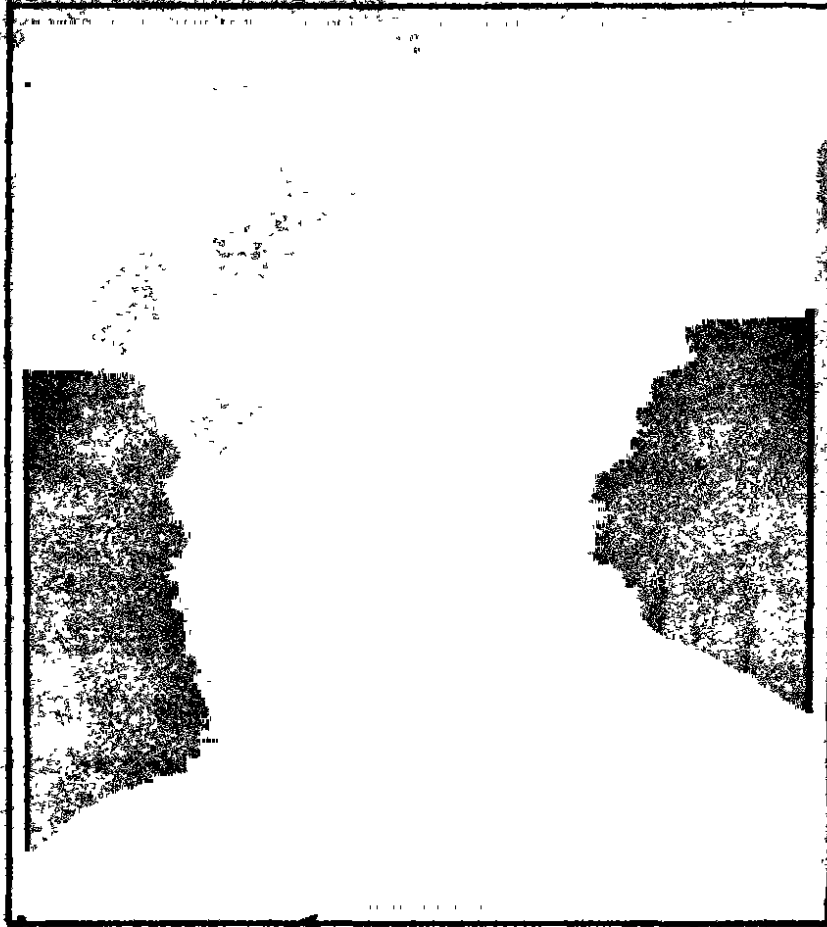
اے میرے مالک، تجھ سے میری دعا یہ ہے کہ
میرے قلب کی بنیادِ افلاس کو دور کر دے، مجھے قوت دے کہ
اپنے آلام و مسرت کو آسانی کے ساتھ برداشت کر سکوں
مجھے قوت دے کہ غریب کو کبھی نظر انداز نہ کروں اور اپنے
زانو گستاخ قوت کے سامنے نہ جھکا دوں
مجھے قوت دے کہ اپنے نفس کو روزمرہ کی حساس سے بلند رکھوں
اور مجھے قوت دے کہ اپنی قوت کو محبت کے ساتھ تیری مرضی کے
سپرد کر دوں

گیتا انجلی کی ایک نظم کا آزاد ترجمہ

از: انوشیلا داس گپتا

ٹیگور کی ادبی تخلیقات میں سماجی نظریات

"پھولوں سے زیادہ انسانی چہرہ ہمیں اپنی طرف کھینچتا ہے، کیونکہ انسانی چہرہ میں صرف ظاہری حسن ہی ہر بات نہیں ہوتی بلکہ اس میں شعور بیداری اور اندرونی حسن کی بھی جھلک ملتی ہے۔ یہ خوبیاں ہماری بیداری اور دل ودماغ پر اثر انداز ہوتی ہیں، اور ہم ان خوبیوں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے "استدرجو بودھ" رابندرا ناتھ ٹیگور)۔ مندرجہ بالا کئی سطروں سے ہم رابندرا ناتھ ٹیگور کے ادبی شعور اور شاعرانہ تخیل کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ رابندرا ناتھ کے قائم کردہ

شانتی نکیتن کے [illegible] شرم میں غیر بنگالی، بھائی چارگی اور پیار محبت کی فضا [illegible] تھی، یہاں فرقہ پرستی کہیں بھی نام و نشان تک نہ تھا۔ شاعر سبھوں کے ساتھ پیار و محبت سے ایک جیسا برتاؤ کیا کرتے۔ یہاں ملازمین اور پروفیسروں کی تنخواہوں میں بہت ہی کم فرق تھا۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے طلبا، طالبات اور معلمین یہاں آئے۔ سبھوں کو یہاں راحت و پناہ ملی۔ کسی میں حسد اور خودغرضی کا جذبہ پیدا نہ ہوا اور نہ کسی نے ان جذبات کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ درجہ، طبقہ اور محنت کی تقسیم میں کوئی فرق نہ تھا۔ طلبا، اساتذہ اور دیگر کارکنگان سب ایک ساتھ میں ملکر کام کرتے۔ سب ایک ہی طرح کا کھانا بھی بھر کر کھاتے ہیں۔ شاعر سبھوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتے، اور سبھوں کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ کرتے۔ طلبا اور طالبات کے ساتھ بھی ایک جیسا سلوک کرتے۔ ان میں کسی قسم کا فرق پیدا نہیں کیا۔ اس قسم کے بیدار شعور کے بغیر ایک آرٹسٹ یا مصنف بیدار نہیں ہو سکتا۔

عالمی شاعر نے اس سلسلہ میں یوں کہا ہے کہ "آزادی کے بغیر اس غلامی کے دور میں کوئی زندہ رہنا نہیں چاہتا . . . . ناسمجھ اور گونگے لوگوں کے منھ میں زبان ہوتی ہے"۔

(نظم اس بار مجھے واپس کرو)

اس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ ہاتھ سے ہاتھ ملاکر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ پھر جب شاعر نے پورے اعتماد سے یہ کہا،

موجوں کے ساتھ لڑائی کر کے کشتی میں آگے بڑھنا ہوگا

تمہارا سنک مٹی میں مل جائے اسے میں کیسے برداشت کرسکتا

(نظم بلاکا)

اسی وقت سے لوگ شاعر کو دل سے اپنا عزیز سمجھنے لگے۔ دوسری طرف دیہی زندگی کا بھی شاعر پر بہت ہی اچھا اثر پڑا۔ شاعر کو دیہی عوام، مزدور، کسان، کہار، لہار دیہی لڑکے لڑکیاں ساتھ ہی دیہی مناظر نے بہت متاثر کیا۔ اسی لئے انھوں نے سرت چندر سے کہا تھا کہ وہ ایک عام لڑکی کی کہانی لکھے۔ شاعر رابندرا ناتھ

ٹیگور کا ایک اور خوبی یہ تھی کہ انھوں نے کبھی بھی یہ خیال نہیں کیا کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔ انھیں اس بات کا اقرار تھا کہ ان کی معلومات محدود ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کے بعد آنے والی نسل کے شاعر باقی ماندہ باتیں بتائیں گے۔ سنہ ۱۸۸۹ء میں شاعر ٹیگور نے ایک نظم "شنارتری" لکھی۔ اس میں انھوں نے انسان کی بابت اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

" برہمن، چھتری، وشنو اور شودر
سب کو ملکر سب کام کرنا ہوگا
بچے سے بوڑھے، سبھوں کو زندگی کے کام
ایک ساتھ کرنا ہوں گے "

رابندرا ناتھ کی شاعری میں انسانی محبت کا بار بار ذکر کیا گیا۔ لیکن انسانی محبت میں وہ جذباتی نہیں بنے بلکہ منصفانہ طریقہ سے کام کیا۔ جہاں انھیں عوام کے دکھ، مشکلات، ظلم اور بے انصافی کی بات معلوم ہوئی وہیں انھوں نے تحریری احتجاج کیا۔ مثال کے طور پر جلیاں والا باغ کے المناک واقعہ سنکر انھوں نے رات بھر جاگ کر گزاری انھوں نے اس وقت ہندوستان کے مشہور لیڈروں کو خطوط لکھے کہ وہ سب مل کر احتجاج کریں، لیکن کسی نے بھی ان کی بات نہیں مانی۔ شاعر کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ ناانصافی اور ظلم کے خلاف کھڑا ہونا شاعر کی سماجی ذمہ داری ہوتی ہے۔ لیکن یہاں انھیں ایک تار کی موسیقی کو چھوڑ کر ہتھیار اٹھانا پڑا۔ چار ہزار لوگوں کے مجمع سے کلکتہ مونومنٹ کے میدان میں انھوں نے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ بھارت کے لوگوں کو انصاف نہیں ملتا اور اسی وجہ سے وہ پریشان نظر آتے ہیں (سوال۔ نظم) اس کے بعد انھوں نے "اپنا نائٹ ہڈ" خطاب واپس کر دیا۔

رابندرا ناتھ کے "راجہ رانی" ناٹک میں ہم نے یہ دیکھا کہ "تکلیف اٹھانے والے بغاوت کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ "بھیک مانگ کر کچھ نہیں ہوگا۔ ہم لوگ لوٹ مار کریں گے یا، جس کے دل میں ہمت ہے وہ ملک الموت سے نہیں ڈرتا۔" گرچہ ظاہرا انھوں نے کسی کے سامنے بغاوت کا مظاہرہ نہیں

کیا لیکن ناٹک میں وہ اپنے طور پر بغاوت کا خیال کیا کرتے۔
اس سلسلہ میں مختلف لوگوں کے مختلف خیالات ہوتے ہیں لیکن
ہمارے عالمگیر خیالات میں چھوٹے چھوٹے خیالات کافی اہمیت
کے حامل ہوتے ہیں۔ 'راجہ ورانی' ناٹک میں جالندھر مزدوروں اور
کسانوں کے احتجاج کے دوران ان لوگوں سے یہ کہا "تب مذہب
کی ضرورت نہیں، ہتھیار اٹھاؤ" اس ناٹک میں اس وقت کے
سیاسی حالات کی صحیح تصویر ملتی ہے۔ نقادوں کا کہنا ہے کہ
مہاراشٹر میں عورتوں کی بابت رما بائی نے جو تقریر کی تھی، رابندرا
ناتھ اس سے متاثر ہوئے تھے۔ اس تقریر میں اس بات پر زور
دیا گیا تھا کہ مردوں اور عورتوں کے حقوق ایک ہیں، ان میں کوئی
فرق نہیں ہے۔ یہ باتیں سننے کے بعد ہی انھوں نے مذکورہ ناٹک
لکھا۔ اس کے باوجود یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاعر نے بہت ہی
باثر طریقہ سے یہ ناٹک لکھا اور اس ناٹک میں دیگر باتوں
کے علاوہ عوام کی زندگی کے مسائل کو ابھارنے کی کوشش کی۔
'ویشرجن' ناٹک میں رابندرا ناتھ نے 'گووند' کے کیریکٹر کے ذریعہ
جمہوریت اور جمہوری حقوق کی اہمیت پیش کرنے کی کوشش کی۔
ساتھ ہی انھوں نے یہ دکھانے کی کوشش کی کہ 'دیوتا کا پریم
اہم نہیں ہے' بلکہ اس دنیا میں لوگوں کے ساتھ پیار و محبت کے
ساتھ رہنا اہم ہے" اس ناٹک میں 'گووند مانک' یہ کہتا ہے۔
"راجہ کو شکست دیکر سلطنت نہیں ملتی، بلکہ دنیا کو شکست
دے کر راجہ بنایا جا سکتا ہے" 'اوچرائتن' اور 'پراسچت' ان
دونوں ناٹکوں سے رابندرا ناتھ کی سماجی بیداری کا پتہ چلتا ہے۔
۱۹۲۶ء میں 'روکتو کروی' ناٹک میں انھوں نے سامراجیت
سرمایہ داری اور استحصال کی صحیح تصویر کھینچی۔ انھوں نے اس بات
کو عیاں طور پر دکھانے کی کوشش کی کہ جن لوگوں کا استحصال کیا
جاتا ہے، ان ہی کے خون پر امیروں کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔
'پراسچت' ناٹک میں انقلابی تصور رونما ہوتا ہے۔ دھننجے
کی زبان سے جب ہم یہ سنتے ہیں۔ "ہم لوگوں کی خوراک تمہاری
خوراک کی طرح نہیں ہے" تو اس وقت ایک مستحکم اور سرگرم کردار
کا پتہ ملتا ہے' ایسا کردار جس نے عوام کو

کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ ملک صرف عوام کا ہے اور عوام کے
لئے ہے راجہ کو خوش کرنے کے لئے نہیں ہے۔ رابندرا ناتھ نے
اس ناٹک میں اسی بات پر زور دیا کہ جی حضوری سے یا درخواست
کے ذریعہ ہمیں کچھ حاصل نہ ہوگا
ہمیں تو اپنی طاقت کے ذریعہ اپنا حق حاصل
کرنا ہوگا۔
ٹیگور کے ناٹک 'ڈاک گھر' میں سماجی بیداری بہت
نمایاں نظر آتی ہے۔ 'مکتو دھارا' ناٹک میں رابندرا ناتھ نے
یہ دکھایا کہ عوام کا نمائندہ گوشت پوست رکھنے والا انسان
ہوتا ہے اور یہی انسان اپنی جان کو ہتھیلی میں رکھ کر سماجی نظام
کو توڑتا ہے۔ جاگیرداری نظام کو ختم کرنے کی کوشش کرتا
ہے اور اس کوشش میں اسے اپنی جان عزیز کی قربانی دینی
پڑتی ہے۔ اس کے ناٹک کے لکھنے کے ایک مہینہ بعد شاعر نے
ماٹیر ڈاک (مٹی کی پکار) نظم لکھی ؎

چلو! مٹی کے سینہ میں واپس چلے جائیں
چلو! وہاں ہنسی خوشی سے جائیں، تاکہ
اینٹوں کی دیوار کو ہم سب توڑ سکیں

اس نظم میں شاعر نے مزدوروں کی بے بسی اور مالکوں کے
ظلم و ستم کا کافی اچھا نقشہ کھینچا ہے۔ اس نظم میں 'ابھیجیت' کو یہ ٹوٹ
یہ خبر دیتا ہے۔

"وہ لوگ آج مشین کے پیاسے راکشش کی پیاس بجھائیں
گے اور اس کے لئے ان لوگوں کو انسانی خون کی ضرورت ہے"۔

ٹیگور کے آخری دور کے مضامین اور نظموں میں جمہوری
بیداری کی نمایاں جھلک نظر آتی ہے۔ اپنے ناول 'روکتو کروی' میں
رابندرا ناتھ نے محروم اور استحصال کے شکار مزدوروں کی، ساتھ
ظالم مالکوں کی، جو مزدوروں کو گڑیوں کی کھیل کھلاتے ہیں، بہت
صحیح اور نمایاں تصویر پیش کی۔ اسی طرح ان کے ناول 'نوندنی' میں
نوندنی بے رحم محل میں رہنا پسند نہیں کرتی۔ وہاں اس کا دم
گھٹتا ہے، کیونکہ وہ دیکھتی کہ اس محل میں رہنے والوں کی خوشی میسر
نہیں ہے۔ اس کی یہ دلی خواہش تھی کہ بے رحم فضا میں انسانی روح

پھونکی جائے [illegible] کو خوشی حاصل ہو۔ اس لئے وہ اس بات کی کوشش کر [illegible] کہ لوگوں میں خوشی کا جذبہ بیدار ہو۔ وہ اس سلسلہ میں رقمطراز ہے "تم سب ایک تاریک سُرنگ میں رہتے ہو۔ میری خواہش یہ ہے کہ میں اس تاریک سُرنگ کے ڈھکنے کو کھول کر اس میں روشنی بھر دوں اور اس خراب جال کو توڑ کر، پھاڑ کر، وہاں سے لوگوں کو باہر نکالوں" عوام کے خلاف ہونے والے ظلم و ستم کے خلاف بھی نوندنی نے احتجاج کرتے ہوئے کہا "میرے رنجن کو یہاں لاؤ، میرے مردہ جسم میں جان آجائے گی"۔

ٹیگور کے 'کالیرجاترا' ناٹک میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ محنت کش لوگ قدامت پسندی کے جال کو توڑ کر باہر نکل آئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سماجی بیداری شاعر کے قلم سے بھی ظاہر ہونے لگی۔

"آج سب مل کر یہ بولو —
جو لوگ اتنے دنوں تک مرے پڑے تھے، وہ سب آج زندہ ہو کر اٹھیں، جو لوگ جگ جگ میں چھوٹے تھے، وہ سب ایک بار سر اٹھا کر کھڑے ہوں۔"

رابندر ناتھ خود بھی یہ کہتے کہ وہ سیاسی رہنما نہیں ہے، لیکن جب جنگ عظیم کا سایہ سارے ملک پر پھیلنے لگا، اور ہر طرف ناانصافی اور ظلم و ستم کا بازار گرم ہونے لگا۔ تو اس وقت وہ خاموش نہ رہ سکے اور ظلم و ستم اور ناانصافی کے خلاف احتجاج کرنا شروع کیا۔ اس کی مثال ان کی مختلف تخلیقات میں ملتی ہے۔

یورپ میں سامراجیت کی لالچ کو دیکھ کر انھوں نے اپنے مضمون 'کالانتر' روقت یہ وقت [illegible] میں لکھا "مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ اظہار خودی کی آزادی یورپ کا ایک اہم خیال ہے۔ لیکن آج ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ میں اس آزادی کو دبانے کی کوشش دن بدن تیز ہوتی جا رہی ہے" رابندر ناتھ دل سے یہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان کی آزادی کے لئے ہندوستانیوں میں جتنی بیداری پیدا ہوئی ہے، اسے حاصل کرنے کے لئے اتنی طاقت پیدا نہیں ہوئی ہے، اور یہ کہ اس سلسلہ میں کسی نے بھی کوشش نہیں کی۔ قدیم اور فرسودہ رسم و رواج پر مبنی سماج کو اگر توڑا نہ جائے تو ہندوستان کو کبھی نجات نہیں ملے گی۔ ہر شخص کو عالمی آزادی اسی وقت حاصل ہوگی جب وہ خود آزاد ہوگا۔ رابندر ناتھ کے خیالات 'کالانتر' میں درج 'لوکوہت' سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ لوکوہت میں انھوں نے یہ کہا۔ "کسی شخص کو دوسروں کو بے عزت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے دوسروں کو بھیک دینا یا دوسروں پر رحم کرنا، انسان کو احساس برتری میں مبتلا کر دیتا ہے۔ بھیک دینے یا رحم کرنے سے بھیک دینے والے یا رحم کرنے والے کے غرور کا اظہار ہوتا ہے۔ جو بھیک لیتا ہے وہ انسانیت کی بے عزتی کرتا ہے ایک بھکاری کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ اس کے سامنے پستی کی راہ کھول دی جاتی ہے۔" اس لئے ٹیگور نے بلا ہچکچاہٹ یہ اعلان کیا ہے کہ اگر عوام کی بھلائی کرنی ہے تو سب سے پہلے عوام کو تعلیم یافتہ بنانے کی کوششیں کرنی چاہئیں۔ اسی طرح گاندھی جی کے چلائے ہوئے عدم تشدد تحریک کی رابندر ناتھ کسی طرح بھی تائید نہ کر سکے۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اس تحریک کے معنی یہ ہیں کہ منت سماجت کی جائے اور اس طرح انسان کو کمزور بنا دیا جاتا ہے۔ آزادی کے لئے بہادرانہ خیالات اور کام پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ آزادی حاصل کرنے کے لئے قربانی دینے کی ہمت کی ضرورت ہے۔ انگریز از راہ مہربانی اس ملک کو آزادی نہیں دیں گے۔

یہ کہنا ہی پڑیگا کہ رابندر ناتھ ٹیگور نے سماج کے کسی مسئلہ سے منہ نہیں پھیرا۔ انھوں نے بڑھ کر ان کا مقابلہ کیا اور انھیں حل کرنے کی کوششیں کیں۔ تعلیم کے سلسلہ میں ان کی سماجی بیداری کا جذبہ بہت نمایاں ہو جاتا ہے۔ مادری زبان کے ذریعہ ہی ملک کے لوگوں کو اچھی تعلیم دی جا سکتی ہے۔ انھوں نے اس سلسلہ میں یوں کہا "مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دیجئے ہم علم کو مکمل طور پر طلبا کے حوالے کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ باتیں ابھی تک ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ مثال کے طور پر اگر یہ کہا جائے کہ انگریزی ہوٹل یا دوکان کے علاوہ کسی اور دوکان میں ملک کے عوام کو کھانے پینے کی چیزیں نہیں ملیں گی، یا یہ کہ انگریزی زبان کے علاوہ مادری

زبان کے ذریعہ تعلیم نہیں دی جا سکتی۔ تو یہ دونوں ایک ہی
بات ہیں" ربندرا ناتھ نے تعلیم کو تمام لوگوں کے لئے عام کرنا چاہا۔
انھوں نے ایسی تعلیم کی خواہش کی جس سے ملک کے تمام لوگ فیضیاب
ہو سکیں۔ اسی لئے انھوں نے شری نکیتن میں کام کرنے والوں کو مخاطب
کرتے ہوئے کہا تھا "گاؤں والوں کی بے عزتی نہ کرو۔ جس تعلیم کی
ہمیں ضرورت ہے، وہ صرف شہری لوگوں کے لئے ہی نہیں ہے۔
سارے ملک میں اسی طریقہ تعلیم کو بر سر عمل لانا ہے۔ یاد رکھنا
چاہیئے کہ تعلیم حاصل کرنا ہر ایک کا پیدائشی حق ہے گاؤں
گاؤں میں آج لوگوں کو یہ حق دینا ہوگا۔ آج ہماری سب سے بڑی
ضرورت یہ ہے کہ سبھوں کو ایک جیسی تعلیم دی جائے۔ ہمیں نئے
جگ کے دعویٰ کو پورا کرنا ہوگا۔ (پوتاسیوا، پوپی پرکرتی۔ ٹیگور)

ربندرا ناتھ کی سماجی بیداری کافی گہری تھی اور اس وجہ
سے وہ سماج کی فلاح و بہبود کے مسائل پر شدت سے غور و فکر
کیا کرتے۔ سنہ ۱۹۳۱ء کے جون مہینہ میں ان کے 'روس کے خطوط'
کا اشاعت ہونے کے فوراً بعد ہی) انگریزی سرکار نے اشاعت
کی ممانعت کردی اور شائع ہونے والی تمام کتابوں کو ضبط
کر لیا۔ لیکن ربندرا ناتھ نے اس کا غم نہیں کیا۔ یہ کہا جا سکتا
ہے کہ انگریزی سرکار کے اقدام کو انھوں نے کوئی اہمیت
نہیں دی۔ انھیں اس بات پر دلی یقین تھا کہ چوٹ پہونچانے
سے چوٹ لگنے کی تکلیف بھی برداشت کرنی چاہیئے۔

سرت چندر کی کتاب 'پوتھیر داپی' جب ضبط ہوا تھا،
اس وقت ربندرا ناتھ نے کہا تھا "حکومت کی ہے جسمانی طاقت
اور اس طاقت کے خلاف کھڑے ہونا ہمارا فرض ہے۔ لیکن
اس کے لئے دلی طاقت کی ضرورت ہے یعنی اگر سرکار کی طرف
سے حملہ ہو تو ہم اسے برداشت کر سکیں لیکن افسوس تو اسی
بات کا ہے کہ ہم اس قوت کو انگریزوں میں ڈھونڈنے کی
کوشش کرتے ہیں، لیکن اپنے اندر نہیں۔"

عالمگیر شاعر ربندرا ناتھ ٹیگور ہندوستانیوں کی
انگریزوں سے دلچسپی کو دیکھ کر بہت فکر مند ہوئے۔
اسی لئے انھوں 'سبھوتا شو نکٹ' (ثقافتی الجھن) میں یہ کہا

"اس وقت ہم لوگوں نے اپنی ذاتی آزادی کی کوشش کی تھی، لیکن دل
کے اندر انگریزوں کی رحمدلی پر یقین تھا۔"

ربندرا ناتھ کے ناولوں میں ان کی سماجی بیداری کی جھلک
نمایاں نظر آتی ہے۔ انھوں نے کبھی بھی مردوں اور عورتوں کو کام
کے لحاظ سے الگ الگ نہیں کیا۔ ان کے خیال کے مطابق دونوں
کے مساوی حقوق ہیں۔ دونوں کے خیالات بھی ایک ہی طرح کے
ہوتے ہیں۔ اس لئے دونوں کو ایک دوسرے کی مدد کرنی
چاہیئے۔ اسی لئے ٹیگور کے 'نوکاڈوبی' (ناؤ ڈوبا) کی ہمنولنی
گورا، کی 'سوچریتا'، جوگاجوگ، کی 'کومودینی' کے کیریکٹر کی
روپ میں جن خیالات کو پیش کیا گیا، 'سیشیر کویتا' کے
لابنو کے کیریکٹر میں انھوں نے ان کی مکمل تصویر پیش کی ہے
'امیت' نے بات دیکھا کہ لابنو عقل کی روشنی میں ہر بات
کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کیں۔

ربندرا ناتھ سیاسی اور سماجی کام کاج کے لئے کتنا
سوچ و بچار کیا کرتے، یہ ان کے مضامین سے عیاں ہو جاتا ہے
انھوں نے اس سلسلے میں اپنی کتابوں میں بہت ہی معقول
دلائل پیش کئے۔ تقسیم بنگال کے خلاف جو تحریک چلائی گئی تھی
اس میں وہ براہ راست شریک تھے۔ لوگوں کی روحانی
طاقت کو انھوں نے سمجھنے کی کوشش کی۔ 'راکھی بندھن'،
'سیواجی اُتسو'، وغیرہ جیسی قومی نظموں میں سماج کی بابت
ان کے خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ 'آتو شکتی'، 'بھارت برشو'،
'راجہ پرجا'، 'سودیشی'، 'پورنچوئے'، 'کالنتور'، 'شوبھو تار
سونکوٹ'، میں انھوں نے ایک ایسے با اثر اور ہمدرد مصنف
کا کردار ادا کیا ہے، جس سے ملک بلاشبہ کچھ سیکھ سکتا ہے
کچھ کر سکتا ہے۔

ربندرا ناتھ ٹیگور میں تردیدی، خصوصیات بھی تھیں
یعنی ابھی وہ ایک بات سوچتے، پھر دوسرے لمحہ اس کے مختلف
باتیں ان کی ذہن میں آجاتیں۔ انھوں نے بہت سی تردیدی
باتیں کہیں ہیں جیسے 'جو لوگ 'فرق' کو قصداً اپنے دل میں
رکھتے ہیں۔ وہ سب آزادی چاہتے ہیں۔ اس بات،

باقی صفحہ ۲۳ پر

الف۔ ڈی۔ داس

شانتی نکیتن

ہوڑہ سے ۱۴۶ کیلو میٹر کی دوری پر مغرب کی طرف بولپور واقع ہے۔ پھر بولپور ریلوے اسٹیشن سے تین کیلو میٹر کے فاصلہ پر شمال کی طرف شانتی نکیتن ہے۔

سو ڈیڑھ سو سال قبل یہ جگہ بالکل ویران تھی۔ یہاں بہت ہی وسیع اور کھلا میدان تھا۔ اتنے بڑے میدان میں پیپل کے دو بہت بڑے اور گنجان درخت تھے۔ ایک دن شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کے والد مہارشی دیوندرا ناتھ ٹیگور بولپور کے اسی علاقے سے گزر رہے تھے اس وقت انھیں یہاں کا پُرامن اور وسیع علاقہ بہت پسند آیا۔ اس میدان میں ایک پیپل کے درخت کے نیچے وہ گاڑی سے اترے اور عبادت کی۔

یہاں عبادت کرنے سے انھیں اتنی دلی شانتی ملی جسے الفاظ بیان نہیں کر سکتے۔ اس کے فوراً بعد ہی انھوں نے ، ایکڑ زمین پر پھیلے ہوئے اس میدان کو یکم مارچ ۱۸۶۳ء میں زمین کے مالک پرتاپ نارائن سے خرید لیا۔ پھر ایک سال کے اندر ہی یعنی ۱۸۶۴ء میں انھوں نے مکانات تعمیر کیے، باغات تیار کیے اور اس جگہ کا نام شانتی نکیتن رکھا۔ اس جگہ اپنے قیام کے دوران وہ اسی پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھ کر تپسیا کیا کرتے۔ آہستہ آہستہ بہت سارے لوگ یہاں آنے لگے اور آشرم میں رہنے لگے جن میں ان کے رشتہ دار بھی تھے۔

رابندرا ناتھ ٹیگور، جب ان کی عمر ۱۲ برس کی تھی، اپنے باپ کے ساتھ پہلی بار یہاں آئے۔ جب وہ یہاں آئے تو اس وقت انھوں نے کہا، "میری زندگی نامکمل رہتی اگر مجھے یہاں آنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ یہاں آ کر

مجھے یہ محسوس ہوا کہ میری روح کو آزادی ملی۔ کھلی ہوا کھلے ماحول میں مجھے سانس لینے کا موقعہ ملا" بچپن میں انھوں نے کلکتہ کے بہت سارے اسکولوں میں تعلیم حاصل کی، لیکن کسی بھی اسکول میں ان کا دل نہیں لگا۔ اپنے اسکول کے دنوں کے تلخ تجربہ کو انھوں نے یوں بیان کیا "بہت ہی درد اور افسوس کے ساتھ مجھے یہاں یہ کہنا پڑتا ہے کہ بچوں کی پرورش اور تعلیم کے لئے یہاں جو مشینری تیار ہوئی ہے اور جسے اسکول کہتے ہیں، اس کے ذریعہ بچوں کی تعلیم مکمل نہیں ہوسکتی۔ مکمل تعلیم کے لئے بچوں کو آشرم اور قدرتی ماحول کی ضرورت ہے"۔

باپ کے آشرم دیکھنے کے بعد رابندرناتھ نے یہاں ایک اسکول کھولنے کا ارادہ کیا، اور اس طرح ۲۲ر دسمبر ۱۹۰۱ء میں یہاں ایک رہائشی اسکول، بنام برہموچاری آشرم، کھولا گیا۔ اس اسکول میں طلباء کو تعلیم کے علاوہ خوراک اور رہائش کی سہولتیں فراہم تھیں۔ سب سے پہلے یہاں پانچ طلباء نے داخلہ لیا۔ یہاں زندگی سیدھی سادی تھی۔ عیش و عشرت کا سامان نہ تھا۔ نرامش کھانا، آشرم میں تعلیم، صبح و شام برہمو اشور کی عبادت اور نیلے آسمان کے تحت درخت کے نیچے بیٹھ کر پڑھنا لکھنا۔ اس اسکول کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے برہمو باندھب اوپادھیائے نے شاعر ٹیگور کی کافی مدد کی۔ وہ بذات خود صوفی صفت انسان تھے۔ انھوں نے ہی پہلی بار رابندرناتھ ٹیگور کو 'گرودیو' کہا تھا اور اسی وقت سے ٹیگور گرودیو کہلانے لگے۔

رابندرناتھ ٹیگور نے یہاں دیہی ماحول اور قدرتی مناظر کے تحت بہت ہی خوبصورت اور آسان طریقے سے نئے نئے تجربات کر کے طلباء اور طالبات کے اندر علم کو عام کیا۔ یہاں طلباء کے لکھنے پڑھنے کے علاوہ مختلف موسموں کو خوش آمدید کہنا، موسمی تہوار کے ذریعہ طلباء کو قدرت کے ساتھ ملانا اور اسی کے ذریعہ ان کے اندرونی حسن کو اجاگر کرنا، ان تمام باتوں کو شاعر نے اپنایا اور

ٹیگور سنگیت، جسے رابندرا سنگیت کہتے ہیں، اگر صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو یہ کلاسیکی اور دیہی سنگیتوں کی آمیزش ہے۔ سنگیت خوانی کے اوائل دور میں یعنی سنہ ۱۸۸۰ء اور سنہ ۱۹۰۰ء کے درمیان ٹیگور نے خاص طور پر کلاسیکی دُھنوں پر زیادہ زور دیا۔ یہاں بھی انھوں نے کلاسیکی سنگیت کی ایک خاص شاخ، جسے 'دھرو پد' کہتے ہیں، پر زیادہ زور دیا۔ یوں تو کلاسیکی سنگیت تو چار شاخوں پر مشتمل ہے: دُھرو پد، خیال، ٹپّا اور ٹھمری۔ اپنے پہلے دور میں ٹیگور نے دھرو پد سے بہت کچھ حاصل کیا اور اس دور میں اُنھوں نے اپنی موسیقی کو مترنم بنانے کے لیے وشنو پوری دھرو پد کا سہارا لیا۔ اس وقت جسے برہم سنگیت (برہما کی عبادت کے لئے مذہبی سنگیت) کہتے ہیں وہ ٹیگور کے خیال میں ایک ایسا سنگیت ہے جس میں مذہبی اور عبادت کے الفاظ کو اس طرح سجایا جاتا ہے کہ انھیں

دھروپد' سر میں گایا جا سکے۔ دوسرے الفاظ میں دھروپد برہما سنگیت کی بنیاد ہے۔ آدی برہمو سماج کے خاص موسیقی ساز ہونے کی حیثیت سے نیز جوڑا سانکو ٹھاکر باڑی کے دیگر مذہبی مواقع کے تہواری ضرورت کے لئے بھی ٹیگور نے بہت سارے برہمو سنگیت لکھے۔

شاعر نے اپنی برہمو سنگیت کے لئے دھروپد پر بہت زیادہ انحصار کیا کیونکہ کلاسیکی موسیقی میں وہ اسی 'دھروپد' ہی سے واقف تھے۔ اس کے بعد انھیں 'ٹپا' اور کبھی کبھی 'خیال' سے بھی دلچسپی پیدا ہوئی۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے اندر موسیقی کی جو الہامی تحریک تھی وہ دھروپد پر مشتمل تھی' اور یہی بات ۱۹ ویں صدی کی آخری دو دہائیوں میں ان کی سنگیت پر چھائی رہی۔

وشنوپور کا اثر

شاعر نے دھروپد کو اتنی ترجیح کیوں دی؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ شروع شروع میں جب وہ موسیقی سیکھ رہے تھے تو انھوں نے کلاسیکی موسیقی میں دھروپد پر ہی زیادہ زور دیا تھا۔ اس وقت کے موسیقی کے وشنوپوری دھروپد گھرانے کے مشہور گویئے، جیسے جادو بھٹ، رادھیکا پرشاگوسوامی، گوپیشور بنرجی، سریندرا ناتھ بنرجی اور دیگر گویئے ٹیگور کے گھر پر جاتے اور وہاں اپنے فن کا مظاہرہ کرتے۔ ان میں سے بعض تو وہاں گانا سکھانے جاتے اور بعض وہاں گانے کیلئے جاتے۔

اس طرح ادی برہمو سماج کے باضابطہ گویے' ندیا کے وشنو چکرورتی روایتی دھروپد گیتوں کے استاد تھے اور ان سے ٹیگور نے اپنے پہلے دور میں کافی فیض حاصل کیا۔ اس عرصہ میں شاعر نے اعلیٰ کلاسیکی موسیقی خاصی دلچسپی سے اپنائی اور اس عرصہ میں انھوں نے جو بھگتی گیت لکھے وہ ان کی اس کلاسیکی موسیقی سے گہری دلچسپی کا نتیجہ ہے۔ برہما سنگیت' ایک ہندوستانی راگ ہے جو دھروپد سے ملتا جلتا ہے' صرف اس گیت کے الفاظ بنگلہ میں لکھے گئے ہیں۔

لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا جب شاعر صرف ایک ہندوستانی راگ پر انحصار کرنے پر مطمئن نہ رہ سکے۔ ان کی تخلیقی روح بے چین ہونے لگی اور تمام ضوابط سے نکل بھاگنے کی کوشش کرنے لگی۔ ہندوستانی دھروپد کے ضوابط بڑے سخت بوجھ ثابت ہوئے اور انھیں اب ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت کرنا نہیں چاہتے۔ ہندوستانی دھروپد موسیقی کی جو پابندیاں تھیں وہ اب ان کے لئے ناقابل برداشت بوجھ بن گئیں۔ اب موسیقی کی دنیا میں شاستری سنگیت کے اصولوں پر عمل کرنا ان کے لئے بار ثابت ہونے لگا اور وہ اب آہستہ آہستہ موسیقی کے ایک نئے تصور کی طرف آگے بڑھنے لگے۔

وقت کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے ان کی تخلیقی قوت زیادہ سے زیادہ بلند اور ناقابل مزاحمت بنتی گئی ویسے ویسے ان کے دل میں یہ خیال زور پکڑتا گیا کہ ہندوستانی راگ موسیقی سے" گرچہ اس کا ایک الگ حق ہے' ایک اپنی خاص جگہ ہے تاہم بنگالیوں کی قومی موسیقانہ اختراعی قابلیت کو پھلنے پھولنے کا موقع فراہم نہیں ہو سکتا۔ اس کے جذبات تو کہیں اور پڑے ہیں اور وسیع خزانہ کے علاوہ یہ اور کہاں پائے جا سکتے ہیں۔ یہ خزانہ بنگال کے دیسی گیتوں کا ہے جو بنگال کی زمین کے آسمان میں لہراتے پھرتے ہیں۔ دیہی گیت بنگالی زندگی کا جزو لانیفک ہے۔

نئی حقیقت

رابندرا ناتھ ٹیگور کے والد نے انھیں ۱۸۹۰ء کے لگ بھگ عرصہ میں ندیا ضلع میں سلائی داہ اور شمالی بنگال میں سجاد پور اور پتیسر کے علاقوں میں اپنی زمینداری کی دیکھ بھال کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ اس ذمہ داری سے انھیں کافی فائدہ پہنچا' کیونکہ شاعر کو پہلی بار دیہی باشندوں کی زندگی اور ان کے رہن سہن سے واقف ہونے کا موقعہ ملا۔ دیہی علاقوں میں جاتے ہی ان کے دل میں ایک نیا احساس پیدا ہوا کہ بنگلہ موسیقی کو صحیح معنوں میں بنگلہ موسیقی ہونے کے لئے یہ نہایت

ضروری ہے کہ وہ تخلیق ہو ساتھ ہی اس میں لوک موسیقی کی لازمی خصوصیات شامل ہونا اور ایسی خصوصیات دیہی بنگال کی فضا میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

باؤل، بھٹیالی، جاری، ساری، معرفتی، مرشدیا، بھاؤیہ گم بھیسا، چھکا، القاب، تُرسو، کرم، جھومر وغیرہ چند تسلیم شدہ بنگلہ لوک موسیقی ہیں اور غنائی نظم اور لکھنے والوں کی نئی گیتوں کی سروں میں لوک موسیقی کا کچھ نہ کچھ اثر ہوتا ہے اس طرح کی نئی قسم کی غنائی تخلیق میں صرف کلاسیکی سروں پر انحصار کافی نہیں ہوتا۔ اگر نغمہ نگار کی یہ خواہش ہو کہ ان کے گیت بنگالیوں کے دلوں پر اثر انداز ہو تو اس کے لئے ان کے گیتوں کے راگ کی غنائی خصوصیات میں دیہی موسیقی کی بھی آمیزش ہونی چاہیے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے گزشتہ صدی ۱۹ویں کی دہائی کے عرصہ میں یہ خیال شاعر کے دل و دماغ پر چھا گیا۔ جیسے جیسے شاعر ٹیگور عمر دراز ہوتے گئے ویسے ویسے ان کی نئی بیداری مستحکم ہوتی گئی اور اس صدی کے شروع یہ بیداری ان کی روح میں سما گئی اور جہاں تک ان کی موسیقانہ تخلیق کا سوال ہے، یہ ان کی تخلیقی روح کا ایک اہم جز بن گئی۔ انھوں نے ہندوستانی راگ کی موسیقی کی زنجیروں کو توڑ دیا اور وہ بنگال کے دیہی موسیقی کی طرف زیادہ سے زیادہ دھیان دینے لگے۔

دیہی گیتوں کی دو خصوصی لے، باؤل اور بھٹیالی ان کے گیتوں میں چھا گئی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جب شاعر کو اکثر زمینداری کی دیکھ بھال کے لئے سیلائداہ میں جانا پڑتا اور وہیں ان کی ملاقات مشہور باؤل گویے لالن فقیر سے ہوئی۔ سیلائی داہ میں رابندرناتھ 'کُٹھی باڑی' میں رہا کرتے تھے اور لالن فقیر کُٹھی باڑی کے آس پاس کے علاقہ میں رہتے تھے۔ ٹیگور گویے کے طرز زندگی اور باؤل موسیقی سے بہت زیادہ متاثر ہوئے بعض افراد اس کہانی کو غلط قرار دیتے ہیں، لیکن اگر یہ کہانی صحیح نہ ہو، تب بھی اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ لالن فقیر، گگن ہرکارہ، مدن باؤل جیسے صوفی صفت باؤلی گویوں کے فلسفانہ رویے اور گیتوں سے شاعر بہت زیادہ متاثر ہوئے، کیونکہ شاعر جب سیلائی داہ میں رہتے تھے تو اس علاقہ کے آس پاس یہ گویے بھی رہتے تھے اور ان کے گیتوں نے الفاظ اور دُھن کے لحاظ، ان پر گہرا اثر کیا نتیجہ میں اس علاقہ کی پوری فضا باؤل سنگیت سے گونج رہی تھی اور یہی وجہ ہے کہ شاعر اگر وہ کوشش کرتے تو وہ اس کی طاقتور اثر سے خود کو الگ نہیں رکھ سکتے۔ شاعر کی طرح جذباتی شخص، جو تاثر پذیر بھی ہوتے ہیں، باؤل کی زندگی کے سرایت کن اثر سے ضرور متاثر ہوں گے۔

ایک عظیم واقعہ

اور اس نتائج کا ایک یادگاری واقعہ اس وقت رونما ہوا جب شاعر اپنے دل و دماغ میں موسیقی کی بابت اپنے رویئے اور موسیقی کے ایک مناسب معیار کی تلاش کے لئے اپنے رویہ میں ایک تبدیلی محسوس کر رہے تھے۔ اس انطباق کو اتفاقی کہا جاسکتا ہے، یہ حالات کے پہلو بہ پہلو ہونے کا نتیجہ ہے لیکن جہاں تک شاعر کی موسیقی کی تخلیقات کا تعلق ہے، شاعر کے ذہن پر اس کا اچھا خاصہ اثر پڑا۔ اور بنگال کی تقسیم، جو ۱۹۰۵ء میں ہوئی، کے وقت اور اس کے بعد کے عرصہ میں شاعر کے گیتوں میں اس کا عکس ہم دیکھ سکتے ہیں اس تحریک نے شاعر کے دل و دماغ پر کافی گہرا اثر کیا اور انکی ادبی اور موسیقی کی خیالات میں نمایاں تبدیلی لائی۔

آرٹ کے ایک موضوع پر اور خاص طور پر موسیقی پر بحث و مباحثہ کے دوران ایک سیاسی واقعہ کا ذکر، پہلی نظر میں، تو غیر ضروری معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہوتا۔ خاص طور پر رابندرا۔ سنگیت کے تصور اور معیار کے ارتقاء کے پیش نظر اس کی نہایت ہی اہم ضرورت ہے۔ یہ سودیشی تحریک تھی جس نے شاعر کے رویہ میں تبدیلی لائی۔ انگریزوں کے لارڈ کرزن نے صوبہ بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا۔
اس فیصلہ کے خلاف ایک سودیشی تحریک

چلائی گئی تاکہ انگریزی سرکار اس فیصلہ کو واپس لے لے۔ اس تحریک کا شاعر پر بہت گہرا اثر پڑا اور دیشی چیزوں اور قدروں کی طرف ان کی توجہ مبذول ہوئی۔ یہ تحریک خاص طور پر سودیشی تحریک جس میں بنگال کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، کی پیدائش کی نقیب ثابت ہوئی۔ اس سودیشی تحریک نے بے انتہا سودیشی گیتوں کو جنم دیا اور ایسے گیتوں نے بنگالیوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ یہ تمام سودیشی گیت، خاص طور پر باؤل اور کچھ حد تک بھٹیالی جیسی دیہی سروں پر مبنی ہیں۔ یہ گیت ساخت میں دھرو پدی ہوتے ہیں اور اس میں چار لک یا قسمیں ہوتی ہیں، جیسی آستھائی انترا، سنچاری اور آبھوگ، کے وزن پر گیت لکھے جاتے ہیں اور سُر کے لحاظ سے یا تو باؤل یا بھٹیالی گیت ہوتے ہیں۔

باؤل کیلئے ترجیح شاعر نے بھٹیالی سے کہیں زیادہ باؤل سروں کا استعمال کیا، کیونکہ شاعر کے فلسفیانہ نظریہ کے ساتھ باؤل سروں کا خصوصی لگاؤ تھا۔ شاعر کے شانتی نکیتن میں، جہاں وہ رہتے تھے، اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں ایسے گیت بہت عام تھے۔ جبکہ بھٹیالی گیت مشرقی بنگال کی ندیوں کے کنارہ واقع علاقوں میں کثرت سے گائے جاتے اور ایسے گیت فلسفیانہ سے زیادہ جذباتی ہوتے ہیں۔ شاعر کو، جب وہ سلائی داہ میں پدما ندی پر کشتی میں رہتے یا سجادپور پاٹیسر میں رہتے، بھٹیالی گیت سننے کا کبھی کبھی موقعہ ملا، لیکن کبھی بھی بھٹیالی گیتوں سے انکا اتنا لگاؤ پیدا نہیں ہوا جتنا کہ باؤل گیتوں سے ہوا، کیونکہ باؤل گیت، مغربی بنگال کا، جہاں انھوں نے اپنی ساری زندگی گذاری، اہم لوک گیت ہے۔ باؤل نہ صرف ان کی موسیقانہ تخلیقات کے لئے ایک نمونہ ثابت ہوا بلکہ اسنے ان کو زندگی کی ایک نئی راہ دکھائی جس پر وہ اپنے تجربہ اور عمر کے زیادہ ہونے کے ساتھ گامزن ہوگئے۔

ربندرا سنگیت کے اندر دلوی چودھرانی، سومیندر ناتھ ٹیگور، شانتی دیو گھوش، اور شمبھو گوبا شاکر تا جیسے مشہور ماہرین کی اس سلسلہ میں ایک ہی رائے ہے کہ تقریباً ۶۰ سال پر پھیلا شاعر کے موسیقی دور کا درمیانی عرصہ کلاسیکی اور لوک گیت و سنگیت کی آمیزش کرنے کا بہترین دور گذرا ہے۔ یہاں بھی گیتوں کا باہری رخ میں کلاسیکی اثر پایا جاتا ہے، لیکن اندرونی اثر لوک سنگیت پر مبنی ہے۔ شاعر کی عمر کو جوں جوں بڑھتی گئی ان کے گیتوں سے کلاسیکی عنصر دور ہوتا گیا، اور اس کی جگہ لوک سروں نے لے لی۔ تقلید پسندی سے آزادی اور شاستری، سنگیت کے اصولوں سے آزادی نے ان کی نئی موسیقانہ تخلیقات پر بہت ہی نمایاں اثر کیا۔

نئے سُر نیا اور اہم رجحان ان کے گیتوں کے بحر اور سنگیت سے عیاں ہوجاتا ہے۔ انھوں نے پرانے 'تال' اور 'دھن' کو خیرباد کہا، ان کی جگہ انھوں نے اپنے گیتوں میں ایک نئے انداز کو اپنایا۔ اپنے گیتوں میں 'لوک لے' کا استعمال کرکے انھوں نے بنگال کے عوام کی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ انھوں نے لوک گیتوں کو ملک کے شہروں میں تعلیم یافتہ لوگوں کے درمیان مقبول عام بنانے کی کوشش کی۔ شہر کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ لوک سنگیت کم تر درجہ کا سنگیت ہوتا ہے اور دیہاتوں میں جاہل اور غیر مہذب لوگ ہی اسے پسند کرتے ہیں۔ شاعر ٹیگور نے شہر کے لوگوں کے اس خیال کو غلط ثابت کردکھایا۔ اب شہر کے لوگ بھی لوک گیت و سنگیت کو پسند کرنے لگے اور شہروں میں ان کا جوش و خروش کے ساتھ استقبال کیا کرتے۔ اس سے لوک سنگیت کو کافی فائدہ پہونچا اور اس کے لئے رابندرا ناتھ ٹیگور ہی مبارکبادی کے مستحق ہیں۔ ٹیگور کا نام بنگلہ موسیقی کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہیگا، کیونکہ وہی واحد اور پہلے شخص تھے جنھوں نے کلاسیکی اور لوک سنگیت کی آمیزش سے ایک نئی موسیقی اور ایک نیا دھن اور لے مرتب کیا۔

اس بار مجھے لوٹا دو

[illegible]

(بنگلہ سے ترجمہ)

[illegible]

[illegible]

انسب نادان، حیران، مرجھائے ہوئے گونگے چہروں کو
زبان دینی ہوگی، ان سب تھکے ہوئے اور ٹوٹے ہوئے سینوں میں
امید کی جھنکار پیدا کرنی ہوگی، پکار کر کہنا ہوگا
ایک لمحہ کے لئے سر اٹھا کر سب ایک ساتھ کھڑے ہو جاؤ، دیکھو تو،
جس کے ڈر سے تم ڈرے ہوئے ہو، وہ ظالم تم سے بھی زیادہ ڈرپوک ہے
جوں ہی تم جاگو گے وہ دوڑ کر بھاگے گا
جوں ہی کھڑے ہو جاؤ گے تم اس کے سامنے وہ کترا جائے گا۔
راستے کے کتے کی طرح سکڑ کر ڈر سے
دیوتا اس کے خلاف ہیں، کوئی نہیں ہے اس کا مددگار
صرف منہ سے بڑبڑاتا ہے، ویسے وہ جانتا ہے اپنی کمزوری دل ہی دل میں
اے شاعر اب چلے آؤ۔ اگر تم میں دم ہے
تو اس کو ساتھ لے لو اور آج اسے دے ڈالو،
بڑا دکھ ہے، بڑا درد ہے، سامنے مصیبتوں کی ایک دنیا ہے
بہت غریب سونی، بہت معمولی، بندھی ہوئی تاریکی سے بھری ہوئی
اناج چاہیئے، زندگی چاہیئے، روشنی چاہیئے، اور چاہیئے کھلی ہوا،
چاہیئے طاقت، چاہیئے تندرستی، چاہیئے، خوشی سے جگمگاتی ہوئی لمبی عمر،
چاہیئے ہمت و حوصلے سے پھیلی ہوئی چھاتی، اس غریبی کے بیچ اے شاعر
ایک بار لے آؤ جنت سے ایمان و اعتماد کی شوبھا،
اس بار مجھے لوٹا دو، مجھے لے جاؤ سنسار کے کنارے

رابندر ناتھ ٹیگور

از ڈاکٹر وویک بھٹاچاریہ

رابندر ناتھ ٹیگور کو جدید ہندوستان کے تصور کا معمار کہا جاسکتا ہے۔ ٹیگور، جنہیں پیار سے گورودیو کہا جاتا تھا ہندوستان کی تخلیقی بصارت کی علامت تھے۔ وہ شروع سے ہی ہندوستان کی قومی تحریک سے قریبی طور پر وابستہ رہے۔

قومی تحریک میں ٹیگور کا حصّہ تین درجہ ہے۔ ایک تو انھوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعہ ہندوستانی تہذیب کے تخلیقی عناصر کو پھر سے زندہ کیا۔ دوسرے یہ کہ انھوں نے ایک نئے نظام تعلیم کے بارے میں سوچا۔ تیسرے یہ کہ انھوں نے ہندستان کو وسعت نظر بخشی اور اسے عالمی نظریئے انسانی فلسفے اور جدید تصورات عطا کئے۔ ٹیگور کی "گیتانجلی" جس پر انھیں ۱۹۱۳ میں نوبل پرائز ملا تھا، ان کے تخلیقی شوق و لگن کی مظہر ہے۔ شانتی نکیتن کا عظیم ادارہ ان کے تعلیمی نظام کی یادگار ہے۔ وشو بھارتی یونیورسٹی نے ان کے عالمی نظریئے کی عکاسی کی ہے۔

روحانی لنگرگاہ

ٹیگور نے روحانیت اپنے والد سے ورثے میں پائی۔ ان کے والد مہارشی دیویندر ناتھ ٹیگور اپنشدوں کے فلسفے سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ ٹیگور شروع ہی سے ہندوستان کی قومی تحریک سے قریبی طور پر وابستہ تھے۔ انھوں نے انڈین نیشنل کانگریس کے پہلے دو اجلاس میں عملی حصّہ لیا جو ۱۸۸۶ اور ۱۸۹۶ میں کلکتے میں منعقد ہوئے تھے۔ وہ دن بنگال میں "سودیشی اندولن" کے دن تھے۔ اس صدی کے شروع میں یہ لہر ہندوستان بھر میں پھیل گئی۔

ٹیگور نے اپنے گیتوں کو ہندوستان کے مسائل سے وابستہ

میں لکھا ہے کہ "لفظ کے اصلی معنی میں وہ قومی شاعر تھے۔ ان کے دل میں ہندوستان بسا ہوا ہے۔ کسی اور چیز کی ان کے دل میں اتنی گنجائش نہیں ہے۔ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کیا چاہتا ہے اور ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ پیش حقیقت سے کیا۔ وہ ہندوستانی روح کے اندرونی کرب کو محسوس کرتے ہیں، ہندوستان کے ذہن میں ابھرنے والے جذبات اور شکوک و شبہات کو سمجھتے ہیں۔ انسے اس درد و کرب سے نجات دلانے کی خواہش کرتے ہیں جس سے وہ گذر رہا ہے، اور اسکی روح کو سکون دینے کے آرزومند ہیں۔ ہندوستانی زندگی کے غم و مسرت، امید بیم اور شبہات و عقائد ان کتابوں میں نظر آتے ہیں۔ جانسن کا انداز اختیار کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ٹیگور کا کلام ان جذبات سے بھرا پڑا ہے، جو ہر ہندوستانی کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں ان شبہات کی آواز سنائی دیتی ہے جو ہندوستانی عقیدے کو تاریک کر رہے ہیں جو کبھی درخشاں تھا۔

سماجی بصیرت

ٹیگور سماجی اعتبار سے ترقی پسند مفکر تھے۔ "گیتانجلی" میں وہ ان مذامت پسند اور متعصب قوتوں کی ملامت کرتے ہیں جو نفرت اور تنگ نظر ذات پات کا بیج بوتی ہیں۔ خاص طور سے ہندوؤں میں۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں، ہندوستان کو چاہیئے کہ سماج کے پسماندہ طبقوں سے جو انصافی ہوئی ہے اس کا کفارہ ادا کرے"۔

ٹیگور نے اپنے ڈراموں کے ذریعے روایتی مذہبی رسوم کی مخالفت کی اور ہمیشہ توہم پرستی اور تشدد کی مذمت کی۔ وہ ذات پات کے زبردست مخالف تھے۔ ان کے ایک خوبصورت ڈانس ڈرامہ "چنڈالکا" میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح ایک نیچ ذات کی لڑکی سے

سب نفرت اور حقارت سے پیش آتے ہیں، لیکن آخر میں ایک بدھ راہب ان کے ساتھ عزت برتاؤ کرتا ہے۔ ایک اور نظم "قربانی" میں ٹیگور نے دیوی کے چرنوں میں جانوروں کی قربانی کی مذمت کی ہے۔

گاؤں کی سمت مراجعت

گاؤں کے تہواروں یا میلوں سے متعارف کرانے کے برکش روپن آنسو یعنی شجرکاری کی تقریب منظم کر کے نیز پوس میلے یعنی فصل کے تہواروں کو مقبول بنا کر ٹیگور نے ہندوستان کی دیہی شکل میں یقیناً دریافت نو کی ہے۔ ٹیگور کا عقیدہ تھا کہ کسی شہر کی زندگی کتنی ہی جدید یا خوشحال کیوں نہ ہو، قوم کی خوشحالی کا اصل راز گاؤوں کی خوشحالی میں مضمر ہے۔

اقتصادی تعمیر نو

موجودہ صدی کے آغاز ہی میں ٹیگور نے خود کفالت اور دیہی ترقی کے بارے میں سوچا تھا۔ غالباً مراٹھی ادیب سکھرام گنیش دیوسکر کی بنگالی تصنیفوں سے جن میں سے ایک "دیشیر ڈاک" انگریزی حکومت نے ضبط کر لی تھی ٹیگور نے تحریک حاصل کی ہو گی۔ "سودیشی سوراج" میں ٹیگور نے لکھا ہے کہ ہندوستان کا دل گاؤں میں ہے، ان گاؤں کے مسائل ملک کے مسائل ہیں۔ ہندوستان تبھی ترقی کر سکتا ہے جب وہ اپنے آپ ان گاؤوں کو نئی زندگی بخشے" ٹیگور کو دیہی دستکاری اور صنعت و حرفت کی ترقی پر سو فی صد یقین تھا۔ اور انھوں نے شانتی نکیتن میں ایک تربیتی مرکز شروع کیا۔ جس میں خصوصی زور دستکاری پر دیا جاتا تھا۔ انھوں نے اپنے طلبا کو اس صدی کے شروع میں ان فنون میں خصوصی مہارت حاصل کرنے کی غرض سے جاپان بھیجا تھا۔ ٹیگور نے سماج کی ترقی کے لئے انفرادی کوششوں پر زور دیا ہے۔

حب الوطنی کے نئے معنی عطا کئے۔ مثلاً راکھی کے بھاریرا اپنے
گیت میں انھوں نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا ذکر کیا ہے
شیواجی پر اپنی نظم میں انھوں نے شیواجی کو قومی ہیرو
بتاتے ہوئے ایک قومی احساس عطا کی۔ "ایکلا چلو"
میں ہمارے شاعر نے قدیم سنتوں اور رشیوں کے تجربات
اور واردات تصوف کی پرچھائیاں دکھائی ہیں اور
اجتماع پر زور دیا ہے۔ ہندوستانی تہذیب کے ایک
اور شاہکار میں ہمارا شاعر کہتا ہے کہ "صرف وہ دیکھ
سکتا ہے جو تمام مخلوق کو اپنی طرح دیکھے" اور یہ
درحقیقت ویدانت کا عکس ہے۔ ہندوستان کے تصور
پر غالباً سب سے اچھے شاہکاروں میں سے ایک
"بھارت تیرتھا" ہے جو کہ "گیتانجلی" میں پہلی بار شائع
ہوا تھا۔ اس زبان زد خاص و عام نظم میں ہمارا شاعر
ہندوستان کی جملہ تواریخ پر طائرانہ نظر ڈالتا ہے۔
پھر اور یہ نتیجہ پیش کرتا ہے کہ ہماری تہذیب و ثقافت
کا قلب ہمہ رنگی میں یگانگت یا کثرت میں وحدت ہے۔
اس سے پہلے کسی واحد نظم میں اس فن کاری کے ساتھ ہندوستان
کی بقا، باہم رواداری اور محبت کی روح کو بیان نہیں کیا
گیا تھا۔

ٹیگور کی وطن پرستی

ٹیگور کا ہندوستان کا تصور یکتا تھا۔ یعنی ایسا
ہندوستان جو مکمل طور پر اپنے ثقافتی، سماجی اور سیاسی
اصولوں پر کھڑا ہوا ہو۔ ٹیگور کی وطنیت کا تصور ثقافتی
بنیاد پر مبنی تھا۔

ٹیگور کو ہندوستانی تہذیب کی زبردست رنگا
رنگی کا احساس تھا۔ اپنے مضمون "سماج اور ریاست"
(۱۹۰۶) میں ٹیگور نے کہا ہے کہ "ہندوستان کا باطنی
عقیدہ کثرت میں وحدت، رنگا رنگی کا احساس میں یگانگی
تلاش کرتا ہے۔ ہندوستان اختلافات کو تماز و تسلیم
نہیں کرتا، نہ ہی وہ ہر اجنبی میں عیب نکالنے اور دشمنی کرنے
کا قائل ہے۔ اس لئے ہندوستان کسی کو نہ تو پرے
دھکیلتا ہے، نہ کسی کو برباد کرتا ہے اور وسیع سماجی
نظام میں سب کے لئے ایک مقام عطا کرنے کی کوشش
کرتا ہے۔ یہ ملک ہر راستے کو تسلیم کرتا ہے اور جہاں
کہیں بھی عظمت نظر آئے اسے پہچانتا ہے۔ چونکہ
ہندوستان اتحاد کے لئے فطری صلاحیت رکھتا ہے
لہذا ہمیں خیالی دشمنوں سے خوف نہیں ہے۔ ہندو،
بدھ مت والے، مسلمان اور عیسائی سبھی کو یہاں
ہم آہنگی ملتی ہے۔

وسیع تر تہذیب کا نظریہ

ٹیگور نے ہندوستانی تہذیب کو ایک دریا سے
تشبیہ دی ہے۔ جس میں بہت ساری چھوٹی ندیاں
مدغم ہو جاتی ہیں۔ مختلف تہذیبوں کے مطالعہ کو مربوط
کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے ٹیگور نے کہا کہ
ویدک، پورانک، بدھ، جین، اسلام اور زرتشت
مذاہب کے ساتھ ساتھ یورپی مذہب بھی ہیں۔
تب ہی ہم اسے اپنا پائیں گے۔ دونوں کناروں کے بیچ میں
بہنے والا دریا یقیناً ہمارا ہے لیکن سیلاب کا مطلب
ہمارے لئے تباہی و بربادی ہے۔

ٹیگور کا نظریہ یہ تھا کہ تہذیب ذہن کی زندگی
ہے۔ زندگی کی طرح تہذیب بھی نشوونما پاتی ہے، حرکت
میں رہتی ہے اور اپنے آپ میں اضافہ کرتی ہے۔

قومی شاعر

اگرچہ ٹیگور تمام عالم کے شہری تھے لیکن قلب
سے وہ وطن پرست تھے۔ ٹیگور کے رول کا ذکر کرتے
ہوئے ڈاکٹر رادھا کرشنن نے اپنی کتاب "ٹیگور کا فلسفہ"

ایک جگہ لکھتے ہیں "ہندوستانی اپنے زیادہ سے زیادہ فرائض حکومت کو منتقل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اپنے سماجی رسم و رواج کی تشکیل کی اجازت بھی انھیں حکمرانوں کو دے رہے ہیں۔ اس میں ہمارے سماج کی بنیادی کمزوری کا راز ہے"

طرزِ تعلیم

ٹیگور نے مغربی طرز پر چلنے والے نظام تعلیم کی شدت سے مخالفت کی ہے۔ وہ انسانی ذہنوں کی تنگ خانہ بندی میں یقین نہیں رکھتے تھے، جس میں انسانی ذہن کو کلاس روم اور درسی کتاب کے صفحوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اپنے مضمون "ہندوستانی تہذیب کا مرکز" میں وہ کہتے ہیں کہ "ہم مشرق کے رہنے والوں کو اپنی زندگی کے مسئلوں کا بذات خود حل نکالنا ہے۔ جہاں تک ممکن ہوا ہے ہم نے اپنے کپڑے اور اپنا کھانا سادہ رکھا ہے۔ یہ بات ہمیں ہماری آب و ہوا نے سکھائی ہے۔ ہمیں دیواروں سے زیادہ دیواروں کے اندر روشن دانوں کے کھولنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے لباس سے روشنی اور ہوا کا زیادہ تعلق ہے اور بنکروں کے کرگھے کا کم" جدید نظام کی بنیادی خامیوں میں سے ایک ہے ترسیل کی کمی، طلبا اور اساتذہ کے درمیان زبردست ترسیلی خلا ہے اور تہذیب جو کہ ذہن کی زندگی ہے آدمی سے ہی آدمی تک پہنچ سکتی ہے۔ کتابی علم ہم کو کتاب پرست بنا دیتا ہے۔ تہذیب خود زندگی سے نشو و نما پاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی ذاتی یونیورسٹی وشو بھارتی میں ٹیگور نے پڑھنے اور پڑھانے والوں کے درمیان قریبی تعلق پر زیادہ سے زیادہ توجہ دی۔ انھوں نے بذات خود تمام طلبا میں انفرادی طور پر دلچسپی لی۔ ان کی درس گاہ میں طلبا اور اساتذہ کے درمیان غیر رسمی اور قریبی تعلق ہے۔

عالمی نظریہ

ٹیگور نے اپنے تصور کو اپنے ملک کی چار دیواری تک محدود نہیں کیا۔ ان کے دل میں دور دراز علاقوں کے کم ترقی پذیر ممالک کے لئے درد ہے۔ ان کی پر جوش للکار اپنے جاپانی فلسفی فنکار دوست اوکا کورا کے ساتھ مل کر بلند کی گئی: "ایشیا ایک ہے" آج ایک حقیقت ہے۔ ان کا ابھرتے ہوئے ایشیا کا تخیل حقیقی شکل اختیار کر رہا ہے اسی طرح ان کی افریقہ کے تئیں ہمدردی اور گہرا درد ان کی مشہور نظم "افریقہ" سے عیاں ہے۔ لہٰذا باقاعدہ ترقی یافتہ ہندوستان کو صرف ہندوستانیوں کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیئے۔

مختصر یہ کہ ٹیگور کا نظریہ یہ تھا کہ ہندوستان صرف اس وقت آگے بڑھ سکتا ہے جبکہ ہندوستانی تہذیب کی روح خاص و عام میں سما جائے۔ انھوں نے انسانی قدروں کو اولیت دی ہے۔ یہ قدیم روحانی متلاشیوں کی روایت کے عین مطابق ہے۔ ٹیگور اپنے خیالات کے اعتبار سے سچے سیکولر تھے۔ ہندوستانی پر اپنی مشہور نظم "تیرتھ یاترا" میں وہ سب کو خوش آمدید کہتے ہیں — ہندوؤں، عیسائیوں، مسلمانوں، جینیوں، سکھوں اور بدھ ملت والوں کو وہ انھیں ایک ہم آہنگ ٹیم کی شکل اختیار کر لینے کی دعوت دیتے ہیں۔ ٹیگور کے نئے ہندوستان کا تصور ہمارے قومی ترانے "جن گن من" میں گونجتا ہے۔ گیتانجلی میں بھی ٹیگور نے تفصیلی طور پر اس آزادی کی تصویر کشی کی ہے جس کی انھوں نے خواہش کی تھی۔ وہ دماغوں کو بے خوف اور علم کو بے کراں دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ "آزادی کی اس جنت میں میرے خدا میرے ملک کو بیدار کر دے۔" ٹیگور چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے پاس اپنے مسائل خود حل کرنے کے لئے اپنی فہم و فراست ہو۔ اسی وجہ سے انھوں نے کہا تھا کہ "ہندوستانی ذہن کو تسلیم کیا جانا چاہئے اور اسے بیدار ہونا چاہیئے یہ تھا ٹیگور کا ہندوستان کا تصور" ہند

رابندرا ناتھ ٹیگور کو ان کے بچپن میں کئی اسکولوں میں بھیجا گیا لیکن کہیں بھی ان کا دل نہ لگا، اور کسی بھی اسکول میں وہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ جو کچھ تعلیم انھوں نے حاصل کی وہ اپنے گھر پر کی۔ جوڑا سانکو، کلکتہ، میں واقع ان کا گھر بذات خود تمام سماجی، ثقافتی اور ترقی پذیر سرگرمیوں کا ایک مرکز تھا۔ نیز ان کے بھائی بہن بھی زندگی کے مختلف شعبوں کے ماہر تھے۔ روحانی تجربہ، فلسفہ، سائنس، ثقافت، شاعری، مصوری، موسیقی، ڈرامہ، قومی تعمیر، سماجی رفاہ، یہاں تک کہ کاروبار میں بھی، ان کے بھائیوں، بہنوں اور خاندان کے دیگر افراد کو کمال حاصل تھا۔

ٹیگور جب وہ بارہ برس کے تھے، اپنے والد مہارشی دیبندرا ناتھ ٹیگور کے ساتھ جب پہلی بار شانتی نکیتن گئے تو انھیں یہ جگہ بہت پسند آئی اور اسی جگہ انھوں نے ایک اسکول کھولنے کا ارادہ کیا۔ سن ۱۹۰۱ء میں انھوں نے شانتی نکیتن میں اپنا اسکول قائم کیا اور اسکول کے طلبا کو بذات خود قدرتی ماحول میں تعلیم دینی شروع کی۔ اپنے ذاتی تجربہ کے پیش نظر انھیں اس بات پر پورا یقین تھا کہ اگر انسانی بچہ کو اس کے قدرتی ماحول سے دور رکھ کر تعلیم دی جائے تو اس کی تعلیم نہیں ہو سکتی اور آئندہ زندگی میں اسے پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس کی تعلیم کی ٹوٹی پھوٹی نوعیت کا اثر اس کی شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے اور سماجی نابرابری پیدا کر دیتی ہے جس طرح ایک ماں اپنے بچے کو خوراک اور پیار و محبت دونوں دیتی ہے۔

اسی طرح ایک استاد کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بچہ کو قدرتی ماحول فراہم کرے۔ اس سلسلہ میں ٹیگور یوں رقمطراز ہیں:

قدرت کا یہ انتظام ہے کہ بچہ کو ماں دودھ پلاتی ہے۔ بچہ ماں اور خوراک دونوں کو ایک ہی جگہ ایک ہی وقت میں پاتا ہے۔ یہ ان کے جسم اور روح کے لئے مکمل غذا ہوتی ہے۔ اس طرح اس عظیم سچائی کی طرف بچوں کا یہ پہلا تعارف ہوتا ہے کہ اس دنیا کے ساتھ

ان کا حقیقی رشتہ ذاتی محبت کا ہے۔ اسی لئے بچوں کو یہ بات
ا ہے کہ [illegible] ایسی انسانی دنیا میں پیدا ہوئے ہیں جو
فطرت کی دنیا سے رشتہ ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے ہمیں ایک اور بات معلوم ہوتی ہے اور
یہ کہ صحیح تعلیم کی بنیاد دراصل ہمدردی ہے۔ اگر ایک بچہ کی جذباتی
ضرورتوں کو الگ رکھ کر اس کے جسم یا دماغ پر خصوصی زور دیا
جائے تو اس اقدام سے اس کی ذہنی قوت اور لیاقت پر اس کا
برا اثر ہوتا ہے۔ ایک بچہ کی ذہنی اور روحانی ترقی کے لئے اسے اس
تخلیقی دنیا کے لئے محبت کی ضرورت ہوتی ہے، ساتھ ہی استاد
اور شاگرد کے درمیان ہمدردانہ سوجھ بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے۔
اس سلسلہ میں شاعر یوں رقمطراز ہیں:-

ہم علم کے ذریعہ طاقتور بن سکتے ہیں لیکن ہمدردی کے ذریعہ
ہی ہم کمال حاصل کر سکتے ہیں۔ اعلیٰ ترین تعلیم نہ صرف ہماری
معلومات میں اضافہ کرتی ہے بلکہ دنیا کی تمام چیزوں سے ہماری
زندگی کو ہم آہنگ کر دیتی ہے۔ بچپن ہی سے ہمیں اس طریقہ سے
تعلیم دی جاتی ہے کہ ہماری زندگی فطرت سے دور ہو جاتی ہے،
ہماری زندگی کے اوائل سے ہی ہمارے دل و دماغ کو اس دنیا کا
مخالف بنا دیا جاتا ہے اس طرح ان تعلیمات سے، جنھیں حاصل
کرنے کے لئے ہم تیار بیٹھے تھے، کوتاہی برتی جاتی ہے اور اس کی

بچہ تجربے سے اطلاعات حاصل کرنے کے لئے ہمیں اپنی دنیا کو
کھو دینا پڑتا ہے۔"

فطرت اور ہمدردی کے اس پس منظر میں ٹیگور کا یہ خیال
تھا کہ تعلیم کو ایک خود رو طریقہ کار ہونا چاہئے۔ بچے جس طرح
شوق سے خوشی خوشی کھانا کھاتے ہیں، اسی طرح انھیں
اس طریقہ سے تعلیم دی جائے کہ وہ ہنستے کھیلتے اسے حاصل
کریں۔ اس لئے انھوں نے بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں بچوں کی
تحتی شعور کو بیدار کرنے پر زور دیا۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ
ٹیگور نے بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں ان تمام باتوں کو کافی اہمیت
دی جن سے بچوں کی سمجھ بوجھ اور خیالات کو تقویت پہونچتی ہے۔
وہ تعلیم کے سلسلہ میں بچوں کو بڑوں سے الگ نہیں سمجھتے۔ اس
سلسلہ میں وہ یوں رقمطراز ہیں۔ بچوں کی کتابیں ایسی ہوں کہ جنھیں
وہ پڑھ کر کچھ سمجھیں اور کچھ نہ سمجھیں۔ میں نے اپنے بچپن میں بہت ساری کتابیں
پڑھیں، ان میں سے چند کی باتیں ہماری سمجھ میں آئیں اور چند کی
نہیں، اور جو باتیں ہم سمجھ نہ سکے انھیں سمجھنے کے لئے ہم لوگ
دل ہی دل میں کوشش کرنے لگے۔ ٹھیک اسی طرح دنیا کا بچوں
کے شعور پر رد عمل ہوتا ہے۔ بچہ جو کچھ سمجھتا ہے، اسے اپناتا ہے
اور جو کچھ نہیں سمجھتا ہے، اسے سمجھنے کے لئے پیش قدمی کرتا ہے۔
شاعر نے اس تصور کو اپنے اسکول میں عملی جامہ پہنایا۔

استراین، شانتی نکیتن

ان کے گیت، کھیل، مضامین، مختصر کہانیاں اور ناول، شانتی نکیتن کی اسکولی زندگی کے اہم جزو بن گئے۔ میرا اسکول کتاب میں وہ یوں رقمطراز ہیں "مجھے میرے بچوں نے کبھی مایوس نہیں کیا۔ میرے ناٹک میں کون کیا کردار ادا کریگا، اس کا فیصلہ طلبا خود ہی کیا کرتے اور میں نے اس میں مداخلت کرنے کے لئے شاید ہی کبھی کسی استاد کو اجازت دی۔"

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تخلیقی تعلیم کو بروئے عمل لایا جارہا ہے۔

آخر میں میں انھوں نے خود اپنی زندگی سے یہ دریافت کیا کہ کوئی بھی تعلیم اس وقت تک تخلیقی نہیں ہو سکتی جب تک کہ بچوں کو ان کی مادری زبان میں نہ دی جائے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ ان کی ذہنی اور ادبی ترقی کے غیر معمولی کامیابی کی وجہ یہ ہے کہ انھیں ان کے بچپن میں ان کی اپنی مادری زبان۔ بنگلہ زبان میں تعلیم دی گئی۔ اپنی سوانح عمری میں انھوں نے اس سلسلہ یوں کہا۔" چونکہ ہمیں اپنا زبان میں تعلیم دی گئی اس لئے بہت ہی تیزی سے ہماری ذہنی ترقی ہوئی۔ کھانا کھانے کا طریقہ اور علم حاصل کرنے کا طریقہ دونوں بہت حد تک ایک جیسے ہیں۔ جب ہم پہلا لقمہ منہ میں ڈالتے ہیں تو سب سے پہلے زبان اس کا مزہ چکھتا ہے پھر اس خوراک کو حاصل کرنے کے لئے پیٹ بے قرار ہو جاتا ہے اور ہاضمہ کے تمام رس کام کرنے کے لئے بالکل تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس طرح کی کوئی بات ہمیں نظر نہیں آتی جب ایک بنگالی بچہ کو انگریزی پڑھائی جاتی ہے۔ بچہ کا تو انگریزی قواعد اور انگریزی الفاظ کے ہجے کو رٹتے رٹتے دن گذر جاتا ہے، لیکن اس کا اندرونی حصہ تو بھوکا ہی رہتا ہے، اور جب آخر کار قواعد اور ہجے کا مزہ محسوس کرتا ہے تو اس وقت اس کی بھوک غائب ہو جاتی ہے۔ اگر شروع ہی سے دماغ اپنی طاقت کے ساتھ کام نہ کر سکے تو وہ آخر تک غیر ترقی یافتہ رہیگا۔"

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رابندرا ناتھ ٹیگور نے شانتی نکیتن میں جو اسکول قائم کیا تھا اس کا مقصد ہی یہی تھا کہ وہاں بچوں کو آزاد، پر امن، خوبصورت اور قدرتی فضا میں پیار و محبت کے ساتھ تعلیم دی جائے۔

بقیہ: شانتی نکیتن

طلبا کو سکھایا۔

شانتی نکیتن کی بنیاد محبت — انسانیت سے شاعر کی محبت ہے۔ اسے محبت سے ہی برقرار رکھا گیا ہے۔ یہاں اساتذہ بہت ہی پیار و محبت سے طلبا کو پڑھاتے ہیں اور طلبا بھی بہت ہی پیار و محبت سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ شانتی نکیتن کی پوری فضا میں محبت کا یہی جذبہ پھیل چکا ہے اس لئے شاعر ٹیگور نے اپنے آشرم گیت میں ہمیں یہ بتا

ہم لوگ جتنی دوری پہ جائیں، آشرم ہم سے دور نہیں جاتا

ہم لوگوں کے دلوں میں، اکتارہ پریم کے ستار میں بندھا ہوا ہے

ہم لوگوں کے دلوں کو ایک ہی سر میں ملا دیا ہے۔

ہم لوگوں کے بھائی بھائی کی روحوں کو ایک کر دیا ہے۔

یہی ہے ہمارا شانتی نکیتن۔

بقیہ: ٹیگور کی ادبی تخلیقات

کے کوئی معنی نہیں ہوتے یا ہم لوگوں کے سماج میں ہم لوگوں کی انفرادی زندگی کے خیالات میں کمزوری ہے۔ اس بات کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرنے باوجود اسے پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کے باوجود ہماری یہی خواہش ہے کہ ہم اپنا کام خود کریں گے۔

اور بھی بہت سے مواقع پر انھوں نے تردید نظریہ کا اظہار کیا۔ کالنتر، اور چار ادھیہ، دونوں کتابوں کے لکھنے کے عرصہ میں صرف کئی مہینوں کا فرق ہے، لیکن دونوں کتابوں کے مصنف کی ذہانت اور انداز فکر مکمل طور پر دو مختلف افراد کی نظر آتی ہے۔ چار ادھیہ کتاب میں باغی ہیرو کو حد سے زیادہ خراب حالت میں دکھایا گیا ہے، لیکن کالنتر میں بالکل اس کے برعکس دکھایا گیا ہے۔ اس کے باوجود یہ کہنا پڑیگا کہ رابندرا ناتھ ٹیگور سماج کے کسی بھی مسئلہ سے نہ اداس ہوتے اور نہ منھ پھیر کر بیٹھتے۔ وہ انھیں حل کرنے کی کوشش کیا کرتے ساری زندگی انھوں نے ایک بیدار آرٹسٹ

از:- ڈاکٹر پربھاکر ماچوے
ڈائرکٹر
بھارتیہ بھاشا پریشد

شاعر ربندرا ناتھ کا ہندوستانی ادب پہ اثر

ربندرا ناتھ ٹیگور کو ان کی گیتانجلی کے انگریزی ترجمہ پر ۱۹۱۳ء میں نوبل پرائز ملا۔ اس کے بعد دو دہائی کے عرصہ میں بہت سارے ادیبوں اور شاعروں نے مختلف ہندوستانی زبانوں میں نثری نظمیں لکھنی شروع کیں۔ بہت سے شاعروں نے بنگلہ زبان سیکھی۔
میں یہاں چند کے نام پیش کرتا ہوں۔ اُردو شاعر جوش ملیح آبادی نے گیتانجلی کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ ہندی شاعر ثریا کانت ترپاٹھی 'نرالا' نے ٹیگور کی ۔۔ نظموں کا ہندی میں ترجمہ کیا اور انھیں ایک کتاب بنام 'ربندرا کویتا کانن' کی شکل میں شائع کیا۔ مراٹھی شاعر تمبے اور بورکار نے اپنی شاعری میں ٹیگور کا وسیع پیمانہ پر ذکر کیا۔ انیل اور پی۔ ایل۔ دیش پانڈے پونا یونیورسٹی میں ادب میں ٹیگور لیکچر دیا کرتے تھے۔ تیلگو شاعر رائے پرولو سبا راؤ نے ربندرا ناتھ کی رومانیت سے متاثر ہو کر 'ترنا کنکنا' کتاب لکھی۔ ملیالم شاعر جی شنکر کروپ ٹیگور کے علامتی پیش کش سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

ہندوستانی شاعری پہ ربندرا ناتھ ٹیگور کے گوناگوں اثرات ہیں۔ ظاہری سطح پہ تمام زبانوں میں نثر۔ نظم جیسی ایک مخلوط شکل نمودار ہوئی۔ سنسکرت میں 'چمپو' اس قسم کی نظم ہے، لیکن ہندوستان کی دیگر کسی بھی زبان میں شعر کو نثر میں نہیں لکھا گیا۔ دوسری بات یہ کہ ربندرا ناتھ کی شاعری میں عارفانہ اور باطنی خوبیاں ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کی نظموں کا بہت ہی گہرا اثر ہوتا ہے۔ انھوں نے اُپانیشد سے اور قرون وسطی کے بنگالی اور شمال ہندوستان کے مابعد الطبیعاتی شاعروں جیسے داود، نانک، کبیر وغیرہ سے بہت کچھ فیض حاصل کیا۔ اس کی وجہ سے ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء کے عرصہ میں ان تمام ہندوستانی شاعروں کے دلوں میں جو باطنی روحانی دور سے گذر رہے تھے، ان کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی۔ بنگال میں شری اروبندو اور وویکانند، مہاراشٹر میں تلک اور دیگر انقلابی، پنجاب میں لجپت رائے اور جنوب سبرامنیہ بھارتی اور ولاتھول جیسے مصلحین اور قوم پرستوں پر ٹیگور کا اثر گہرا ہوتا گیا۔ ٹیگور کی حب الوطنی کے گیتوں نے نوجوان شاعروں پر، جو انگریزوں کی غلامی کے تحت تڑپ رہے تھے، اچھا خاصہ اثر کیا۔

ٹیگور کی رومانیت رسکن اور ورڈسورتھ کی صرف فطرت کی طرف وابستہ نہ تھی، اور نہ شاعر برنس اور بائیرن کی 'فطرت سے دوری' تھی۔ ان کی نظموں میں ایک میٹھی

چاشنی تھی جو شیلے کی نظم "ہمارے میٹھے گیت وہ ہیں جو ہمیں غم کی بات سناتے ہیں" میں پائی جاتی ہے اور یہی بات فلسفی شاعر براؤننگ کے یہاں بھی پائی جاتی ہے۔ ٹیگور نے ٹینی سن اور سوئنبرن کی نظمیں ساتھ ہی شاعر بنڈرے لابیر کی نظموں کا ترجمہ بھی پڑھا لیکن ان کی تحریر میں ہندستانی شاعروں کا زیادہ ذکر ہے۔ ان کی شاعری میں کیٹس سے زیادہ کالی داس کا 'میرا آنند' اسے زیادہ شکنتلا کا ذکر ہے۔

اس طرح ان کی رومانیت مکمل طور پر ہندوستانی تھی نہ کہ انگریزی، فرانسیسی یا جرمنی رومانیت کی سوکھی ساکھی نقل۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کیوں روحانی محبت کا پرچار کیا کرتے۔ اسی لئے ان کی نظم 'بھانو سنگھیر پدوونی' اتنی زیادہ جذباتی نہیں ہے جتنی کہ ان کی نظم 'دریا' پچی ہے۔

ٹیگور کی شاعری کا تیسرا اثر نہ صوفیانہ ہے اور نہ رومانی ہے، بلکہ یہ انقلابی ہے۔ شاعر نے 'ہنکشا رونمو تو پرتھوی' اور 'افریقہ' جیسی نظمیں لکھیں۔ یہاں ہم اس ٹیگور کو دیکھتے ہیں جنھوں نے جلیاں والا باغ میں قتل عام کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اپنا 'نائٹ ہڈ' واپس کر دیا، جنھوں نے کانگریس کے اجلاس میں اپنی نظم 'بھارت تیرتھ' پڑھی اور جنھوں نے آزادی اور اس کے گیت لکھے۔ ٹیگور فاسسٹوں کے، سامراجیوں کے اور جنگ پسند طاقتوں کے خلاف تھے۔ انھوں نے سوویت روس میں کمیونسٹ تجربات کی نہ دل کھول کر تعریف کی اور نہ انھوں نے میکانیکی اجتماع کو سراہا۔ ادب میں بھی انھوں نے اپنے افسانہ 'چار ادھیا' میں ایسے رومانی انقلابیوں کا مذاق اڑایا۔ وہ جیسا کہ ان کے 'مکتو دھورا' سے ظاہر ہے، ریاستی مرکزیت کے خلاف تھے۔ وہ ایسی تعلیم، خاص طور پر ابتدائی تعلیم کے خلاف تھے جس کا صرف معاشی مقصد ہو۔ اس کے باوجود 'کاؤل' جماعت نے، گرچہ وہ ٹیگور سے دور رہنا چاہتی تھی، ٹیگور کی تعریف کی اور ان کی عزت افزائی کی۔ گرچہ نذرل نے کلاسیکی گیت اور موسیقی اور فارسی غزلوں سے بہت کچھ اپنایا تاہم ان کے گیتوں پر ٹیگور کی گیتا نجلی کا کافی گہرا اثر ہے۔

ٹیگور کی شاعری میں مسلسل ترقی ہو رہی تھی۔ وہ نئے نئے انداز میں گیت لکھتے، لیکن ان کی شاعری کے آخری دور کو لوگ اچھی طرح نہیں سمجھ پائے، کیونکہ اس دور کی شاعری کا وسیع پیمانہ پر ترجمہ نہیں ہوا۔ لیکن اس کے باوجود ٹیگور کی نظم 'ادھر ادھر اڑتی چڑیاں' (کانیکا) یا بچوں کے لئے نظموں (کھاپ چھاڑا) کا تمام ہندوستانی شاعروں پر گہرا اثر ہوا۔ ہندوستانی روایتی کہانیوں کی ڈرامیکی 'پریتیھا'، 'گوندھاری آویدن'، اور 'چنڈالیکا'، انھوں نے نئے انداز سے تشریح کی اور اس کا ہندوستانی ادب پر اچھا اثر پڑا۔ ملیالم میں کمارن آسن نے 'چنڈال بھکشوکی' اور گجراتی میں اوماشنکر جوشی نے اس اثر کے تحت مہابھارت کی کہانیوں پر مشتمل طویل نظمیں لکھیں۔ اسی طرح ٹیگور کی 'اروشی' نظم میں جو مفہوم پوشیدہ ہے، اس پر مبنی دیگر ہندستانی زبانوں بہت ساری نظمیں، جیسی تلگو زبان میں وائی ایس۔ ایم شاستری، ہندی میں ڈینکر لکھی گئیں۔ نیز ہندوستان کی دیگر زبانوں میں لکھی مختصر کہانیوں اور ناولوں میں بھی ٹیگور کا اثر پایا جاتا ہے۔ ان کی چھوٹی کہانیوں جیسی 'کابلی والا' اور 'چھٹی' کا تمام ہندستانی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ اس کے ساتھ اس کے ناول 'نوکا ڈوبے' اور 'گورا'، بھی دیگر ہندوستانی زبانوں میں دستیاب ہیں۔ ان کی بہت ساری نثری تحریروں کا جیسے 'انسان کا مذہب' ہندوستانی زبانوں کے علاوہ دیگر عالمی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ ان کی جیون سمرتی کا تمام ہندستانی

زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ مہتراں کی، لوک ساہتیہ اور
اتی ہاسی، کا مراٹھی میں، ساہتیہ کا ہندی میں شید
تتوا، کنّاڑا میں اور نو سپر چیتی، ملیالم زبان میں، ترجمہ
کیا گیا۔

اتنا کہنے کے باوجود ہمیں اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے
صدمہ ہوتا ہے کہ سال ۱۹۶۱ء میں ٹیگور کی صد سالہ سالگرہ کے
موقع پر ٹیگور کی کتابوں کا ترجمہ کرنے کا اور ٹیگور پر کتابیں
لکھنے کا بہت جوش و خروش کا اظہار کیا گیا تھا، لیکن آج
وہ بات کہیں نظر نہیں نظر نہیں آتی۔ ادیبوں اور مصنفوں کی
نوجوان نسل اتنا نہیں جانتی جتنی کہ انھیں دیگر زبانوں
میں ٹیگور کی تحریر کی بابت جاننا چاہیئے۔ یہاں تک
کہ انگریزی میں لکھنے والے ہندوستانی ادیبوں کو ٹیگور کے
انداز اور مقصد بیاں کی بابت شاید ہی کچھ معلوم ہو
خاص طور پر جدید شاعروں کو یہ نہیں معلوم کہ ٹیگور
نے ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کی ایک انگریزی نظم کا بنگلہ میں ترجمہ
کیا تھا۔ ٹیگور میں دلچسپی میں کمی کی بہت ساری سماجی
سیاسی وجوہ ہو سکتی ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ بنگلہ میں ٹیگور
کے پجاری اور ٹیگور کے مخالف ادیبوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی
ہے۔ اب ٹیگور کی کہانیوں پر مبنی فلمیں بھی تیار نہیں کی جاتیں۔

بقیہ صفحہ ۷۳

علاوہ انھوں نے کثیر تعداد میں افسانے، ناول، ناٹک اور بہت سارے
مختلف موضوعات جیسے مذہب، تعلیم و تربیت، سیاست اور
ادبی تنقید وغیرہ سے متعلق موضوعات پر مقالے تصنیف کئے۔ یہ الفاظ دیگر
ان تمام موضوعات نے ان کی توجہ مرکوز کی جن سے انسان کو دلچسپی و کشش
ہے اور جن سے عام لوگ دوچار ہیں۔ تابناک تخیل اور حیرت انگیز قوت
تخیل کے مالک رابندرا ناتھ ٹیگور نہ صرف شاعر اور ادیب تھے، بلکہ وہ
سنگیت کے ماہر اور بڑے مصور بھی تھے۔ اس کے علاوہ مذہب اور تعلیم
سیاست اور سماجی سدھار، اخلاقی ترقی اور اقتصادی تعمیر ان تمام
میدانوں میں انھوں نے غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ ٹیگور نے فن اور زندگی کو
الگ الگ تسلیم نہیں کرتے۔ وہ زندگی کو مکمل اور ناقابل تقسیم اکائی تسلیم
کرتے۔

رابندرا ناتھ ٹیگور بڑے گیت کار بھی تھے۔ انسانی دلوں کے دکھ درد اور
جذبات کی صحیح ترجمانی اور جیتی جاگتی تصویریں ان کے گیتوں میں ہوتی ہیں۔
ان کی نظمیں اپنے سنگیت اور شدت اثر کی وجہ سے صرف خصوصی
محاسن کے نمونے نہیں ہیں بلکہ خیالات اور جذبات کی مصوری کے لئے
بھی دنیا کی بلند ترین نظموں میں شمار کئے جانے کے قابل ہیں۔ مادی
کائنات اور انسان کی وحدت ان کی شاعری کی ایک بڑی خصوصیت
ہے گیتانجلی میں ان کی شاعری کا جو موضوع ہے وہ ہماری روزمرہ کی
زندگی اور اس کے چھوٹے چھوٹے تجربات سے ہی لیا گیا ہے۔
رابندرا ناتھ ٹیگور اپنی پوری زندگی میں صداقت کے متلاشی رہے
ان کی شہرت زمان و مکاں سے بالاتر ہو کر جاوداں بن گئی ہے۔
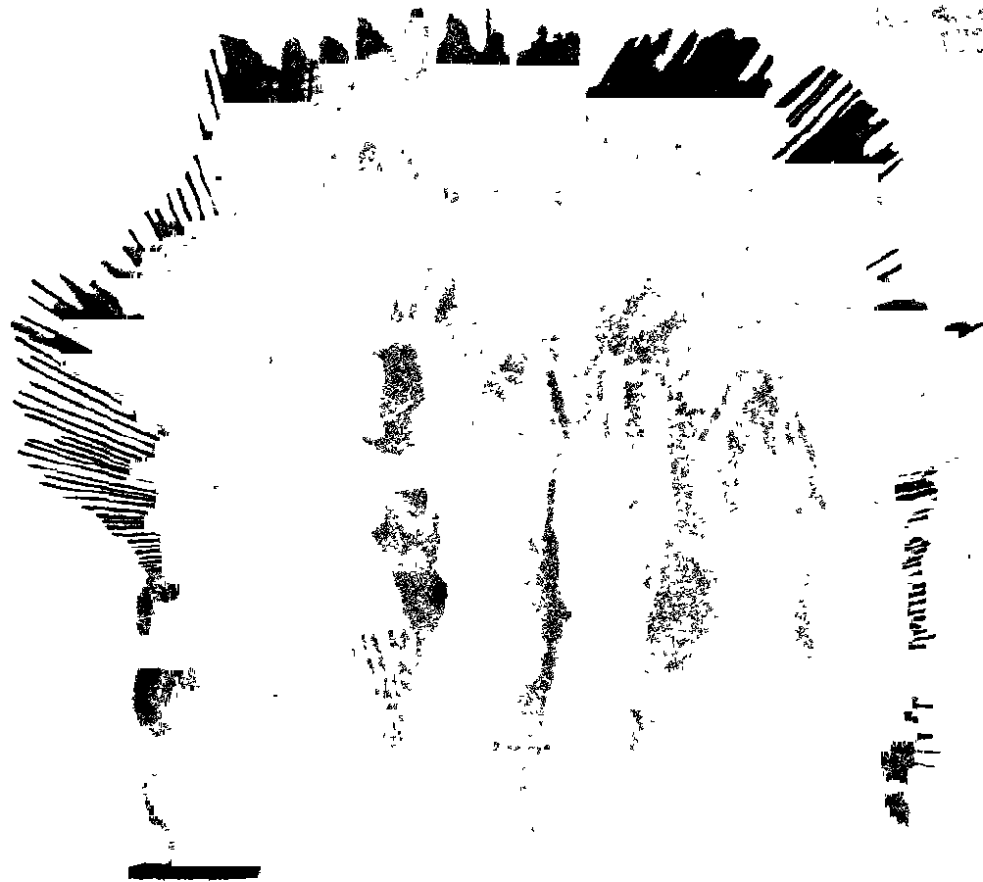
آؤ اے آریے، اور اے غیر اریے، ہندو مسلمان
آؤ آؤ آج تم اے اہلِ فرنگ، آؤ آؤ اے عیسائی
آؤ اے برہمن پاکیزگیٔ قلب کے ساتھ، سب کا ہاتھ پکڑو
آؤ اے پست اقوام کے لوگو، دور کرو اپنی توہین کا بوجھ
ماں کے آغوشِ محبت میں آؤ، جلد آؤ منگل گھٹ ابھی بھرا نہیں گیا
سب کے چھوئے ہوئے پاک تیرتھ کے جل سے
ہند کی عظیم امڈتی ہوئی آبادی کے سمندر کے ساحل پر
اے میرے دل پاکیزہ زیارت گاہ میں آہستہ سے جاگ

گیتانجلی کی ایک نظم کا ترجمہ

از:- چن موہن سیہانویس

ٹیگور اور جلیانوالا باغ کا المناک واقعہ

میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ سنہ ۱۹۱۹ء میں جلیاں والا باغ، پنجاب میں ڈھائے گئے ظلم و ستم کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ربندرا ناتھ ٹیگور نے اپنے نائٹ ہڈ خطاب کو واپس کرتے ہوئے جو تاریخی خط لکھا تھا، اس کے مضمون کے علاوہ بنگال کے باہر شاید ہی یہ بات کسی کو معلوم ہو، کہ اسی کونسی باتیں ہوئیں جن کی وجہ سے ٹیگور کو یہ اہم اقدام کرنا پڑا یا اس اقدام کے بعد کیا ہوا۔ ہماری ریاست کے عالموں کی اکثریت کو اس سلسلہ میں جو معلومات حاصل ہیں وہ نہایت ہی غیر واضح اور یقیناً ناکافی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ اس پریشان کن موضوع پہ بحث و مباحثہ کرنے سے گھبراتے ہیں کیونکہ اس کیس کے جو حقائق ہیں ان کے ذکر سے اس واقعہ سے ملوث ان کے آباواجداد کو کچھ فائدہ نہیں پہونچیگا، اور یہ حقیقت مندرجہ ذیل سے عیاں ہو جاتی ہے۔

اس تاریخی خط کا مفصل پس منظر کو آج سے بیس سال قبل پروفیسر پرشانتو چندر بھالہ تو بیس نے اپنے مضمون 'لیپکار سوخیپ' میں کیا تھا۔ ان کا یہ مضمون ہفتہ واری رسالہ دیش (۱۳۶۶ء بنگلہ سال مطابق ۱۹۵۹ء) کے سرادیا خصوصی نمبر میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کے ساتھ ٹیگور کے اس بنگلہ خط کی فوٹو اسٹاٹ کاپی بھی شائع کی گئی، اس کاپی میں ٹیگور کا دستخط تھا اور تاریخ ۶ / جولائی سنہ ۱۹۴۱ء تھی (یعنی ان کی موت سے صرف ایک مہینہ قبل) ٹیگور کا یہ خط اس واقعہ کی تفاصیل کے صحیح ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ اس اہم خط کو وائسرائے تک بھیجنے کے سلسلہ میں جو واقعات رونما ہوئے وہ درج ذیل ہیں۔

"شاعر کے لئے یہ بات ناقابل برداشت ہوگئی کہ پنجاب میں جو ظلم ہوا، اس کے خلاف کسی نے بھی احتجاج نہیں کیا۔ انھوں نے اینڈریوز کو ایک تجویز کے ساتھ گاندھی جی کے پاس بھیجا۔ اس وقت باہر کے لوگوں کو اس صوبہ میں جانے کی مخالفت تھی۔ شاعر کی تجویز یہ تھی کہ اگر مہاتما گاندھی راضی ہو جائیں تو وہ ان سے دہلی میں ملاقات کریں گے پھر وہاں سے دونوں پنجاب جائیں گے۔ ایسا کرنے میں دونوں کو گرفتار کر لیا جائے گا اور یہی ان کے احتجاج کی شکل ہوگی۔ اینڈریوز اس تجویز کو لیکر گاندھی سے ملاقات کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔

یہاں کلکتہ میں شاعر بہت بے چین رہے اور اینڈریو کی واپسی کا شدت سے انتظار کرنے لگے۔ آخرکار

اینڈریوز گاندھی جی سے مل کر واپس آیا۔ جیسے وہ آیا ٹیگور نے دیگر تمام باتوں کو
ایک طرف کرکے یہ پوچھا: کیا خبر لائے ہو کب وہ روانہ ہو سکتے ہیں"۔ اینڈریوز نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا، "میں تو وہی بات آپ کو بتاؤں گا، لیکن گرودیو آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"
لیکن شاعر نے بہت ہی بیقراری کے ساتھ دخل اندازی کرتے ہوئے اس سے پھر پوچھا "بتاؤ، کیا ہوا"۔ آخر کار اینڈریوز نے جواب دیا۔ "گاندھی جی اس وقت پنجاب جانے کو راضی نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ ابھی کسی بھی طرح حکومت کے لئے دشواری پیدا کرنا نہیں چاہتے۔" یہ سنکر شاعر خاموش ہو گئے۔ ان کے پاس کچھ اور کہنے کو بھی نہ تھا"

پروفیسر مہالنوبیس پھر لکھتے ہیں کہ پانی ہاٹی کی آرام گاہ سے جوڑاسانکو میں لوٹ آنے کے بعد شاعر نے ایک دن یکایک ان سے درخواست کی "تمہیں یہاں کل آنا نہیں چاہئے"۔ میں حیرت زدہ ہو گیا لیکن میں نے پوچھا کیوں؟ انھوں نے جواب دیا "تمہیں جاننے کی ضرورت نہیں کہ کیوں؟ لیکن میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم نہ آؤ۔ تم میری بات پر عمل کروگے" میں نے یہ دیکھا کہ وہ حد سے زیادہ بے چین تھے، اس لئے اس کے بعد ایک لفظ بولے بغیر میں وہاں سے چلا آیا۔

پروفیسر مہالنوبیس مزید لکھتے ہیں:۔

"اس رات کو میں اچھی طرح سو نہ سکا۔ ابھی صبح نہیں ہوئی تھی، شاید صبح کے چار بجے تھے۔ میں اُٹھ گیا، غسل کیا اور باہر نکل پڑا۔ ہماری گلی میں گیس کی بتی اب بھی جل رہی تھی۔ جوڑاسانکو میں میں نے دیکھا کہ دوسری منزل کے ایک کمرہ میں بتی جل رہی ہے۔ میں نے دربان کو جگایا اور اوپر جانے لگا۔ جب میں سیڑھی سے اوپر جا رہا تھا تو مجھے کھڑکی سے شاعر کی ایک جھلک دکھائی دی وہ اپنے میز پر کچھ لکھ رہے تھے۔ وہ پورب کی طرف منہ کئے بیٹھے ہوئے تھے۔ میز پر ٹیبل لیمپ جل رہا تھا۔ اسی دوران آسمان کا رنگ کچھ صاف ہو رہا تھا، لیکن کمرہ میں ابھی بھی تاریکی تھی۔ جیسے ہی میں کمرہ میں داخل ہوا، وہ پیچھے مڑے اور کہا "آخر تم آ ہی گئے" اور پھر لکھتے رہے۔ لیکن دو تین منٹوں کے بعد انھوں نے کاغذ کے چند صفحات میرے حوالے کئے اور کہا "اسے پڑھو" اور یہی وائسرائے کے نام ایک خط تھا جس میں انھوں نے اپنا نائٹ ہڈ، واپس کر دیا۔

"شاعر نے کہا: گذشتہ رات میں ایک لمحہ کیلئے بھی سو نہ سکا۔ اب آخر کار یہ دباؤ ختم ہو چکا۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکا میں نے کیا۔ مہاتما جی پنجاب جانے پر راضی نہ ہوئے۔ اس لئے کل میں خود چترنجن گیا۔ میں نے وہاں ان سے کہا کہ یہ بات میرے لئے ناقابل برداشت ہے کہ اس موقعہ پر سارا ملک خاموش رہے آپ ایک احتجاجی جلسہ منعقد کریں۔ میں خود اس جلسہ کی صدارت کرونگا۔ چترنجن چند لمحہ تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا، اگر آپ صدارت کریں گے تو کسی دوسرے کو تقریر کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ آپ اکیلے ہی کافی ہیں۔ میں نے کہا "جیسی تمہاری مرضی، لیکن اب جلسہ کا انتظام کرو۔ تب چترنجن نے کہا: چونکہ آپ ہی اہم مقرر ہوں گے اور چیرمین بھی ہوں گے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ ہی اس جلسہ کا انتظام کریں۔ اب مجھے احساس ہوا کہ وہ سب اس سلسلہ میں کچھ نہیں کریں گے۔ اس لئے میں نے کہا "اچھی بات ہے۔ مجھے بھی کچھ سوچنے دو، اور میں وہاں سے واپس آ گیا۔ یہ بات ناقابل برداشت ہے کہ ہم کچھ کر نہیں سکتے، اور یہ بات میرے دل میں کانٹے کی طرح چبھنے لگا۔ اگر مجھے اپنے طور پر کچھ کرنا ہے تو پھر تمام لوگوں کو بلانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ بہتر ہوگا کہ میں اپنے طور پر اپنے خیالات کا اظہار کر دوں"۔

"اسی دوران صبح ہو گئی اور اینڈریوز بھی کمرہ میں آ پہونچا۔ شاعر نے اپنا خط دکھایا۔ اس نے کسی سے مشورہ نہیں لیا تھا، یہاں تک کہ اپنے بیٹے رتھندرا ناتھ کو بھی کچھ نہیں کہا تھا، انھیں خدشہ لاحق تھا کہ

شاید یہ رنگ ان کو [illegible] ہو جائیں گے اور انھیں
یہ [illegible] نہیں رہا ہے کیونکہ ان کے معنی [illegible]
[illegible] اس لئے کہ سارے ملک
میں ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ لاگو ہے۔ اینڈریوز نے بعد میں
لکھا کہ جب اسے یہ خط دکھایا گیا تو اس نے یہ تجویز پیش
کی خط میں کچھ نرم الفاظ بھی استعمال کئے جائیں۔"
یہ سنتے ہی انھوں نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جسے
میں بیان نہیں کر سکتا کیونکہ کبھی گرودیو نے اس سے قبل
ایسی نظروں سے نہیں دیکھا۔

وائسرائے کے پاس یہ خط روانہ کرنے کے بعد جو
کچھ ہوا وہ بھی کچھ کم دلچسپ نہیں ہے۔ اس سال کانگریس
کا اجلاس امرتسر میں ہوا اور اسی شہر میں وہ
المناک واقعہ رونما ہوا تھا۔ امل ہوم نے جو اس اجلاس
میں نمائندہ اور سبجکٹس کیٹی کے ممبر بھی تھے" اس سلسلہ
میں یوں لکھا:

"جب میں نے یہ دیکھا سبجکٹس کیٹی کے سامنے
کانگریسی سربراہوں کی پیش کردہ قراردادوں میں ٹیگور
کے اس خط کا، جس میں انھوں نے اپنا نائٹ ہڈ،
خطاب واپس کر دیا تھا، کہیں بھی ذکر نہیں ہے،
تو میں نے اپنے چند دوستوں سے مشورہ کیا اور
اس موضوع پر مبنی ایک قرارداد مرتب کیا اور اسے
صدر پنڈت موتی لال نہرو کے سامنے پیش کیا۔
انھوں نے فوراً کہا! آپ اسے سبجکٹس کیٹی میں پیش
کیجئے۔

میں، بلاشبہ اس کیٹی کا ایک ممبر تھا، اتنی
اہم قرارداد کو کانگریس کے سامنے پیش کرنے کی مجھ
میں ہمت نہ ہوئی۔ اس لئے سب سے پہلے میں نے
جیتن بنرجی، جو بہت ہی اچھے مقرر تھے، سے رجوع کیا
انھوں نے شروع میں بہت ہی جوش و خروش
دکھایا، لیکن بعد میں — یعنی ٹھیک نصف گھنٹے کے
بعد — مجھے معلوم نہیں ہوا کہ کیوں ایسا ہوا
وہ پیچھے ہٹ گئے۔ تب میں نے سی۔ آر۔ داس
کی مدد لی۔ انھوں نے کہا "دیکھئے میرے خیال سے یہ
بہتر ہوگا کہ اگر ایک بنگالی مندوب کی جگہ ایک پنجابی
مندوب اس قرارداد کو پیش کرے۔ اس کے بعد
میں نے لالہ منوہر لال سے ملاقات کی اور ان سے کہا
بھی، لیکن انھوں نے جواب دیا۔ اس طرح کی قرارداد
کو پیش کرنے کے لئے ایک جوشیلے مقرر کی ضرورت
ہے۔ میں خود کو اتنا طاقتور نہیں سمجھتا۔ اس کے
بعد میں نے اندو بھوشن سین، کلکتہ کے مشہور بیرسٹر
کی مدد سے سید حسین صاحب سے ملاقات کی۔ بلاشبہ
وہ پنجابی نہ تھے لیکن بہت اچھے مقرر تھے۔ وہ یہ
کہتے ہوئے فوراً راضی ہو گئے کہ "یہ بات تو میرے لئے
باعث عزت ہے اسی وقت انھوں نے میرے
مسودہ کو دیکھا، اور اس میں ایک دو الفاظ بدلنے کے
بعد اس پر دستخط کر دیا۔"

"اس کے بعد میں نے اس قرارداد کو موتی لال
نہرو کے سامنے پیش کیا سبجکٹس کیٹی کی میٹنگ شروع
ہو چکی تھی۔ انھوں نے اس قرارداد پر سرسری نظر
ڈال کر اسے اپنے چشمہ کیس کے نیچے رکھ دیا۔ میں
نے یہ خیال کیا کہ ٹھیک وقت پر سید حسین صاحب
کو بلایا جائے گا۔ لیکن وہ بلائے نہیں گئے گرچہ اس
سلسلہ میں دو بار صدر کی یاددہانی کرائی گئی۔ اس کے
بعد میں نے جواہر لال نہرو سے ملاقات کی اور ان سے
اس سلسلہ میں بات چیت کی . . . . جب جلسہ ختم ہو گیا
تو ایک بار پھر میں ان کے پاس گیا۔ انھوں نے مجھے
انتظار کرنے کو کہا اس لئے میں نے یہ خیال کیا کہ شاید
دوسرے دن وہ اس سوال کو کیٹی میں اٹھائیں گے
لیکن وہ دوسرا دن کبھی نہیں آیا۔

"آخرکار کانگریس کے اجلاس میں وائسرائے

کے نام ٹیگور کے خط کے سلسلہ میں نہ کسی قسم کی قرارداد پیش کی گئی اور نہ پاس کی گئی، اور اس سلسلہ میں بیوم کیش چکرورتی، بپن چندر پال، کامنی کمار چندر، اکھل چندر دت وغیرہ پر مشتمل بنگال مندوب کے کیمپ میں بھی کسی قسم کی ہلچل پیدا نہیں ہوئی، اگر ان میں سے ایک شخص سبجکٹس کمیٹی میں کھڑا ہو جاتا تو یہ قرارداد منظور کر لی جاتی۔ جب میں نے اس سلسلہ میں مالویا جی سے رجوع کیا تو انھوں نے کہا کہ وہ میری قرارداد کو ان قراردادوں میں شامل کر لیں گے جو صدر کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں۔ لیکن یہاں بھی میری قرارداد کو جگہ نہ مل سکی۔ بعد میں جب میں نے محمد علی جناح کو تمام باتیں بتائیں تو انھوں نے کہا، آپ نے مجھے اس کے قبل کیوں نہیں کہا تھا۔ یہ میری غلطی تھی۔

(پورو شوتم رہندرا ناتھ ان امل ہوم' تیسرا ایڈیشن سنہ ۱۹۶۱ء صفحات ۱۰۷-۱۱۱)

میں نے سنہ ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں کانگریس کے منعقدہ ۳۴ ویں اجلاس کی پوری کارروائی کا غائر مطالعہ کیا، لیکن کہیں بھی مجھے ٹیگور کے خط کا ذکر نظر نہیں آیا۔ صرف استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین سوامی شرادھانند نے اپنی تقریر میں اس خط کا ذکر کیا تھا۔ انھوں نے کہا: "رابندرا ناتھ ٹیگور کی طرح بھارت کے کتنے فرزند ہیں' رابندرا ناتھ ٹیگور نے اس حکومت کے، جس نے پنجاب میں خون کی ندیاں بہا دی تھیں۔ عطا کردہ خطاب کو ایک دن کے لئے بھی اپنے پاس رکھنا گناہ سمجھا اور بطور احتجاج اسے واپس کر دیا" لیکن پنجاب میں کئے گئے ظلم کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے وائسرائے کے اگزیکیوٹیو کاونسل سے استعفا دینے پر شری سنکرن نائیر کو کافی سراہا گیا۔ اور اس سلسلہ میں ڈاکٹر ستیہ پال نے ایک تجویز پیش کی اور جس کی مدراس کے راما سوامی آئینگر نے تائید بھی کی،

اور کانفرنس میں اس قرارداد کو منظور کر لیا گیا۔ اس کانفرنس میں ٹیگور کے اس تاریخی خط کو کسی نے پڑھا بھی نہیں بلکہ اس کی جگہ سروجنی نائیڈو کی نظم "دی پنجاب سنہ ۱۹۱۹ء" کو ڈاکٹر اینی بیسنٹ نے ترنم کے ساتھ پڑھا۔ اتفاقات سے یہ ڈاکٹر بیسنٹ ہی تھیں جن کی بابت ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ نے خود اپنی کتاب ہندوستانی قومی کانگریس کی تاریخ' (جلد اول، سنہ ۱۹۳۵ء) میں یوں ذکر کیا۔

"محترم بیسنٹ نے کہا رولٹ بل میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس پر کسی ایماندار شہری کو اعتراض ہو۔ پھر انھوں نے ۱۸ اپریل کو یوں لکھا کہ جب ہجوم نے ان لوگو (سپاہیوں) پر اینٹ برسانے لگے تو ایسی حالت میں سپاہیوں کو گولیاں چلانے کو کہنا ایک اچھی بات ہے۔ اس واقعہ نے اس محاورہ کو جنم دیا کہ اینٹ کے لئے گولی۔ اور اس کے بعد یہ محاورہ ان کے نام کے ساتھ وابستہ ہو گیا۔

حالانکہ ۱۹۱۹ء [illegible] کیوں ایسا برتاؤ کیا! کیوں گاندھی جی نے ٹیگور کی تجویز پر عمل کرنے سے انکار کر دیا؟ ان تمام سوالوں کا جواب تو سری نیواسن شاستری کے نام گاندھی جی کے خط سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ خط گاندھی جی ۶ رجون سنہ ۱۹۱۹ء کو لکھا تھا خط یوں ہے "پنجاب کے ہولناک حادثہ نے شاعر سے بہت ہی زبردست خط لکھوایا ذاتی طور پر میرا یہ خیال ہے کہ ایسا کرنا قبل از وقت ہے، لیکن اس کے لئے انھیں بدنام نہیں کیا جا سکتا۔ (مہاتما گاندھی کے منتخب تصانیف، جلد XV صفحہ ۳۴۶)

اور اسی لئے ٹیگور کے خط کا نہ سنہ ۱۹۱۹ء کے کانگریس اجلاس میں ذکر کیا گیا، اور نہ بعد میں ڈاکٹر سیتارام بھیا کی کتاب 'کانگریس کی تاریخ' میں اس سلسلہ میں کچھ کہا گیا، نیز 'سچائی سے میرے تجربات' میں گاندھی جی کی کہانیوں اور جواہرلال نہرو کی آپ بیتی میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے

رابندرناتھ ٹیگور

مختصر سوانح حیات

از ۔ ایم ۔ اے ۔ نسیم

آج کا شہر کلکتہ ہندوستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہاں آبادی کافی گنجان ہے۔ یہاں چوڑی اور لمبی پختہ سڑکیں ہیں۔ آمد ورفت کے لئے ٹرام گاڑیاں، بسیں، ٹیکسی اور دیگر گاڑیاں ہیں۔ یہ شہر آج کل تجارت اور صنعت و حرفت کا ایک اہم مرکز ہے۔ لیکن سو سال قبل یہی شہر کلکتہ بہت ہی پُرسکون اور خوبصورت شہر تھا۔ اس وقت شہر میں اینٹ پتھر کی سڑکیں تیار نہیں ہوئی تھیں۔ ہر طرف ایک قدرتی ماحول چھایا ہوا تھا۔ جگہ جگہ کم گہرے تالاب تھے، اور تالابوں کے چاروں طرف جنگلی کچو" پودوں کا جنگل سا پھیلا ہوا تھا۔ جگہ جگہ مٹی کے ڈھیر نظر آتے۔ جہاں جھینگر مکوڑے جھن جھن کرتے رہتے۔ ہر جگہ صبح و شام رنگ برنگ کی چڑیوں کی سریلی آوازیں سنا دیتیں۔ کل کارخانوں کا دھواں آسمان سے آنکھ مچولی نہیں کھیلتا۔ راستوں میں پالکی ڈھونے والوں کی ہائیں ہائیں کی آواز سنائی دیتی اور جگہ جگہ سے گھڑ سواروں کی ہانک بھی سنائی دیتی۔

سو سال قبل کا شہر کلکتہ - اولڈ کورٹ ہاؤس اسٹریٹ

اس وقت اس شہر کلکتہ کے جوڑا ساکو میں ایک قدیم عمارت تھی، جسے ٹھاکر باڑی کہتے ہیں۔ اس کے مالک رشی دیبندرا ناتھ ٹیگور تھے اور یہاں خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ رشی دیبندرا ناتھ نے برہمو سماج کو اپنایا اور برہمو بن گئے۔ اس کا اثر ان کے گھر پر اور خاندان کے افراد پر بھی پڑا۔ ان کے گھر پر قدیم رسم و رواج کی جگہ برہمو رسم و رواج نے لے لی۔ رشی دقیانوسی نہیں تھے بلکہ آزاد خیال کے تھے، اور اس کا ان کے گھر پر، ان کے بچوں پر اور اس گھر میں کام کرنے والوں لوگوں پر، نیز اس کے ساتھیوں اور دوستوں پر کافی گہرا اثر پڑا۔

مہارشی کے بیٹے بھی اپنے اپنے فن میں ماہر تھے۔ ان کا منجھلا بیٹا ستیندرا ناتھ ٹیگور ہندوستان کا پہلا آئی سی۔ ایس افسر تھا۔ ان کے بڑے بیٹے بجیندرا ناتھ اور تیسرے بیٹے جوتندرا ناتھ، اچھے مصور تھے۔ شاعر بھی تھے، شعر لکھتے اور خود پڑھتے۔ ادب سے انھیں خاص لگاؤ۔ ان کی بیٹی سرنو کماری ناول لکھتی۔ اس گھر میں ادب اور سنگیت کا چرچا ہوا کرتا۔ اسی احاطہ میں مہارشی کے بھائی کا بھی گھر تھا۔ ان کے دونوں بیٹے گگنند را ناتھ اور اوندرا ناتھ بڑے اچھے کلاکار تھے۔

مہارشی کے سب سے چھوٹے بیٹے رابندرا ناتھ ٹیگور تھے۔ رابندرا ناتھ کو اس گھر میں پوری آزادی تھی۔ بچپن میں انھوں نے اپنے گھر پر ہی تعلیم حاصل کی۔

انھیں بچپن میں بہت سارے اسکولوں میں بھیجا گیا لیکن کہیں ان کا دل نہ لگا۔ نہ انھیں اسکول کا ماحول پسند آیا اور نہ طریقۂ تعلیم۔ انھوں نے اپنی تعلیمی زندگی کے قیمتی لمحات میں کتابوں سے زیادہ صحیفۂ حضرات سے فیض حاصل کیا۔ اسکول میں انھیں جو تلخ تجربہ حاصل ہوا، اس سلسلہ میں انھوں نے اپنے ایک مضمون میں یوں لکھا "میں اپنی دماغی صلاحیتوں کو آزادانہ استعمال کرنے میں خود مختار تھا کیونکہ میرا دماغ فطری طور پر زندگی منزلیں طے کرتا ہوا نشو و نما پا رہا ہے، اس لئے مدرسہ اور اسکولوں کی بے جا قید و بند میرے لئے عذاب جاں اور ناقابل برداشت ہو گئی تھی"۔

ٹیگور بچپن ہی سے سنجیدہ رہا کرتے تھے۔ ان کی سنجیدگی میں، ان کے بڑے بھائی جیوتندرا ناتھ نے ایک الہامی کشش محسوس کی، اور انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی سے شعر کہنے کو کہا۔ ٹیگور کی عمر اس وقت آٹھ برس کی تھی۔ ان کے بڑے بھائی نے شعر لکھنے کے سلسلہ میں ان کی بڑی ہمت افزائی کی اور ٹیگور نے بچپن میں کنول پھول پر ایک نظم لکھی جسے ان کے گھر والوں اور دوستوں نے کافی پسند کیا۔ اس کے بعد سے ان کے بھائی اور استاد شعر گوئی میں ان کی ہمت افزائی کرنے لگے۔ اس وقت مہینہ ماگھ میں تہوار کے موقعہ پر ان کے مکان پر بھگتی کے گیت گائے جاتے۔ ان میں اکثر ٹیگور رہی کے گیت ہوتے۔

۱۸۷۸ء میں ان کے بڑے بھائی رابندرا ناتھ کو ساتھ لیا۔ لیکن لندن کی فضا ٹیگور کو پسند نہ آئی اور وہ بہت جلد ہندوستان واپس آ گئے۔ گھر واپس آنے کے بعد ان کے والد نے انھیں سلائی داہ میں خاندانی جاگیرداری کی دیکھ بھال کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ سلائی داہ، شرقی بنگال میں پدما ندی کے کنارے ایک

سو سال قبل کا شہر کلکتہ - ہگلی ندی کا کنارہ

پرسکون جگہ ہے۔ یہاں کی فرحت بخش فضا اور قدرتی ماحول میں ٹیگور کی شاعری اور قوت فکر کو جلا ملی۔ ساتھ ہی یہاں انھیں زندگی کی تلخ حقیقتوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آپ یہاں کے غریب کسانوں اور مزدوروں کی جھونپڑیوں میں گئے اور ان کی تکالیف، ان کے مصائب اور ان کے مسائل اور ان کی جد و جہد کا غائر مطالعہ کیا۔ یہاں غربت اور امارت کی تفریق نے ان کی حساس طبیعت پر کافی گہرا اثر کیا۔ اس کے بعد سے ان کی زندگی نے ایک کروٹ لی اور ان کی نظموں اور گیتوں میں ہلکے پھلکے طنز و مزاح کا رنگ پیدا ہو گیا۔ نیز اپنے بہت سارے ڈراموں، افسانوں اور کہانیوں میں انھوں نے دیہی باشندوں کی زندگی اور ان کے مسائل کو پیش کیا۔

صرف یہی نہیں سلائی داہ میں قیام کے دوران انھوں نے غریب دیہی باشندوں کو تعلیم سے روشناس کرانے کیلئے شانتی نکیتن، بولپور میں ایک اسکول قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس جگہ آپ کے والد نے ایک آشرم بھی کھولا تھا۔ اس اسکول میں آپ نے طلبا اور طالبات کی رہائش اور خوراک کا بھی انتظام کیا۔ اس اسکول کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے آپ کو بہت سارے مصائب اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آزادی کے بعد اسی اسکول نے وشو بھارتی یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی۔

ٹیگور نہ صرف ایک شاعر اور ادیب تھے بلکہ محب وطن بھی تھے۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں جب بنگال تقسیم ہوا تو اس تقسیم کے خلاف بنگال میں زبردست تحریک چلائی گئی۔ ٹیگور اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ لوگوں کے دلوں میں جذبۂ آزادی ابھارنے کے لئے آپ نے نظمیں اور گیت لکھنا شروع کر دیا تاکہ قوم کو غلامی سے نجات ملے اور ملک آزاد ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی آپ لوگوں کے ساتھ کلکتہ کی سڑکوں پر نکل آئے اور گیت گا گا کر لوگوں کو بیدار کرنے لگے۔

اس تحریک کے ختم ہو جانے کے بعد ٹیگور عوام کے فائدے کے لئے تعمیراتی کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے میں مصروف ہو گئے۔ تعلیم، سماجی اصلاحات، قومی خیالات کا پرچار، زراعت کی بہتری، اجتماعی ترقی، دیہی دستکاریوں کے احیاء، مشترکہ کاشتکاری اور ایسے ہی دیگر کاموں کا تجربہ شانتی نکیتن اور شری نکیتن میں شروع کیا گیا۔

یہ دونوں ادارے وشو بھارتی یونیورسٹی کے تحت ہیں۔

ٹیگور کی نظموں کا مجموعہ گیتانجلی (کتاب) سنہ ۱۹۱۰ء میں مکمل ہو چکی تھی۔ آپ نے خود اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ آپ اسی سال اپنے بچوں کو لیکر تیسری بار انگلینڈ گئے اور وہاں اپنے دوست مشہور پینٹر ولیم روتھن اسٹائن اور دیگر ادیبوں کی ایک مجلس میں اپنی نظمیں پڑھ کر سنائیں جنھیں حاضرین نے کافی پسند کیا۔ پھر ۱۴ر نومبر ۱۹۱۳ء کو نوبل پرائز کمیٹی نے ٹیگور کی اس لافانی شاہکار گیتانجلی کو نوبل پرائز کے لئے منتخب کیا۔ یہ اعزاز اس سے قبل کسی غیر مغربی شخص کو نہیں ملا تھا۔ اس طرح ادب میں دنیا کا سب سے ممتاز اعزاز حاصل کر کے ٹیگور ہندوستان واپس آئے۔ حکومت ہند نے آپ کو 'سر' کا خطاب دیا۔

ٹیگور سیاسی آدمی نہ تھے لیکن اس کے باوجود وہ ہندوستان کی پرامن جنگ آزادی سے اتنا ہی قریب تھے جتنا کہ کوئی دوسرا محب وطن۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ میں انگریزوں نے معصوم اور نہتے لوگوں کا قتل عام کیا۔ اس المیہ کی آپ نے پرزور مذمت کی اور احتجاج کرتے ہوئے اپنا سر کا خطاب حکومت کو واپس کر دیا۔ آپ نے کہا کہ ہمیں انگریزوں کے دیئے ہوئے اس 'سر' کی ضرورت نہیں جس کے بدلے ہمیں ہزاروں سر کو قربان کر دینا پڑے۔

حد سے زیادہ محنت کرنے کی وجہ سے ٹیگور کی صحت گرتی ہی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر نے انھیں آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن انھوں نے آرام کو حرام کر رکھا تھا۔ ہر وقت عوام کی فلاح و بہبود کے کام میں مشغول رہتے۔ ۲۵ر جولائی سنہ ۱۹۴۱ء کو آپ کی علالت بہت بڑھ گئی۔ آپ کو شانتی نکیتن سے کلکتہ لایا گیا۔ یہاں آپ کا آپریشن ہوا جو کامیاب رہا۔ لیکن آپ صحت یاب نہ ہو سکے اور ۷ر اگست سنہ ۱۹۴۱ء کو دن کے ۲ بجکر ۱۲ منٹ پر اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔

شاعر اعظم رابندرا ناتھ ٹیگور کو کسی دائرہ میں محدود رکھنا نہ صرف مشکل ہے بلکہ یہ امر محال ہے۔ ندرت تخیل، پرواز فکر اور تخلیقی قابلیت کے لحاظ آپ کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ انھوں نے ایک ہزار سے زیادہ نظمیں اور دو ہزار سے زیادہ گیت لکھے۔ ان کے
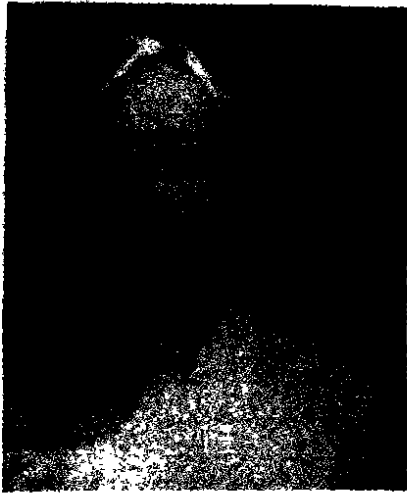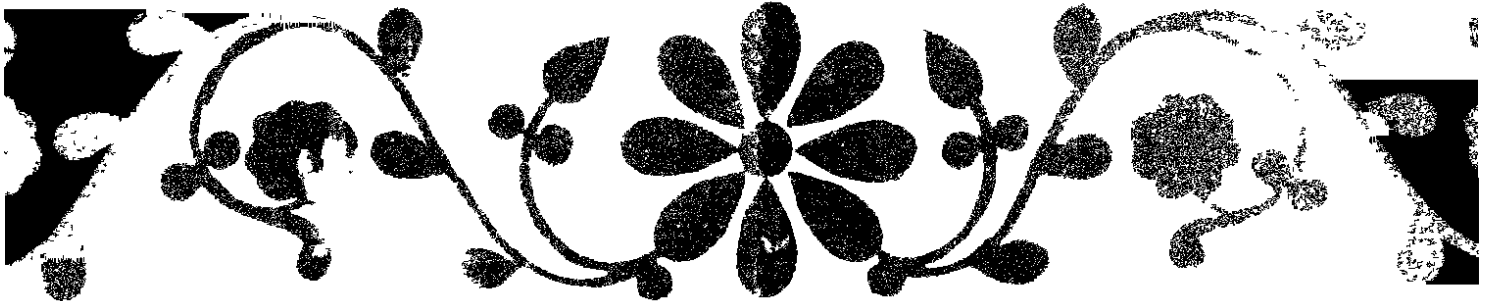
باقی ۳۶ پر

ربندرا ناتھ ٹیگور اور اُن کا آرٹ

مغربی بنگال

راج بھون، کلکتہ میں ۲۵ مئی ۱۹۸۲ء کو مغربی بنگال کے گورنر شری بی۔ ڈی پانڈے کے سامنے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اور انکے ساتھ چار اور وزراء نے اپنے اپنے عہدہ کا حلف اٹھایا۔ تصویر میں (بائیں سے دائیں) گورنر مغربی بنگال کے سامنے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، شری کرشنا پدا گھوش اور (نیچے) شری کنائی بھٹاچاریہ، شری جیوتی چکرورتی اور شری کنائی بھومک حلف لیتے ہوئے

مدیر۔ دھیریندرا ناتھ دت
مدیر معاون۔ محمد اعظم

پندرہ روزہ
مغربی بنگال
کلکتہ

شرح خریداری
سالانہ — ۳ روپے
فی پرچہ — ۱۲ پیسے
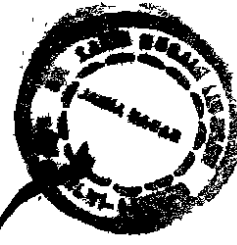
جلد نمبر ۲۹ | ۵ ار جون ۱۹۸۲ء مطابق ۲۱ جیسٹھ ۱۳۸۹ (بنگلہ سال) | شمارہ نمبر ۱۱ اور ۱۲

مغربی بنگال اسمبلی انتخابات میں بائیں محاذ کو نمایاں کامیابی

۱۹ مئی ۱۹۸۲ء کو سارے مغربی بنگال میں مغربی بنگال اسمبلی انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں بائیں محاذ کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ بائیں محاذ نے ۲۹۴ نشستوں میں سے ۲۳۸ نشستیں حاصل کیں۔ ان انتخابات میں بائیں محاذ کی سی پی آئی (ایم) کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ صرف سی پی آئی (ایم) نے ۲۹۴ میں سے ۱۷۴ نشستیں حاصل کیں۔ بائیں محاذ کے فارورڈ بلاک پارٹی نے بھی نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس پارٹی نے ۲۸ نشستیں حاصل کیں یعنی ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں جتنی نشستیں حاصل کی تھیں ان سے اس بار دو زیادہ نشستیں حاصل کیں۔ آر ایس پی (انقلابی سوشلسٹ پارٹی) نے ۱۹ نشستیں حاصل کیں یعنی گذشتہ انتخابات کے مقابلہ اس بار ایک نشست کم حاصل کی۔ سی پی آئی نے ان انتخابات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۷۷ء کے عام انتخابات میں صرف دو نشستیں حاصل کی تھیں۔ لیکن اس بار بائیں محاذ کے ایک جزو ہونے کی وجہ سے اس نے ۷ نشستیں حاصل کیں۔ آر سی پی آئی (انقلابی کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا) اور فارورڈ بلاک (مارکسسٹ) نے ۱۹۷۷ء کے عام انتخابات میں تین تین نشستیں حاصل کی تھیں۔ لیکن اس بار انھیں دو دو نشستیں ملیں۔ اس بار بائیں محاذ کے دو نئے شریک کار یعنی ڈیموکریٹک سوشلسٹ پارٹی اور مغربی بنگال سوشلسٹ پارٹی نے تین تین نشستیں حاصل [illegible] میں ایک نشست حاصل [illegible]

تھی اس بار کوئی نشست حاصل نہ کر سکی۔

انڈین نیشنل کانگریس (آئی) نے اس بار مغربی بنگال میں ۴۹ نشستیں حاصل کیں صرف کلکتہ میں اس نے ۱۰ نشستوں میں کامیابی حاصل کی جنھیں اس نے ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں کھو دیا تھا۔ لیکن اس کامیابی کے باوجود کانگریس کو پانچ ضلعوں میں یعنی بردوان، جلپائی گوڑی، دارجلنگ، کوچ بہار اور ندیا میں ایک بھی نشست نہیں ملی۔

ان انتخابات میں ۶ پارٹیوں نے، یعنی کانگریس (ایس)، گورکھا لیگ، جھارکھنڈ پارٹی، کل ہند کمیونسٹ پارٹی (ڈانگے)، مسلم لیگ اور کرسچین ڈیموکریٹک پارٹی نے کانگریس (آئی) کے ساتھ مل کر مقابلہ کیا لیکن وہ سب بری طرح ناکام رہے۔ ان میں سے صرف کانگریس (ایس) کو چار نشستیں ملیں اور گورکھا لیگ کو ایک۔ مسلم لیگ اور سی پی آئی (ایم ایل) نے ۱۹۷۷ء میں ایک ایک نشست حاصل کی تھی لیکن اس بار وہ پوری طرح ناکام ہوئے۔

اسی طرح جنتا پارٹی جس نے ۱۹۷۷ء میں ۲۹ نشستیں حاصل کی تھیں اس بار ایک بھی نشست حاصل نہ کر سکی۔ کانگریس (ایس) نے ۲۸ نشستوں کے لیے مقابلہ کیا۔ لیکن صرف چار نشستوں میں کامیابی حاصل کی۔ بھارتیہ جنتا پارٹی نے ۵۲ امیدوار کھڑے کئے لیکن سبھی ناکام رہے۔ سوشلسٹ یونٹی سنٹر نے ۱۰ [illegible] ۳۴ نشستوں میں مقابلہ کیا جن میں صرف ۲ نشستوں [illegible]

۱۹۸۲ء کے عام انتخابات کی ایک اور خصوصیت [illegible] انتخابات میں [illegible]

مغربی بنگال میں عام انتخابات ۱۹۸۲ء کے نتائج

ضلع کوچ بہار

۱۔ میکلی گنج (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

امیدواروں کے نام	حاصل کردہ ووٹ
۱۔ ادول رائے (ایس یو سی آئی)	۶۴۲۶
۲۔ دیرین چودھری کانگریس (ایس)	۲۸۵۲۸
۳۔ سندرناتھ رائے۔ آزاد	۱۱۱۴
۴۔ سیندرناتھ رائے۔ آزاد	۱۹۲۸
سدا کانتا رائے۔ فارورڈ بلاک	۴۰۹۵۸

منتخب ہوئے: شری سدا کانتا رائے

۲۔ سیتل کوچی (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱۔ کاونشور برمن۔ آزاد	۴۵۶
۲۔ بریندرناتھ رائے۔ کانگریس (آئی)	۳۴۳۳۳
۳۔ سدھیر پرامانک۔ سی پی آئی (ایم)	۴۵۵۲۷

منتخب ہوئے: سدھیر پرامانک

۳۔ ماتھابھانگا (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱۔ کرنشور برمن۔ آزاد	۷۴۷
۲۔ دینش چندر ڈاکوا۔ سی پی آئی (ایم)	۴۴۷۲۵
۳۔ ہتندرا ناتھ پرامانک۔ کانگریس (آئی)	۳۴۴۳۵

منتخب ہوئے: شری دینش چندر ڈاکوا

۴۔ کوچ بہار شمال حلقۂ انتخاب

۱۔ اپراجیت گوپی۔ فارورڈ بلاک	۴۶۹۱۰
۲۔ بھبشور داس۔ آزاد	۴۵۸
۳۔ ربندرا ناتھ سرکار۔ آزاد	۷۶۶
۴۔ سنیل کور۔ کانگریس (آئی)	۳۲۸۷۳

منتخب ہوئے: شری اپراجیت گوپی

۵۔ کوچ بہار مغرب حلقۂ انتخاب

۱۔ جناب الدین بیپاری۔ آزاد	۲۴۷
۲۔ ظہیر الدین میاں۔ آزاد	۶۱۷
۳۔ نریندر پرشاد کارجی۔ آزاد	۴۴۶
۴۔ بمل کانتی باسو۔ فارورڈ بلاک	۵۳۱۷۰
۵۔ شیامل چودھری۔ کانگریس (آئی)	۳۷۰۶۵

منتخب ہوئے: شری بمل کانتی باسو

۶۔ سیتائی حلقۂ انتخاب

۱۔ دیپک سین گپتا۔ فارورڈ بلاک	۵۱۳۱۴
۲۔ پرسنا کمار برمن۔ آزاد	۱۰۲۳
۳۔ ڈاکٹر محمد فضل حق۔ کانگریس (آئی)	۴۰۲۳۶

منتخب ہوئے: شری دیپک سین گپتا

۷۔ دین ہاٹا حلقۂ انتخاب

۱- کمل گوہا- فارورڈ بلاک ۵۲۴۶۰
۲- رام کرشنا پال- کانگریس (آئی) ۲۸۴۴۷
۳- شیامل کمار رائے- آزاد ۲۸۱
منتخب ہوئے: شری کمل گوہا

۸- تیتاباڑی حلقۂ انتخاب

۱- دھیریندرا ناتھ داس- آزاد ۳۲۰
۲- ستیندرا نارائن چودھری- سی پی آئی (ایم)
۴۵۰۵۴
۳- سنتوش کمار رائے- کانگریس (آئی) ۳۲۰۳۴
منتخب ہوئے: شری ستیندرا نارائن چودھری

۹- طوفان گنج (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- منندرا ناتھ برما- سی پی آئی (ایم) ۴۲۸۸۷
۲- شنکر سین ایشور- کانگریس (آئی) ۳۵۱۹۲
۳- سادھن چندر داس- آزاد ۵۰۷
۴- سریندر ناتھ رائے گنگار- بی جے پی ۷۷۸
منتخب ہوئے: شری منندرا ناتھ برما

۱۰- کمار گرام (شیڈولڈ ٹرائب) حلقۂ انتخاب

۱- دتسا تی ٹوپو- کانگریس (آئی) ۳۱۴۹۳
۲- سبودھ اُراؤن- آر ایس پی- ۴۰۵۳۱
منتخب ہوئے: شری سبودھ اُراؤں

۱۱- کالچینی (شیڈولڈ ٹرائب) حلقۂ انتخاب

۱- منوہر رام پاہن- کانگریس (آئی) ۲۶۲۱۹
۲- منوہر ٹرکی- آر ایس پی ۳۲۶۰۰
منتخب ہوئے: شری منوہر ٹرکی

۱۲- علی پور دوار حلقۂ انتخاب

۱- نونی بھٹاچاریہ- آر- ایس- پی ۴۹۶۸۳
۲- پکوب گھوش- کانگریس (آئی) ۳۰۵۴۸
۳- پربھات ادھیکاری- آزاد ۵۰۹
منتخب ہوئے: شری نونی بھٹاچاریہ

۱۳- فلاکاٹا (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- نگیندرا ناتھ رائے- آزاد ۸۰۱
۲- جگیندرا ناتھ سنگھ رائے- سی پی آئی (ایم)
۳۸۴۰۶
۳- جوگیش چندر رائے- کانگریس (آئی) ۳۱۴۷۴
۴- ہری کانت برمن- آزاد ۸۳۶
منتخب ہوئے: شری جگیندرا ناتھ سنگھ رائے

۱۴- مداری ہاٹ (شیڈولڈ ٹرائب) حلقۂ انتخاب

۱- جگت برلا- کانگریس (آئی) ۲۰۲۷۰۳
۲- جوبیس ٹرلو- آزاد ۲۲۶۵
۳- نیجے کمار اراؤں- آزاد ۱۴۵۸
۴- شوشیل کجور- آر- ایس- پی ۳۶۸۳۷
منتخب ہوئے: شری شوشیل کجور

۱۵- دھوپ گوڑی (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- جگدنندا رائے- کانگریس (آئی) ۳۸۳۴۰
۲- پنچانن ملک- آزاد ۲۹۵۹
۳- پریش چندر رائے- جنتا ۱۰۷۴
۴- بنکم چندر رائے- آزاد ۱۴۸
۵- بنو مالی رائے- سی پی آئی (ایم)
۳۵۹۲۹
منتخب ہوئے: شری بنو مالی رائے

۱۶- نگراکٹا (شیڈولڈ ٹرائب) حلقۂ انتخاب

۱- ٹونا اراؤں- کانگریس (آئی) ۳۰۰۱۶
۲- پنائی اراؤں- سی پی آئی (ایم) ۴۶۹۷۱
منتخب ہوئے: شری پنائی اراؤں

۱۷- میناگوڑی (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- اوپندرا ناتھ رائے- آزاد ۲۶۸
۲- تارک بندھو رائے- آر- ایس- پی
۳۷۴۹۱
۳- پنچانن ملک- آزاد ۲۱۵۰
۴- مرینڈ ولیندرا دیو رائے کوٹ- کانگریس (آئی)
۲۸۲۴۰
۵- ریو رائے- جنتا- ۱۸۱۷
منتخب ہوئے: شری تارک بندھو رائے

۱۸- مال (شیڈولڈ ٹرائب) حلقۂ انتخاب

۱- موہن لال اُراؤں- سی پی آئی (ایم)
۴۳۴۰۹
۲- سکمان طرکی- کانگریس (آئی) ۳۴۰۷۱
منتخب ہوئے: شری موہن لال اُراؤں

۱۹- کرانتی حلقہ انتخاب

۱- کمل بہونگ - آزاد ۱۴۲۵
۲- دیپ پرشاد رائے - کانگریس (آئی) ۲۹۰۸۰
۳- پرمل مترا - سی پی آئی (ایم) ۳۷۹۴۰
۴- بینوئے بھوشن دت - آزاد ۱۹۲

منتخب ہوئے: شری پرمل مترا

۲۰- جلپائی گوڑی حلقہ انتخاب

۱- انوپم سین - کانگریس (آئی) ۳۴۰۸۴
۲- دلیپ بھٹاچاریہ - ایس یو سی آئی ۱۳۱۹
۳- نرمل بوس - فارورڈ بلاک ۳۵۲۲۰
۴- پرابیر رنجن دت - آزاد ۲۸۱
۵- رکمنی رنجن رائے - آزاد ۸۹۹

منتخب ہوئے: شری نرمل بوس

۲۱- راج گنج (شیڈولڈ کاسٹ) حلقہ انتخاب

۱- جیوں کمار رائے - کانگریس (آئی) ۲۸۱۴۲
۲- دھریندر ناتھ رائے - سی پی آئی (ایم) ۴۸۷۸۷
۳- مہیندر ناتھ رائے - ایس یو سی آئی ۱۱۲۵
۴- برما دیو داس - (جنتا) ۱۲۰۳
۵- من موہن رائے - بی جے پی ۱۱۴۳
۶- ہریندر ناتھ برمن - آزاد ۱۲۶۴
۷- ہریندر ناتھ رائے - آزاد ۲۸۷

منتخب ہوئے: شری دھریندر ناتھ رائے

ضلع دارجلنگ

۲۲- کلمپونگ حلقہ انتخاب

۱- آر - بی - کھاتیوار - آزاد ۴۲۸
۲- تاشی تشونگ بھا - آزاد ۱۵۸۷
۳- بدری ناراین پرسان - آزاد ۵۹۱۰
۴- موہن سنگھ رائے - سی پی آئی ۵۳۴۴
۵- رینولینا سبا - گورکھا لیگ ۱۵۱۵۴

منتخب ہوئے - شریمتی رینولینا سبا

۲۳- دارجلنگ حلقہ انتخاب

۱- داوا لاما - سی پی آئی (ایم) ۲۹۱۶۵
۲- جے ڈی ایس رائی - آزاد ۲۸۸۵۶

منتخب ہوئے - شری داوا لاما

۲۴- کرسیونگ حلقہ انتخاب

۱- داوا نربلا - کانگریس (آئی) ۲۷۸۸۹
۲- وشنو گھتراج - آزاد ۳۱۷۱
۳- ایچ - بی - رائی - سی پی آئی (ایم) ۲۸۱۷۰

منتخب ہوئے - شری ایچ بی رائی

۲۵- سلی گوڑی حلقہ انتخاب

۱- کرشنندر ناراین چودھری - کانگریس (آئی) ۳۴۸۶۸
۲- پربودھ سرکار - آزاد ۷۹۱
۳- بیرین بوس - سی پی آئی (ایم) ۴۴۹۳۵
۴- موتی کمار پرسان - آزاد ۴۶۵
۵- ترین وردا - آزاد ۲۹۴
۶- تروپک مکھرجی - آزاد ۵۸۸

منتخب ہوئے - شری بیرین بوس

۲۶- پھانسی دیوا (شیڈولڈ ٹرائب) حلقہ انتخاب

۱- ایشور چندر ٹرکی - کانگریس (آئی) ۳۶۰۹
۲- ایڈورڈ ٹرکی - آزاد ۳۹۷۳
۳- تیپیا سرنگ - جنتا ۵۱۲۰
۴- دھرمندر ناتھ برجا - آزاد ۱۱۱۴
۵- پترس منز - سی پی آئی (ایم) ۳۱۳۶۲
۶- شانتی منڈا - آزاد ۲۷۲۵

منتخب ہوئے - شری پترس منز

ضلع مغربی دیناج پور

۲۷- چوپرا حلقہ انتخاب

۱- محمد بچا منشی - سی پی آئی (ایم) ۳۷۲۷۹
۲- شیخ جلال الدین - کانگریس (آئی) ۳۳۸۷۲
۳- ہری پد دپہے - آزاد ۳۵۹

منتخب ہوئے: شری محمد بچا منشی

۲۸- اسلام پور حلقہ انتخاب

۱- گوتم گپتا - آزاد ۹۴۸۵
۲- چودھری محمد عبد الکریم - کانگریس (آئی) ۳۳۵۰۸

۳- محمد فاروق ... - سی پی آئی (ایم) ۲۵۸۶۶

منتخب ہوئے: شری محمد عبدالکریم چودھری

۲۹- گوال پوکھر حلقۂ انتخاب

۱- جعفر سعدت - آزاد ۱۳۰۹
۲- نظام الدین - آزاد ۱۱۱۸۳
۳- پرنمل مہشوری - بی جے پی ۱۴۹۳۸
۴- محمد اسلام الدین - آزاد ۲۳۸
۵- محمد یٰسین - آزاد ۸۹۵
۶- محمد رمضان علی - فارورڈ بلاک ۲۱۲۰۶
۷- شیخ شرافت حسین - کانگریس (آئی) ۱۲۲۳۴
۸- شفیع الرحمٰن - آزاد ۱۲۸۸
۹- سنگھ ہرنیدر کمار - آزاد ۵۹۲
۱۰- سکندر علی - آزاد ۸۷۵
۱۱- سہراب علی - آزاد ۲۹۸۴

منتخب ہوئے: شری محمد رمضان علی

۳۰- کرن دیگھی حلقۂ انتخاب

۱- رام گنگور سنگھ - آزاد ۴۹۳
۲- شندر سنگھ - بی جے پی ۱۱۵۱
۳- سریش سنگھ - فارورڈ بلاک ۴۴۷۰۶
۴- حاجی سجاد حسین - کانگریس (آئی) ۲۴۸۴۹
۵- حبیب الرحمٰن - آزاد ۱۱۸

منتخب ہوئے: شری سریش سنگھ

۳۱- رائے گنج (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- گنگیندر ناتھ سنہا - سی پی آئی (ایم) ۴۱۳۶۹
۲- دینیندر برمن - کانگریس (آئی) ۴۵۲۲۷
۳- نکھل چندر سرکار - آزاد ۵۲۴

منتخب ہوئے: شری دینیندر برمن

۳۲- کلیہ گنج (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- گنوکھری برمن - آزاد ۹۶۴
۲- نونی گوپال رائے - سی - پی - آئی - (ایم) ۳۵۲۶۶
۳- نبو کمار رائے - کانگریس (آئی) ۴۳۳۷۳

منتخب ہوئے - شری نبو کمار رائے

۳۳- کشمنڈی (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- آنند رائے - آزاد ۵۲۰
۲- دھیریندر ناتھ سرکار - کانگریس (آئی) ۳۹۸۸۶
۳- نرمل رائے - آر ایس پی ۳۹۰۰۱

منتخب ہوئے: شری دھیریندر ناتھ سرکار

۳۴- ایٹاہار حلقۂ انتخاب

۱- ڈاکٹر زین العابدین - کانگریس (ایس) ۴۲۴۹۶
۲- بسنت لال چٹرجی - سی پی آئی ۳۵۲۳۹
۳- جتیندر ناتھ سرکار - آزاد ۹۵۶
۴- سوپن داس - آزاد ۱۲۰۸

منتخب ہوئے - ڈاکٹر زین العابدین

۳۵- گنگا رامپور حلقۂ انتخاب

۱- اربند چکرورتی - سی پی آئی (ایم) ۳۹۹۲۱
۲- جگناتھ پانڈے - آزاد ۱۸۵۷
۳- پرہلاد سرکار - آزاد ۲۵۳۲
۴- مصلح الدین احمد - کانگریس (آئی) ۴۳۷۹۶

منتخب ہوئے - شری مصلح الدین احمد

۳۶- تپن (شیڈولڈ ٹرائب) حلقۂ انتخاب

۱- کھارا سورین - آر ایس پی ۴۴۸۲۶
۲- جاپان ہنسدہ - کانگریس (آئی) ۳۹۳۷۹
۳- پوریش ہنسدہ - آزاد ۹۶۷
۴- مردی ہکائی - جنتا ۶۵۴۰
۵- لکشمی رام ہمبرم - آزاد ۲۲۹

منتخب ہوئے - شری کھارا سورین

۳۷- کمار گنج حلقۂ انتخاب

۱- گوستھا بہاری بسیاکھ - آزاد ۲۸۷
۲- ذلو یکیندرا ناتھ رائے - سی پی آئی (ایم) ۴۹۹۸۴
۳- شیکھر کمار داس گپتا - کانگریس (آئی) ۴۱۲۰۹

منتخب ہوئے - شری ذلو یکیندرا ناتھ رائے

۳۸- بلور گھاٹ حلقۂ انتخاب

۱- اسیش رائے - کانگریس (ایس) ۳۴۴۳۴

۲- جواہر لال بھاٹا - آزاد ۱۹۵۴
۳- وشوا ناتھ چودھری - آر ایس پی ۴۱۱۹۷

منتخب ہوئے - شری وشوا ناتھ چودھری

ضلع مالدہ

۳۹- حبیب پور (شیڈولڈ ٹرائب) حلقہ انتخاب

۱- گوپال ناتھ سورین - آزاد ۲۶۰۹
۲- ماشی چرن ٹوڈو - کانگریس (آئی) ۲۲۷۰۳
۳- مرمو سرکار - سی پی آئی (ایم) ۳۳۱۸۷

منتخب ہوئے - شری مرمو سرکار

۴۰- گجول (شیڈولڈ ٹرائب) حلقہ انتخاب

۱- بنجامن ہیبرم - کانگریس (آئی) ۳۲۸۳۰
۲- شیام مرمو - بی جے پی ۴۷۹۳
۳- سوفل مرمو - سی پی آئی (ایم) ۳۹۳۶۰

منتخب ہوئے - شری سوفل مرمو

۴۱- کھربا - حلقہ انتخاب

۱- نظم الحق - سی پی آئی (ایم) ۳۷۴۵۵
۲- محبوب الحق - کانگریس (آئی) ۴۰۱۶۵
۳- سنیل چکرورتی - بی جے پی ۳۸۰۵

منتخب ہوئے - شری محبوب الحق

۸

۴۲- ہریش چندر پور حلقہ انتخاب

۱- عبدالواحد - کانگریس (آئی) ۲۶۰۲۸
۲- الیاس رافی - آزاد ۱۹۹۳۴
۳- گوپال کیڈیا - آزاد ۸۰۶
۴- محمد نوشاد علی - آزاد ۸۰۲
۵- برنیدرا کمار مترا - جنتا ۱۵۹۹۱
۶- رزاق - آزاد ۲۰۲
۷- سبھاش چودھری - فارورڈ بلاک ۱۶۷۴۸

منتخب ہوئے - شری عبدالواحد

۴۳- رتوا - حلقہ انتخاب

۱- محمد علی - سی پی آئی (ایم) ۳۵۰۹۱
۲- سمر مکھرجی - کانگریس (آئی) ۳۵۵۳۶

منتخب ہوئے - شری سمر مکھرجی

۴۴- ادرے ڈانگہ حلقہ انتخاب

۱- سجاد احمد - کانگریس (آئی) ۲۲۹۶۴
۲- سوبودھ چند رمترا - بی جے پی ۱۷۱۶
۳- حبیب مصطفیٰ - سی پی آئی (ایم) ۳۵۰۱۲

منتخب ہوئے - شری حبیب مصطفیٰ

۴۵- مالدہ (شیڈولڈ کاسٹ) حلقہ انتخاب

۱- دریوجن رائے - بی جے پی ۱۷۱۷
۲- پرہلاد چندر سنگھ - آزاد ۱۳۵۱
۳- چیلانی بھوشن رائے - کانگریس (آئی) ۴۷۹۷۵

۴- سوبھند مکار چودھری - سی پی آئی (ایم) ۳۹۵۶۰

منتخب ہوئے - شری بھوتی بھوشن رائے

۴۶- انگلش بازار حلقہ انتخاب

۱- سولین سرکار - سی - پی - آئی - (ایم) ۳۶۰۲۳
۲- سوبین مترا - کانگریس (آئی) ۳۴۳۳۶
۳- ہری پرسنا مسرا - بی جے پی ۶۸۵۴

منتخب ہوئے: - شری سولین سرکار

۴۷- مانک چک حلقہ انتخاب

۱- تفضل علی - آزاد ۳۲۶
۲- ظاہر الدین احمد - آزاد ۸۰۱
۳- جوکھی لال منڈل - کانگریس (آئی) ۳۴۵۵۵
۴- سوبودھ چودھری - سی پی آئی (ایم) ۳۴۰۸۵

منتخب ہوئے - شری جوکھی لال منڈل

۴۸- سجاپور حلقہ انتخاب

۱- ممتاز بیگم - سی پی آئی (ایم) ۲۴۱۹۳
۲- محمد حمید الرحمن میاں - آزاد ۹۹۸
۳- ہمایوں چودھری - کانگریس (آئی) ۴۲۵۳۰

منتخب ہوئے - شری ہمایوں چودھری

۴۹- کلیچک حلقہ انتخاب

۱- شمس الدین احمد- کانگریس (آئی) ۳۹۰۵۰
۲- پرمود رنجن بوس- سی پی آئی (ایم) ۴۸۲۸۲
۳- مکھندر امنڈل- آزاد ۸۹۸

منتخب ہوئے: شری پرمود رنجن بوس

ضلع مرشد آباد

۵۰- فراکا حلقہ انتخاب

۱- ابوالحسنات خاں- سی پی آئی (ایم) ۲۹۷۰۲
۲- محمد اسرائیل- مسلم لیگ ۱۰۳۵۲
۳- زیارت علی- آزاد ۱۶۴۲۴
۴- ششی چرن داس- (بی جے پی) ۱۰۲۸۷

منتخب ہوئے: شری ابوالحسنات خاں

۵۱- اورنگ آباد حلقہ انتخاب

۱- یوسف حسین- آزاد ۱۴۹
۲- طیعب علی- سی پی آئی (ایم) ۳۳۰۲۲
۳- لطف الحق- کانگریس (آئی) ۳۵۱۴۰۶
۴- سنکاپال- (بی جے پی) ۳۹۷۲

منتخب ہوئے- شری لطف الحق

۵۲- سوتی حلقہ انتخاب

۱- شیش محمد- آر ایس پی ۴۰۱۷۵
۲- [illegible] داس- آزاد [illegible]

۳- سرکار شدھانگشو شیکھر (بی جے پی) ۲۸۹۴
۴- محمد سہراب- کانگریس (آئی) ۳۲۱۴۰

منتخب ہوئے: شری شیش محمد

۵۳- ساگردیگھی (اشیڈولڈ کاسٹ) حلقہ انتخاب

۱- نریسنہا کمار منڈل- کانگریس (آئی) ۳۴۴۳۵
۲- ہزاری بسواس- سی پی آئی (ایم) ۳۴۴۸۴

منتخب ہوئے: شری ہزاری بسواس

۵۴- جنگی پور حلقہ انتخاب

۱- اجیتا سنگھ- ایس یو سی آئی ۱۳۰۴۶
۲- اشرف الدین بسواس- آر ایس پی ۳۲۳۷
۳- بدرالدین احمد- آزاد ۲۴۷۷۸
۴- شیخ کمال الدین- آزاد ۴۵۸
۵- حبیب الرحمٰن- کانگریس (آئی) ۴۴۳۵۷

منتخب ہوئے: شری حبیب الرحمٰن

۵۵- لال گولہ حلقہ انتخاب

۱- عبدالستار- کانگریس (آئی) ۴۶۵۰۰
۲- عیان علی- سی پی آئی (ایم) ۲۵۲۸۰
۳- نرنجن کھرجی- آزاد ۴۷۰
۴- شیام سندر بھٹا چاریہ- آزاد ۲۳۰

منتخب ہوئے- شری عبدالستار

۵۶- بھگوان گولہ حلقہ انتخاب

۱- قاضی حفیظ الرحمٰن- کانگریس (آئی) ۳۶۰۸۷
۲- سماعن بسواس- مسلم لیگ ۳۰۶
۳- محمد مشرف حسین- آزاد ۳۱۸
۴- سنیل ادھیکاری- آزاد ۳۵۰۹۱
۵- سیف الدین- آزاد ۸۷۸
۶- سدھن رائے- ایس یو سی آئی ۴۸۴۴

منتخب ہوئے: قاضی حفیظ الرحمٰن

۵۷- نباگرام- حلقہ انتخاب

۱- چترنجن مجمدار- آزاد ۱۵۱۱
۲- پردیپ مجمدار- کانگریس (آئی) ۳۵۷۳۷
۳- بریندر ناراین رائے- سی پی آئی (ایم) ۴۲۳۱۱

منتخب ہوئے- شری بریندر ناراین رائے

۵۸- مرشد آباد حلقہ انتخاب

۱- امیہ دت- آزاد- ۱۶۵
۲- عطاالرحمٰن- آزاد ۴۶۹
۳- چھایہ گھوش- فارورڈ بلاک ۵۱۳۵۳
۴- تورن کانتی سرکار- آزاد ۱۲۲۴
۵- دیدار بخش- کانگریس (ایس) ۳۹۲۵۹

منتخب ہوئیں: شریمتی چھایہ گھوش

۵۹- جالنگی حلقہ انتخاب

۱- عزیز الرحمٰن- کانگریس (ایس) ۴۴۹۶۶

۲- الہ رحمٰن- سی پی آئی (ایم) ۵۲۱[illegible]
۳- [illegible] بی جے پی ۱۱۷[illegible]

منتخب [illegible] شری الہ رحمٰن

۶۰- [illegible]نگل حلقۂ انتخاب

۱- عبدالقادر- آزاد ۵۹۹
۲- محمد عبدالباری- سی پی آئی (ایم) ۵۱۹۸۷
۳- اے کے ایم حاذق الاسلام- جنتا دل ۴۱۹۱۴

منتخب ہوئے: شری محمد عبدالباری

۶۱- ناودا- حلقۂ انتخاب

۱- ادھیکاری رتن- بی جے پی ۲۴۴۲۶
۲- جینتو کمار بسواس- آر ایس پی ۴۶۶۰۹
۳- سیامل ناتھ دت- آزاد ۸۹۴
۴- نصیرالدین خان- کانگریس (آئی) ۳۸۴۲۷
۵- شیخ علی مرتضیٰ- آزاد ۲۲۴

منتخب ہوئے: شری جینتو کمار بسواس

۶۲- ہری ہر پاڑہ- حلقۂ انتخاب

۱- عبدالقادر کھندکار- ایس یو سی آئی ۱۲۹۴۶
۲- معظم الحق منڈل- سی پی آئی (ایم) ۴۹۶۷۳
۳- سکھندو بسواس- بی جے پی ۹۱۸۰
۴- شیخ عمازالدین- کانگریس (آئی) ۴۸۷۴۵

منتخب ہوئے: شری شیخ عمازالدین

۶۳- برہمپور- حلقۂ انتخاب

۱- ڈاکٹر گوپال کرشن- آزاد ۱۵۸
۲- دیوبرتو بندو پادھیہ- آر ایس پی ۵۱۲۲[illegible]
۳- پیارن کمار بندو پادھیہ- بی جے پی [illegible]
۴- شنکر داس پال- کانگریس (آئی) ۴۰۹۶۲

منتخب ہوئے: شری دیوبرتو بندو پادھیہ

۶۴- بیلڈانگہ حلقۂ انتخاب

۱- عبدالشکور- ایم ایل ۸۰
۲- تمیر برن بھادڑی- آر ایس پی ۳۸۵۱۵
۳- نورالاسلام- کانگریس (آئی) ۵۵۴۵۰
۴- بینو سوداگر- بی جے پی ۲۵۱۷

منتخب ہوئے: شری نورالاسلام

۶۵- کاندی حلقۂ انتخاب

۱- اتیش چندر سنہا- کانگریس (آئی) ۴۷۷۷۱
۲- سید عبدالرزاق- سی پی آئی ۳۵۴۱۸

منتخب ہوئے: شری اتیش چندر سنہا

۶۶- کھارگرام حلقۂ انتخاب

۱- دینا بندھو ماجھی- سی پی آئی (ایم) ۴۵۲۱۰
۲- نکاری چندر ماجھی- کانگریس (آئی) ۴۱۴۱۵

منتخب ہوئے: شری دینا بندھو ماجھی

۶۷- بروان حلقۂ انتخاب

۱- املیندر لال رائے- آر ایس پی ۴۰۴۴۳
۲- علی حسین منڈل- کانگریس (آئی) [illegible]
۳- بدھستو انکھو پادھیہ- آزاد ۲۰۰۴[illegible]

منتخب ہوئے: شری املیندر لال رائے

۶۸- بھرت پور حلقۂ انتخاب

۱- عبدالمنان- کانگریس (آئی) [illegible]۵۷۵
۲- جہانگیر حسین- لوک دل ۱۱۲۴
۳- ستیہ پد بھٹاچاریہ- آر ایس پی [illegible]

منتخب ہوئے: شری ستیہ پد بھٹاچاریہ

ضلع ندیا

۶۹- کریم پور حلقۂ انتخاب

۱- اروبندو منڈل- کانگریس (آئی) ۳۷۹۶۱
۲- چترنجن بسواس- سی پی آئی (ایم) ۴۶۱۳۵

منتخب ہوئے: شری چترنجن بسواس

۷۰- پلاشی پاڑہ- حلقۂ انتخاب

۱- کارتک چندر بسواس- کانگریس (آئی) ۳۸۹۲۴
۲- مادھابندو مہانتا- سی پی آئی (ایم) ۴۳۷۸۰
۳- رنجیت کمار بوس- آزاد ۶۳۹
۴- شیخ خدا بخش- ایس یو سی آئی ۴۳۷۸

منتخب ہوئے: شری مادھابندو مہانتا

۷۱- نکاشی پاڑہ- حلقۂ انتخاب

۱- ابوالبشر منڈل- آزاد ۳۱[illegible]

۲- شیخ امیر چاند - جنتا ۹۰۰
۳- عبدالمجید چودھری - آزاد ۳۳۰
۴- تپن کمل سرکار - کانگریس (آئی) ۲۸۷۲۷
۵- میر فقیر محمد - سی پی آئی (ایم) ۳۴۴۶۶
۶- شیخ قربان - ایس یو سی آئی ۲۶۹۸

منتخب ہوئے: شری میر فقیر محمد

۷۲- کالی گنج - حلقۂ انتخاب

۱- دیب سرن گھوش - آر ایس پی - ۲۸۸۷۳
۲- پرو بودھ رنجن رجوار - آزاد ۱۱۲۴
۳- مستفیظ الرحمن - آزاد ۱۱۳۱
۴- ایس ایم فضل الرحمن - این سی آئی - ۱۷۶۵۰
۵- شیو شنکر نند و پادھیہ - کانگریس (آئی) ۲۶۸۷۸

منتخب ہوئے شری دیب سرن گھوش

۷۳- چھپرا - حلقۂ انتخاب

۱- ارون بسواس - آزاد ۳۲۲۹۹
۲- ارون منڈل - آزاد ۴۳۵
۳- باسو دیب گھوش - بی جے پی ۴۲۲۵
۴- سناتن منڈل - آزاد ۹۱۶
۵- شہاب الدین منڈل - سی پی آئی (ایم) ۴۲۶۳۴

منتخب ہوئے شری شہاب الدین منڈل

۷۴- کرشنا گنج (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- امولیہ کمار بسواس - آزاد ۳۴۹
۲- آنند موہن بسواس - کانگریس (آئی) ۳۴۸۹۰
۳- گنند رانا تھ بسواس - سی پی آئی (ایم) ۳۶۰۰۵
۴- سادھن کمار طرار - جنتا ۲۰۹۰
۵- شیاوت بسواس - بی جے پی ۷۷۸

منتخب ہوئے شری گنند رانا تھ بسواس

۷۵- کرشنگر مشرق - حلقۂ انتخاب

۱- کاشی کانتو موئترا - جنتا ۱۸۷۰۷
۲- گوپال چندر سرکار - آزاد ۴۹۵
۳- وشوا روپ مکھرجی - کانگریس (آئی) ۱۹۵۸۷
۴- سادھن چٹوپادھیہ - سی پی آئی (ایم) ۲۷۸۲۶

منتخب ہوئے: شری سادھن چٹوپادھیہ

۷۶- کرشنگر مغرب - حلقۂ انتخاب

۱- امرتندو مکھوپادھیہ - سی پی آئی (ایم) ۳۲۸۳۳
۲- ابو طاہر جنگی - آزاد ۵۵۳۰
۳- گوری شنکر دت - کانگریس (آئی) ۲۷۱۰۵
۴- دلیپ چناری - آزاد ۱۹۷۲
۵- وکاش پرامانک - آزاد ۲۱۴

منتخب ہوئے شری امرتندو مکھوپادھیہ

۷۷- نوادیپ - حلقۂ انتخاب

۱- دیبی پرشاد باسو - سی پی آئی (ایم) ۴۲۲۱۷
۲- شری بی بھوتی بھوشن بھدرا - آزاد ۲۳۰۴
۳- بھجن ادھیکاری - جنتا ۱۹۸۲
۴- سشمتی بھوشن پال - کانگریس (آئی) ۲۸۰۰۹

منتخب ہوئے شری دیبی پرشاد باسو

۷۸- شانتی پور - حلقۂ انتخاب

۱- پیتو آشا منجادے - کانگریس (آئی) ۳۳۶۶۸
۲- دلیپ داس (پنٹو) - آزاد ۳۴۵۷
۳- بملیندو مکھرجی - آزاد ۳۲۵۲۵

منتخب ہوئے شری بملیندو مکھرجی

۷۹- ہنسکھالی (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- کشونش بسواس - کانگریس (آئی) ۳۹۲۳۹
۲- شو کمار منڈل - سی پی آئی (ایم) ۴۶۲۱۱

منتخب ہوئے شری شو کمار منڈل

۸۰- راناگھاٹ مشرق (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- اناتھ بندھو بسواس - آزاد ۱۷۲
۲- کرشنندو بسواس - آزاد ۵۹۵
۳- نیتائی پد سرکار - آزاد ۳۳۸۴۰
۴- شیبیش چندر منڈل - آزاد ۲۵۴
۵- ستیش بسواس - سی پی آئی (ایم) ۴۸۳۸۴

منتخب ہوئے شری ستیش بسواس

۸۱- راناگھاٹ مغرب - حلقۂ انتخاب

۱- گور چندر کنڈو - سی پی آئی (ایم) ۴۶۶۰۷

۲- [illegible] - کانگریس (آئی) ۲۸۸۹۱

منتخب ہوئے - شری گوبند چندر [illegible]

۸۲- چکداہ حلقۂ انتخاب

۱- چترنجن رائے - آزاد ۱۰۴۸
۲- نریندر ناتھ سرکار - کانگریس (آئی) ۳۷۰۹۷
۳- پرشانت چندر داس - آزاد ۹۷۳
۴- سبھاش باسو - سی پی آئی (ایم) ۵۹۴۸۱

منتخب ہوئے - شری سبھاش باسو

۸۳- ہرنگھاٹہ حلقۂ انتخاب

۱- رنجیت کمار دت رائے - بی جے پی - ۶۲۵
۲- بیبھوتی بھوشن داس - کانگریس (آئی) ۲۸۳۳۵
۳- ننی گوپال مالاکار - سی پی آئی (ایم) ۵۱۵۴۵

منتخب ہوئے - شری ننی گوپال مالاکار

ضلع ۲۴ پرگنہ

۸۴- باگداہا (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- ابریندر مجمدار - کانگریس (آئی) ۴۰۰۷۰
۲- اپیندرا ناتھ ہالدار - آزاد ۵۲۳
۳- کملاکشمی بسواس - فارورڈ بلاک ۴۸۷۷۳

منتخب ہوئے - کملاکشمی بسواس

۸۵- بنگاؤں حلقۂ انتخاب

۱- اسیتوش پال - آزاد - ۱۲۰

۲- بھوپیندر ناتھ سیٹھ - کانگریس (آئی) ۴۶۵۴۵
۳- سوجیت بسواس - جنتا ۱۱۴۱
۴- رنجیت مترا - سی پی آئی (ایم) ۴۲۹۳۹

منتخب ہوئے - شری بھوپیندر ناتھ سیٹھ

۸۶- گئی گھاٹا حلقۂ انتخاب

۱- کانتی بسواس - سی پی آئی (ایم) ۵۱۱۲۴
۲- پرامانند ہالدار - آزاد ۳۵۵
۳- منورنجن چکرورتی - بی جے پی ۱۳۰۸
۴- میرا مترا - کانگریس (آئی) ۳۹۳۵۵

منتخب ہوئے - شری کانتی بسواس

۸۷- ہابرا حلقۂ انتخاب

۱- علی الرحمٰن - مسلم لیگ ۱۰۱
۲- نیرود رائے چودھری - سی پی آئی (ایم) ۴۵۶۲۷
۳- پرادیپ مکھرجی - ایس یو سی آئی ۱۵۹۶
۴- بمل دت - کانگریس (آئی) ۳۷۳۰۷
۵- سنتوش کمار داس - آزاد ۳۳۴

منتخب ہوئے - شری نیرود رائے چودھری -

۸۸- اشوک نگر حلقۂ انتخاب

۱- کرشنا چٹرجی - کانگریس (آئی) ۶۲۷۷
۲- کیشب چندر بھٹاچاریہ - آزاد ۲۴۵۸۹
۳- کھوری رام منڈل - آزاد ۱۱۳۰
۴- دیپک رائے - آزاد ۵۲۲

۵- ننی کار - سی پی آئی (ایم) [illegible]

منتخب ہوئے - شری ننی کار

۸۹- آمڈانگہ حلقۂ انتخاب

۱- اشوک کرشنا دت - جنتا ۵۴۷۹
۲- سی - ایف - علی - مسلم لیگ ۳۴۹۵
۳- کھوری رام منڈل - آزاد ۲۳۱
۴- محمد عبدالسلام چودھری - آزاد ۲۸۷
۵- دلال بسواس - آزاد ۵۷۷
۶- ڈھیلن سرکار - آزاد ۴۱۴
۷- ہاشم عبدالحلیم - سی - پی - آئی (ایم) ۴۵۸۸۴

منتخب ہوئے - شری ہاشم عبدالحلیم

۹۰ باراسات حلقۂ انتخاب

۱- عبدالمالک - آزاد ۴۹۹
۲- آشیس کمار باسو - کانگریس (آئی) ۳۶۲۲۸
۳- سرل دیب - فارورڈ بلاک ۵۶۷۰۱

منتخب ہوئے - شری سرل دیب

۹۱- راجارہاٹ (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- تنموئے منڈل - کانگریس (آئی) ۳۶۲۴۶
۲- ربندر ناتھ منڈل - سی پی آئی (ایم) ۵۲۲۸۹

منتخب ہوئے - شری ربندر ناتھ منڈل

۹۲- بڑے گنگا - حلقۂ انتخاب

۱- نور جہاں بیگم - آزاد ۳۴۴
۲- ڈاکٹر مرتضیٰ حسین - فارورڈ بلاک ۳۴۷۸۱
۳- شیخ شمس الحق - آزاد ۸۶۲
۴- اے۔ کے۔ ایم حسن الزماں - مسلم لیگ ۳۲۴۹۸

منتخب ہوئے - **ڈاکٹر مرتضیٰ حسین**

۹۳- سروپ نگر - حلقۂ انتخاب

۱- انیس الرحمٰن بسواس - سی پی آئی (ایم) ۴۳۰۶۸
۲- کارتک دت - آزاد ۵۷۲
۳- باسودیب سرکار - آزاد ۱۴۱۸
۴- ہراسیت گھوش - کانگریس (آئی) ۳۵۲۱۰

منتخب ہوئے - **شری انیس الرحمٰن بسواس**

۹۴- بادوریہ - حلقۂ انتخاب

۱- قاضی عبدالغفار - کانگریس (آئی) ۴۲۱۲۳
۲- میہر کمار ہلدار - آزاد ۷۴۲
۳- مصطفیٰ بن قاسم - سی پی آئی (ایم) ۳۹۲۸۶

منتخب ہوئے - **قاضی عبدالغفار**

۹۵- بشیرہاٹ - حلقۂ انتخاب

۱- بی پی پرشاد نندا - کانگریس (ایس) ۴۰۹۰۷
۲- نارائن داس مکھرجی - سی پی آئی (ایم) ۴۸۹۹۰

منتخب ہوئے - **شری نارائن داس مکھرجی**

۹۶- حسن آباد حلقۂ انتخاب

۱- امیہ بھوشن بنرجی - سی پی آئی (ایم) ۳۸۶۴۵
۲- غازی غلام مولا - آزاد ۱۰۶۱
۳- پرشوتم منڈل - آزاد ۱۴۴۹
۴- سکندر سرکار - مسلم لیگ ۲۸۷۵۳

منتخب ہوئے - **شری امیہ بھوشن بنرجی**

۹۷- ہاڑوا (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- کھیتی رنجن منڈل - سی پی آئی (ایم) ۴۸۰۲۵
۲- گنگا دھر پرامانک - کانگریس (آئی) ۳۱۴۵۱
۳- سنت کمار سنگھا - جنتا ۱۲۵۲

منتخب ہوئے - **شری کھیتی رنجن منڈل**

۹۸- سندیش کھالی - (شیڈولڈ کاسٹ)

۱- آننت کمار بیرا - کانگریس (آئی) ۳۰۴۷۳
۲- کمود رنجن بسواس - سی پی آئی (ایم) ۵۳۲۲۵
۳- جگدیش چندر کرتانیہ - آزاد ۱۴۷۷

منتخب ہوئے - **شری کمود رنجن بسواس**

۹۹- ہنگل گنج (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- انل کرشنا ستری - کانگریس (آئی) ۳۱۱۰۰
۲- رابندرا ناتھ منڈل - آزاد ۱۳۹۴
۳- سدھانشو شیکھر منڈل - سی پی آئی (ایم) ۴۸۹۸۳

منتخب ہوئے - **شری سدھانشو شیکھر منڈل**

۱۰۰- گوسابا (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- گنیش منڈل - آر ایس پی ۴۳۰۹۹
۲- سندھیا کار منڈل - کانگریس (آئی) ۳۴۴۰۰
۳- سیدھر کمار منڈل - آزاد ۳۲۸

منتخب ہوئے - **شری گنیش منڈل**

۱۰۱- بسنتی (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- بپن بہاری سردار - کانگریس (آئی) ۳۱۸۴۰
۲- سوجیت منڈل - جنتا ۱۰۷۳
۳- سبھاش نسکر - آر ایس پی ۴۸۶۱۵

منتخب ہوئے - **شری سبھاش نسکر**

۱۰۲- کلتالی (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- اروند نسکر - کانگریس (آئی) ۳۰۰۲۵
۲- پربودھ پرکائت - ایس یو سی آئی ۳۵۳۲۱
۳- شری دھر چندر منڈل - سی پی آئی (ایم) ۱۱۹۵۰

منتخب ہوئے - **شری پربودھ پرکائت**

۱۰۳- جئے نگر - حلقۂ انتخاب

۱- امریندر ناتھ دے - سی پی آئی (ایم) ۱۵۰۲۴
۲- کمود بھٹا چارجی - کانگریس (ایس) ۳۲۷۳۷
۳- دیبا پرشاد سرکار - ایس یو سی آئی ۳۳۴۳۷

منتخب ہوئے - **شری دیبا پرشاد سرکار**

۱۰۴- بروئی پور - حلقۂ انتخاب

۱- جلیل غازی - کانگریس (آئی) ۳۴۶۲۷
۲- لطیف استری - جنتا ۱۳۶۵
۳- ہمین مجمدار - سی پی آئی (ایم) ۴۶۰۳۰

منتخب ہوئے۔ شری امین مجمدار

۱۰۵۔ کیننگ مغرب (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱۔ گوبند چندر نسکر۔ کانگریس (آئی) ۳۶۳۹۴
۲۔ چندر کانت رائے۔ آزاد ۱۱۴۱
۳۔ چترنجن مریدھا۔ سی پی آئی (ایم) ۳۹۱۱۳
۴۔ دسرتھ منڈل۔ ایس یو سی آئی ۹۵۹۳

منتخب ہوئے۔ شری چترنجن مریدھا

۱۰۶۔ کیننگ مشرق۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ عبدالرزاق ملا۔ سی پی آئی (ایم) ۴۲۴۵۷
۲۔ نژمانان احمد۔ کانگریس (آئی) ۲۵۵۰۳
۳۔ شہنشاہ جہانگیر غفار۔ جنتا ۱۳۷

منتخب ہوئے۔ شری عبدالرزاق ملا

۱۰۷۔ بھانگر۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ ڈاکٹر امیر علی ملا۔ جنتا ۱۶۱۶
۲۔ داؤد خاں۔ سی پی آئی (ایم) ۴۳۳۷۰
۳۔ شریف العالم اسحاق۔ کانگریس (آئی) ۲۸۸۷۶

منتخب ہوئے۔ شری داؤد خاں

۱۰۸۔ جادب پور۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ جوگیندر ناتھ ہالدار۔ آزاد ۳۰۴
۲۔ رشیشور پاسمان۔ جنتا ۱۳۳۳
۳۔ سچن ملک چند۔ کانگریس (آئی) ۳۰۷۲۱
۴۔ شنکر گپتا۔ سی پی آئی (ایم) ۶۴۷۵
۱۴

منتخب ہوئے۔ شری شنکر گپتا

۱۰۹۔ سنار پور (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱۔ گنگادھر نسکر۔ سی پی آئی (ایم) ۵۳۰۷۴
۲۔ رام کانتا منڈل۔ کانگریس (آئی) ۲۸۱۳۷

منتخب ہوئے۔ شری گنگادھر نسکر

۱۱۰۔ وشنوپور مشرق (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱۔ مہادیو نسکر۔ کانگریس (آئی) ۲۳۵۷۴
۲۔ سندر نسکر۔ سی پی آئی (ایم) ۳۷۵۱۶

منتخب ہوئے۔ شری سندر نسکر

۱۱۱۔ وشنوپور مغرب۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ عبدالودود شیخ۔ آزاد ۲۶۹
۲۔ امین الدین شیخ۔ آزاد ۱۱۲۲
۳۔ نرنجن گھوش۔ کانگریس (آئی) ۲۳۷۳۸
۴۔ پرووتاش چندر رائے۔ سی پی آئی (ایم) ۴۶۵۲۲

منتخب ہوئے۔ شری پرووتاش چندر رائے

۱۱۲۔ بیہالا مشرق حلقۂ انتخاب

۱۔ امولیہ داس۔ آزاد ۲۴۸
۲۔ اُدوئے بوس۔ آزاد ۴۱۳
۳۔ گنیش چندر مکھرجی۔ آزاد ۳۸۶
۴۔ نرنجن مکھرجی۔ سی پی آئی (ایم) ۵۹۸۰۵
۵۔ بلرام گوسوامی۔ کانگریس (آئی) ۲۸۴۸۱
۶۔ شانتی لال چٹرجی۔ آزاد ۲۷۱

منتخب ہوئے۔ شری نرنجن مکھرجی

۱۱۳۔ بیہالا مغرب۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ اروناگھوش دستی دار۔ کانگریس (آئی) ۳۴۲۸۹
۲۔ گنیش چندر مکھرجی۔ آزاد ۵۱۵
۳۔ رتن داس۔ آزاد ۵۳۱
۴۔ نروپن مکھرجی۔ سی پی آئی (ایم) ۵۴۴۴۸
۵۔ سدن سرکار۔ آزاد ۲۳۱۵

منتخب ہوئے۔ شری نروپن مکھرجی

۱۱۴۔ گارڈن ریچ۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ چھیدی لال سنگھ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۲۴۸۲
۲۔ بمل دھر۔ آزاد ۶۲۷
۳۔ محمد شمس الضحیٰ۔ کانگریس (آئی) ۳۲۸۴۴
۴۔ رام شرن۔ آزاد ۴۳۶
۵۔ سید غلام محمد۔ جنتا ۹۱۲

منتخب ہوئے۔ شری محمد شمس الضحیٰ

۱۱۵۔ مہیش تلا حلقۂ انتخاب

۱۔ دلیپ گھوش۔ آزاد ۲۳۶۴۷
۲۔ میر عبدالسعید۔ سی پی آئی (ایم) ۴۰۵۲۳

منتخب ہوئے۔ شری میر عبدالسعید

۱۱۶۔ بج بج۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ انیل ہالدار۔ بی جے پی ۸۱۴
۲۔ کھیتی بھوشن رائے برمن۔ سی پی آئی (ایم) ۴۰۲۷۹
۳۔ نرملے چندر کھانڑا۔ کانگریس (آئی) ۲۴۱۴۴
۴۔ محمد نور بخش۔ ایس یو سی آئی ۳۴۷

منتخب ہوئے۔ شری کھیتی بھوشن رائے برمن

۱۱۷۔ ستے گچھیا۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ جیوتی باسو۔ سی پی آئی (ایم)۔ ۵۰۶۱۸
۲۔ دیتابندھو بیراگی۔ کانگریس (آئی) ۲۲۵۲۲
منتخب ہوئے۔ **شری جیوتی باسو**

۱۱۸ فالتا۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ اشرف علی۔ کانگریس (آئی) ۲۳۸۸۱
۲۔ نمائی داس۔ سی پی آئی (ایم) ۴۱۷۹۷
۳۔ شکتی سادھن پالوئی۔ آزاد ۳۷۴
۴۔ شری سوشیل منڈل۔ آزاد ۶۲۷
منتخب ہوئے۔ **شری نمائی داس**

۱۱۹۔ ڈائمنڈ ہاربر۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ عبدالقیوم ملاّ۔ سی پی آئی (ایم) ۴۸۰۶۹
۲۔ گوپال برمن۔ جنتا ۱۲۲۵
۳۔ دیباکر گھوش۔ کانگریس (آئی) ۲۷۸۰۷
منتخب ہوئے۔ **شری عبدالقیوم ملاّ**

۱۲۰۔ مگراہاٹ غربی۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ عبدالسبحان۔ سی پی آئی (ایم) ۴۳۴۲۹
۲۔ اے رؤف بیدیا۔ ایس یو سی آئی ۱۷۶۳
۳۔ سدھیندو منڈل۔ کانگریس (آئی) ۲۰۴۱۳
منتخب ہوئے۔ **شری عبدالسبحان**

۱۲۱۔ مگراہاٹ مشرق (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱۔ اجیت کمار نسکر۔ جنتا۔ ۳۸۵
۲۔ نرمل کانتی منڈل۔ کانگریس (آئی) ۲۰۳۴۴
۳۔ [illegible] منڈل۔ آزاد ۶۵۷

۴۔ رادھیکا رنجن پرامانک۔ سی پی آئی (ایم) ۴۸۰۹۶
۵۔ شیب داس ہالدار۔ آزاد ۲۲۰
منتخب ہوئے شری **رادھیکا رنجن پرامانک**

۱۲۲۔ مندر بازار (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱۔ بمل کرشنا ہالدار۔ آزاد ۱۴۴
۲۔ بریندرا ناتھ ہالدار۔ کانگریس (آئی) ۲۳۲۳۵
۳۔ شری برندابن گائن۔ جنتا۔ ۶۸۴
۴۔ رینوپدو ہالدار۔ ایس یو سی آئی ۱۸۰۳۲
۵۔ سبھاش چندر رائے۔ سی پی آئی (ایم) ۲۴۸۳۲
منتخب ہوئے۔ **شری سبھاش چندر رائے**

۱۲۳۔ متھورا پور۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ پریتش کور۔ ایس یو سی آئی۔ ۱۴۹۲۸
۲۔ برندابن بھنڈاری۔ سی پی آئی (ایم) ۳۳۲۱۹
۳۔ ستیہ رنجن باپولی۔ کانگریس (آئی) ۳۹۴۰۸
منتخب ہوئے۔ **شری ستیہ رنجن باپولی**

۱۲۴۔ کلپی (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱۔ انوکل منڈل۔ ایس یو سی آئی۔ ۱۰۳۵
۲۔ کرشنا دھن ہالدار۔ سی پی آئی ایم۔ ۴۰۶۸۱
۳۔ سنتوش کمار منڈل۔ کانگریس (آئی)۔ ۲۸۹۷۴
منتخب ہوئے۔ **شری کرشنا دھن ہالدار**

۱۲۵۔ پاتھر پرتیما۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ اننت کمار بیرا۔ کانگریس (آئی) ۳۱۱۵۶
۲۔ گنا دھر مائیتی۔ سی پی آئی (ایم) ۳۶۰۶۴
۳۔ چترنجن داس۔ ایس یو سی آئی ۴۶۷۲
۴۔ رینوپدو داس۔ جنتا ۹۴۴
منتخب ہوئے۔ **شری گنا دھر مائیتی**

۱۲۶۔ کاکدویپ حلقۂ انتخاب

۱۔ باسودیو سوتا۔ کانگریس (آئی) ۳۱۱۵۶
۲۔ سدھانشو شیکھر کور۔ آزاد ۶۱۱
۳۔ رشی کیش مائیتی۔ سی پی آئی (ایم) ۴۱۴۰۳
منتخب ہوئے۔ **شری رشی کیش مائیتی**

۱۲۷۔ ساگر۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ نلنی رنجن داس۔ آزاد ۲۷۸
۲۔ پربھنجن کمار منڈل۔ سی پی آئی (ایم) ۴۵۹۷۷
۳۔ ہری پد وسین۔ کانگریس (آئی) ۳۶۷۹۹
۴۔ ہمنتو کمار پرامانک۔ لوک دل ۳۳۳
منتخب ہوئے۔ **شری پربھنجن کمار منڈل**

۱۲۸۔ بیجپور حلقۂ انتخاب

۱۔ پریمول چکرورتی۔ آزاد ۱۵۱
۲۔ جگدیش چندر داس۔ سی پی آئی (ایم) ۴۳۳۴۴
۳۔ پرابیر سندر پادھیہ۔ کانگریس (آئی) ۳۰۲۳۴
۴۔ بھگوان جی ٹھاکر۔ بی جے پی ۱۲۰۹
۵۔ ہیش داس۔ آزاد ۴۹۲
۶۔ سیلیش سنہا۔ لوک دل ۲۷۷
منتخب ہوئے۔ **شری جگدیش چندر داس**

۱۲۹- [illegible]ہاٹی - حلقہ انتخاب

۱- اجیت باسو - سی پی آئی (ایم) ۴۳۹۱۱
۲- د[illegible] - آزاد ۴۵۰
۳- رنجیت بھٹاچاریہ - کانگریس (آئی) ۳۴۰۵۶
۴- سکھو رنجن نند - بی جے پی - ۷۹۳

منتخب ہوئے - شری اجیت باسو

۱۳۰- بھاٹ پارہ - حلقہ انتخاب

۱- اتواری داس - لوک دل - ۸۰۱
۲- دیبی گھوشال - کانگریس (آئی) ۳۸۰۴۵
۳- ترلوچن چودھری - آزاد ۶۴۴
۴- سیتا رام گپتا - سی پی آئی (ایم) ۳۸۶۵۶

منتخب ہوئے - شری سیتا رام گپتا

۱۳۱- جگت دل - حلقہ انتخاب

۱- نہار باسو - فارورڈ بلاک ۴۵۹۱۴
۲- مرگین لاہیری - کانگریس (آئی) ۲۵۸۹۵
۳- ریندر ناتھ گوہا - آزاد ۹۱۵
۴- شیو کمار سنگھ - لوک دل ۳۰۳۰

منتخب ہوئے - شری نہار باسو

۱۳۲- نوا پاڑہ - حلقہ انتخاب

۱- اپوربو بھٹاچاریہ - کانگریس (ایس) ۲۲۲۲۷
۲- دارو گا رائے - لوک دل ۱۴۹۱
۳- جامنی ساہا - سی پی آئی (ایم) ۳۵۳۵۴

منتخب ہوئے - شری جامنی ساہا

۱۳۳- ٹیٹاگڑھ - حلقہ انتخاب

۱- امبیکا پرشاد - جنتا ۴۴۷
۲- گنگا پرشاد شا - کانگریس (آئی) ۳۱۹۳۰
۳- محمد امین - سی پی آئی (ایم) ۳۱۷۹۸
۴- سادھن چکرورتی - آزاد ۱۴۵۸

منتخب ہوئے - شری گنگا پرشاد شا

۱۳۴- کھاردا - حلقہ انتخاب

۱- اجیت کمار دیب ناتھ - آزاد - ۵۳۸
۲- کمل سرکار - سی پی آئی (ایم) ۵۵۴۴۵
۳- نرمل گھوش - کانگریس (آئی) ۲۷۰۳۵

منتخب ہوئے - شری کمل سرکار

۱۳۵- پانی ہاٹی - حلقہ انتخاب

۱- گوپال کرشنا بھٹاچاریہ - سی پی آئی (ایم) ۵۰۷۶۵
۲- تپن چٹو پادھیہ - کانگریس (آئی) ۳۶۷۸۱
۳- منورنجن گھوش - آزاد ۵۱۲
۴- سنتھو ناتھ گھوش - جنتا ۳۰۷۴

منتخب ہوئے - شری گوپال کرشنا بھٹاچاریہ

۱۳۶- کمرہٹی - حلقہ انتخاب

۱- نریندر دت - کانگریس (آئی) ۲۹۵۱۳
۲- رادھیکا بنرجی - سی پی آئی (ایم) ۵۷۶۱۶
۳- ستین کمار رائے - آزاد ۶۹۱

منتخب ہوئیں - شریمتی رادھیکا بنرجی

۱۳۷- بارانگر - حلقہ انتخاب

۱- تلک گانگولی - جنتا - ۱۰۶۴
۲- متیش رائے - آر ایس پی ۵۹۹۸۵
۳- شمبھو ناتھ دت - کانگریس (آئی) - ۴۱۵۸۱
۴- ہری شنکر چکرورتی - آزاد ۴۴۴

منتخب ہوئے - شری متیش رائے

۱۳۸- دمدم - حلقہ انتخاب

۱- رام پریت گوند - آزاد ۶۰۰
۲- لال بہادر سنگھ - کانگریس (آئی) ۳۳۹۱۱
۳- شانتی گھٹک - سی پی آئی (ایم) ۴۸۱۷۸
۴- سبرتو چٹرجی - آزاد ۶۶۹

منتخب ہوئے - شری شانتی گھٹک

شہر کلکتہ

۱۳۹- بیلگچھیا مشرق - حلقہ انتخاب

۱- دیو نندن پرشاد - آزاد ۳۰۴
۲- شیامل بھٹاچارجی - کانگریس (آئی) ۴۴۱۶۷
۳- سمیر چٹرجی - جنتا - ۱۸۲۲
۴- سبھاش چکرورتی - سی پی آئی (ایم) ۵۸۸۹۰

منتخب ہوئے - شری سبھاش چکرورتی

۱۴۰- کاشی پور - حلقہ انتخاب

۱- پدما راج رائے - جنتا پارٹی ۶۱۶
۲- پریل چکرورتی - آمرا بانگالی ۳۰۲
۳- پرفلا کانتی گھوش - کانگریس (آئی) ۲۹۷۱۵
۴- بدھو دیو بھٹاچارجی - سی پی آئی (ایم) ۲۸۹۸۷
۵- مانی پرشاد سنگھ - بی جے پی ۶۰۶

منتخب ہوئے - شری پرفلا کانتی گھوش

ا-شیامپوکھر - حلقہ انتخاب

رن چودھری - کانگریس (آئی) ۲۶۴۳۷
تالینی کانت گوبا - آر ایس پی ۲۵۰۸۵
ب ہوئے - **شری کرن چودھری**

۱۴-جوڑابگان - حلقہ انتخاب

ایلا سائے - آزاد - ۱۵۸
جگل کشور جھنجھنوالا - بی جے پی ۶۷۹۰
ا-ستیہ نارائن شرما - آزاد ۲۷۵
- ستیہ نارائن اشوپ - جنتا ۵۹۶
- سرلا مہیشوری - سی پی آئی (ایم) ۱۴۴۴۶
- شبرتو مکھرجی - کانگریس (آئی) ۳۲۱۵۶
منتخب ہوئے۔ **شری شبرتو مکھرجی**

۱۴۲-جوڑاساکھو - حلقہ انتخاب

- اختر عالم - آزاد ۳۹
- کرشنا گوپال ستھا - جنتا - ۱۱۰۸
۳- دیا کرو یسٹا تھ - آزاد ۱۴۶
۴- دیوکی نندن پودار - کانگریس (آئی) ۱۹۸۸۸
۵- نور الدین محمد جہانگیر - آزاد ۲۰۰
۶- وشنو کانت شاستری - بی جے پی - ۶۸۲۷
۷- شیو لوچن یادو - آزاد ۷۴
۸- شیام سندر گپتا - فارورڈ بلاک ۱۶۲۶۷
۹- ستیش چندر ویاس - آزاد - ۱۰۱
۱۰- ساگر مل شرما - آزاد ۲۱
منتخب ہوئے - **شری دیوکی نندن پودار**

۱۴۴-بڑا بازار - حلقہ انتخاب

۱- جگدیش سنگھ - جنتا پارٹی ۸۶۶
۲- پرکاش رام پانڈے - آزاد ۸۷
۳- بسنت سنگھ - آزاد ۱۶۱
۴- ربی شنکر پانڈے - ڈی ایس پی ۱۰۵۰۰
۵- راجندر کمار تیواری - آزاد ۸۵
۶- راجندر سنگھ - آزاد ۱۱۴
۷- راجیش کھیتان - کانگریس (آئی) ۲۰۲۵۸
۸- شیخ عبدالقدوس - آزاد ۲۹۹
۹- شیام کنیا سنگھ - بی جے پی ۴۷۶۹
۱۰- سچیدانند پانڈے - آزاد ۵۳۴
۱۱- ستیہ نارائن آریا - آزاد ۱۱۶
۱۲- ستیہ نارائن شرما - آزاد ۳۹
منتخب ہوئے - **شری راجیش کھیتان**

۱۴۵-بوبازار - حلقہ انتخاب

۱- آنند گوپال ترپاٹھی - بی جے پی ۱۶۰۲
۲- ابوالحسن - سی پی آئی (ایم) ۲۲۶۱۵
۳- عبدالرؤف انصاری - کانگریس (آئی) ۲۶۰۰۱
۴- رویندر کھوش سنگھ - آزاد - ۲۵۲
۵- محمد سلیم خان - آزاد - ۱۶۱
منتخب ہوئے - **شری عبدالرؤف انصاری**

۱۴۶-چورنگی - حلقہ انتخاب

۱- آشگا موہن آشی - آزاد ۷۴
۲- ظہیرالحق - سی پی آئی (ایم) ۲۰۰۴۳
۳- نواب خان واریا - آزاد ۲۴۹
۴- پرووانش چندر شیام - آزاد ۵۰۴
۵- بینوئے شنکر سنہا - بی جے پی - ۷۲۸
۶- مکھن داس جی - دسوانی - آزاد - ۱۲۳۲
۷- سیشیر کمار بوس - کانگریس (آئی) ۳۰۲۶۷
۸- سندیپ داس - جنتا - ۱۲۶۸
منتخب ہوئے - **شری سیشیر کمار بوس**

۱۴۷-کوئی تیرتھ - حلقہ انتخاب

۱- کلیم الدین شمس - فارورڈ بلاک ۳۳۷۰۹
۲- کیشب کمار اگروال - جنتا - ۸۶۳
۳- نور محمد - لوک دل ۹۳۴۷
۴- محمد سلیم خان - آزاد ۵۰۰
۵- سوگتو رائے - کانگریس (ایس) ۲۷۱۸۳
منتخب ہوئے - **شری کلیم الدین شمس**

۱۴۸-علی پور - حلقہ انتخاب

۱- انوپ کمار چندر - کانگریس (آئی) ۳۱۶۲۳
۲- اشوک کمار بوس - سی پی آئی (ایم) ۲۹۲۷۴
۳- دلیپ رائے چودھری - جنتا - ۹۳۸
۴- اگروال درگا دت - آزاد ۳۶۴
۵- نائی چندر دت - آزاد ۱۸۲
۶- سوشیل مجمدار - آزاد ۱۴۰
منتخب ہوئے - **شری انوپ کمار چندر**

۱۴۹-راش بہاری - حلقہ انتخاب

۱- اشوک مترا - سی پی آئی (ایم) - ۲۹۸۸۷
۲- اشوک مکھوپادھیہ - جنتا - ۱۱۷۴

۳- [illegible] گھوش - آزاد
۴- تپو[illegible]س - ایچ پی [illegible]
۵- ایم کے [illegible] - آزاد ۱۴۹
۶- سانتنا [illegible] - ایس یو سی آئی ۱۴۵۳
۷- ڈاکٹر ہیمنتی باسو - کانگریس (آئی) ۳۲۶۷۲
منتخب ہوئے - ڈاکٹر ہیمنتی باسو

۱۵۰- شالی گنج - حلقۂ انتخاب

۱- اسیم دت - کانگریس (آئی) ۲۴۲۹۴
۲- دلیپ پرشاد چٹرجی - جنتا ۲۵۳۶
۳- پرسانتو کمار سور - سی پی آئی (ایم) ۴۱۸۵۷
۴- مدھو سانیال - آزاد ۲۸۰
منتخب ہوئے - شری پرسانتو کمار سور

۱۵۱- ڈھکوریا - حلقۂ انتخاب

۱- شنکر شانتی داس گپتا - کانگریس (آئی) ۳۱۸۰۰
۲- جوتین چکرورتی - آر ایس پی ۵۱۱۵۱
۳- شانتی رائے - بی جے پی ۱۴۵۵
منتخب ہوئے - شری جوتین چکرورتی

۱۵۲- بالی گنج - حلقۂ انتخاب

۱- امیر الدین احمد - جنتا ۸۱۳
۲- عمر فاروق - آزاد ۱۳۵۹
۳- نرملیندو دت - آزاد ۹۴۳
۴- رودر تالکدار - کانگریس (آئی) ۳۱۸۷۴
۵- سچن سین - سی پی آئی (ایم) ۴۵۲۱۲
منتخب ہوئے - شری سچن سین

۱۵۳- انٹالی - حلقۂ انتخاب

۱- اشوک باگچی - جنتا ۵۰۴
۲- نیپے پرشاد جیسوال - آزاد ۲۲۰
۳- محمد نظام الدین - سی پی آئی (ایم) ۲۸۳۰۹
۴- بھبتوش بانک - آزاد ۲۴۶
۵- رابی چودھری - آزاد ۱۲۵
۶- سلطان احمد - کانگریس (آئی) ۱۹۵۸۷
منتخب ہوئے - شری محمد نظام الدین

۱۵۴- تالتلا (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- اندر جیت شنکر نسکر - کانگریس (آئی) ۲۴۹۴۶
۲- جگناتھ بسواس - آزاد ۱۰۱۵
۳- سانتو کمار ہیرا - سی پی آئی (ایم) ۲۴۳۵۸
منتخب ہوئے - شری سانتو کمار ہیرا

۱۵۵- بیلیاگھاٹا - حلقۂ انتخاب

۱- اشوک دیب - کانگریس (آئی) ۲۴۰۹۸
۲- کرشنا پد گھوش - سی پی آئی (ایم) ۴۴۳۷۷
۳- پریا نند بوس - جنتا ۱۰۳۶
منتخب ہوئے - شری کرشنا پد گھوش

۱۵۶- سیالدہ - حلقۂ انتخاب

۱- نندا گوپال بھٹاچارجی - سی پی آئی ۱۴۲۸۹
۲- پرسانتو داس - آمرا بنگالی ۱۵۲
۳- بینوئے بنرجی - جنتا ۲۷۴۴
۴- سوبرتو چٹوپادھیائے - آزاد ۱۲۸
۵- سومندر ناتھ مترا - کانگریس (آئی) ۲۲۹۹۵
منتخب ہوئے - شری سومندر ناتھ مترا

۱۵۷- ودیا ساگر - حلقۂ انتخاب

۱- ظہور الاسلام - مسلم لیگ ۳۸

۲- بیری [illegible] - کانگریس (آئی) ۲۹۰۸۰
۳- [illegible] - آزاد ۱۰۰۹
۴- لکشمی کانتو دے - سی پی آئی (ایم) ۳۴۳۵۴
۵- شاہ نواز عالم - جنتا ۸۶۰
۶- سید کاظمی - آزاد ۴۷۸
منتخب ہوئے - شری لکشمی کانتو دے

۱۵۸- بڑتلا - حلقۂ انتخاب

۱- اجیت کمار پانجا - کانگریس (آئی) ۲۸۱۲۷
۲- اما لینندو رائے - آزاد ۲۰۳
۳- ارون کمار سنہا - آزاد ۳۲۵
۴- گوستی پرشاد گیری - آزاد ۵۹۷
۵- تریپس چٹرجی - آزاد ۲۳۹
۶- تارا پدو متا - آزاد ۱۷۰
۷- بکل داس - آر ایس پی ۲۵۴۷۷
منتخب ہوئے - شری اجیت کمار پانجا

۱۵۹- مانک تلا - حلقۂ انتخاب

۱- اسیم بنرجی - جنتا ۱۰۳۱
۲- دلا شور رائے - کانگریس (آئی) ۳۰۲۹۰
۳- پنچانن منڈل - آزاد ۳۵۹
۴- شیامل چکرورتی - سی پی آئی (ایم) ۴۷۱۰۹
منتخب ہوئے - شری شیامل چکرورتی

۱۶۰- بلگچھیا مغرب - حلقۂ انتخاب

۱- امریندر ناتھ بھٹاچاریہ - کانگریس (آئی) ۳۲۹۱۴
۲- سشیل کرشنا گوہا - آزاد ۹۴۹
۳- رتھندرا ناتھ رائے - سی پی آئی (ایم) ۳۴۵۹۱
منتخب ہوئے - شری رتھندرا ناتھ رائے

ضلع ہوڑہ

۱۶۱- بالی - حلقۂ انتخاب

۱- پتیت پبن پاٹھک - سی پی آئی (ایم) ۳۹۶۷۰
۲- بانی کمار سنگھ - کانگریس (آئی) ۳۱۹۰۳
۳- موہن کمار سنگھ - آزاد ۵۱۶
۴- سرت چندر چٹو پادھیہ - ایس یو سی آئی ۹۲۶
۵- سلیندر ناتھ گھوش - آزاد ۲۹۱
منتخب ہوئے - شری پتیت پبن پاٹھک

۱۶۲- ہوڑہ شمال - حلقۂ انتخاب

۱- انیل برن داس - آزاد ۱۵۰
۲- انیل سنگھ - بی جے پی ۹۹۳
۳- اشوک گھوش - کانگریس (آئی) ۳۹۲۳۴
۴- کرشنا کمار سنگھ - جنتا ۷۱۸
۵- چترا برا تا مجمدار - سی پی آئی (ایم) ۳۴۷۹۴
۶- چترنجن دے - آزاد ۱۸۶
۷- للت پرشاد آستانہ - لوک دل ۲۷۴
منتخب ہوئے شری اشوک گھوش

۱۶۳- ہوڑہ مرکز - حلقۂ انتخاب

۱- امبیکا بنرجی - کانگریس (آئی) ۳۵۹۵۴
۲- درگا داس کنبر - آزاد ۳۲۹
۳- سلیندر ناتھ بائت - آزاد ۵۲۹
۴- شو کمار بنرجی - بی جے پی - ۱۵۷۷
۵- شدھن کمار - آر سی پی آئی - ۲۹۷۸۵
۶- سر شیو ردت - لوک دل ۵۳۸
منتخب ہوئے - شری امبیکا بنرجی

۱۶۴- ہوڑہ جنوب حلقۂ انتخاب

۱- امیہ کمار دت - کانگریس (آئی) ۳۱۳۳۹
۲- دیپ کمار گھوش - جنتا - ۱۵۲۹
۳- پرولے تالکدار - سی پی آئی (ایم) ۳۴۷۳۵
منتخب ہوئے - شری پرولے تالکدار

۱۶۵- شیب پور - حلقۂ انتخاب

۱- انیل بھومک - کانگریس (آئی) ۴۱۴۳۵
۲- کنائی لال بھٹاچاریہ - فارورڈ بلاک ۶۱۳۸۱
۳- جینیدر مکھرجی - آزاد ۸۹۸
۴- بیرندرا کمار چٹرجی - جنتا ۲۱۰۸
۵- بھاپ سیما گوپال دے - آزاد ۳۸۲
منتخب ہوئے - شری کنائی لال بھٹاچاریہ

۱۶۶- دمجور - حلقۂ انتخاب

۱- جوئے کیش مکھرجی - سی پی آئی (ایم) ۵۰۹۱۷
۲- نند لال چکرورتی - جنتا پارٹی ۹۸۷
۳- جادو مترا - کانگریس (آئی) ۳۴۷۲۵
۴- لکشمی کانت بیدیا - آزاد ۲۵۶
۵- سدھیشور مکھوپادھیہ - آزاد - ۲۷۹
منتخب ہوئے شری جوئے کیش مکھرجی

۱۶۷- جگت ولّو پور - حلقۂ انتخاب

۱- ایم - انصار الدین - سی پی آئی (ایم) ۴۷۸۰۱
۲- نمائی پوریل - آزاد ۳۲۰۰۵
منتخب ہوئے - شری ایم انصاری

۱۶۸- پانچلا - حلقۂ انتخاب

۱- شیخ انور علی - کانگریس (آئی) ۴۴۲۸۳
۲- سنتوش کمار داس - فارورڈ بلاک ۴۰۲۰۳
۳- سوپون رائے - آزاد ۴۰۷
منتخب ہوئے شری شیخ انور علی

۱۶۹- سنکرائل اسٹیڈولڈ کاسٹ حلقۂ انتخاب

۱- نیتانند بھوئیا - کانگریس (آئی) ۳۶۰۱۸
۲- بادل باگ - آزاد ۷۹۶
۳- ہرن ہاجرہ - سی پی آئی (ایم) ۴۱۴۵۷
منتخب ہوئے - شری ہرن ہاجرہ

۱۷۰- اُلوبیڑیا شمال (اسٹیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- گونا کر سنہا - کانگریس (آئی) ۳۱۴۸۹
۲- بو منیا بتھری - بی جے پی - ۱۰۳۵
۳- راج کمار منڈل - سی پی آئی (ایم) ۴۰۷۷۹
۴- راجندر ناتھ بارک - آزاد ۳۳۵
منتخب ہوئے - شری راج کمار منڈل

۱۷۱- اُلوبیریا جنوب - حلقۂ انتخاب

۱- ادھیکاری میناتی - کانگریس (آئی) ۲۲۴۹۵
۲- شیخ غوث محمد - جنتا - ۱۲۴۹
۳- ربندرا گھوش - فارورڈ بلاک ۴۸۰۹۱
۴- چندرا باس کائل - آزاد ۵۴۵
منتخب ہوئے - شری ربندرا گھوش

۱۷۲ - ...پور - حلقۂ انتخاب

۱- گنور ہری اوک - فارورڈ بلاک ۳۹۰۹۳

۲- دلیپ پٹنک - آزاد ۷۹۲

۳- ستیندر بیرا - جنتا ۵۹۴۳

۴- سیسر کمار سین - کانگریس (آئی) ۳۲۸۲۶

منتخب ہوئے - **شری گنور ہری اوک**

۱۷۳ - پاسکنان - حلقۂ انتخاب

۱- گیتا رائے - آزاد ۴۹۷

۲- نروپما چٹرجی - سی پی آئی (ایم)

۴۴۴۹۳

۳- بنو بہاری میرا - آزاد ۴۰۳

۴- سوسانتو بھٹاچارجی - کانگریس (آئی)

۳۸۵۳۶

منتخب ہوئیں - **شریمتی نروپما چٹرجی**

۱۷۴ - کلیان پور - حلقۂ انتخاب

۱- اسیت مترا - کانگریس (ایس) ۳۰۲۲۸

۲- کارتک سرکیت - بی جے پی - ۱۱۹۸

۳- نیتائی چرن اوک - سی پی آئی (ایم) ۳۹۲۹۵

۴- نائی ملک - آزاد ۷۰۸

منتخب ہوئے - **شری نیتائی چرن اوک**

۱۷۵ - آمتا - حلقۂ انتخاب

۱- شیخ عین الدین - کانگریس (آئی) ۳۰۴۲۳

۲- آلا موہن پکھیرا - (آزاد) ۷۲۳

۳- نیرد برن گھوش - جنتا - ۹۵۹

۴- برندرا ناتھ کوسلے - سی پی آئی (ایم)

۴۲۴۶۴

منتخب ہوئے - **شری برندرا ناتھ کولے**

۱۷۶ - اودے نارائن پور - حلقۂ انتخاب

۱- کرار سروج رنجن - کانگریس (آئی) ۳۲۲۹۲

۲- تپن کمار بیرا - آزاد ۱۰۵۶

۳- پنا لال ماجھی - سی پی آئی (ایم) ۴۲۵۵۷

منتخب ہوئے - **شری پنا لال ماجھی**

ضلع ہگلی

۱۷۷ - جنگی پاڑہ - حلقۂ انتخاب

۱- گنیش چندر ہاتوئی - کانگریس (آئی) ۳۲۸۹۹

۲- منندرا ناتھ جانا - سی پی آئی (ایم) ۴۶۲۵۶

منتخب ہوئے - **شری منندرا ناتھ جانا**

۱۷۸ - چنڈی تلہ - حلقۂ انتخاب

۱- نیشتھ کمل سائیل - کانگریس (آئی) ۳۲۱۳۷

۲- مالن گھوش - سی پی آئی (ایم) ۴۷۴۸۶

۳- ایم - اے - لطیف - آزاد ۳۱۱۸

منتخب ہوئے - **شری مالن گھوش**

۱۷۹ - اتر پاڑہ - حلقۂ انتخاب

۱- امر سین (پالتو) آزاد ۴۳۲۴

۲- کاشی ناتھ بنرجی - جنتا ۱۳۵۳

۳- سنتسری چٹو پادھیہ - سی پی آئی (ایم)

۵۰۱۲۷

۴- شو کمار گھوش - کانگریس (آئی) ۲۸۱۰۸

منتخب ہوئے - **شری سنتسری چٹو پادھیہ**

۱۸۰ - سرامپور - حلقۂ انتخاب

۱- امر چودھری - آزاد ۱۹۹

۲- ارون کمار گوسوامی - کانگریس (آئی) ۴۱۰۷۶

۳- کمل کرشنا بھٹاچاریہ - سی پی آئی (ایم) ۳۸۷۰۹

۴- کنور اکشد پرتاپ سنگھ - آزاد ۱۵۵

۵- گلاب مرتضیٰ - آزاد ۱۹۶

۶- چھوٹے لال شوا - آزاد ۲۲۹

۷- پردات چیٹرجی - جنتا - ۶۸۸

۸- پرسانتا پرکاش - بی جے پی ۱۱۶۰

۹- مہدی حسین - آزاد ۲۳۹

منتخب ہوئے - **شری ارون کمار گوسوامی**

۱۸۱ - چاپدانی - حلقۂ انتخاب

۱- تپن دیپ گپتا - جنتا ۶۹۲

۲- سیلیندرا ناتھ چٹو پادھیہ - سی پی آئی (ایم)

۴۵۳۰۱

۳- شمس الدین - بی جے پی ۱۲۲۴

۴- پرونیر سوراج مکھوپادھیہ - کانگریس (آئی)

۴۰۶۸۲

منتخب ہوئے - **شری سیلیندرا ناتھ چٹو پادھیہ**

۱۸۲ - چندر نگر - حلقۂ انتخاب

۱- اندو متی بھٹاچاریہ - کانگریس (آئی) ۴۰۳۴۷

۲- ترتیپ رتن دت - بی جے پی ۱۵۲۴

۳- بھبانی مکھرجی - سی پی آئی (ایم) ۴۲۳۶۲

منتخب ہوئے - **شری بھبانی مکھرجی**

۱۸۳ - سنگور - حلقۂ انتخاب

۱- انیل باگ - آزاد ۶۸۲

۲- قاضی محمد منیر - جنتا ۵۲۰

۳- گوپال بندو پادھیہ - سی پی آئی (ایم)

۳۹۱۹۴

۴- تارا پدو سادھو خان - کانگریس (آئی) ۴۳۹۸۲

منتخب ہوئے - شری تاراپد ساہو خاں

۱۸۴ - ھری پال - حلقۂ انتخاب

۱- پروفیسر چندر شیکھر بنک - کانگریس (ایس) ۲۹۵۰۹

۲- بلائی بندو پادھیہ - سی پی آئی (ایم) ۴۴۴۷۲

۳- مولانا محمد اسمعیل - آزاد ۱۹۸۹

۴- ستیش پال - جنتا ۸۸۲

منتخب ہوئے - شری بلائی بندو پادھیہ

۱۸۵ - تارکیشور - حلقۂ انتخاب

۱- یوگی لال چکرورتی - آزاد ۱۴۱۴۳

۲- پروفیسر بمل کانتی گھوش - کانگریس (ایس) ۲۴۴۴۸

۳- رام کمل دھارا - آزاد ۴۲۰

۴- رام چٹرجی - فارورڈ بلاک (ایم) ۳۲۰۱۴

منتخب ہوئے - شری رام چٹرجی

۱۸۶ - چنسورہ - حلقۂ انتخاب

۱- سمبھو چرن گھوش - فارورڈ بلاک ۴۹۸۹۹

۲- نتیہ گوپال سین - جنتا ۴۲۵

۳- روپن مکھرجی - کانگریس (آئی) ۳۶۸۰۷

۴- اسمہوئے دت - آزاد ۳۷۴

منتخب ہوئے - شری سمبھو چرن گھوش

۱۸۷ - بانسبریا - حلقۂ انتخاب

۱- پرابیر سین گپتا - سی پی آئی (ایم) ۴۰۰۴۳

۲- شیبانی موہن ترا - کانگریس (آئی) ۲۸۰۸۱

۳- شیو شنکر گرجال - آزاد ۵۸۲

۴- سنت مجمدار - جنتا ۳۱۱۷

منتخب ہوئے - شری پرابیر سین گپتا

۱۸۸ - بلاگڑھ (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- ابنیاش پرامانک - سی پی آئی (ایم) ۴۴۶۹۵

۲- نیلمونی منڈل - کانگریس (آئی) ۳۱۶۱۰

منتخب ہوئے ابنیاش پرامانک

۱۸۹ - پانڈوا - حلقۂ انتخاب

۱- دیب نارائن چکرورتی - سی پی آئی (ایم) ۵۲۶۰۵

۲- رام پد وگھوشی - آزاد ۸۰۳

۲- ہارن سنگھ رائے - کانگریس (آئی) ۲۴۴۲۷

منتخب ہوئے - شری دیب نارائن چکرورتی

۱۹۰ - پولبا - حلقۂ انتخاب

۱- کمل کمار مکھرجی - کانگریس (آئی) ۳۴۳۵۷

۲- برو جو گوپال نیوگی - سی پی آئی (ایم) ۴۴۳۴۹

۳- لطف الرحمن - آزاد ۴۲۱

منتخب ہوئے - شری برو جو گوپال نیوگی

۱۹۱ - دھنیاکھالی (شیڈولڈ کاسٹ)

۱- کاشی ناتھ ہترا - کانگریس (آئی) ۳۴۹۶۷

۲- کرپا سندھو ساہا - فارورڈ بلاک ۴۳۱۵۸

۳- گرو چرن مانا - آزاد ۳۷۴

۴- موہن ماجھی - آزاد ۳۲۵

منتخب ہوئے - شری کرپا سندھو ساہا

۱۹۲ - پرسورہ - حلقۂ انتخاب

۱- جے دیب کھاناتی - جنتا ۱۰۳۸

۲- ڈاکٹر گہن بیرا - آزاد ۱۴۴۴

۳- شنتوش بیرا - سی پی آئی (ایم) ۳۷۱۶۰

۴- منی [illegible] ۲۸۴

۵- راش بہاری خان - آزاد ۶۸۷

۶- شانتی موہن رائے - کانگریس (آئی) ۳۷۹۰۱

منتخب ہوئے - شری شانتی موہن رائے

۱۹۳ - کھاناکل (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- پنچانن دگپتی - جنتا ۹۹۱

۲- باسو دیو ماجھی - کانگریس (آئی) ۴۰۸۲۹

۳- سچندرا ناتھ ماجرہ - سی پی آئی (ایم) ۴۳۰۰۴

منتخب ہوئے شری سچندرا ناتھ ماجرہ

۱۹۴ - آرام باغ - حلقۂ انتخاب

۱- اجے کمار دے - جنتا ۶۱۷۴

۲- عبدالمنان - کانگریس (آئی) ۴۸۹۶۸

۳- رنجیت چکرورتی - سی پی آئی (ایم) ۳۹۹۲۵

منتخب ہوئے - شری عبدالمنان

۱۹۵ - گوگھاٹ (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- نالو رام رائے - جنتا ۸۶۰

۲- مدن موہن منڈا - کانگریس (آئی) ۳۶۳۰۰

۳- شیبا پرشاد ملک - فارورڈ بلاک ۴۸۰۷۵

منتخب ہوئے - شیبا پرشاد ملک

ضلع مدناپور

۱۹۶ - چندر کونا - حلقۂ انتخاب

۱- اُما پتی چکرورتی - سی پی آئی (ایم) ۴۵۵۵۲

۲- درگو مرمو - آزاد ۱۸۱۵

۳- سیتل [illegible] - آزاد ۳۸۳۶۸
منتخب ہوئے - شری اوماپتی چکرورتی

۱۹۷- گھاٹال (شیڈولڈ کاسٹ) - حلقۂ انتخاب

۱- گوپال منڈل - سی پی آئی (ایم) ۴۷۶۰۷
۲- درگا پدو سانترا - آزاد ۷۳۸
۳- نتائی باگ - کانگریس (آئی) ۳۳۰۸۲
منتخب ہوئے - شری گوپال منڈل

۱۹۸- داس پور - حلقۂ انتخاب

۱- پربھاکر سین گپتا - آزاد ۱۲۶
۲- پربھاشن پھودیکر - سی پی آئی (ایم) ۴۳۵۴—
۳- سدھیر بیرا - کانگریس (آئی) ۲۹۶۱۸
۴- دیپانتا سندری شارندیب - جنتا ۸۸۸
۵- رنجیت سیاہا - آزاد ۲۷۳
منتخب ہوئے - شری پربھاشن پھودیکر

۱۹۹- نندن پور - حلقۂ انتخاب

۱- اشوتوش چکرورتی - کانگریس (آئی) ۳۰۴۴۰
۲- چھایا بیرا (ڈبلیو) سی پی آئی (ایم) ۴۰۳۴۳
۳- منورنجن رائے - آزاد ۱۰۴۲
منتخب ہوئے - شریمتی چھایا بیرا

۲۰۰- پانسکورہ مغرب - حلقۂ انتخاب

۱- اپیتار داس - جنتا ۱۲۷۵
۲- عمر علی - سی پی آئی ۴۶۳۹۹
۳- جیوتی کمار رائے - کانگریس (آئی) ۲۶۳۰۷
منتخب ہوئے - شری عمر علی

۲۰۱- پانسکورہ مشرق - حلقۂ انتخاب

۱- [illegible] - جنتا ۶۴۰
۲- اندو کانتی پاتک - آزاد ۵۳۵
۳- سکھیندا داس - ایس یو سی آئی ۳۹۵۱
۴- پرتی ناتھ متی - آزاد ۳۱۰
۵- پرانک ہری - آزاد ۵۰۷
۶- باما کرشنا برمن - آزاد ۱۰۸۰
۷- بلبسوا چودھری کانگریس (ایس) ۲۳۶۴۳
۸- شہید خان - آزاد ۳۷۶۰
۹- سودیش رنجن ماجھی - جمہوری سوشلسٹ پارٹی ۴۴۷۱۱
منتخب ہوئے - شری سودیش رنجن ماجھی

۲۰۲- تملوک - حلقۂ انتخاب

۱- وشوناتھ مکھرجی - سی پی آئی ۴۳۴۵۷
۲- مانب بیرا - ایس یو سی آئی ۳۹۵۶
۳- میلان کوٹلا - آزاد ۳۰۵
۴- سوکمار داس - کانگریس (ایس) ۲۴۳۱۲
منتخب ہوئے - شری وشوناتھ مکھرجی

۲۰۳- موئنا - حلقۂ انتخاب

۱- آنندو گھورائی - آزاد ۵۱۸
۲- ناکل جانا - ایس یو سی آئی ۱۲۳۶
۳- پلاک بیرا - سی پی آئی (ایم) ۴۷۱۱۷
۴- بھوشن چندر ڈولائی - کانگریس (آئی) ۲۷۰۰۰
منتخب ہوئے - شری پلاک بیرا

۲۰۴- مہی شادل - حلقۂ انتخاب

۱- دینا بندھو منڈل - سی پی آئی (ایم) ۳۵۰۵۹
۲- [illegible] - کانگریس (آئی) ۳۴۳۲۸
منتخب ہوئے - شری دینا بندھو منڈل

۲۰۵- سوتاہاٹا (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- نریندر ناتھ پترا - ایس یو سی آئی ۴۱۱۶۹
۲- بھولا ناتھ داس - آزاد ۹۸۵
۳- لکشمن چندر سیٹھ - سی پی آئی (ایم) ۴۷۳۵۲
(۴) شیب ناتھ داس - کانگریس (آئی) ۷۸۱
(۵) سنتوش کمار کھانرا - آزاد ۳۲۱
منتخب ہوئے - شری لکشمن چندر سیٹھ

۲۰۶- نندی گرام - حلقۂ انتخاب

۱- جگدیش چندر داس - آزاد - ۳۰۸
۲- پرسانتا گائن - جنتا - ۲۰۵۷
۳- بھوپل پانڈا - سی پی آئی - ۴۳۲۶۷
۴- رمیش چندر گھورائی - کانگریس (آئی) ۲۴۵۱۰
منتخب ہوئے - شری بھوپل پانڈا

۲۰۷- نرگھاٹ - حلقۂ انتخاب

۱- پرابیر چندر جانا - جنتا - ۲۸۴۳
۲- بنکم بہاری ماتی - ڈی ایس پی ۴۶۶۰۷
۳- سرادندو سامنت - کانگریس (آئی) ۱۷۶۳۵
۴- سوریش کمار سنا - ایس یو سی آئی ۱۸۲۰۴
منتخب ہوئے - شری بنکم بہاری ماتی

۲۰۸- بھگوان پور - حلقۂ انتخاب

۱- اپر بو کمار نندا - آزاد ۱۲۸
۲- مہاپاتر [illegible] - ایس یو سی آئی ۲۱۰۶۵

۳- پرساتو کار پردھان - سی پی آئی (ایم) ۳۶۳۱۹
۴- رام کرشن سکار - کانگریس (آئی) ۲۳۳۶۵
۵- ہری پد وجانا - جنتا ۵۱۰۱
منتخب ہوئے - شری پرساتو کار پردھان

۲۰۹- کھجوری (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- گوپیا پرا شانتو کار - آزاد ۱۴۱
۲- سورت شنو منڈل - کانگریس (آئی) ۳۱۱۷۱
۳- لال بہاری داس - جنتا ۷۸۵
۴- سینسر مل پاتک - ڈبلو بی - ایس پی ۳۶۸۴۷
منتخب ہوئے - شری سینسر مل پاتک

۲۱۰- کونٹائی شمالی - حلقۂ انتخاب

۱- الوروپ پنڈا - سی پی آئی (ایم) ۳۰۵۸۰
۲- اروبندو منا - آزاد ۲۲۰
۳- شکھیلیش کمار سنہا - آزاد ۱۴۰۶
۴- راشن بہاری پال - جنتا ۱۴۰۵
۵- مُوکل بیکاش مائتی - کانگریس (آئی) ۴۹۹۲۴
منتخب ہوئے - شری مُوکل بیکاش مائتی

۲۱۱- کونٹائی جنوب - حلقۂ انتخاب

۱- سیسر ادھیکاری - کانگریس (آئی) ۳۷۶۲۴
۲- انیل راؤ - آزاد - ۴۰۴
۳- دیپک منڈل - آزاد ۲۱۸۹۷
۴- ستیہ برت مائتی - جنتا ۲۱۲۲
۵- شکھندو مائتی - سی پی آئی ۱۴۳۵۷
منتخب ہوئے - شری سیسر ادھیکاری

۲۱۲- رامنگر - حلقۂ انتخاب

۱- اکھی مصرا - کانگریس (آئی) ۳۵۷۴۷

۳- اسو توش مصرا - آزاد ۱۴۴
۴- مہاپترا بلائی لال داس - آزاد ۳۴۵۷۵
۴- بمل کمار مالی - ایس یو سی آئی ۲۳۶۲
۵- گدادھر بارک - آزاد ۴۸۶
۶- شری ناتھ چندر مائتی - جنتا ۱۰۶۲
منتخب ہوئے - شری ابھتی مصرا

۲۱۳- اگرا - حلقۂ انتخاب

۱- شمس العالم خان - کانگریس (آئی) ۳۰۵۳۲
۲- نریش چندر پانی گراہی - آزاد ۸۶۸
۳- بیبھوتی پہاڑی - جنتا ۱۷۱۵
۴- پربودھ چندر سنہا (ڈبلیو بی ایس پی) ۳۸۳۵۵
منتخب ہوئے - شری پربودھ چندر
[illegible]

۲۱۴- مگبریا - حلقۂ انتخاب

۱- امیش مائتی - جنتا ۸۸۳
۲- کیر نموئے نندا (م - پ - س - پ) ۴۰۲۵۴
۳- سدا نند دے (بی - جے - پی) ۱۰۱۱
۴- پرشانتو ساہو - کانگریس (آئی) ۳۰۲۶۸
منتخب ہوئے - شری کیر نموئے نندا

۲۱۵- پٹاش پور - حلقۂ انتخاب

۱- رادھا ناتھ داس ادھیکاری - کانگریس (آئی)
۲۹۹۶۹
۱- جان مجوئے اوجھا - جنتا ۶۷۵۹
۳- کامکشیا نندن داس مہاپاترا - سی پی آئی
۳۹۸۱۳
۴- چترنجن باسو - آزاد ۵۱۶
منتخب ہوئے - شری کامکشیا نندن داس مہاپاترا

۲۱۶- سبنگ - حلقۂ انتخاب

۱- گنور نگو سامنتو - بی ایل سی ۲۸۰۳
۲- مانس بھونیا - کانگریس (آئی) ۴۴۸۱۵
۳- لال موہن باسکے - آزاد ۹۴۳
۴- شریا کانتو مہاپاترا - جنتا ۱۵۱۸
۵- ہمنتو کمار جانا - آزاد ۳۴۱۸۵
منتخب ہوئے - شری مانس بھونیا

۲۱۷- پنگلا - حلقۂ انتخاب

۱- دریندرا مائتی - جنتا ۵۹۹
۲- بھابا دیو منڈل - آزاد ۲۴۳
۳- منورنجن رائے - آزاد ۲۱۸
۴- مانک مُرمُو - آزاد ۹۲۵
۵- شیخ محمد ذکریا - ایس یو سی آئی ۲۶۷۸
۶- شو کار داس - کانگریس (آئی) ۳۱۶۰۱
(بن سریندر)
۷- شو کار داس - آزاد ۱۱۱
(بن لکشمی کانت)
۸- ہری پد وجانا - ڈی ایس پی ۳۸۰۴۰
منتخب ہوئے - شری ہری پد وجانا

۲۱۸- دیبرا - حلقۂ انتخاب

۱- چونارام مانڈی - آزاد ۹۴۶
۲- ربندرا ناتھ بیرا - کانگریس (آئی) ۲۶۷۲۳
۳- سید معظم حسین - سی پی آئی (ایم) ۴۴۶۵۰
منتخب ہوئے - شری سید معظم حسین

۲۱۹- کیشپور (شیڈولڈ کاسٹ)
حلقۂ انتخاب

۱- جہانشو کو بزار - سی پی آئی (ایم) ۴۸۸۶۸

۲- پربھات پاترا - آزاد ۱۰۲۴
۳- رجنی کانت دولائی - کانگریس (آئی) ۳۲۷۸۳
منتخب ہوئے - شری [illegible] ہانشو کونوار

۲۲۰ - گڑھ بیتا مشرق - حلقۂ انتخاب

۱- اروند گھوریا - آزاد ۳۳۴
۲- پنچانن سنبارائے - جنتا ۱۰۱۹
۳- سرت کار رائے - کانگریس (آئی) ۳۱۷۰۹
۴- شیو چندر منڈل - سی پی آئی (ایم) ۳۸۶۸۷
سورن منڈل - آزاد ۱۲۱۲
منتخب ہوئے - شری شیو چندر منڈل

۲۲۱ - گڑھ بیتا مغرب (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- انادی مالا - سی پی آئی (ایم) ۳۱۸۴۹
۲- بیبھوتی دولے - آزاد ۵۸۸۲
۳- مدن موہن کوریا - کانگریس (آئی) ۳۰۶۰۳
منتخب ہوئے - شری انادی مالا

۲۲۲ - سلبونی - حلقۂ انتخاب

۱- کالی سدن مہاتا - کانگریس (آئی) ۲۰۳۵۷۹
۲- رتھندر ناتھ سانیال (آمرا بنگالی) ۷۶۶
۳- سندر ہاجرہ - سی پی آئی (ایم) ۴۲۴۲۸
۴- سوشیل مہاتا - جھارکھنڈ پارٹی ۷۹۸۰
منتخب ہوئے - شری سندر ہاجرہ

۲۲۳ - مدناپور - حلقۂ انتخاب

۱- کمکیا گھوش - سی پی آئی ۴۷۰۲۰
۲- کنک سنگھ دیب - (جھارکھنڈ) ۱۴۰۱
۳- بھائی بھوشن گھوش (آمرا بنگالی) ۱۱۲۰
۴- پولا بچن چھیسائے (جھارکھنڈ مکتی مورچہ) ۳۹۴
۵- سمیر رائے - کانگریس (ایس) ۳۹۲۵۶
منتخب ہوئے - شری کمکیا گھوش

۲۲۴ - کھڑگپور ٹاؤن - حلقۂ انتخاب

۱- اندرا مترا - آزاد ۲۰۲
۲- ڈی کالو راؤ - جھارکھنڈ ۲۵۹
۳- گیان سنگھ سوہن پال - کانگریس (ایس) ۴۲۹۱۳
۴- پرادیپ کمار پٹنائک - بی جے پی ۲۸۹۲
۵- جانتھا مترا - سی پی آئی (ایم) ۲۲۶۴۵
۶- سودیش رنجن ناگ (آمرا بنگالی) ۴۱۵
منتخب ہوئے - شری گیان سنگھ سوہن پال

۲۲۵ - کھڑگپور مضافات - حلقۂ انتخاب

۱- اشوک دے - آزاد ۹۷۵
۲- دیپن داس - آزاد ۲۹۰۱۰
۳- لکشمی کانت سین - بی جے پی ۸۲۲
۴- سنکو مہاتو - آزاد ۲۱۴۴
۵- شیخ سراج علی - سی پی آئی (ایم) ۴۱۷۵۵
منتخب ہوئے - شری شیخ سراج علی

۲۲۶ - کیشیاری (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- بدھان ڈوڈو - کانگریس (آئی) ۳۴۰۲۳
۲- منگل باسکے - آزاد ۸۴۰
۳- مہیشور مرمو - سی پی آئی (ایم) ۴۵۰۴۴
۴- مہیندرا رتن - آزاد ۵۱۳۲
منتخب ہوئے - شری مہیشور مرمو

۲۲۷ - نارائن گڑھ - حلقۂ انتخاب

۱- انیل کمار رائے مہاپاترا - آزاد ۱۳۶
۲- سکوشل داس رائے - کانگریس (آئی) ۳۳۸۷۵
۳- سراج الدین خان - آزاد ۲۳۱
۴- پنچانن پردھان - ایس یو سی آئی ۳۳۱۰
۵- بیبھوتی بھوشن دے - سی پی آئی (ایم) ۴۴۷۶۳
۶- ہیر کمار لایا - آزاد ۸۰۱
منتخب ہوئے - شری بیبھوتی بھوشن دے

۲۲۸ - دانتن - حلقۂ انتخاب

۱- کنائی بھومک - سی پی آئی ۵۰۱۰۹
۲- چندرا رائے پد مالوچی - آزاد ۱۹۷۸
۳- پالوچین سارن - آزاد ۵۷۴۱
۴- پرادت کمار مہانتی - جنتا ۱۴۴۱۱
۵- بھیم چندر - آزاد ۲۵۰
منتخب ہوئے - شری کنائی بھومک

۲۲۹ - نیاگرام (شیڈولڈ ٹرائب) حلقۂ انتخاب

۱- آنند سارن - سی پی آئی (ایم) ۳۶۷۹۳
۲- جگیندرا ناتھ ڈوڈو - سی پی آئی (ایم - ایل) ۲۱۵۵
۳- لیبا چند ٹوڈو (جھارکھنڈ) ۳۰۰۲۴
منتخب ہوئے - شری آنند سارن

۲۳۰ - گوپی بلبھ پور - حلقۂ انتخاب

۱- بجل کمار جانا - آزاد ۲۱۱
۲- سنیل دے - سی پی آئی (ایم) ۴۱۹۴۶
۳- سنتوش رانا - سی پی آئی (ایم - ایل) ۲۲۲۵۸
۴- ہرش چندر مہاپاترا - کانگریس (آئی) ۱۸۲۵۷

منتخب ہوئے ۔ شری سنیل دے

۲۳۱ ۔ جھاڑ گرام ۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ ابانی بھوشن ستپتھی ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۹۷۷۳
۲۔ برشید رادھے ملاویہ ۔ کانگریس (آئی) ۲۳۷۵۲
۳۔ منورنجن مہاتا ۔ آزاد ۱۸۲۰۷
منتخب ہوئے شری ابانی بھوشن ستپتھی

۲۳۲ ۔ بن پور (شیڈولڈ ٹرائب) حلقۂ انتخاب

۱۔ نرشہار ادولوئی ۔ کانگریس (آئی) ۲۴۱۰۷
۲۔ نریندرا ناتھ ہانسدا ۔ آزاد ۴۲۸۹۴
۳۔ سمبھو ناتھ منڈی ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۲۶۳۷
منتخب ہوئے ۔ شری سمبھو ناتھ منڈی

ضلع پرولیا

۲۳۳ ۔ بندوان (شیڈولڈ ٹرائب) حلقۂ انتخاب

۱۔ کالی پدو باسکے ۔ آزاد ۱۰۲۲۹
۲۔ پنچانن سارن ۔ آزاد ۱۹۵۲۴
۳۔ بیجوتی مرڈی ۔ آزاد ۱۰۹۷
۴۔ سنیل چندرا ہمبرام ۔ آزاد ۲۰۸۹
۵۔ شدھانشو شیکھر ماجھی ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۴۴۶۵
منتخب ہوئے ۔ شری شدھانشو شیکھر ماجھی

۲۳۴ ۔ مان بازار ۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ کملا کانتا مہاتا ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۶۷۶۰
۲۔ گروپد سنگھ دیو ۔ جے پی ۱۹۷۶
۳۔ نیل کنٹھ مہاتا ۔ جنتا ۱۴۳۹
۴۔ بھاوپرا ۔ آزاد ۴۸۵۹
۵۔ ستیا رام مہاتو ۔ کانگریس (آئی) ۳۵۴۹۱
منتخب ہوئے ۔ شری کملا کانتا مہاتا

۲۳۵ ۔ بلرام پور (شیڈولڈ ٹرائب) حلقۂ انتخاب

۱۔ اجودھیا ماجھی ۔ آزاد ۱۳۴۷
۲۔ بکرم ٹوڈو ۔ سی پی آئی (ایم) ۴۱۶۲۹
۳۔ روپ سنگھ ماجھی ۔ ۲۵۹۶۶
منتخب ہوئے ۔ شری بکرم ٹوڈو

۲۳۶ ۔ آرسا ۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ اجیت پرشاد مہاتا ۔ آزاد ۵۸۲۲
۲۔ سوبرنا کمار ۔ ایس یو سی آئی ۔ ۹۰۴۲
۳۔ گنگیندرا ناتھ گوسوامی ۔ لوک دل ۷۵۲
۴۔ گندھر باسنگھ باسو ۔ آزاد ۶۴۷
۵۔ چندرا موہن مہاتا ۔ آزاد ۶۰۸
۶۔ وسن چندر ماکتوری ۔ آزاد ۴۵۰۷
۷۔ دھرولیشور چٹو پادھیا ۔ فارورڈ بلاک ۲۱۳۳۲
۸۔ سرت کمار کرتی ۔ آزاد ۴۰۹
۹۔ کے۔ پی۔ سنگھ دیو ۔ کانگریس (آئی) ۲۰۳۵۳
منتخب ہوئے شری دھرولیشور چٹو پادھیا

۲۳۷ ۔ جھالدا ۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ کودو مہاتو ۔ آزاد ۴۱۸۸
۲۔ لشوپتی مہاتو ۔ آزاد ۵۰۹
۳۔ ودیا ناتھ کی بارتا ۔ آزاد ۴۱۶۷
۴۔ ستیہ رنجن مہاتو ۔ فارورڈ بلاک ۲۴۵۰۳
۵۔ سبھاش چندر مہاتو ۔ کانگریس (آئی) ۲۸۹۶۷
۶۔ شری سریندر کمار ۔ آزاد ۱۸۳
۷۔ شیخ یوسف ۔ آزاد ۲۳۰۹
منتخب ہوئے شری سبھاش چندر مہاتو

۲۳۸ ۔ جے پور ۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ امرکار چٹرجی ۔ آزاد ۸۳۲
۲۔ شانتی رام مہاتو ۔ کانگریس (آئی) ۲۸۰۸۱
۳۔ نریا نارائن مہاتو ۔ آزاد ۵۵۹۸
۴۔ ہری پدو مہاتو ۔ فارورڈ بلاک ۲۳۶۲۸
۵۔ ہارو مہاتو ۔ آزاد ۴۹۶
منتخب ہوئے ۔ شری شانتی رام مہاتو

۲۳۹ ۔ پرولیا ۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ مہادیو مکھرجی ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۲۸۳۶
۲۔ شری رادھا رمن گھوش ۔ آزاد ۶۲۲
۳۔ ڈاکٹر شو کمار رائے ۔ کانگریس (آئی) ۳۹۹۷۸
۴۔ سنیل کمار مہاتو ۔ آزاد ۳۱۲۲
منتخب ہوئے ۔ ڈاکٹر شو کمار رائے

۲۴۰ ۔ پارا (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱۔ کالی پدو راجوار ۔ آزاد ۲۱۶
۲۔ گوبندو باوری ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۴۶۹۲
۳۔ سرت داس ۔ کانگریس (آئی) ۲۶۳۰۵
۴۔ شیلین باؤریکا ۔ ایس یو سی آئی ۵۳۱۵
۵۔ ہزاری پرشاد راجور ۔ آزاد ۲۵۴۴
منتخب ہوئے ۔ شری گوبندو باوری

۲۴۱ ۔ رگھوناتھ پور (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱۔ درگا داس باوری ۔ کانگریس (آئی) ۱۸۹۳۵
۲۔ نٹوبر باگدی ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۵۳۴۵
۳۔ بھوشن منڈل ۔ جنتا ۱۵۶۰

منتخب ہوئے۔ شری کاشی ناتھ مصرا

۲۵۲۔ اونڈا۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ انیل مکھو پادھیے۔ فارورڈ بلاک ۴۱۸۰۱
۲۔ ابوالحسین ملک۔ آزاد ۱۰۷۶
۳۔ کانک چودھری۔ آزاد ۲۴۳
۴۔ جوئیب پال۔ آزاد ۱۰۵۹
۵۔ مہادیو باروئی۔ جنتا ۷۳۰
۶۔ لکشمی کانت سارن۔ آزاد ۵۰۲
۷۔ سمبھو نارائن گوسوامی۔ کانگریس (آئی)
۳۵۳۴۲
۸۔ سوشیل سنہا۔ آزاد ۱۱۹۹

منتخب ہوئے۔ شری انیل مکھو پادھیے

۲۵۳۔ وشنو پور۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ اجنتا کرشنا رائے۔ سی پی آئی (ایم) ۳۹۴۱۸
۲۔ گنور چندر بید۔ آزاد ۲۰۱۸
۳۔ سیاپنی التما رائے۔ کانگریس (آئی) ۳۱۰۰۳

منتخب ہوئے۔ شری اجنتا کرشنا رائے

۲۵۴۔ کوٹل پور۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ اکشوے کمار کولے۔ کانگریس (آئی) ۳۵۷۴۱
۲۔ گنا دھر چودھری۔ سی پی آئی (ایم) ۴۷۰۰۱

منتخب ہوئے۔ شری گنا دھر چودھری

۲۵۵۔ انڈس (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱۔ گنیش چندر لوہار۔ کانگریس (آئی) ۳۱۸۳۳
۲۔ بدن بورا۔ سی پی آئی (ایم) ۴۵۱۳۳

منتخب ہوئے۔ شری بدن بورا

۲۵۶۔ سونا مکھی (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱۔ سستی باوری۔ کانگریس (آئی)۔ ۳۲۶۶۰
۲۔ سکھیندو خاں۔ سی پی آئی (ایم) ۴۲۵۷۴

منتخب ہوئے۔ شری سکھیندو خاں

ضلع بردوان

۲۵۷۔ سالتی۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ امولیہ باوری۔ آزاد ۵۶۴
۲۔ ڈاکٹر گوپال داس ناگ۔ کانگریس (آئی)
۲۴۵۰۴
۳۔ ڈاکٹر تارک ناتھ چکرورتی جنتا۔ ۱۳۰۵
۴۔ چھوٹے لال جوشی۔ آزاد ۱۴۳۶
۵۔ پی۔ اے ناچن منڈل۔ آزاد ۱۷۶
۶۔ برج بہاری تیوارہ۔ آزاد ۶۷
۷۔ بھولا پرشاد بھگت۔ لوک دل ۸۸۰
۸۔ مدھو بنرجی۔ فارورڈ بلاک ۳۱۸۶۴
۹۔ لکشمن شرما۔ آزاد ۲۶۳
۱۰۔ سنیل گھوش۔ آزاد ۶۴۵
۱۱۔ ہری شنکر رائے۔ بی جے پی ۹۶۶
۱۲۔ ہیرا لال پوددار۔ آزاد ۵۵۷

منتخب ہوئے۔ شری مدھو بنرجی

۲۵۸۔ براباانی۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ اجیت چکرورتی۔ سی پی آئی (آیم)
۳۶۳۷۸
۲۔ دیپ کمار شرما۔ آزاد ۵۸۲
۳۔ دھیرج سائن۔ کانگریس (آئی) ۲۸۴۷۲
۴۔ نمائی باوری۔ آزاد ۱۵۸۴
۵۔ بھبانی توش مکھرجی۔ بی جے پی۔ ۱۱۸۵
۶۔ سرسوتی دیوی۔ آزاد ۱۲۶۸

منتخب ہوئے۔ شری اجیت چکرورتی

۲۵۹۔ ہیراپور۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ بامापدو مکھرجی۔ سی پی آئی (ایم)۔ ۳۲۷۹
۲۔ ایس۔ این۔ لمبا۔ بی جے پی۔ ۱۸۰۰
۳۔ شیب داس گھٹک۔ کانگریس (آئی)۔ ۲۸۷۰۰
۴۔ سید شمساد۔ آزاد ۴۲۸

منتخب ہوئے۔ شری باماپدو مکھرجی

۲۶۰۔ آسنسول۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ محمد ادریس۔ آزاد ۲۰۶
۲۔ نونی گوپال باوری۔ آزاد ۲۶۱
۳۔ بی جوئے پال۔ سی پی آئی (ایم) ۳۴۱۱۶
۴۔ شوکار بنرجی۔ کانگریس (آئی) ۳۰۰۹۷
۵۔ براج نندن پرشاد۔ آر ایس پی (ایم ایل)
۶۔ سمر نیدرا چکرورتی۔ جنتا۔ ۲۴۵

منتخب ہوئے۔ شری بی جوئے پال

۲۶۱۔ رانی گنج۔ حلقۂ انتخاب

۱۔ امرناتھ کیشاری۔ بی جے پی ۲۰۹۰
۲۔ کملیش سنگھ۔ آزاد ۲۸۶
۳۔ لکشمن روئی داس۔ آزاد ۲۳۷۲
۴۔ شمبو شا۔ آزاد ۷۲۹
۵۔ ہرے کرشنا گوسوامی۔ کانگریس (آئی)
۲۴۳۳۱
۶۔ ہرادھن رائے۔ سی پی آئی (ایم) ۴۱۴۰۲

منتخب ہوئے۔ شری ہرادھن رائے

۲۶۲۔ جموریا۔ حلقۂ انتخاب

۴- [illegible] - آزاد ۳۲۱۵
۲- پراد[illegible] سنہا رید - کانگریس (ایس) ۳۰۵۹۲
۳- بیکاش [illegible] - سی پی آئی (ایم) ۳۶۲۷۵
منتخب ہوئے شری بیکاش چودھری

۲۶۳- اکھرا (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- لکشمن باگدی - سی پی آئی (ایم) ۳۳۷۶۸
۲- شانتی رنجن منڈل - آزاد ۱۰۵۹
۳- ہارادھن بدیاکار - آزاد ۱۶۹۱
۴- ہارادھن منڈل - کانگریس (آئی) ۲۵۵۳۴
منتخب ہوئے - شری لکشمن باگدی

۲۶۴- درگاپور - I - حلقۂ انتخاب

۱- کلیان گوسوامی - آزاد ۱۶۰
۲- آر کے داس - ایس یو سی آئی - ۳۵۲۱
۳- دلیپ مجمدار - سی پی آئی (ایم) ۳۵۲۱۲
۴- سدیلا داس مکھرجی - آزاد ۸۹۹
۵- نرمل سین گپتا - آزاد ۲۵۲
۶- وجے پارسی - آزاد ۳۳۸
۷- گوکل باشو - آزاد ۲۴۹
۸- سودیب رائے - کانگریس (آئی) ۳۱۷۹۱
منتخب ہوئے - شری دلیپ مجمدار

۲۶۵- درگاپور II - حلقۂ انتخاب

۱- امل ماجی - جنتا ۱۳۲۱
۲- گورن چٹرجی - سی پی آئی (ایم) ۵۲۶۸۷
۳- بارن رائے - کانگریس (آئی) ۲۹۷۰۹
۳۰

۴- [illegible] - آزاد ۱۲۷۸
۵- سرت چندر سنہا [illegible] - آزاد ۱۶۱
منتخب ہوئے - شری گورن چٹرجی

۲۶۶- کنکسا (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- ناراپتی بوری - جنتا - ۸۰۱
۲- لکشمی نارائن ساہا - سی پی آئی (ایم) ۴۷۲۸۲
۳- شیبا نارائن ساہا - کانگریس (آئی) ۲۶۶۵۸
منتخب ہوئے شری لکشمی نارائن ساہا

۲۶۷- اوسگرام (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- چپل کمار منڈل - کانگریس (آئی) ۲۴۷۰۵
۲- ناراپتی بوری - جنتا ۱۴۴۳
۳- شری دھر ملک - سی پی آئی (ایم) ۵۳۲۷۴
منتخب ہوئے - شری سری دھر ملک

۲۶۸- بھتار - حلقۂ انتخاب

۱- پورن چندر چٹرجی - آزاد ۲۱۶
۲- بھولاناتھ سین - کانگریس (آئی) ۳۷۰۱۹
۳- سید محمد مسیح - سی پی آئی (ایم) ۴۴۴۳۵
منتخب ہوئے - شری سید محمد مسیح

۲۶۹- کلسی - حلقۂ انتخاب

۱- کالی پدو منڈل - آزاد ۲۵۳۲
۲- کرپال چندر داس - لوک دل - ۶۵۱
۳- دیپ رنجن سین - فارورڈ بلاک ۴۵۸۰۹
۴- سید غلام ابراہیم علی - جنتا - ۳۵۲
۵- ہمانشو برن رائے - کانگریس (آئی) ۲۸۲۴۴
منتخب ہوئے شری دیپا رنجن سین

۲۷۰- بردوان شمال - حلقۂ انتخاب

۱- رام نارائن گوسوامی - سی پی آئی (ایم) ۵[illegible]
۲- لکشمی نارائن [illegible] - کانگریس (آئی) ۲۸۹۵۳
۳- شیخ روح الامین - جنتا - ۱۴۴۹
منتخب ہوئے شری رام نارائن گوسوامی

۲۷۱- بردوان جنوب - حلقۂ انتخاب

۱- بینوئے کرشنا چودھری - سی پی آئی (ایم) ۴۴۳۸۷
۲- مسلم خان - آزاد ۵۰۰
۳- شیام داس بنرجی - کانگریس (آئی) ۴۰۸۷۴
۴- ہری پرشاد چٹوپادھیائے - جنتا - ۱۰۵۱
منتخب ہوئے شری بینوئے کرشنا چودھری

۲۷۲- کھنڈ گھوش (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- پورن چندر ملک - سی پی آئی (ایم) ۴۷۷۳۵
۲- سورنجن بیامالک - کانگریس (آئی) ۳۱۰۷۵
منتخب ہوئے شری پورن چندر ملک

۲۷۳- رینا - حلقۂ انتخاب

۱- شوکمار چٹوپادھیائے - کانگریس (آئی) - ۲۶۳۸
۲- دھیریندرا ناتھ چٹرجی - سی پی آئی (ایم) ۵۲۷۱۱
۳- راشو بہاری باسو - جنتا - ۸۱۵
۴- مدن بھٹاچاریہ - آزاد ۵۵۸
۵- رینوکا مترا - آزاد ۱۳۲
منتخب ہوئے - شری دھیریندرا ناتھ چٹرجی

۲۷۴- جمال پور (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- پرنجائے پرامانک - کانگریس (ایس) ۳۷۵۹۰
۲- پرشانتو کمار پاترا - آزاد [illegible]

۳- سنتوش چیپن ماجھی - آزاد ۴۵۶۴
۴- سنیل سانترا - ایف بی (مارکسسٹ) ۴۸۴۹۱
۵- رشی کیش رائے - آزاد ۱۳۱۰
منتخب ہوئے۔ شری سنیل سانترا

۲۷۵- میماری - حلقۂ انتخاب

۱- آنند موہن گھوش - آزاد ۳۸۲
۲- ہمارانی کنار - سی پی آئی (ایم) ۵۸۳۱۲
۳- سانتو سبیاسی - کانگریس (آئی) ۲۲۵۲۵
منتخب ہوئیں۔ شریمتی ہمارانی کنار

۲۷۶- کلنا - حلقۂ انتخاب

۱- انجو کور - سی پی آئی (ایم) ۴۷۸۲۹
۲- گوپال گرائی - آزاد ۲۰۶۰
۳- سدھیر گھوش - کانگریس (آئی) ۳۴۳۶۵
منتخب ہوئے شری انجو کور

۲۷۷- ندن گھاٹ - حلقۂ انتخاب

۱- پرشن چندر گوسوامی - کانگریس (آئی) ۲۴۳۲۰
۲- منصور عالم منڈل - بی جے پی ۱۷۰۰
۳- ایس۔ اے۔ ایم حبیب اللہ - سی پی آئی (ایم)
۵۰۳۹۸
منتخب ہوئے شری ایس۔ اے۔ ایم حبیب اللہ

۲۷۸- منتشور - حلقۂ انتخاب

۱- توہن سامنتو - کانگریس (آئی) ۲۹۳۴۰
۲- ہیمنتو رائے - سی پی آئی (ایم) ۴۵۰۰۱
منتخب ہوئے شری ہیمنتو رائے

۲۷۹- پوربستھلی - حلقۂ انتخاب

۱- منورنجن ناتھ - سی پی آئی (ایم) ۴۱۶۲۴
۲- بنود بہاری دیب ناتھ - جنتا - ۱۶۸۴
۳- منابندر اکار رائے - کانگریس (آئی) ۳۲۹۶۲
منتخب ہوئے شری منورنجن ناتھ

۲۸۰- کٹوا - حلقۂ انتخاب

۱- سبھاش گانگولی - آزاد ۲۳۲۲
۲- ہاردیب دلال - آزاد ۶۳۱
۳- شبر تو مکھ پادھیہ - کانگریس (آئی) ۳۶۱۹۵
۴- ڈاکٹر ہر موہن سنہا - سی پی آئی (ایم)
۴۴۷۶۱
منتخب ہوئے۔ ڈاکٹر ہر موہن سنہا۔

۲۸۱- منگل کوٹ - حلقۂ انتخاب

۱- ملک چاند چودھری - جنتا - ۶۱۷
۲- نکھیلانندا سار - سی پی آئی (ایم) ۴۸۵۵۰
۳- شیخ برسد - کانگریس (آئی) ۲۸۸۹۱
منتخب ہوئے شری نکھیلانند اسار

۲۸۲- کیٹوگرام (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- رائے چرن ماجھی - سی پی آئی (ایم) ۴۳۷۵۹
۲- لال موہن ساہا - کانگریس (آئی) ۳۲۷۵۹
منتخب ہوئے شری رائے چرن ماجھی

ضلع بیر بھوم

۲۸۳- نانور (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- بنوبالی داس - سی پی آئی (ایم) ۴۵۰۵۲
۲- شیب شنکر ساہا - کانگریس (آئی) ۳۵۷۰۹
منتخب ہوئے شری بنوبالی داس

۲۸۴- بولپور - حلقۂ انتخاب

۱- جیوتسنا کمار گپتا - آر ایس پی ۳۷۶۵۶
۲- پرادت کمار ہاتی - بی جے پی ۷۲۵
۳- ڈاکٹر ستو بھو بنرجی - کانگریس (آئی) ۳۱۸۹۹
منتخب ہوئے شری جیوتسنا کمار گپتا

۲۸۵- لابھ پور - حلقۂ انتخاب

۱- پروفیسر نشی ناتھ سین - بی جے پی ۷۷۸
۲- سسیر دت - کانگریس (آئی) ۲۹۹۶۹
۳- سنیل مجمدار - سی پی آئی (ایم) ۴۱۰۹۴
منتخب ہوئے شری سنیل مجمدار

۲۸۶- ڈوبراجپور - حلقۂ انتخاب

۱- نیتائی پدو گھوش - کانگریس (آئی) ۳۱۵۸۲
۲- بھکتی بھوشن منڈل - فارورڈ بلاک ۴۱۵۷۸
۳- محمد سراج الحق - آزاد ۳۷۹
۴- سید بدل مولا - آزاد ۲۰۵
منتخب ہوئے شری بھکتی بھوشن منڈل

۲۸۷- راج نگر (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- بناگو پال باوری - آزاد - ۴۲۹۱
۲- شوبھندو منڈل - کانگریس (آئی) ۲۳۱۷۲
۳- سدھیشو منڈل - فارورڈ بلاک - ۳۸۵۲۰
منتخب ہوئے شری سدھیشور منڈل

۲۸۸- سوری - حلقۂ انتخاب

۱- کیشب داس - سی پی آئی (ایم) ۳۷۲۰۵
۲- چتراج سونیتی - کانگریس (آئی) ۳۸۴۳۸
۳- پرابھاتو اکھرجی - ایس یو سی آئی ۴۷۹۱
۴- بانسو دیو چکرورتی - آزاد ۱۱۰۱
منتخب ہوئے شری چتراج سونیتی

۲۸۹ - [illegible] بازار - حلقہ انتخاب

۱- الوک [illegible] - آزاد ۴۰۰۷

۲- اشوک کمار گھوش - آزاد ۲۸۳

۳- دھیرین سین - سی پی آئی (ایم) ۴۳۳۵۹

۴- فنی بھوشن سرکار - بی جے پی - ۵۸۷

۵- پروفیسر سنیل داس - کانگریس (آئی) ۲۵۰۸۰

منتخب ہوئے - شری دھیرین سین

۲۹۰ - متور شیڈولڈ کاسٹ حلقہ انتخاب

۱- کملا کانت منڈل - کانگریس (ایس) ۳۰۴۸۴

۲- دھیریندر الیٹ - سی پی آئی (ایم) ۴۰۲۵۵

منتخب ہوئے - شری دھیریندر الیٹ

۲۹۱ - رامپور ہاٹ - حلقہ انتخاب

۱- آنند گوپال رائے - کانگریس (آئی) ۳۶۷۴۱

۲- کمارش گوتا - آزاد ۱۲۱۸

۳- گوناکر سرکار - بی جے پی ۱۲۲۳

۴- ستینکا شیکھر منڈل - فارورڈ بلاک ۳۷۱۳۶

۵- ستیہ رنجن داس - آزاد ۲۷۸

منتخب ہوئے - شری ستینکا شیکھر منڈل

۲۹۲ - حسن شیڈولڈ کاسٹ حلقہ انتخاب

۱- اسیت کمار مال - کانگریس (آئی) ۲۸۴۸۹

۲- تریلوچن مل - آر سی پی آئی ۳۴۶۶۳

۳- بیدیا ناتھ مل - ایس یو سی آئی ۲۱۳۲

منتخب ہوئے - شری تریلوچن مل

۲۹۳ - نل ہاٹی - حلقہ انتخاب

۱- بنگشی رن منڈل - آزاد ۱۰۴

۲- محمد بدرالدجیٰ - آزاد ۵۱۸

۳- [illegible] - آزاد [illegible]

۴- پرتاب حسینا - جنتا ۶۸۹

۵- رتبھا ناتھ بنرجی - آزاد ۴۲۴

۶- سچندن ساؤ - کانگریس آئی ۲۳۵۲۲

۷- ساتک کمار رائے - فارورڈ بلاک ۳۳۴۰۶

منتخب ہوئے - شری ساتک کمار رائے

۲۹۴ - مورائی حلقہ انتخاب

۱- عبدالجلیل - آزاد ۲۰۷

۲- گوکلیندو داس - آزاد ۳۴۲

۳- جلادھر دتا - آزاد ۴۱۷

۴- مطیع الرحمٰن - سی پی آئی (ایم) ۳۱۷۰۶

۵- ڈاکٹر مطاہر حسین - کانگریس (آئی) ۳۴۹۲۷

۶- رفیق الحسن - ایس یو سی آئی - ۲۲۹۲

منتخب ہوئے - ڈاکٹر مطاہر حسین

مغربی بنگال میں حالیہ انتخابات کے نتائج

کل نشستیں ---- ۲۹۴

پارٹیوں کے نام	نشستوں کی تعداد
[illegible] حاصل ہوئی	
ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی (مارکسسٹ)	۱۷۴
فارورڈ بلاک	۲۸
انقلابی سوشلسٹ پارٹی	۱۹
ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی	۷
ہندوستان کی انقلابی کمیونسٹ پارٹی	۲
فارورڈ بلاک (مارکسسٹ)	۲
جمہوری سوشلسٹ پارٹی	۳
سوشلسٹ پارٹی	۳
بائیں محاذ ---- کل	۲۳۸

دیگر پارٹیاں

انڈین نیشنل کانگریس (اندرا کانگریس)	۴۹
کانگریس (ایس)	۴
ہندوستان کی سوشلسٹ یونیٹی سنٹر (ایس یو سی آئی)	۲
گورکھا لیگ	۱
کل	۲۹۴

۱ باقی صفحہ ۱۳ کا

نام	شعبہ
۱۹- شری بناما لی رائے	شعبۂ شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب کی رفاہ
۲۰- شری سین سرکار	شہری ترقی اور لوکل گورنمنٹ
۲۱- شری پرابیر سین گپتا	شعبۂ محنت
۲۲- شری پرولوے تالکدار	دیہی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتیں (کل امتیازات کے بغیر)

مغربی بنگال میں نئی بائیں محاذ حکومت

نئی بائیں محاذ حکومت نے جس کے سربراہ شری جیوتی باسو ہیں، ۲۶ مئی ۱۹۸۲ء راج بھون، کلکتہ میں گورنر مغربی بنگال شری بی۔ ڈی۔ پانڈے کے سامنے حلف اٹھایا۔ سب سے پہلے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنے عہدہ کا حلف لیا۔ ان کے بعد منتری کرشنا پد گھوش، (سی پی آئی ایم) ڈاکٹر کنائی لال بھٹاچاریہ (فارورڈ بلاک)، شری جوتن چکرورتی (آر ایس پی) اور شری کنائی بھومک (سی پی آئی) نے حلف لیا۔ اس موقع پر راج بھون میں قانون کے ممبران، ہائی کورٹ کے جج، ممبران پارلیامنٹ، ریاستی اسمبلی کے بائیں محاذ کے نئے منتخب ممبران، بائیں محاذ حکومت کے سابق وزرا، ایڈووکیٹ جنرل، اور پولس، فوج اور ہوائی جہاز کے انتظامیہ کے افسران موجود تھے۔

حلف لینے کے رسم کے ختم ہونے کے بعد شری جیوتی باسو نے کہا کہ گرچہ بائیں محاذ کے ۳۶ نکاتی پروگرام کی تکمیل میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ تاہم اب بھی بہت کچھ کرنا ہے اور بہت ساری دشواریوں پر قابو پانا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ریاستی حکومت ان پروگراموں کو مکمل طور پر پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی ہر ممکن کوشش کرے گی اور اس سلسلہ میں شہری اور مضافاتی دونوں علاقوں پر زور دیا جائیگا۔

اس کے بعد وزیر اعلیٰ نئے وزرا کے ساتھ راج بھون سے سیدھے رائٹرس بلڈنگس آئے۔ یہاں انھیں اور دیگر وزرا کو اسٹیٹ کوآرڈینیشن کمیٹی کی طرف سے استقبالیہ دیا گیا۔ اس موقع پر رائٹرس بلڈنگس کے سامنے ایک پلیٹ فارم بنایا گیا جہاں وزیر اعلیٰ اور دیگر وزرا تشریف فرما ہوئے۔ سب سے پہلے وزیر اعلیٰ اور دیگر وزرا کو مذکورہ کمیٹی کی طرف سے پھولوں کا ہار پہنایا گیا۔ اس کے بعد وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے تقریر کی۔ اپنی تقریر میں انھوں نے سب سے پہلے مغربی بنگال میں پانچ سال کے عرصہ کے لئے دوسری بار بائیں محاذ کو برسر اقتدار لانے کیلئے لوگوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ مغربی بنگال میں انتخابات کے نتائج یہی ثابت کرتے ہیں کہ ہم لوگ ہی یعنی بائیں محاذ ہی واحد متبادل ہے۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انھوں نے کہا مغربی بنگال کے عوام نے بائیں محاذ پر اعتماد کا اظہار کر کے ملک کے دیگر علاقوں کے جہاں ابھی چھوٹے پیمانہ کے عام انتخابات ہوئے ہیں، لوگوں کو ایک نئی راہ دکھائی۔

انتخابات کے بعد کی صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ گرہ بول حلقۂ انتخاب سے شری بھوگرنا کی فتح کافی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ وہاں گزشتہ دو برسوں سے انتخاب کو ملتوی رکھنے کی کوششیں کی گئیں۔ اس طرح مغربی بنگال میں بھی بائیں محاذ کو بدنام کرنے کیلئے جھوٹی افواہیں پھیلائی گئیں۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انھوں نے کہا کہ مغربی بنگال کے انتخاب کے نتائج اس بات کی شاہد ہیں کہ ایسی کوششوں سے یہاں کے عوام کو گمراہ نہیں کیا جا سکا۔ اب سارا ملک مغربی بنگال میں جہاں لوگوں نے اپنے ووٹوں کے ذریعہ اپنی بیداری کی وضاحت کی ہے، رونما ہونے والی صورت حال کا غائر مطالعہ کر رہا ہے۔ اس بار بائیں محاذ کو ۱۹۷۷ء کے مقابلہ میں زیادہ ووٹ ملے۔ گرچہ ۱۹۸۲ء کے انتخابات میں اس کے چند وزرا کو ناکامی حاصل ہوئی۔

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ ۱۹۷۷ء میں بائیں محاذ کو فتح حاصل ہوئی تھی تو اس کی وجہ یہ تھی بہت سارے لوگوں نے جنھیں کانگریسی حکومت کی پالیسیاں پسند نہ تھیں بائیں محاذ کو ووٹ دئے لیکن اس بار ہم لوگ ہی حکومت چلا رہے تھے لیکن لوگوں نے ہمارے حق میں ووٹ دئے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہمیں مثبتی ووٹ ملے۔ وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ مغربی بنگال بائیں محاذ ایک مینار ہے۔ آپ لوگوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اس مینار کہیں بھی شگاف پیدا نہ ہو۔ انھوں نے مزید کہا کہ ملک کے مختلف علاقوں سے انھیں مبارکباد کے پیغامات موصول ہوئے ہیں ان میں جموں و کشمیر کے وزیر اعلیٰ شری شیخ عبداللہ کے بھی پیغام ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تعریف اور تحسین کے مستحق صحیح معنوں میں مغربی بنگال کے عوام ہیں۔

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ اس وقت متحدہ محاذ کی فتح نے ہم لوگوں پر اور بھی زیادہ ذمہ داریاں عائد کر دی ہیں کیونکہ لوگوں کو بہت ساری مشکلات کے باوجود بائیں محاذ کو اپنا ووٹ دئے۔

آخر میں عوام کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے اپنی تقریر ختم کی۔ ٭

حکومت مغربی بنگال کے نئے وزراء

نام	شعبہ
۱۔ شری جیوتی باسو وزیر اعلیٰ۔	ہوم (ٹرانسپورٹ، سیول ڈیفنس، پارلیامانی امور کو چھوڑ کر) مالیات، ترقیات و منصوبہ بندی (سندربن اور جھاڑگرام ترقیات کو چھوڑ کر)
۲۔ شری کرشنا پدو گھوش	شعبۂ محنت
۳۔ شری کنائی لال بھٹاچاریہ	شعبۂ تجارت و صنعت، عوامی ادارے اور صنعتی تعمیر نو۔
۴۔ شری کنائی بھومک	وزیر بے قلمدان
۵۔ شری بنوئے کرشنا چودھری	آراضی اور اصلاحات آراضی
۶۔ شری دیبابرتو بندوپادھیہ	شعبۂ پنچایت اور اجتماعی ترقی
۷۔ شری رادھیکا بنرجی	شعبۂ خوراک و رسد اور شعبۂ امداد کی امداد و شاخ۔
۸۔ شری ننی بھٹاچاریہ	شعبۂ صحت عامہ اور خاندانی رفاہ
۹۔ شری کانتی بسواس	شعبۂ ابتدائی و ثانوی تعلیم
۱۰۔ شری جتین چکرورتی	شعبۂ تعمیرات عامہ و مکانات
۱۔ شری نرمل بوس	شعبۂ امداد باہمی
۱۱۔ شری شمبھو گھوش	شعبۂ اعلیٰ تعلیم
۱۱۔ شری امرندر مکھرجی	شعبۂ علاج و پرورش مویشی اور امداد و پناہ گزین۔
۱۴ شری بھابانی مکھرجی	شعبۂ ماحول
۱۔ شری ژدین مکھرجی	شعبۂ نقل و حمل
۱۔ شری اپورلعل مترا	شعبۂ جنگلات و سیاحت
۱۔ شری پرووَاس رائے	سندربن کی ترقی
۱۔ شری پراسانتا سور	شعبۂ شہری ترقی، دیہی ترقی اور لوکل گورنمنٹ۔
۔ شری شمبھو منڈی	شعبۂ شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب کی رفاہ اور جھاڑگرام کی ترقی۔
۔ شری کمل گوہا	شعبۂ زراعت
۲۱۔ شری کاسید ابوالمنصور حبیب اللہ	شعبۂ عدلیہ و قانون سازی

وزرائے ریاست

نام	شعبہ
۱۔ شری محمد عبدالباری	شعبۂ ابتدائی و ثانوی تعلیم
۲۔ شری مکتی چھایا بیرا	سماجی تعلیم، غیر رسمی تعلیم
۳۔ شری سبھاش چکرورتی	خدمات نوجوان، اسپورٹس اور ڈیری ترقیات۔
۴۔ کماری نیروپما چٹرجی۔	شعبۂ امداد و سماجی رفاہ کی شاخ رفاہ
۵۔ شری رام چٹرجی	سیول ڈیفنس (اس شعبہ کے کل اختیارات کی ذمہ داری انھیں دے دی گئی۔) ٹرانسپورٹ (نقل و حمل)
۶۔ شری سیبن چودھری	مالیات، ترقیات و منصوبہ بندی۔
۷۔ شری ساتتی رنجن گھٹک	آبپاشی و آبرسانی (اس شعبہ کے کل اختیارات کی ذمہ داری انھیں سونپی گئی)
۸۔ شری رام نارائن گوسوامی	
۹۔ شری شنکر گپتا	بجلی۔ (اس شعبہ کے کل اختیارات کی ذمہ داری انھیں سونپی گئی۔)
۱۰۔ شری داوا لاما	پہاڑی علاقوں کی ترقی کے امور
۱۱۔ شری سنیل مجمدار	آراضی و اصلاحات آراضی
۱۲۔ شری عبدالرزاق ملاّ	سندربن کی ترقی
۱۳۔ شری امرنیخی مکھرجی	شعبۂ امداد و سماجی رفاہ کی شاخ امداد
۱۴۔ شری بیما نندو مکھرجی	اکسائز (محصول) (کل اختیارات کے ذمہ دار)
۱۵۔ شری کیرنمو ئے نندا	ماہی گیری (کل اختیارات کے ذمہ دار)
۱۶۔ شری پنیت پنی پاٹھک	پارلیامانی امور (کل اختیارات کے ذمہ دار)
۱۷۔ شری ہمرو واشی پھودیکر	شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور (کل اختیارات کے ذمہ دار)
۱۸۔ شری اچنتا کرشنا رائے	خوراک و رسد

باقی صفحہ ۲۴۳

Regd. No. WB/CC-52
Vol. 29, No. 10
PRICE—25 Paise

MAGHREBI BENGAL
ELECTION NUMBER
15th June 1982

۲۵ مئی ۸۲ء کو مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ، کے سامنے مغربی بنگال کے سرکاری ملازمین اور عوام کے ایک اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے۔

بنگال
جولائی

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ
دھریندرا ناتھ دت

مدیر معاون
محمد اعظم

شرح خریداری
سالانہ ـــــ ۳/روپے
قیمت
۱۲/پیسے فی پرچہ ـــــ

جلد نمبر ۲۹ ـــــ یکم جولائی سنہ ۱۹۸۲ء ـــــ شمارہ نمبر ۱۳

اسمبلی ہاؤس، کلکتہ
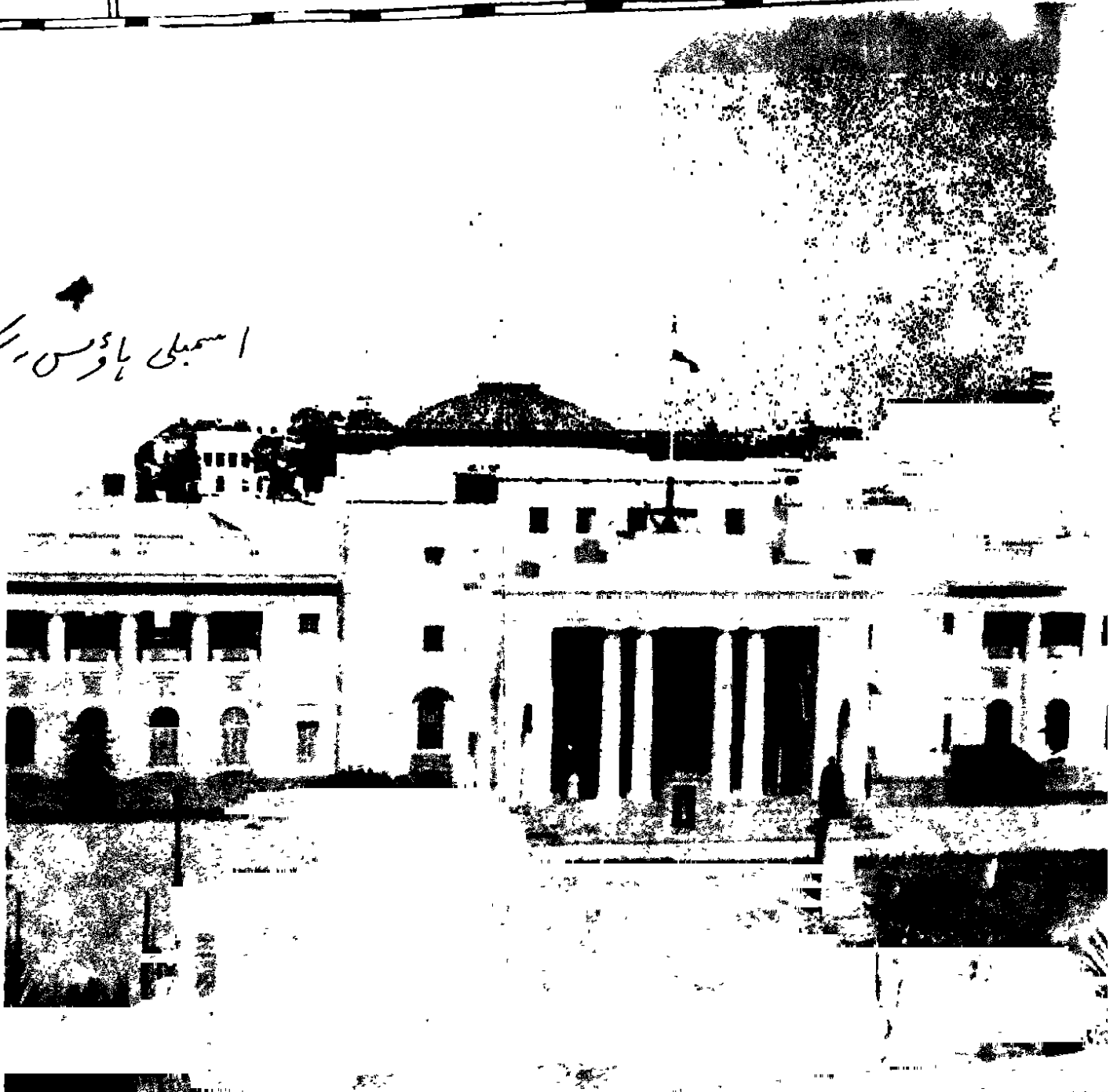
گذشتہ پانچ برسوں میں ہم لوگوں نے بہت سارے شعبوں میں کافی ترقی کی

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ۱۵ جون کو مغربی بنگال اسمبلی میں عارضی بجٹ کا تخمینہ پیش کیا۔ انہوں نے اپنی بجٹ تقریر میں کہا "گذشتہ پانچ برسوں میں ہم لوگوں نے بہت سارے شعبوں میں کافی ترقی کی لیکن ابھی بھی ہمیں بہت دور جانا ہے ہمیں اس بات پر پورا اعتماد ہے کہ ہم اس ریاست کے عوام سے کیے گئے وعدوں کو پورا کر سکینگے" وزیر اعلیٰ کی بجٹ تقریر کا متن تلخیص کے ساتھ درج ذیل ہے۔

ہم لوگوں نے گذشتہ پانچ برسوں میں اپنی کارگزاریوں کی بابت اور بائیں محاذ حکومت کی پالیسیوں اور منزل مقصود کی بابت مغربی بنگال کے عوام کی رائے اور فیصلہ معلوم کرنے کی کوشش کی اور عوام نے عیاں اور جمہوری طور پر ہماری کارگزاریوں کی تائید کی۔ درحقیقت مجھے ان باتوں سے حد سے زیادہ خوشی حاصل ہوئی کہ عوام نے وسیع پیمانہ پر ہماری تائید کی، ہم پر اعتماد کیا اور اس طرح مجھے ان تمام ذمہ داریوں کا احساس ہے جنہیں ہمیں نبھانا ہے۔ عوام کے نئے فرمان سے لیس ہو کر ہم لوگ اب اس ریاست میں اور اس ملک میں ایک بہتر معاشی۔ سماجی نظام قائم کرنے کیلئے اپنی جدوجہد جاری رکھینگے۔

مغربی بنگال میں پر امن انتخابات ہوئے اور کافی تعداد میں ووٹروں نے ووٹ دیے۔ اس سے یہاں کے ووٹروں کی سیاسی پختگی کا پتہ چلتا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس اسمبلی کے تمام ممبران ان لوگوں کو خراج عقیدت پیش کرنے میں میرا ساتھ دینگے۔ میں اسمبلی کے تمام ممبروں سے یہ درخواست بھی کروں گا کہ وہ عوام اور خاص طور پر محروم لوگوں کی فلاح و بہبود کے کام میں ہمارے ساتھ سرگرم تعاون کریں۔

مختلف شعبوں میں ہمیں جو کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں انہیں میں دہرانا نہیں چاہتا۔ مزدوروں، کسانوں، زرعی مزدوروں، برگداروں، اساتذہ، سرکاری ملازمین، طلباء، نوجوان، ثقافتی کارکنندگان، شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب کے لوگ اور دیگر افراد نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ ہماری حکومت مغربی بنگال کے مفاد کو آگے بڑھانے کے کام میں سرگرم عمل ہے۔ میری حکومت ان پروگراموں اور پالیسیوں کو بروئے عمل لا رہی ہے جن سے عوام کو اور ہماری ریاست کو فائدہ پہونچتا ہے۔ اسی مقصد کے تحت ہم نے ۳۴ نکاتی پروگرام کو جیسا کہ عزت مآب گورنر نے کل اپنے خطبہ میں کہا ہے اپنایا ہے۔ اس پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے میں ہم لوگ اس بات سے نہیں ہچکچائینگے کہ جہاں ضروری ہوگی ہم ان سبقوں سے کام لینگے۔ جو ہم نے گذشتہ پانچ برسوں میں سیکھے ہیں تاکہ ہم منفی خصوصیات پر قابو پا سکیں اور اس ریاست کے عوام کو ترقی، سماجی انصاف اور استحکام کی سہولتیں فراہم کر سکیں۔

برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد ہی میری حکومت، اضلاع بانکوڑا، بیربھوم، بردوان، ہگلی، مالدہ، مدناپور، مرشد آباد، ندیا، پرولیا اور مغربی دیناجپور میں خشک سالی کی شدید صورت حال کا مقابلہ کرنے کیلئے فوری طور پر مصروف ہو گئی ہے۔ اس خشک سالی سے زراعت پر بڑا اثر پڑا ہے اور وہاں پینے کے پانی کی شدید قلت ہو گئی ہے۔ ہم اس صورت حال میں بہتری لانے کے لئے ہنگامی بنیاد پر کام کر رہے ہیں۔ ہم نے حکومت ہند سے درخواست کی ہے کہ وہ ہمیں خشک سالی امداد کے لئے ۸۰ کروڑ روپئے دے اور ہمیں یقین ہے کہ ہمیں حسب ضرورت امداد فراہم کی جائے گی۔ ایک نیا بجٹ پیش کرنے سے قبل بہت سارے امور پر حکومت ہند سے بات چیت کرنی ہے۔ ایک امر تو ان قرضوں (اوور ڈرافٹ) کی بابت ہے جنھیں ریاستی حکومت نے ریزرو بنک آف انڈیا سے ۱۹ جنوری سنہ ۱۹۸۱ء سے ۲۳ اگست سنہ ۱۹۸۱ء تک حاصل کیا تھا۔ اس سلسلہ میں ہم لوگوں نے حکومت ہند سے بات چیت کی تھی اور ہم امید کرتے ہیں کہ اس مسئلہ کا جلد فیصلہ ہو جائے گا۔ ایک اور مسئلہ سنہ ۸۳-۱۹۸۲ کے لئے ریاست کے منصوبہ کے سائز سے متعلق ہے۔

یہ تجویز پیش کی گئی کہ ان منصوبوں کیلئے ریاستی حکومتوں کو بجائے ہنڈیوں کے ریزرو بینک آف انڈیا سے قرض حاصل کیا جائے۔ ۱۹۸۳ء کیلئے منصوبہ بندی اخراجات ۸۲-۸۳ کی سطح تک پہنچ گئے۔ اس مسئلہ پر ہم منصوبہ کمیشن کی رائے سے اتفاق نہ کر سکے کیونکہ ہمیں اس بات کا احساس تھا کہ پورے سال کے لئے منصوبہ کے سائز کا تعین کرنے کیلئے انتخاب سے قبل ہمارے پاس مینڈیٹ نہ تھا۔ اب ہم اس امید کے ساتھ بحث و مباحثہ شروع کریں گے کہ حکومت ہند اس بات کو زیر غور رکھے گی کہ ہم لوگوں نے جو کام ہاتھ میں لیا تھا انہیں جاری رکھنے کے لئے ہمیں عوام کی مکمل تائید حاصل ہے۔

اس لئے نیا بجٹ، جسے ہم مرتب کریں گے، ہمارے اپنے نظریہ کا اور میرا عقیدہ ہے کہ مستقبل میں مرکزی حکومت کے ساتھ ہونے والی ہماری گفت و شنید کی عکاسی کریگا۔

جیسا کہ عزت مآب ممبروں کو معلوم ہے کہ مرکزی حکومت کے افراط زر کی پالیسیوں کی وجہ سے بیس یا اکیس ریاستوں کو، جنہیں ریزرو بینک آف انڈیا کے ساتھ بینک کی سہولتیں فراہم ہیں، اسی بینک سے کثیر رقوم قرض (اوور ڈرافٹ) لینا پڑا۔ ان ریاستوں نے مجموعی طور پر ۲۰۰۰ کروڑ سے زیادہ روپے قرض لئے۔ یہ بات نہیں کہ صرف ریاستوں کو ہی کمی کا سامنا کرنا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت ہند کو بھی گزشتہ سال سے اب تک کل ۳۰۰۰ کروڑ روپے کی مجموعی کمی برداشت کرنی ہوئی اور یہ کمی اور بھی زیادہ ہوتی اگر حکومت ہند اندرون ملک اور بیرونی ملک دوسروں سے کثیر رقم قرض نہ لیتی اور کوئلہ، پٹرولیم کی مصنوعات وغیرہ جیسی چیزوں کی انتظامی قیمتوں میں تیز اضافہ نہ کیا جاتا۔ حالانکہ اس اضافہ سے عام لوگوں کو کافی دشواریاں برداشت کرنی پڑ رہی ہیں۔ مزید حال ہی میں مرکزی حکومت کی فاضل وسائل حاصل کرنے کی کوشش سے ریاستوں کو بہت ہی کم فائدہ پہنچا۔ ہمارے خیال میں ایسی پالیسیاں ہی جن پر حکومت عمل کرتی ہے، جنہوں نے ریاستوں کیلئے انتہائی ابتر حال پیدا کر دی۔ اس سے زیادہ خراب بات یہ ہوئی کہ فاضل وسائل ریاستوں کے درمیان بطور امداد تقسیم کرنے کی جگہ حکومت ہند نے نئے نئے طریقوں جیسے نام نہاد بیئرر بونڈ، اسپیشل انویسٹمنٹ بونڈ وغیرہ کے ذریعہ ریاستی وسائل پر مزید دخل اندازی کرنے کے لئے اسکیمیں مرتب کیں۔ جب تک کہ مرکزی حکومت کو اس بات کا احساس نہ ہو کہ ان پالیسیوں سے ریاستوں کو کتنا نقصان پہنچا ہے، اس وقت تک میں یہ نہیں دیکھتا کہ کس طرح ریاستوں کے اوور ڈرافٹ کے مسئلہ کو تعمیری لحاظ سے حل کیا جائے۔

مرکزی حکومت بلا سوچے سمجھے جن پالیسیوں کو بروئے عمل لاتی ہے، ان سے مشکلات پیدا ہوتے ہیں، ان کے سلسلے میں ہم لوگوں نے مرکزی حکومت کی توجہ مبذول کرائی۔ اب ایسے مسائل کی صحیح شکل و صورت ظاہر ہو چکی ہے اور اسی وجہ سے بیس یا اکیس ریاستوں کو بینکوں سے کثیر رقوم ادھار لینی پڑی۔ مجھے امید ہے کہ اس سلسلے میں قانون بنانے سے قبل سوچ و بچار سے کام لیا جائیگا اور اس طرح اس مسئلہ کو حل کرنے کیلئے بھرپور کوشش کی جائیگی۔

عزت مآب ممبران اس بات کو سراہیں گے کہ ریاستوں کے پاس اپنی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے ذرائع و وسائل نہیں ہیں۔ گزشتہ پانچ برسوں سے ہم مرکزی حکومت سے یہ درخواست کر رہے ہیں کہ وہ ریاستوں کو ٹیکس عائد کرنے کے زیادہ سے زیادہ اختیارات دے۔ پانچویں مالیاتی کمیشن نے خصوصی اہمیت کی چیزوں پر مزید ٹیکس عائد کرنے سے متعلق ایکٹ کی بابت یوں رقمطراز ہے: "اگر ریاستوں کو کپڑے، چینی اور تمباکو پر سیلس ٹیکس عائد کرنے کے اختیارات دے دئے جائیں تو ان میں سے بہت ساری ریاستیں اور بھی زیادہ رقوم بطور ٹیکس وصول کر سکتی۔ نیز ان ریاستوں کو جہاں یہ سب چیزیں پیدا ہوتی ہیں یا تیار کی جاتی ہیں۔ دیگر ریاستوں میں ان چیزوں کی فروخت سے زیادہ سیلس ٹیکس حاصل ہونگے"۔ یہاں میں یہ ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ ہم نے اس سلسلہ میں سپریم کورٹ میں ایک درخواست داخل کی ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ یہ ایکٹ دستوری لحاظ سے جائز ہے یا نہیں۔ اسی لئے ہم مرکز کے اس حالیہ اقدام کو تشویشناک نظروں سے دیکھتے ہیں کہ وہ اس ایکٹ کے دائرہ میں اضافہ کر دینا چاہتا ہے اور اس طرح کاغذ، سمنٹ، پٹرولیم کی مصنوعات وغیرہ کو اس ایکٹ کے دائرہ عمل میں لانا چاہتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ مرکزی حکومت ان باتوں پر غور کریگی اور اپنی اس تجویز کو روبہ عمل نہ لائیگی۔

جیسا کہ میرے محترم ساتھی ڈاکٹر اشوک مترا نے اپنی آخری بجٹ تقریر میں کہا تھا، ہم لوگ مرکزی سیلس ٹیکس ایکٹ کے تحت خصوصی اہمیت کی چیزوں پر چار فی صدی کی انتہائی شرح کو دور کرنے کیلئے دباؤ ڈالتے رہیں گے۔ ہمارا یہ بھی خیال ہے کہ مرکزی حکومت، ریاستوں کو بعض چیزوں کی برآمدات سے ٹیکس کا جتنا نقصان پہنچتا ہے، اتنا پورا کر دے۔ دستور ہند کی دفعہ ۲۶۹ کے تحت مرکزی حکومت بہت سارے ٹیکس عائد کر سکتی ہے لیکن اس کے ساتھ ایسے ٹیکسوں سے حاصل کردہ رقوم کو ریاستی حکومتوں کے درمیان تقسیم کرنی ہوگی جنہیں کئی بار مرکز کی [illegible]

ریاستوں کے وسائل اکٹھا کرنے کی صلاحیتوں میں تیزی لانے کیلئے اس دفعہ پر مناسب طور پر عملدرآمد نہیں کیا جاتا۔ میں عزت مآب ممبروں کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ میری حکومت مرکزی حکومت پر دباؤ ڈالتی رہے گی کہ وہ اس قانون کو مناسب طور پر استعمال میں لائے۔

ایسی مشکل صورت حال میں، جن سے ریاستیں دوچار ہیں، ہم لوگ آٹھویں مالیاتی کمیشن کی سفارشات کو زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ اسے اس بات کو زیر غور رکھنا پڑتا ہے کہ مرکزی حکومت کی بجٹ میں کمی، غیر پیداواری اخراجات اور ٹیکس وصول کرنے میں بڑھتی ہوئی ناکامی اور ٹیکس کی ادائیگی کے خلاف بیت و لعل کرنے والوں کے خلاف کارروائی کرنے میں ناکامی کی وجہ سے ریاستوں کی مالی حالت میں بڑا اثر پڑا۔ ہمارے خیال میں اس کمیشن کو مرکز کی اور ریاستوں کی مالی حالت پر غور و خوض کرنا چاہئے اور موجودہ صورت حال سے جو دشواریاں پیدا ہوتی ہیں، انھیں مستقل طور پر دور کرنا چاہئے۔

ہم نے ان میں سے کسی بھی مسئلہ پر فرداً فرداً طور پر غور نہیں کیا بلکہ ان کے ایسے حل تلاش کرنے کی کوششیں کیں جن سے سارے ملک کو فائدہ پہنچے۔ مجھے امید ہے کہ ہمیں اس معاملہ میں جو پوری قوم کی بابت ہے، ہمارے ممبروں کی پوری تائید حاصل ہوگی۔

گذشتہ پانچ برسوں میں ہم لوگوں نے بہت سارے شعبوں میں کافی ترقی کی۔ لیکن ابھی بھی ہمیں بہت دور جانا ہے۔ ہمیں اس بات پر پورا اعتماد ہے کہ ہم اس ریاست کے عوام سے کئے گئے وعدوں کو پورا کریں گے۔ میں اس اسمبلی کے تمام ممبروں کا سرگرم تعاون حاصل کرنا چاہتا ہوں تاکہ ہم ایک ساتھ کام کریں اور عوام کی حالت میں بہتری لائیں اور ہمارے ملک کے مستقبل کی بابت عوام کے دلوں کو امید و اعتماد سے لبریز کر دیں *

بقیہ صفحہ ۹ سے

زبان اور ثقافت

(۳۰) حکومت کے سرکاری کام میں بنگلہ اور نیپالی زبان، جہاں قابل اطلاق ہو، کے استعمال کے لئے موثر اقدامات کئے جائیں۔ تمام اقلیتی زبانوں کی ترقی کے لئے حکومت کو پہل کرنی چاہئے۔

(۳۱) اس ریاست کی شاندار وراثت اور اس کے عوام کی تمناؤں کی عکاسی کرنے والی ثقافتی سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے۔ ثقافت میں روبہ انحطاط رجحانات کے خلاف مہم چلائی جائے۔ ایسی سہولتیں فراہم کی جائیں کہ عام لوگ کم خرچ پر سیر و سیاحت کر سکیں۔

مزدور طبقہ

(۳۲) مزدور طبقہ اور محنت مشقت کرنے والے لوگوں کی تمام قانونی اور جمہوری تحریکوں کی تائید کی جاتی ہے۔ صنعتی تنازعات کے جلد از جلد تصفیہ اور مزدوروں اور ملازمین کے مفادات کی حفاظت کے لئے صنعتی تعلقات کے قوانین میں مزید ترمیم لائی جائے۔

(۳۳) کم سے کم اجرت ایکٹ کو مناسب طور پر بروئے عمل لانے کے لئے اور اس کی دفعات کو آجروں پر لاگو کرنے کے لئے قانونی اور انتظامی اقدامات کئے جائیں۔ ریاستی مزدور بورڈ کو ایسے اختیارات دیے جائیں کہ وہ اور زیادہ موثر طریقہ پر اپنی خدمات انجام دے سکیں۔ ملازمین کی ریاستی بیمہ اسکیموں کی توسیع کی جائے اور اس کے کام کاج میں بہتری لائی جائے۔

ضروری اشیاء

(۳۴) عوامی نظام تقسیم میں وسعت پیدا کی جائے اور اسے اور بھی موثر بنایا جائے۔ ضروری غذائی اجناس کی سپلائی کی راشننگ نظام کے ذریعہ تقسیم کا انتظام کیا جائے۔ لازمی چیزوں میں ریاستی تجارت کو مزید وسیع کیا جائے۔ نقل و حمل میں رکاوٹوں کو دور کیا جائے۔ اور لازمی چیزوں کی ذخیرہ اندازی کو دور کیا جائے۔ ذخیرہ بازوں اور کالے بازار والوں کے خلاف انتظامی اور عوامی اقدامات کئے جائیں۔

پاگلوں کے ہسپتال کے لئے عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے لمبنی پارک مینٹل ہسپتال کلکتہ کو اس کے غیر مخصوص بستروں کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے ۲۵ ہزار روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی —

عوام کی فلاح وبہبود کیلئے بائیں محاذ حکومت کا

۳۴ نکاتی پروگرام

بائیں محاذ نے گزشتہ عام انتخابات میں مغربی بنگال کے لوگوں کے سامنے ۳۴ نکاتی پروگرام پیش کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس ریاست کے عام لوگوں کے مفاد کی خاطر ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت کے سامنے ۱۸ نکاتی مانگیں پیش کی تھی۔ مغربی بنگال کے عوام نے مذکورہ ۳۴ نکاتی پروگرام اور ۱۸ نکاتی مانگوں کے حق میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اب یہ دوسری بائیں محاذ حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنی تمام توانائی کے ساتھ مذکورہ بالا پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہونچانے اور اس بات کی بھرپور کوشش کرے کہ مرکز مذکورہ بالا مانگوں کو پورا کر دے۔ بائیں محاذ نے مندرجہ ذیل مانگوں کیلئے جنہیں مرکز کے سامنے پیش کیا جائیگا عوام کی رائے طلب کی تھی۔

(۱) مرکز۔ ریاست تعلقات کی از سر نو تعمیر تاکہ ریاستوں کو اور بھی زیادہ مالی اور قانونی اختیارات حاصل ہوں ساتھ ہی انھیں وسائل پر اور بھی زیادہ دخل حاصل ہو تاکہ وہ اپنے پروگراموں کو مناسب طور پر پایہ تکمیل تک پہونچا سکیں۔ مرکز کے اختیارات چند موضوعات تک جیسے مالیاتی نظام، منصوبہ بندی اور معاشی ربط ضبط، غیر ملکی امور اور غیر ملکی تجارت، دفاع اور نقل وحمل وغیرہ تک محدود ہونی چاہیے۔ نیز منصوبوں کو مرتب کرنے اور انھیں آخری شکل دینے میں نیز معاشی فیصلوں میں ...... وسائل کے استعمال کی بابت فیصلے میں ریاستوں کو زیادہ سے زیادہ شرکت کرنے کا حق دیا جائے۔ دستور کے آرٹیکل ۳۵۶ کو منسوخ کر دیا جائے کیونکہ اس آرٹیکل کی وجہ سے مرکز کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ منتخب ریاستی حکومت کو توڑ دے اور ریاستوں میں صدر کی حکومت نافذ کر دے۔ نیز اس بات کی بھی ضمانت دینی ہوگی کہ ریاستی اسمبلیوں کی منظور کردہ بلوں کو صدر کی منظوری کا انتظار نہیں کرنا پڑیگا۔

(۲) پارلیمنٹ کے اختیارات کو زیر وزبر کرنے اور اسکے اختیارات کم کرنے کے طریقہ کار کو قطعی طور پر ختم کر دینا چاہیئے۔ بیرونی حملہ کے معاملہ کے علاوہ اور کسی وجہ سے ملک میں ہنگامی حالت کے اعلان کرنے کے تمام دستوری دفعات کو باطل قرار دیا جائے۔ نیز ایم ایس اے۔ اور این۔ ایس۔ اے جیسے قوانین کو باطل قرار دیا جانا چاہیئے۔

(۳) پاٹ جیسی چند اہم صنعتوں کو قومیا جائے۔ حکومت ہند اور چائے کارپوریشن آف انڈیا کو چائے صنعت کی وسیع پیمانہ پر مدد کرنی چاہئے اور انھیں ریاستی حکومت اور مغربی بنگال چائے ترقیات کارپوریشن کے ساتھ ان چائے باغات کی جنھیں ان کے مالکان برباد کر رہے ہیں کی احیاء نو اور انھیں اپنے زیر انتظام لینے میں تعاون کرنا چاہئے۔ مغربی بنگال میں بڑے پیمانہ کی نئی صنعتیں، مثلاً ہلدیہ پٹرو کیمیکل کمپلکس، سالٹ لیک الکٹرونکس کمپلکس، فراخا میں صنعتی شہر اور آسنسول رانی گنج کے علاقہ میں کوئلہ پر مبنی صنعتیں قائم کرنے کے لئے مرکز کو صنعتی لائسنس دینا چاہئے اور مرکزی مالیاتی اداروں سے ایسی صنعتوں کے لئے مالی امداد اور سہولتیں فراہم کی جانی چاہئے۔ اس ریاست میں بند اور بیمار صنعتوں کی احیاء نو کے لئے ٹھوس اقدامات کئے جائیں اور مزید تالا بندی اور بندش کی روک تھام کی جانی چاہیئے۔ صنعتوں کے نام لائسنس جاری کرنے اور دیگر قانونی اقدامات اور صنعتوں کی ترقی کے امور کی بابت ریاستوں کو زیادہ سے زیادہ ذمہ داریاں دینے کے لئے صنعتی ترقی اور ریگولیشن ایکٹ پر نظر ثانی کی جائے۔

(۴) ۱۴ ضروری اشیاء کی مناسب اور مقررہ قیمتوں پر پوری ریاست میں مسلسل سپلائی کی ضمانت دی جائے تاکہ عوامی نظام تقسیم کو موثر طور پر بروئے کار لایا جا سکے اور قیمتوں کو بھی زیر قابو رکھا جا سکے۔ یہ ۱۴ اشیاء یہ ہیں۔ خوراک کی اجناس، دال، نمک، چینی، سوتی کپڑے، کھانے کا تیل، کراسن تیل، ڈیزل تیل، ماچس، کاغذ اور کپڑے دھونے کا صابن۔

(۵) کسی بھی سال میں مالیاتی کمی کو مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو مساوی طور پر برداشت کرنا چاہئے۔

(۶) آمدنی ٹیکس اور بنیادی اکسائز ڈیوٹیز کی جنھیں مرکزی حکومت عائد کرتی ہے لیکن جن سے ریاستوں کو بھی کافی رقوم حاصل ہوتی ہیں، زیادہ ...

شعبوں کی بابت ریاستوں سے مشورہ کرنا چاہئیے۔

(۷) اپنا ایک کمرشیل بنک قائم کرنے کے لئے ریاست مغربی بنگال کی تجویز کو مرکز کو منظور کر لینا چاہئیے۔

(۸) لازمی اشیاء کی چیزوں پر مزید ایکسائز ڈیوٹیز اور ان کے متعلقہ دیگر قوانین کو منسوخ کر دیا جائے تاکہ ریاستی حکومتوں کا یہ حق بحال ہو جائے کہ وہ تمباکو کی پیداوار، چینی اور سوتی کپڑوں پر سیلس ٹیکس عائد کر سکیں۔

(۹) ان چیزوں پر جنہیں برآمد کیا جاتا ہے، دستور کے تحت ریاستی حکومت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ان پر سیلس ٹیکس عائد کریں۔ اس لئے اس کی وجہ سے ریاستی حکومتوں کو محاصل میں جو کمی برداشت کرنی پڑتی ہے اسے مرکز پورا کرے۔ دستور کی دفعہ ۲۶۹ میں رکھی گئی گنجائش کے تحت مرکزی حکومت ہی چند ٹیکس عائد کر سکتی ہے اور اس کے تحت رقوم وصول کر سکتی ہے، لیکن ان مدوں کے تحت حاصل کردہ تمام رقوم مرکز کو ریاستوں کے درمیان تقسیم کر دینا پڑتا ہے۔ چنانچہ اس دفعہ کو زیادہ سے زیادہ مرکوز طور پر بروئے عمل لایا جائے۔

(۱۰) لوہا، اسٹیل اور کوئلہ کو لے جانے کیلئے مساوی کرایہ کی پالیسی کے تحت دیگر بنیادی چیزوں کو بھی لانا چاہئیے۔ سارے ملک میں تمام لازمی اور ضروری چیزیں ایک ہی قیمتوں پر فروخت کی جائیں۔

(۱۱) تمام زرعی پیداواروں اور خاص طور پر پاٹ جیسی زر نقد پیداواروں کے لئے مناسب قیمتیں دی جائیں تاکہ اگانے والوں کے مفادات کی حفاظت کی جا سکے اور وہ غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر انہیں اونے پونے دام پر فروخت نہ کر سکیں۔

(۱۲) دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کے لئے مناسب قانونی حفاظت فراہم کی جانی چاہئیے۔

(۱۳) پارلیمانی اور دیگر انتخابات میں ووٹ ڈالنے کے مستحق لوگوں کی کم سے کم عمر گھٹا کر ۱۸ سال کر دی جائے۔

(۱۴) تعلیمی اور شہری ترقی کیلئے منصوبہ اور غیر منصوبہ کے تحت مقرر کردہ مالی اخراجات میں اضافہ کیا جائے۔ تعلیم کو ریاست کے موضوعات میں شامل کر لیا جائے اور اسے مشترکہ فہرست سے الگ کر دیا جائے۔

(۱۵) ٹریڈ یونین سرگرمیوں اور ریاستی اور پرائیویٹ سیکٹر میں ملازمین کے ساتھ ساتھ محنت کش طبقہ کے لوگوں کے جمہوری حقوق کی حفاظت کرنے کے لئے تمام مرکزی قوانین اور صنعتی تعلقات کے قوانین میں ترمیم لائی جائے۔

(۱۶) سبھوں کے لئے ملازمتوں کی فراہمی اور بے روزگاروں کے لئے سماجی بیمہ اور بے روزگاری بھتہ کے لئے گنجائش رکھی جائے۔

(۱۷) دستور ہند کے آٹھویں جدول میں نیپالی زبان کو درج کیا جائے اور ریاستی مغربی بنگال کے اندر پہاڑی علاقوں کے لئے علاقائی خود اختیاری فراہم کرنے کیلئے دستور میں ترمیم لائی جائے۔

(۱۸) پناہ گزینوں کی بحالی کمیٹی کی سفارش کے مطابق پناہ گزینوں کی آبادکاری کے لئے مناسب فنڈ فراہم کیا جائے اور سرکاری زمین پر آباد پناہ گزینوں کی کالونیوں میں رہنے والے پناہ گزینوں کے ان قطعات آراضی پر جہاں وہ رہتے ہیں حقوق کو تسلیم کرنے کیلئے حسب ضرورت اقدامات کئے جائیں۔

۳۴ نکاتی پروگرام

عوام کے تعاون کے ذریعہ بائیں محاذ حکومت ۳۶ نکاتی پروگرام میں سے زیادہ تر پروگراموں کو مکمل طور پر یا جزوی طور پر پایۂ تکمیل تک پہونچانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ان کامیابیوں کے پیش نظر دوسری بائیں محاذ حکومت اب اپنے ۳۴ نکاتی پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی کوشش کریگی۔ پروگرام درج ذیل ہیں۔

(۱) ریاستی انتظامیہ کے ڈھانچہ کی ساخت میں اور اس کے کام کاج میں بہتری لانے کے پیش نظر اصلاحات کیلئے اعلیٰ پیمانہ کا انتظامی اصلاح جاتی کمیشن قائم کیا جائے نیز پولس کے ضوابط پر نظرثانی کی جائے۔

(۲) مجموعی طور پر کام کاج میں اور انفرادی ذمہ داری اور صلاحیت میں بہتری لانے، سرکاری کام میں تیزی لانے، دفتروں میں وقت پر حاضری دینے اور عوامی شکایتوں کی طرف بہتر طور پر توجہ دینے اور بد عنوانی کی شکایتوں کو موثر طور پر جلد از جلد دور کرنے کے لئے جو کسی نظام میں بہتری لانے کے لئے آجروں کی تنظیموں کے تعاون کے ساتھ ٹھوس اقدامات کئے جائیں۔

(۳) ترقیاتی سرگرمیوں کے لئے انتظامیہ کو لامرکزی بنا دیا جائے اور ریاستی اور ضلع سطحوں پر مختلف سرکاری شعبوں کے درمیان تعاون کیلئے، نیز ترقیاتی کام کاج میں منتخب نمائندوں کو زیادہ اختیارات دینے کے لئے ادارہ جاتی انتظامات میں بہتری لائی جائے۔

(۴) بجلی کی پیداوار اور تقسیم کے لئے جاری پروجکٹوں کو ٹھیک وقت پر پایۂ تکمیل تک پہونچایا جائے۔ کولاگھاٹ، تمام اور ٹیٹاگڑھ پروجکٹوں کو

پارلیمانی کمیشن کی سفارش پر عمل کیا جائے۔ ریاست میں ۲۰ ... تک بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت ۲۵۰۰ میگاواٹ تک بڑھا دی جائے۔ بجلی کے نئے پروجیکٹوں کیلئے اسکیمیں بنائی جائیں اور مرکزی حکومت سے منظوری حاصل کی جائے۔ نیز بجلی کے شعبہ میں انتظامیہ کی از سر نو تنظیم کی جائے۔

(۵) پبلک اور پرائیویٹ دونوں سیکٹروں میں ہوائی نقل و حمل کی ترقی کی راہ میں حائل دشواریوں کو دور کرنے کے لئے نئے قوانین نافذ کئے جائیں اور نئے انتظامی اقدامات کئے جائیں۔ پرائیویٹ بسوں کے مالکوں پر موثر کنٹرول قائم رکھنے کے لئے ایسے اقدامات کئے جائیں کہ وہ مناسب طور پر بلا روک ٹوک اپنی خدمات جاری رکھ سکیں۔ اندرون ملک بذریعہ ندی اور دریا آمد و رفت کے نظام میں بہتری لائی جائے۔

(۶) مضافاتی علاقوں میں، نئے صنعتی مرکز والے ان علاقوں میں جہاں قبائلیوں کی کافی آبادی ہے اور پہاڑی علاقوں میں زیادہ سے زیادہ اور بہتر سڑکیں تعمیر کی جائیں۔

(۷) غریبوں کے لئے مکانات تعمیر کرنے کیلئے زمین مفت فراہم کرنے کی گنجائش رکھی جائے۔ نیز کم خرچ مکانات کی تعمیر کی اسکیموں کو بروئے عمل لایا جائے۔

(۸) پہاڑی علاقوں میں، قبائلی علاقوں میں اور دیگر پسماندہ علاقوں میں صنعتی ترقی کیلئے گوناگوں ترقیاتی اقدامات کئے جائیں۔ آب و ہوا اور ماحول کو پاک صاف رکھنے، پانی کو گندگی سے صاف رکھنے و جنگلات کو صاف کرنے کیلئے پالیسی مرتب کی جائے۔

صنعتی سیکٹر

(۹) اس ریاست میں بند اور بیمار صنعتی یونٹوں کی مرکزی حکومت کی مدد سے نو تعمیر اور احیاء نو کے لئے انتظامات کئے جائیں اور ایسی صنعتوں کی کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے مالیاتی اداروں سے امداد فراہم کی جائے۔

(۱۰) اضلاع میں نئی صنعتوں کے لئے اسکیموں کو ترجیح دی جائے — ریاستی حکومت کی صنعتی ترقیاتی ایجنسیاں اور صنعتوں کو فروغ دینے والی ایجنسیوں کی سرگرمیوں کو ایک نظام کے تحت تیز کیا جائے۔ صنعتوں کی ترقی اور توسیع کیلئے رکاوٹوں کو دور کیا جائے۔ دیہی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی تمام اشیاء کی فراہمی مصنوعات کی بازار میں فروخت اور مالی امداد کے سلسلہ میں خصوصی توجہ دی جائے۔

(۱۱) پبلک سیکٹر یونٹوں میں انتظامیہ کے جدید اور بہتر طریقہ کار

رائج کئے جائیں اور ایسے اقدامات کئے جائیں کہ انتظامیہ میں مزدور باضابطہ طور پر زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کر سکیں۔

دیہی شعبہ

(۱۲) اصلاحات آراضی کے قوانین کو سختی سے بروئے عمل لایا جائے اور آراضی کے ریکارڈ میں نام درج کرنے کی گنجائش رکھی جائے۔ ریاست کی معیشت کے مفاد کی خاطر شہروں اور گاؤں میں زمینوں کا مناسب طور پر استعمال کیا جائے۔ بٹائی داروں اور زرعی مزدوروں کے معاشی حقوق کی حفاظت کیلئے قانونی اور انتظامی اقدامات کئے جائیں۔ ساتھ ہی کم سے کم اجرت کی ضمانت دی جائے اور کسانوں کو قرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں کچھ امداد اور راحت دی جائے۔

(۱۳) زرعی پیداوار کے لئے خام اشیاء مناسب قیمتوں پر فراہم کرنے کے انتظامات کئے جائیں۔ پیداوار میں بہتری کیلئے کسانوں کی ہمت افزائی کی جائے۔ زرعی پیداوار کی مناسب قیمتوں اور بازار میں فروخت کرنے کی بہتر سہولتوں اور پیداوار کو اسٹاک میں رکھنے کا بہتر انتظام کیا جائے۔ خاص طور پر خشک سالی سے متاثر ہونے والے علاقوں میں زر نقد پیداوار کی کاشت کو فروغ دیا جائے۔ آلو اور پان اگانے والے کسانوں اور ماہی گیروں وغیرہ کی مدد کیلئے خصوصی اقدامات کئے جائیں۔

(۱۴) پاٹ اگانے والوں کے مفادات کی حفاظت کے لئے ریاستی پاٹ کارپوریشن قائم کیا جائے۔ پاٹ کی نئی نئی مصنوعات تیار کرنے کیلئے تحقیق کرنے کی اور ایسی مصنوعات کی کاروباری لحاظ سے پیداوار کی ہمت افزائی کی جائے۔

(۱۵) فی الحال صرف ۳۰ فی زرعی زمین کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہیں۔ ایسی سہولتیں اب کم از کم ۵۰ فی صد زرعی زمینوں کو فراہم کی جائیں۔ نیز اس سلسلہ آبپاشی کے ایسے پروجیکٹ کو روبہ عمل لایا جائے جو سیلاب کی روک تھام کر سکیں، ساتھ ہی آبپاشی کیلئے پانی فراہم کر سکیں۔

(۱۶) مچھلی، مرغ مرغیوں، دودھ اور دودھ کی مصنوعات کی پیداوار میں مزید اضافہ کرنے کیلئے اچھی اسکیمیں مرتب کی جائیں، اور انہیں بروئے عمل لایا جائے۔

(۱۷) پنچایتی راج قوانین کا اور ان کے طرز عمل کا جائزہ لیا جائے تاکہ ترقیاتی کاموں میں زیادہ سے زیادہ لوگ موثر طور پر حصہ لے سکیں اور عوام اور سرکاری ایجنسیوں کے درمیان بہتر طور پر تال میل پیدا ہو سکے۔

(۱۸) میونسپلٹیوں کی اس سلسلہ میں ہمت افزائی کی جانی چاہئے کہ وہ

اپنے اپنے علاقے کے آس پاس کے ماحول کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی ترقیاتی سرگرمیوں میں تال میل پیدا کرے سی ایم ڈی اے اپنی ان سرگرمیوں کو جاری رکھے جن سے غریب طبقے کے لوگوں کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور ان سے انھیں فائدہ ہو سکتا ہے تمام میونسپلٹیوں کے علاقوں میں پانی کی سپلائی کی بہتر اسکیموں کو روبہ عمل لایا جائے۔

(۱۹) کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو مفاد پرستوں کے کنٹرول سے آزاد کیا جائے اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں، زرعی سرگرمیوں، ماہی گیری وغیرہ کی بہتری کے لئے انھیں موثر طور پر بروئے کار لایا جائے۔

(۲۰) زرعی پیداوار کے لئے اور بھی زیادہ باضابطہ بازار قائم کئے جائیں اس سلسلے میں پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کی ہمت افزائی کی جائے کہ وہ یا تو اپنے طور پر یا کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے ذریعے نئے بازار رکھولیں۔

تعلیم اجتماعی اور سماجی خدمات

(۲۱) مفت ابتدائی تعلیم اسکیموں کے تحت ۶-۱۴ سال کے تمام بچے اور بچیوں کو مفت ابتدائی تعلیم فراہم کی جائے اور انھیں مختلف اسکیموں کے تحت ٹفن، اسکول کی پوشاک، طبی امداد اور نصاب کی کتابیں مفت فراہم کی جائیں۔ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے طلباء کو مذکورہ سہولتوں کے ساتھ ساتھ ہاسٹل میں مفت رہائش کی اور دیگر سہولتیں فراہم کی جائیں۔ جہالت کو دور کرنے کے پروگراموں کو جن میں بالغوں کی تعلیم اور غیر رسمی تعلیم پروگرام شامل ہیں، ترجیح دی جائے۔ عام لوگوں کے لئے بھی عوامی لائبریری خدمات فراہم کی جائیں۔

(۲۲) اعلیٰ تعلیمی اداروں کے انتظامیہ میں جمہوری طریقہ کار کو اپنانے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ طلباء، اساتذہ، ملازمین اور سرپرستوں کے تعاون کے ساتھ تعلیمی فضا کو برقرار رکھنے کیلئے اقدامات کئے جائیں۔

(۲۳) مادری زبان کے ذریعہ اعلیٰ سطح تک تعلیم دینے کی پالیسی کو اپنایا جائے اور اس کے لئے ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔ اس سلسلے میں اردو، نیپالی اور سنتھالی زبانوں کی ہمت افزائی کی جائے۔ ثانوی درجوں میں انگریزی کی تعلیم کو اہمیت دی جائے اور زبان کی تعلیم کے طریقہ کار میں بہتری لانے کے انتظامات کئے جائیں۔

(۲۴) اس ریاست میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ریاست کی صحت عامہ خدمات فراہم ہوں۔ ہسپتالوں میں طبی دیکھ بھال کی اور بھی مزید سہولتیں فراہم ہوں۔ تمام دیہی مراکز صحت میں ڈاکٹر اور دیگر طبی اسٹاف فراہم کئے جائیں۔ ہسپتالوں میں ادویہ اور خوراک کے لئے اور بھی زیادہ رقوم فراہم کی جائیں۔ اس سلسلے میں اقدامات کئے جائیں کہ ایسی ادویہ اور خوراک کی کوالٹی اچھی ہو اور یہ آسانی سے فراہم ہوں۔ ہسپتالوں کے کمپاؤنڈ میں سماج دشمن عناصر کی سرگرمیوں کی روک تھام کی جائے۔ دیہی پانی سپلائی پر جو زور دیا گیا ہے اسے جاری رکھنا چاہیئے۔ رضاکارانہ خاندانی منصوبہ بندی پروگرام اور زچوں کی دیکھ بھال کی اسکیموں کی تائید کی جائے۔

(۲۵) بے روزگاری بھتہ اسکیموں کو جاری رکھا جائے۔ اس بات کی کوشش کی جانی چاہیئے کہ زرعی مزدوروں اور دیگر دیہی غریبوں کو ان مہینوں میں جب کاشتکاری کا کام نہیں ہوتا، کام فراہم ہو۔ سرکاری اور نیم سرکاری شعبوں میں تبادلہ ملازمت کے دفاتر کے ذریعہ بے روزگاروں کو برسر روزگار بنانے کی اسکیم پر سختی سے عمل کیا جائے۔ اور غیر سرکاری آجروں سے یہ کہا جائے کہ وہ بھی اس پالیسی کو بر سر عمل لائیں۔ سرکاری دفتروں میں آسامیوں میں بھرتی کی جائے اور اس سلسلے میں بے روزگاری کے الاؤنس پانے والوں کو ترجیح دی جائے۔ سرکاری ملازمت کے سلسلے میں درخواست فیس لینی بند کر دی جائے۔

(۲۶) دیہی غریبوں کے لئے جماعتی بیمہ اسکیموں کی گنجائش رکھی جائے۔ سماج کے کمزور طبقہ کے لوگوں، جیسے ضعیف، لاچار، بیوہ وغیرہ کیلئے سماجی بیمہ اسکیموں کی، ساتھ ہی غلہ بیمہ اسکیموں کی توسیع کی جائے۔

(۲۷) عورتوں کی فلاح و بہبود کے لئے نئی اسکیمیں مرتب کی جائیں اور انھیں پایہ تکمیل تک پہونچایا جائے ان کے سماجی حقوق کو بڑھایا جائے۔ مضافاتی علاقوں میں نوجوانوں کی رفاہی خدمات اور اسپورٹس کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔

پسماندہ طبقہ اور اقلیتیں

(۲۸) مذہبی اور لسانی اقلیتوں کے تحفظ اور ان کے معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کے فروغ کے لئے اور بھی تیز کوششیں کی جائیں۔ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگوں کی اقتصادی ترقی کے لئے اسکیموں کو برسر عمل لایا جائے۔ ان طبقات کے پیش نظر ان کے لئے ملازمت کے امکانات پیدا کئے جائیں اور تعلیمی سہولتیں فراہم کی جائیں۔

(۲۹) مغربی بنگال کے اندر پہاڑی علاقوں کو خود اختیاری دینے کے لئے اقدامات کئے جائیں اور ایک قانون کے تحت پہاڑی علاقوں کی ترقی کے لئے اور بھی زیادہ سرگرمیوں کو مربوط طور پر سر عمل لایا جائے۔ (باقی صفحہ ۵ پر)

لوک ناچ اور جسمانی ورزش کی تعلیم میں اسکی جگہ

از:- کیپٹن موہن چکرورتی

عظیم سیاح ڈیوڈ لیونگ اسٹون کی تحریروں سے یہ ظاہر ہے کہ جب ایک فرقہ کا ایک باشندہ دوسرے فرقہ کے باشندے سے ملتا تو جو پہلی بات وہ ایک دوسرے سے پوچھا وہ یہ ہوتی "آپ کس قسم کا ناچ ناچتے ہیں"۔

اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ناچ بہت ہی قدیم آرٹ ہے۔ تواریخ میں بھی اس کے کافی ثبوت ملتے ہیں۔ ناچ ہمیشہ انسان کی زندگی کا ایک جزو بنا رہا۔ غاروں میں رہنے والوں نے اپنے اپنے غار کی دیواروں میں ناچتے ہوئے لوگوں کی تصویریں نقش کی ہیں۔ قدیم مصری مقبروں سے جو کھنڈرات برآمد ہوئے ہیں ان میں ناچتے ہوئے لوگوں کی نقش کشی کی گئی ہے۔ یورپ کی قدیم نقاشی میں خوشی کے اظہار کے لئے مردوں کو ناچتے ہوئے دکھلایا گیا ہے۔

ناچ موجودہ دور کے ہر طبقہ کی ذہنی کے جذبہ کی اہم خصوصیت ہے —— اظہار خودی کے کم سے کم حصّے خود بخود رونما ہونے والی فوری شکل ہونے کے باوجود ہر طبقہ کا ناچ اس طبقہ کی اندرونی خصوصیات کا اظہار کرتا ہے اور اسکے باشندوں کے ساتھ ہی ان کی روحانی زندگی ثقافتی رشتہ کا ذکر کرتا ہے۔ ہر علاقہ کی ثقافت اس علاقہ اور وہاں کے لوگوں سے متعلق ہوتی ہے۔ نمایاں متناسب اسلوب بیان کی نمائندگی کرتی ہے۔

لوک ناچ دیہی علاقوں میں عوام کی روایتی تفریح کا اظہار ہے۔ اور اسمیں ان کی سماجی انفرادیت کی جھلک ملتی ہے۔ ساری دنیا میں لوک ناچ کی زبان سہل اور عام ہوتی ہے۔ اور ناچ کے تال کی ترتیب سے رابطہ قائم کیا جاتا ہے۔

ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ عوام کی اجتماعی زندگی میں لوک ناچ کو بہت اہم مقام حاصل تھا اور آج ایسا معلوم ہوتا ہے یہ ناچ ناپید ہونے کو ہے۔ انگریزوں کے دور حکومت میں پڑھے لکھے لوگوں کے لئے تمام دیسی چیزوں کو بُرا بھلا کہنا فیشن بن چکا تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ ناچ کی ساحرانہ اہمیت کم ہوتی گئی۔ ناچ کی اہمیت آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی۔ بیسویں صدی کے ماہرین تعلیم کو بھی ثقافتی تکمیل میں ناچ کو رائج کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور انھوں نے اسے جسمانی ورزش کی تعلیم کے جزو کے طور پر رائج کیا۔

لوک ناچ کی یوں تعریف کی جا سکتی ہے کہ یہ ایک ملک کا ایسا ناچ ہے جس کی عوام کے روزمرہ کی سرگرمیوں اور تجربات کے ساتھ ساتھ نشو و نما ہوتی ہے۔ لوک ناچ عوام کی زندگی سے اتنا منسلک ہے کہ وہ عوام کے روزمرہ کے کام کاج سے متاثر ہوتا ہے۔ تقریباً ہر موقعہ پر جب لوگ یکجا ہوتے ہیں، خواہ بیج بونے کے وقت یا فصل کی کٹائی کے وقت یا شادی کے موقعہ پر، اس موقعہ پر ناچنا ایک اہم رسم بن جاتا ہے۔

لوک ناچ کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس ناچ سے عوام کی تفریح سے زیادہ ناچنے والوں کو مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اس ناچ میں مجموعی اظہار خودی کے جزو کے طور پر ناچنے والوں کے ساتھ ساتھ سامعین بھی ایک جزو بن جاتے ہیں۔ ایسے ناچ میں ناچنے والوں کا حسن یا ان کا الگ تھلگ انداز اہم نہیں ہوتا بلکہ جذبات کا مجموعی توازن، خوش بیانی اور جتنی آسانی سے اس کا اظہار کیا جاتا ہے ان تمام باتوں کا مجموعی اثر ہی اہمیت کا حامل ہوتا۔ اس ناچ میں ناچنے والوں اور ناچ دیکھنے والوں کے درمیان خلیج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ جدید ترین کلاسیکی ناچ کے معاملہ میں ہوتا ہے۔

لوک ناچ میں اظہار خودی کے مکمل امکانات ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس میں انفرادی مسابقت نہیں ہوتی کیونکہ ہر ناچنے والے کے پائل کی جھنکار اپنی جماعت کے تمام ناچنے والوں کی پائل کی جھنکار کی ترتیب دیتا ہے۔ ایک مشترکہ اور عام مقصد کے لیے ایک جماعت کی شکل میں آگے بڑھتے ہوئے ہر شخص کے خیالات اور تصورات مشترکہ جماعت کے احساسات سے مل جاتے ہیں۔ اس وقت "میں" کی جگہ "ہم" ناچ میں نظر آتا ہے۔ ناچ کی مکمل تکمیل سے اس جماعت کے ہر ممبر کو اتنی ہی تسکین حاصل ہوتی ہے کیونکہ یہ تو جماعت کے ہر ممبر کی کوشش ہے جو تحسین کی مستحق ہے۔

عضویاتی نقطۂ نظر سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لوک ناچ میں جسم کو مختلف طریقوں سے حرکت میں لانا پڑتا ہے۔ جیسے "جھکنا" "اچھلنا" "کودنا" "دوڑنا" "پھیلنا" "بازو کو لچکانا وغیرہ" اور ان تمام میں اچھی صحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اچھے پٹھوں کی ضرورت ہے۔ ایسی جسمانی حرکتیں تو ناچ کی صورت میں ہی چار بار آسانی سے کی جا سکتی ہیں اور

ایسا کرنے سے ناچنے والے کو تھکاوٹ بھی محسوس نہیں ہوتی ۔ ایسا ہی کسی جسمانی کسرت میں بھی ہوتی ہے ۔ اس سے مفید عضویاتی اثر ہوتا ہے ۔ اگر ایسی حرکتوں میں مناسب طور پر تال پیدا کیا جا سکے انھیں جسمانی ورزش کی تشفی بخش اور دلچسپ صورت میں استعمال میں لایا جا سکتا ہے ۔

زمانہ قدیم سے لیکر موجودہ دور تک، لوک ناچ، انسان کی خواہشات اور تمناؤں کے اظہار کیلئے ایک بنیادی انسانی ضرورت کو پورا کرتا ہے ۔ اس ناچ میں جماعت کے سارے لوگوں کو شرکت کرنی پڑتی ہے اور یہ ناچ ان کے لئے خوشگوار طبعی سرگرمیاں، سماجی میل ملاپ اور خود کو فراموش کر دینے کے مواقع فراہم کرتا ہے ۔ چونکہ اظہار کل جسم کی حرکتوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے اس لئے یہ تو فطری بات ہوگی کہ اس ناچ کو جسمانی ورزش کی تعلیم سے منسلک کر دیا جائے ۔

عرصہ قدیم کے اس لوک ناچ کی اپنی خصوصی اہمیت کی وجہ سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہا ہے، آج بھی اعتدال کے ساتھ ہمت افزائی کرنی چاہئیے کیونکہ اس سے ہمیں بہت سارے ذہنی، جسمانی، تفریحی، سماجی اور تعلیمی فوائد حاصل ہوتے ہیں ۔ اس لئے جسمانی ورزش کی تعلیم کے میدان کے سربراہوں کا یہ فرض ہے کہ وہ روایتی لوک ناچ کا انتظام کریں اور اسے مکمل طور پر بروئے کار لائیں کیونکہ جیسا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، لوک ناچ میں انفرادی طور پر ایک شخص کی اور سماج کی چند اہم ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے ۔

ناچ کی شکل اور حرکتیں سیدھی سادی لیکن موثر ہوتی ہیں، اس ناچ کے گیت بھی آسان ہوتے ہیں لیکن اس کے سُر بہت ہی پُر اثر ہوتے ہیں ۔ یہ طبعی تعلیم کے پروگرام میں گرانقدر کردار ادا کر سکتے ہیں ۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لوک ناچ زندگی، کام، کارخانہ، فرض اور کھیل کود کے طبعی، ذہنی اور روحانی تشکلوں کو ان میں متناسب ہم آہنگی لا کر اور انھیں خوشی کے جذبہ سے لبریز کر کے یکجا کرنے میں اپنی افادیت کو ثابت کر سکتا ہے ۔

قالین بُننے کے تربیتی مرکز کو عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں قالین بُننے کے پانچ تربیتی مراکز کو تربیت دینے کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے . . . . ۳۲ ہزار روپئے دینے کی منظوری دی ۔

سرکاری خبریں

ہائی مدرسہ اور عالم امتحان ۱۹۸۲ء کے نتائج

مغربی بنگال مدرسہ تعلیم بورڈ کے سکریٹری جناب محمد ضیاء الدین حیدر نے یہ بتایا کہ اس سال اس بورڈ کے ہائی مدرسہ امتحان میں ۵۲۰۶ طلباء اور طالبات نے شرکت کی ۔ ان میں ۸۴ فی صد باضابطہ طلبہ کامیاب ہوئے ۔ بھگوان پور ہائی مدرسہ مالدہ کے محمد مظہر الاسلام اور رتھیا را ہائی ۲۴ پرگنہ کے محمد مجاہد علی ملا نے اس امتحان میں علی الترتیب اول اور دوم آئے ۔ تمام مدرسوں میں مارک شیٹ ۱۱ جون ۱۹۸۲ء کو بھیج دئے گئے ۔ ہائی مدرسہ مدھیہ مک امتحان کے مطابق اس سال یعنی ۱۹۸۲ء میں اس بورڈ کے عالم امتحان میں ۹۳ فی صد طلبہ کامیاب ہوئے ۔ عالم امتحان کے مارک شیٹ مختلف تعلیمی اداروں میں ۲۳ جون ۱۹۸۲ء کو بھیج دیا گیا ۔

آنے والے خریف موسم میں برگاداروں کیلئے زرعی قرض

حکومت مغربی بنگال نے اس بات کا انتظام کیا ہے کہ ۱۹۸۲ء کے خریف موسم میں قومیائے گئے بنکوں اور امدادباہمی اور دیہی بنکوں کے ذریعہ برگاداروں اور متعلقہ افراد کو سود سے آزاد زرعی قرض دیا جائے ۔ شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے برگاداروں اور غریب کسانوں کو اس قرض کے ساتھ ساتھ کچھ مالی امداد بھی فراہم کی جائیگی ۔ اگر قرض کی رقم کسان وقت پر ادا کر سکے تو ریاستی حکومت قرض پر سود کی پوری رقم ادا کریگی ۔ برگاداروں اور زرعی زمینوں پر کرایہ پر کاشتکاری کرنے والوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ فوراً مقامی پنچایت سمیتی بلاک ترقیاتی افسر سے رابطہ قائم کریں ۔ قرض کی درخواستیں پنچایت سمیتیوں کے ذریعہ بنک کی مقامی شاخ کے دفتر میں ۵ جولائی ۱۹۸۲ء تک پہونچ جانی چاہیئے ۔ جن لوگوں کو گزشتہ سال قرض دیا گیا تھا ۔ اگر انہوں نے اب تک قرض ادا نہیں کیا ہے تو وہ جلد از جلد قرض ادا کر دیں تاکہ اس سال بھی انہیں قرض دیا جا سکے ۔

جاں نثار اختر
ترقی پسندی سے جدیدیت تک

اسلام عشرت

جاں نثار اختر ترقی پسند تحریک کے ایک سرگرم رکن تھے اور وہ ترقی پسند شاعری کے "اخترِ تابندہ" کی حیثیت رکھتے تھے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جاں نثار اختر کا شمار ابتدا ہی سے ترقی پسند شعراء کی صفِ اول میں ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ اور ن۔ م۔ راشد مخدوم، فیض، جذبی، ساحر، علی سردار جعفری، مجروح سلطان پوری وغیرہ ترقی پسند شعراء کا تذکرہ جب بھی گلشنِ ادب و شاعری میں چھڑے گا تو ان لوگوں کے ساتھ جاں نثار اختر کا نام بڑے احترام کے ساتھ لیا جائے گا اور ضرور لیا جائے گا۔ بہرکیف میری نگاہ میں جاں نثار اختر کی عظمت کا راز اس میں مضمر نہیں ہے کہ انھوں نے ترقی پسند شاعری کا ساتھ دیا۔ بلکہ میرے خیال میں جاں نثار اختر کا عظیم اور قابلِ قدر کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری کا سفر ہمیشہ جاری رکھا۔ اور منزل بہ منزل آگے بڑھتے رہے۔ جب کہ ان کے بعض ہم عصر شعراء عصافِ ترقی پسندیت کا راگ الاپتے رہے اور ترقی پسند شاعری کے علمبردار بنے رہے۔ لیکن ان کے برعکس جاں نثار اختر مولانا حالی کے اس خیال پر عمل پیرا رہے کہ؟

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

اور دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ جاں نثار اختر ترقی پسند ہونے کے باوجود عہدِ حاضر کے تمام نئے تقاضوں سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری کو آہستہ آہستہ بہتے ہوئے دھارے کی جانب موڑ دیا۔ اور اس بات کا خود انھوں نے اعتراف بھی کیا کہ پرانی روش پر وہ جتنے دنوں تک چلتے رہے وہ بہرحال غلط تھا۔

وقت خوابوں میں گنوایا ہے بہت دن ہم نے　　زندگی تجھ کو بھلایا ہے بہت دن ہم نے
شاعری تجھ کو گنوایا ہے بہت دن ہم نے　　کیا پتہ ہو بھی سکے اس کی تلافی کہ نہیں

جاں نثار اختر نے مارکسی نقطۂ نظر اپنایا تھا یعنی وہ مارکسزم سے بیحد متاثر تھے۔ لیکن وہ ان چند فنکاروں میں تھے جنھوں نے مارکسزم کو محض سنی سنائی باتوں کی بنا پر قبول نہیں کیا بلکہ انھوں نے مارکس کے فلسفہ کا براہِ راست اور بالواسطہ مطالعہ کیا تھا اور تب خوب اچھی طرح سمجھ بوجھ کر مارکسی خیال کو اپنایا تھا، چنانچہ اس ضمن میں ہم مثال کیلئے جاں نثار اختر کی بعض طویل نظموں مثلاً "نورِ رخ" اور "دانائے راز" وغیرہ کو پیش کر سکتے ہیں۔ "دانائے راز" اقبال کی مشہور نظم "خضرِ راہ" اور "جاوید نامہ" کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی ہے۔ اس نظم میں دانائے راز سے فطرت، مادّہ اور خیال، جوئے راز، تحریک وجود، رشتۂ فکر و عمل اور اسی قسم کے دیگر مسائل کے متعلق شاعر نے سوالات اٹھائے ہیں۔ اور خود ان سبھی سوالوں کے جوابات بھی دیئے ہیں۔ جاں نثار مادّے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اصل شاید ہے یہی، اصل شہود　　مادّے سے ہے ہر اک شے کا وجود
مادّے سے جلوۂ بست و کشاد　　مادّے سے آب و آتش خاک و باد
مادّے سے شبنم و گوہر نشاں　　مادّے سے لالہ ہائے گلستاں

اور فکر و عمل کے رشتے پر روشنی یوں ڈالتے ہیں، مثلاً:۔

ذہنِ انسانی میں جو اٹھتے ہیں وہ　　زندگی کے مادّی اسباب سے
منہ چھپاتے ہیں خیالاتِ کہن　　پھوٹتی ہے فکرِ تازہ کی کرن
تیز کر دیتی ہے رفتارِ عمل　　خون میں اب فکر ہوتی ہے حل
مادّی قوت میں ڈھل جاتی ہے یہ　　اس طرح اذہان پر چھا جاتی ہے یہ

جاں نثار اختر سب سے پہلے ترقی پسند شاعر ہیں جنھوں نے بڑی بیباکی کے ساتھ اپنے عقائد کی شکست کا اعتراف کر لیا ہے اور یہ یقیناً ان کا ایک مستحسن اقدام ہے۔ اس لئے کہ ان کے معاصر ترقی پسند شعراء میں صاحبِ جوش اس ولولہ و اعتماد اور جرأت رندانہ

بے معنی ہوتا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ اس قسم کے اشعار جو جاں نثار نے کہے ہیں۔ ان کے ساتھی شعراء ایسے اشعار کہنے کی ہمت یقینی طور پر نہیں رکھتے۔ ذیل کے اشعار مثال کے لئے ملاحظہ ہوں۔

کس عقیدے کی دہائی دیجئے
ہر عقیدہ آج بے اوقات ہے

اب ایسی باتوں کو سنتے ہیں تو آتی ہے ہنسی
بے طرح لے آئے تھے ایمان جن باتوں پہ ہم

ہر آن ٹوٹتے یہ عقیدوں کے سلسلے
لگتا ہے جیسے آج بکھرنے لگا ہوں میں

عقیدے کی شکست کے اعتراف کے بعد جاں نثار اختر کی طبیعت جادۂ اعتدال پر آگئی تھی۔ چنانچہ ان کا کسی نقطۂ نظر پر ان کا برقرار رہا مگر ساتھ ہی ساتھ ان کی آزادروی اور لاابالی پن بھی قائم رہا۔ اور یہاں سے میرے خیال میں جاں نثار نے اپنی شاعری کا نیا سفر شروع کیا ہے۔ ۱۹۵۶ء یا ۱۹۵۷ء کے آس پاس کا واقعہ ہے کہ ان کے بیشتر احباب (شعراء) تھک ہار کر ESTABLISHMENT کے چکر میں مبتلا ہو گئے۔ تو ایسے دوستوں کو مخاطب کر کے جاں نثار نے کہا۔

زمانہ آج نہیں ڈگمگا کے چلنے کا
سنبھل بھی جا کہ ابھی وقت ہے سنبھلنے کا

انقلابوں کی گھڑی ہے
ہر "نہیں" "ہاں" سے بڑی ہے

جاں نثار کا دل نہایت ہی وسیع اور کشادہ تھا۔ وہ جانبداری یا عصبیت کا شکار کبھی نہیں ہوتے ہیں۔ کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ روشنی خواہ جہاں بھی ہو اس کا خیر مقدم کرنا ہر انسان کا فرض اولین ہے۔ ذیل کے شعر میں انھوں نے اسی حقیقت کی عکاسی کی ہے۔

ایک ہے زمیں تو سمت کیا حدود کیا
روشنی جہاں بھی ہو روشنی کا ساتھ دو

جاں نثار کی عظمت و انفرادیت کا راز یہ ہے کہ انھوں نے قدامت کے ساتھ ساتھ جدت پسندی کو بھی بہ حسن و خوبی قبول کیا۔ جب کہ ان کے دوسرے ہم عصر شعراء مثلاً فیض، مجاز، جذبی، مخدوم، سردار جعفری اور ساحر لدھیانوی وغیرہ کا رویہ بالکل مختلف رہا ہے۔ ان میں سے بعض نے قدیم و فرسودہ روایات کو اول تا آخر اپنے سینے سے لگائے رکھا اور بعض نے قدیم روایات کے خلاف مکمل انقلاب و بغاوت کا نعرہ بلند کیا۔ گویا ان کے معاصرین اپنی پرانی ادبی میراث سے یا تو مکمل طور پر منحرف ہو گئے یا پھر روایات عہد ماضی کے کھنڈرات میں دفن ہو گئے۔ لیکن جاں نثار کا رویہ اور ان کا معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ انھوں نے نئے عزم اور نئے حوصلے کے ساتھ اپنے لئے اپنے تمام معاصرین کے مقابلے میں ایک علیحدہ راستہ منتخب کیا اور ممتاز مقام بنایا۔ یعنی انھوں نے نہ تو ادب کی پرانی قدروں سے مکمل انحراف ہی کیا اور نہ جدیدیت کے سیلاب رواں میں بہہ کر گم ہو گئے۔ بلکہ انھوں نے ان دونوں کے درمیان کی راہ اختیار کی اور اعتدال و توازن کا ایک بے نظیر مثال تمام کر دی۔ خود ایک جگہ کہتے ہیں۔

ہم سے پوچھو کہ غزل کیا ہے غزل کا فن کیا
چند لفظوں میں کوئی آگ چھپا دی جائے

ہر چند نیا ذہن دیا ہم نے غزل کو
دل ہے کہ پاس روایات کرے ہے

یہاں پر یہ امر پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جاں نثار اختر "پاس روایات" کی فکر کے ساتھ ساتھ روایت شکنی کے جذبے سے بھی سرشار نظر آتے ہیں جو ان کے دوسرے معاصرین کے یہاں بالکل مفقود ہے۔

جاں نثار اختر کی شاعری کے متعلق یہ کہنا غلط ہوگا کہ ان کی شاعری "فن برائے فن" نہیں بلکہ "فن برائے زندگی" کی نہایت عمدہ اور حسین مثال ہے۔ ان کی ایک شہرۂ آفاق نظم ہے "آخری لمحہ" اس نظم کو انھوں نے اپنی دختر نیک اختر عزیز کے نام منسوب کیا ہے۔ یہ نظم ان کی طویل نظموں میں سے ایک ہے۔ اس کے مختلف بحور ہیں اور یہ کئی بندوں پر مشتمل ہے۔ اس نظم کی حیثیت "وصیت نامہ" کی ہے۔ یا پھر زندگی، کائنات اور حیات کے مسائل سے دو چار ہونے اور جہد مسلسل کرنے کیلئے ایک ترغیب ہے۔ اس نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

جینے کی ہر طرح سے تمنا حسین ہے
ہر شر کے باوجود یہ دنیا حسین ہے

دنیا کی تند باڑھ بھیانک سہی مگر
طوفان سے کھیلتا ہوا تنکا حسین ہے

صحرا کا سکوت ڈراتا ہے تو کیا
جنگل کو کاٹتا ہوا رستہ حسین ہے

دل کو ہلائے لاکھ گھٹاؤں کی گھن گرج
مٹی پہ جو گرا ہے وہ قطرہ حسین ہے

دہشت دلا رہی ہیں چٹانیں تو کیا ہوا
پتھر میں جو صنم ہے وہ کتنا حسین ہے

راتوں کی تیرگی ہے جو پر ہول غم نہیں
صبحوں کا جھانکتا ہوا چہرہ حسین ہے

ہوں لاکھ کوہسار بھی حائل تو کیا ہوا
پل پل چمک رہا ہے جو تیشہ حسین ہے

لاکھوں صعوبتوں کا اگر سامنا بھی ہو
ہر جہد، ہر عمل کا تقاضا حسین ہے

اس نظم کے اس بند کے متعلق علی سردار جعفری رقم طراز ہیں۔

"اس نظم (آخری لمحہ) کا یہ بند ایسا ہے جیسے بجا طور سے تمہاری (جاں نثار اختر) شاعری کا پرچم کہا جا سکتا ہے جب تک اردو زبان باقی ہے یا باقی رہے گی ان شعروں کی تابانی کم نہ ہوگی"۔

جاں نثار اختر جدید شعراء سے کسی بھی معاملے میں پیچھے نہیں ہیں۔ بلکہ بعض خصوصیات کے اعتبار سے اختر جدید شعراء سے بھی آگے نکل جاتے ہیں۔ ان کی شخصیت ان کا فن اتنا ہمہ گیر ہے کہ اس کی گرفت بہت مشکل ہے۔ جاں نثار اختر ایک قادر الکلام شاعر تھے وہ شاعری کی تمام صنفوں پر طبع آزمائی کر چکے ہیں۔ مثلاً نظم، غزل، قطعہ، رباعی اور مثنوی وغیرہ۔ غزل گوئی تو انھیں ورثہ میں ملی ہے کیونکہ جاں نثار اختر کے والد محترم ایک اچھے اور کامیاب غزل گو مضطر خیرآبادی تھے۔ البتہ نظم نگاری کا ذوق انھیں اصول کے

[illegible] جاں نثار نے نظم و غزل دونوں میدانوں میں قابل قدر اضافے کئے ہیں [illegible] نظم کہی [illegible] جاں نثار ان کے بہت سے ہم عصر شعراء متاثر ہوئے ہیں۔ [illegible] نے اپنی عہد کی معروف نظم "آوارہ" اختر کی نظم "بے زاری" سے متاثر ہونے کے بعد لکھی۔ دونوں نظموں کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے فیض کی ایک بہت ہی معروف غزل ہے۔

تم آئے ہو نہ شب انتظار گزری ہے

فیض کی اس غزل سے چند سال قبل ردیف بار گزری ہے پر جاں نثار اختر بھی غزل کہہ چکے ہیں ٹھیک اسی قسم کی مثالیں علی سردار جعفری، جذبی اور کئی دوسرے معاصرین شعراء کے یہاں بھی ملتی ہیں اور جاں نثار کے بعض ہم عصر شعراء نے تو ان کا پورا پورا مصرعہ تھوڑی سی ترمیم و تحریف کے بعد اپنا لیا ہے۔ جاں نثار کے متعلق اردو کے مشہور ناقد پروفیسر آل احمد سرور بالکل صحیح فرماتے ہیں کہ۔

"جاں نثار اختر کا دل نئی نسل کے احساس کے
ساتھ دھڑکتا ہوا معلوم ہوتا ہے جاں نثار اختر کی
شاعری آج بھی جوان ہے کیونکہ ان کی شاعری نئی
فکر نئی حسیت اور تازہ ترین میلانات کی بھرپور
عکاسی کرتی ہے۔"

بلاشبہ جاں نثار اختر نوجوانوں کی محفلوں میں بیٹھ کر اپنے آپ سے لاتعلق نہیں ہوتے ہیں۔ اس خیال کا اظہار انہوں نے خود ایک شعر میں یوں کیا ہے۔

شعر و فن کی سجی ہے نئی انجمن — ہم بھی بیٹھے ہیں کچھ نوجوانوں کے بیچ

جاں نثار اختر کی حالیہ تخلیقات جو انہوں نے اپنی موت سے چار پانچ برس پہلے لکھی ہیں ان میں انفرادیت بالکل نمایاں ہے یعنی ان تخلیقات میں "عصری آگہی" اور "عصری حسیت" کی بھرپور غمازی کی گئی ہے۔ اردو کے مشہور جدید شاعر پرکاش فکری نے بھی جاں نثار کی تخلیقات پر روشنی ڈالتے ہوئے مجھ سے ملتی جلتی رائے قائم کی ہے۔ وہ ایک مقام پر رقم طراز ہیں۔

"اختر صاحب اپنی حالیہ غزلوں کے ذریعہ نوجوانوں کے قریب
آ گئے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ پہلے نہ تھے ان کی آنے والی
غزلوں کی روشنی میں ان کی ساری شخصیت ایک عجیب
GLOWING MIST کے دائرے سے نکل کر ہمارے ذہنوں
میں اپنی جگہ بنا کر بیٹھ جاتی ہے۔"

مثال کے طور پر چند اشعار درج ہیں۔

شکستہ میز پہ رکھی ہوئی یہ بند گھڑی — نہ جانے کب سے مری ہر بات کا جواب لگے
اس اداس بارگی اشکوں کی نہ آہوں کی فضا — آج کا پیار نئی آب و ہوا مانگے ہے
حیراں ہیں کائنات کی بے تھاہ وسعتیں — انساں کا ذہن چند کتابوں میں پھنس گیا
زندگی کی قدریں بدلنے لگیں — لوگ بٹنے لگے دو زمانوں کے بیچ
سوچو تو بڑی چیز ہے تہذیب بدن کی — ورنہ تو بدن آگ بجھانے کیلئے ہے
واقعہ شہر میں کل تو کوئی ایسا نہ ہوا — یہ تو اخبار کے دفتر کی خبر لگتی ہے

جاں نثار اختر جو ایک عظیم دوست، ایک مخلص شاعر اور ایک اچھے انسان تھے۔ وہ ۱۸؍اگست ۱۹۷۶ء کو داغ مفارقت دے گئے۔ یہ حادثہ بے شک ایک عظیم حادثہ ہے۔ جاں نثار اختر کے انتقال سے اردو شاعری میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کے پُر ہونے کی مستقبل قریب میں کوئی توقع نہیں۔ بلکہ بعض لوگوں کا تو یہ بھی خیال ہے کہ یہ خلا شاید کبھی پُر نہ ہو سکے گا اور یہ سو فیصد درست ہے کیونکہ جاں نثار ترقی پسند شاعری کے امین تھے اور جدیدیت کے علمبردار محافظ۔ اس بات کا انہیں خود بھی احساس تھا ورنہ وہ یہ دعویٰ ہرگز نہ کرتے۔

ہماری قدر کرو اے سخن کے متوالو — غزل کے کل نہ ملیں گے مزاج داں ہم سے

(بشکریہ پاسبان [illegible])

پہاڑی علاقوں میں ترقیاتی کاؤنسل

مغربی بنگال کی گورنمنٹ نے دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں کے لئے ترقیاتی کاؤنسل کے ممبروں کی حیثیت سے مندرجہ ذیل افراد کو نامزد کیا۔

(۱) شری آنند پرشاد پاٹھک، ایم پی (۲) شری سنگرو پال پیبی، ایم پی (۳) شریمتی رینو لیاسبا، ایم ایل اے (۴) شری ایچ۔ بی۔ رائی، ایم ایل اے (۵) شری بیرین بوس، ایم ایل اے (۶) شری رتن لال برہمن (۷) ڈاکٹر ایم۔ کے چھیتری، (۸) شری موہن کمار وشوا کرما، (۹) شری رام شنکر پرشاد (۱۰) شری جگت چھیتری، (۱۱) شری راجپوت چیٹرجی، (۱۲) شری سیوا کمار رائی اور (۱۳) شری کملا کمار شرما۔

کاشتکاری

مغربی بنگال

۱۵ ، جولائی ۱۹۵۹ء

بنڈیل بجلی گھر

شری پرشانتو سور وزیر شہری و دیہی ترقیات اور لوکل سلف گورنمنٹ مغربی بنگال
اے ای بلاک لوکل سنٹر ودھان نگر کلکتہ میں اس مرکز کا وزیر موصوف
نے سنگ بنیاد رکھا۔

ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اطلاعات [illegible] مناسب طور پر اپنے فرائض انجام دے سکیں

شری [illegible] وزیر اطلاعات و ثقافتی امور حکومت مغربی بنگال

پریس کمیشن کی سفارشات، آزاد پریس کی ضرورت، چھوٹے اور متوسط درجہ کے اخبارات کی افزائش کے لئے مختلف اقدامات وغیرہ جیسی اہم باتوں پر غور کرنا چاہئے۔ شری [illegible] وزیر اطلاعات و ثقافتی امور حکومت مغربی بنگال نے [illegible] کو [illegible] میں منعقدہ وزراء اطلاعات کی کانفرنس میں یہ باتیں کہیں۔ شری [illegible] کی تقریر کا متن درج ذیل ہے

یہ کانفرنس ڈیڑھ سال کے بعد بلائی گئی ہے۔ میں مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ہمیں بامعنی گفت و شنید کرنے کے مواقع فراہم کئے۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی ایسی کانفرنس ہر سال باضابطہ وقفہ کے بعد منعقد ہوگی۔ بحث و مباحثہ کرنے کے لئے تو یہاں اس کانفرنس میں درجنوں بہت سے مسائل ہیں جہاں بہت ساری باتوں پر اتفاق رائے ہو سکتا ہے وہاں مجموعی پالیسی میں علاقائی ضرورتوں اور دشواریوں میں فرق کو مناسب طور پر سلجھانے کی بھی ضرورت ہے۔

اطلاعات کے واسطے سے جو مرکزی حکومت، ریاستی حکومتوں اور انفرادی طور پر لوگوں کے پاس ہے اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ رائے عامہ کی تشکیل کی جائے لیکن اس سے اب آہستہ آہستہ عوام کے سماجی اور ثقافتی آرزوؤں کی جھلک بھی ملتی ہے۔ اس طرح یہ سماجی انصاف کی اہم ضرورت پر سبھوں کی توجہ مبذول کراتا ہے چنانچہ ہم سبھوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اس بات کا خیال رکھیں کہ یہ واسطے مناسب طور پر اپنے فرائض انجام دے سکیں۔ تمام سرکاری پالیسیوں کے خواہ وہ مرکز کی ہوں یا ریاستوں کی، پس پردہ ایک ہی بات کارفرما ہوتی ہے اور وہ یہ کہ عوام کو مطلع کیا جائے اور ان کی رائے کو ہموار کیا جائے اور یہ سماجی تبدیلی اور ترقی کے لئے ضروری ہے۔

پریس کمیشن کی سفارشات، آزاد پریس کی ضرورت، چھوٹے اور متوسط درجہ کے اخبارات کی افزائش کے لئے مختلف اقدامات، اخبار کے کاغذات کی اندرون ملک تیاری، اجارہ داروں کے ہاتھوں سے بڑے بڑے اخبارات کو الگ تھلگ رکھنا، ایک اہل خبریں فراہم کرنے کی سروس نیز دیہاتی خصوصی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ایک متبادل ایجنسی — ان تمام باتوں پر ہمیں غور کرنا چاہئے چنانچہ بہت ہی غور و خوض کرنے کے بعد ان باتوں کے سلسلہ میں فیصلہ لینا چاہئے۔

مجھے امید ہے کہ پریس کمیشن کی سفارشات پر غائر غور و خوض کیا جائے گا اور بہت ہی جلد اس سلسلہ میں فیصلہ کیا جائیگا۔ ریاستی حکومت خاص طور پر چھوٹے اور متوسط درجہ کے اخبارات کی فلاح و بہبود کی طالب ہے۔ پریس کے اس اہم جزو میں کون کون سی باتیں اہم ہیں یا انہیں معلوم کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے حقیقت معلوم کرنے والی ایک کمیٹی قائم کی ہے۔ اس کی سفارشات اب دستیاب ہیں اور ریاستی حکومت نے اصولاً انہیں تسلیم کر لیا ہے اور ان میں زیادہ تر سفارشات کو بروئے عمل لانے کے لئے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ سرمایہ میں اضافہ، نیوز پرنٹ کی سپلائی، مقامی چھاپہ خانوں کو قرض اور امداد کی فراہمی، اخبارات کو اشتہارات دینے کی پالیسی، اخبار نویسوں کے کام کرنے کی حالت — یہ تمام باتیں اس کمیٹی کی سفارشات کے مطابق زیر غور رہیں۔ جب ہم اس سلسلہ میں مختلف موضوعات پر مرکزی حکومت کے ساتھ بات چیت کریں گے تو ہمیں امید ہے کہ جلد از جلد ہمدردانہ طور پر ہماری باتوں پر غور و خوض کیا جائیگا۔ اس بات کی اہمیت پر اور زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ خبروں کی سپلائی کے لئے ایک آزاد ایجنسی کی اشد ضرورت ہے یعنی ایک ایسی ایجنسی جو سنسنی خیزی کی راہ کے رجحانات سے پاک ہو اور ہمارے حالات کی ضرورتوں کے عین مطابق ہو۔

حال ہی میں اس بات کی طرف بھی ہماری توجہ مرکوز ہوئی ہے کہ آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن جیسی سرکاری ایجنسیوں کو خود مختاری دے دی جائے۔ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ ابھی اس سلسلہ میں کیا سوچ و چار ہے ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ تعلیمی اقدامات اور سماجی، ثقافتی سرگرمیوں کی بہتر طور پر پرچار کرنے کے سلسلہ میں ان دونوں واسطوں کو لازمی رول ادا کرنا چاہئے۔ آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن کے لئے پروگرام نشر کرنے والی کمیٹیوں پر حقیقی اور بڑی ذمہ داری سونپی جانی چاہئے اور انہیں وقتاً فوقتاً اپنی میٹنگ کرنی چاہئے۔ ماضی میں ہمیں یہ دیکھنے کا موقع ملا کہ ان سے بے جا طرفداری کا کام لیا جاتا ہے۔ یہاں ٹرانسمیٹر کے موجودہ دور میں کل ہند ریڈیو ہی مضافات میں لوگوں کی اکثریت تک پہنچنے کا سب سے اہم آلہ

اگر ہم اس واسطے سے زیادہ سے زیادہ سہولتیں حاصل کرلینا چاہتے ہیں تو اس کے لئے فوری طور پر کسی قسم کے [illegible] وقت گنوائے بغیر ریاستی حکومتوں کا اس کے ساتھ کاروباری زیادہ سے زیادہ شرکت کی جانب توجہ دی جانی چاہئے۔ ٹی۔ این۔ ایس۔ اے۔ ڈی کی وجہ سے فوری دکشن سے بھی کثیر لوگ مستفید ہو رہے ہیں ہم لوگ مغربی بنگال میں اس بات کے خواہاں ہیں کہ ٹیلی ویژن کی توسیع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ علاقوں کے معنوی سیارہ کے تحت لایا جائے اور ریاستی شعبہ سے مشورہ کرنے کے بعد تعلیمی پروگرام مرتب کیا جائے اور نشر کیا جائے۔ اس ریاست کے شعبہ اطلاعات میں ہم اس بات کی کوشش کرتے ہوئے کہ ترقیاتی کاموں میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کی معاونت حاصل کی جائیں ہم ہمیشہ ایسے رجحانات جیسے فرقہ واریت علاقائی عصبیت وغیرہ کا مقابلہ کرتے ہیں جو ہمارے قومی مفادات کے خلاف ہیں اور انہیں نقصان پہنچاتے ہیں۔ حکومت مغربی بنگال اس بات کا دعویٰ کرسکتی ہے کہ گذشتہ چند برسوں میں اس سلسلے میں اس نے نمایاں کارنامے انجام دئے ہیں اور ان مہموں کو دور کرنے میں وسیع پیمانہ پر چلائی گئی مہم سے اس ریاست کو کافی فائدہ پہنچا۔ نمائش، اشتہارات، اخباروں میں اشتہارات، پوسٹر، اشتہاری جھنڈے، ثقافتی تقریبات، سیمینار، ورکشاپس، فلم فیسٹول یہ تمام انتشار پیدا کرنے والی اور تقسیم کرنے والی قوتوں کو شناخت کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے کے اہم طریقے رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آنے والے برسوں میں اس ریاست میں مقیم حکومت ہند کی ایجنسیاں اس سمت میں ہماری کوششوں کو اور بھی تیز کرنے میں ہمارے ساتھ تعاون کریں گی۔

قومی فلم پالیسی کی بابت کارنتھ کمیٹی کی سفارشات کے پیش نظر سینما اور اس کے مختلف پہلوؤں نے مرکزی حکومت کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی ہے۔ اس سلسلے میں مرکزی حکومت نے کچھ فیصلے بھی کئے۔ ریاستی حکومتوں کو ان باتوں کا احساس ہے۔ اسی لئے ہم لوگوں نے فلموں کی نمائش، فلمیں تیار کرنے کے لئے حسب ضرورت سہولتوں کی فراہمی، فلم سنسر شپ میں اعتدال وغیرہ جیسی چند باتوں کی تجویزیں پیش کی تھیں اور اس بات کی درخواست کی تھی کہ انہیں اس کانفرنس کے ایجنڈا میں شامل کر لیا جائے۔ کارنتھ کمیٹی نے جن جن باتوں کی سفارشات کی تھیں انہیں جب قبول کر لیا جائیگا اور ریاستی حکومتوں کے پاس بھیجا جائیگا تو ان پر غور وخوض کرنے کے بعد مناسب اقدامات کئے جائیں گے۔ اب یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس کانفرنس کے فیصلے اور سفارشات کو روبہ عمل لاتے ہوئے کئے گئے اقدامات کا لائسنس جاری کرنے، تفریحی ٹیکس عائد کرنے وغیرہ کے سلسلے میں ریاستی حکومتوں کے موجودہ اختیارات پر کچھ اثر نہ پڑیگا۔ اس طرح اس سلسلے میں جو غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی وہ دور ہو گئی۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ فلم تجربہ گاہوں کا انتظام شہری اور دیہی علاقوں میں سینما تھیٹروں کی تعمیر، ہندکاروباری اور علاقائی فلموں کی سینما گھروں میں نمائش کے سلسلے میں تقسیم، کاروباری فلموں کی کاپیوں کی تعداد پر پابندی کی ضرورت پر مبنی سارے ملک میں

فوائد کی تجربہ گاہوں کی سہولتیں، علاقائی فلموں کی تیاری اور فروغ کے لئے این۔ ایف۔ ڈی۔ سی کا اور بھی زیادہ خدمات وغیرہ جیسے اہم امور پر مرکزی حکومت کی توجہ کی ضرورت ہے۔

ہم نے حال ہی میں مغربی بنگال میں ایک رنگین فلم پروسیسنگ اور ساؤنڈ تجربہ گاہ قائم کرنے کی اسکیم کو بروئے عمل لا رہے ہیں۔ اس علاقے میں ایسی سہولتیں کہیں بھی فراہم نہیں ہیں لہٰذا جب یہ تجربہ گاہ مکمل ہو جائیگی تو پورے مشرقی ہندوستان کے فلم ساز اس سے مستفید ہو سکیں گے۔ شروع شروع میں اس پروجکٹ کی تعمیر پر اخراجات کا تخمینہ ۲ کروڑ کیا گیا تھا۔ لیکن اب اس پر ۵ء۲ کروڑ روپے خرچ ہوں گے جب ایک قومی فلم پالیسی ملک میں اس قسم کی سہولتوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھتی ہے تو ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایسے پروجکٹ کو حکومت ہند یا این۔ ایف۔ ڈی۔ سی کی طرف سے خاطر خواہ امداد ملنی چاہئے۔ میں مرکزی وزیر سے یہ درخواست کرونگا کہ وہ از راہ مہربانی ہماری اس بات پر غور کریں۔ ہمیں اس بات کی کافی مسرت حاصل ہوئی ہے کہ این ایف ڈی سی نے حال ہی میں کلکتہ میں ۱۶ ملی میٹر فلمیں تیار کرنے کے لئے ضروری ساز وسامان کا انتظام کیا ہے۔ اس سے اس علاقہ کے چھوٹی بجٹ کی فلمیں تیار کرنے والوں کو کافی مدد ملے گی۔ ہم لوگوں نے بھی اس کے ساتھ ساتھ چند دوسری سہولتیں فراہم کی ہیں۔ ہم لوگوں نے چند ایڈیٹنگ میز نصب کئے اور فلم سازوں کو کرایہ کی بنیاد پر فلم اٹھانے کے کیمرے بھی فراہم کئے۔ جب ایسی تجربہ گاہ کا چالو کر دیا جائیگا تو اس میں فلم سازی کے اہم کام یعنی رنگین فلم سازی اور ایک سے زیادہ زبانوں میں فلم تیار کرنا وغیرہ بھی انجام دئے جائیں گے۔

ریاستی حکومت کو اس بات کا فخر ہے کہ گذشتہ جنوری میں اپنے فلم اتسو ۱۹۸۲ء کی تیاری اور انعقاد کے سلسلے میں این۔ ایف۔ ڈی۔ سی کے فیسٹول ڈائرکٹوریٹ کی مدد کرنے کا موقع ملا۔ اس فلم فیسٹول میں عوام کی طرف سے ہماری جتنی ہمت افزائی کی گئی اس کے پیش نظر فیسٹول ڈائرکٹوریٹ اس بات پر غور کریں کہ ملک کے سارے فلم ساز مرکزوں میں مختصر عرصہ کے بعد چھوٹے ہی پیمانہ پر فلم فیسٹول کا انتظام کیا جائے۔ حکومت مغربی بنگال نے ۱۹۸۱ء میں علاقائی فلموں کے ایک فیسٹول کا انتظام کیا تھا جسے اس ریاست کے فلم بین لوگوں نے کافی پسند کیا۔ اس فیسٹول نے ملک کے دیگر علاقوں میں سماجی حالات کو جاننے کا اور دیکھنے کا اچھا موقع فراہم کیا۔ فیسٹول ڈائرکٹوریٹ مختصر عرصہ کے بعد ریاستوں میں علاقائی فلموں کی نمائش کا انتظام کر سکتی ہے ہم لوگ اپنی ریاست میں اچھی فلموں کی ہمیشہ تائید کرتے ہیں اور یہ دیکھ کر ہمیں بڑی پریشانی ہوتی ہے کہ اسی اہم ذریعہ کو ہماری قومی زندگی کو برباد کرنے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے اس سلسلے میں اس خامی کو دور کرنے کے لئے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ (باقی صفحہ [illegible] پر)

مغربی بنگال میں مجوزہ کھلی یونیورسٹی

از: شمبو گھوش وزیر اعلیٰ تعلیم حکومت مغربی بنگال

تمہید

کھلی یونیورسٹی کا تصور نیا نہیں ہے۔ موجودہ دور میں اس کی اہمیت محسوس کی جا رہی ہے کیونکہ یہ خیال زور پکڑتا جا رہا ہے کہ لیاقت کی بنیاد پر سبھوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے مساوی مواقع فراہم ہوں۔ اس بات پر بھی یقین کیا جا رہا ہے کہ تعلیم سماج کے صرف گنے چنے مخصوص لوگوں کی میراث نہیں ہے اور یہ کہ بچپن سے لیکر آخری دم تک تعلیم تو ایک مسلسل طریقہ کار ہے۔ اس لئے سبھوں کیلئے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی سہولیت فراہم کرنی چاہئے۔ آج طلباء اور طالبات کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی کہ قومی تعلیمی نظام کیلئے اعلیٰ تعلیم کے موجودہ اداروں میں داخلہ کے مسائل کو حل کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں کھلی یونیورسٹی کے تصور نے زیادہ سے زیادہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ہے۔ انگلینڈ میں ۱۹۷۱ء سے کھلی یونیورسٹی چالو ہو گئی اور سری لنکا نے ۱۹۸۰ء سے کھلی یونیورسٹی قائم کی۔

اغراض و مقاصد

کھلی یونیورسٹی کے ادارہ میں مندرجہ ذیل سہولیتیں فراہم ہونگی۔

(۱) ہمارے ملک میں ایسے لوگوں کی تعداد کافی زیادہ ہے جو اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے تھے لیکن پھر کسی وجہ سے وہ اپنی تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ نیز ایسے بھی بہت سے طلباء ہیں جو معاشی مشکلات اور دیگر وجوہ سے اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکے ان لوگوں کو اس یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کئے جائینگے۔ بہت سے طلباء ایسے ہوتے ہیں جنھیں ان کی لیاقت اور پسند کے مطابق تعلیم حاصل کرنے کیلئے مناسب موقع نہیں ملتا۔ کھلی یونیورسٹی ان لوگوں کیلئے مواقع فراہم کریگی اور ان لوگوں کیلئے جو اعلیٰ تعلیم سے محروم ہیں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی سہولیت فراہم کریگی۔

(۲) جن لوگوں کو تعلیم بالغان اسکیم کے تحت تعلیم دی جاتی ہے انہیں بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا موقع اس کھلی یونیورسٹی میں فراہم کیا جائیگا۔

(۳) یہ یونیورسٹی کھیتوں، کارخانوں اور دفتروں میں کام کرنے والے لوگوں، دفتروں اور گھروں میں عورتوں اور اسکولوں کے ان اساتذہ کو جو اب تک گریجویٹ نہیں ہوئے ہیں، اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی سہولیت فراہم کریگی۔

(۴) یہ یونیورسٹی تعلیم کو ایک عوامی بنیاد فراہم کریگی کیونکہ یہ سبھوں کے لئے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کریگی۔ اس طرح کھلی یونیورسٹی ہمارے سماج کے جمہوری اور سوشیلسٹ طریقہ کار کے عین مطابق ہوگی۔ یہ یونیورسٹی لوگوں کے نظریہ اور رویے میں اعتدال لانے کی کوشش کریگی، ساتھ ہی جہالت اور توہم پرستی کو جو سماجی اور انفرادی زندگی کو متاثر کرتی ہیں، دور کریگی۔ نیز یہ بالغوں کے ہنر کی کمی اور غیر منطقی رویے کو جو ترقیاتی کام کاج پر اثر انداز ہوتے ہیں، دور کریگی۔ اس طرح مرد اور عورتوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کے امکانات کو روشن اور وسیع بنانے سے بلا واسطہ اس کا اچھا اثر معاشی اور سماجی ترقی پر ہوگا اور جمہوریت کی کامیابی میں یہ معاون ثابت ہوگی۔ کثیر تعداد میں عورتوں کو اعلیٰ تعلیم کی سہولتوں کی فراہمی سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ہماری سماجی اور خاندانی زندگی کے ماحول اور حالات میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوگی۔

داخلہ

برطانیہ میں کھلی یونیورسٹی میں سبھی داخلہ لے سکتے ہیں۔ داخلہ کے لئے عمر اور تعلیمی لیاقت کی پابندی نہیں ہے۔ لیکن مغربی بنگال میں مجوزہ کھلی یونیورسٹی میں صرف وہی لوگ داخلہ لے سکینگے جنھوں نے اسکول فائنل امتحان پاس کیا ہے۔ اس یونیورسٹی میں داخلہ کے لئے کم سے کم عمر ۲۰ سال یا اس سے زیادہ ہے۔ اس یونیورسٹی میں زیر تعلیم کوئی طالب علم اپنی تعلیم کا سلسلہ بند کر دے تو پھر اگر وہ تعلیم کا سلسلہ شروع کرنا چاہئے تو اسے وہیں سے شروع کرنے کی اجازت دی جائے گی جہاں سے اس نے چھوڑا تھا۔ ہر فیلڈ میں تقریباً ۲۰۰ طلباء ہونگے جن میں سے کم از کم ۵۰ طالبات ہونگی۔

...س کھلی یونیورسٹی میں ... بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ... ایجوکیشن کا
امتحان پاس ... چاہنے والے ... کو داخلہ دی جائیں۔ پاس کرنے کے بعد طلباء کو پانچ
سکیں اور [illegible] کرنے کے لئے ... یہاں تعلیم حاصل کرنی ہوگی۔ تعلیمی پروگرام کے
چار درجے ہونگے۔ بنیادی، دوسرا درجہ، تیسرا درجہ اور چوتھا درجہ۔ شروع میں آرٹس اور
کامرس کی تعلیم دی جائے گی۔ یہاں کا نصاب موجودہ یونیورسٹیوں کے نصابات کے
مطابق ہوگا۔

تعلیم دینے کا نظام

یہاں (۱) چھپے ہوئے مواد (۲) ٹیلی ویژن اور ریڈیو (۳) مطالعہ مراکز میں اساتذہ کے ساتھ گفت و شنید اور (۴) تعلیمی ترقی اور کامیابی کا اندازہ لگانے کے ذریعہ طلباء کو تعلیم دی جائیگی۔ چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہاں جو تعلیم دی جائے گی وہ پڑھنے، سننے، دیکھنے اور گفت و شنید پر مشتمل ہوگی۔ نیز طلباء کو گھر پر کام کرنے کے لئے علمی کام بھی دیا جائے بعد میں ان کا امتحان بھی لیا جائے گا۔

امتحان کا نظام

فاؤنڈیشن (بنیادی) کورس کے چھ مہینے کے بعد ایک امتحان لیا جائے گا اور اس امتحان میں کامیاب ہونے والوں کو باقی کورس پڑھنے کی اجازت ہوگی ہر اسٹیج پر عام امتحان کے ذریعہ طلباء کی تعلیمی لیاقت کی جانچ کی جائیگی۔

مجوزہ کھلی یونیورسٹی کا انتظامی ڈھانچہ

اس یونیورسٹی کا انتظامیہ مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل ہوگا۔

(۱) (الف) وائس چانسلر۔

(ب) دو پرو۔ وائس چانسلر ایک تعلیمی پروگرام اور تعاون کے انچارج ہونگے اور دوسرے کے ذمہ خصوصاً مالیات و انتظامیہ ہونگے۔

(۲) ہر ضلع کے لئے ایک علاقائی مرکز ہوگا اور ہر علاقائی مرکز کے تحت کئی مطالعہ مراکز ہونگے۔

(۳) ہر علاقائی مرکز میں ایک علاقائی منتظم بھی ہوگا جو وہاں بحیثیت پرنسپل افسر کام کریگا۔

(۴) سماجی سائنس، کامرس، طبی سائنس، حیاتیاتی سائنس اور امتحانات کے لئے پرو۔ وائس چانسلر (تعلیم اور تعاون) کی پانچ ڈائرکٹر آف اسٹڈیز مدد کرینگے۔

(۵) یہ ڈائرکٹر اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونگے اور ان کا رتبہ ڈینس آف فیکلٹیز کے برابر ہوگا۔

(۶) متعلقہ شعبہ کے تحت ہر موضوع کے لئے ایک مطالعہ بورڈ ہوگا جو ڈائرکٹر کی مدد کریگا۔ یہ بورڈ مکمل وقت یا جزوقتی کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں اور باہر کے ماہرین پر مشتمل ہونگے اور یہی مختلف موضوعات پر ان کا خیر ہونگے۔ مطالعہ بورڈ ہر موضوع کے مضامین اور نصاب اور تعلیم دینے کا پروگرام مرتب کریں۔ تعلیم دینے کے لئے کن چیزوں کی ضرورت ہوگی اس کے سلسلہ میں فیصلہ کریگا اور ان سبق لکھنے والوں کی مدد سے سبق کے مضامین تیار کریگا۔ نصاب کی کتابیں اور حوالہ کی کتابیں مقرر کریگا اور سوالات کا بینک بھی قائم کریگا جہاں سے طلباء کو وقت ضرورت سوالات فراہم کئے جائینگے۔

(۷) نظام تعلیم:-

(الف) طلباء کے پاس تیار کردہ سبق اور متعلقہ مضامین وغیرہ بذریعہ ڈاک خانہ بھیجے جائینگے۔ نیز ان کی تعلیم کے لئے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی خدمات فراہم کی جائیگی۔ ساتھ ہی ان کے جوابات اور ان کا باضابطہ امتحان لیا جائے گا۔

(ب) پارٹ ٹائم (جزوی وقت) کے اساتذہ کے ذریعہ مطالعہ مرکزوں میں مطالعہ کلاسوں میں طلباء کو براہ راست تعلیم دی جائے گی، اس سلسلہ میں علاقائی مراکز کے علاقائی تنظیم کار ضروری انتظامات کرینگے اور نگرانی کرینگے۔ کلاسیں اتوار، تعطیل کے دنوں میں اور شام کو منعقد ہونگے۔

(ج) ہر علاقائی مرکز سے ساتھ ہی مختلف مطالعاتی مراکز سے وابستہ طلباء کو اپنے اپنے علاقائی مراکز کے ذریعہ یونیورسٹی سے پڑھنے لکھنے کی تمام چیزیں فراہم کی جائینگی۔ استاد ممتحن اس کی جانچ کرینگے۔ یونیورسٹی امتحان لینے والوں کی ایک فہرست تیار کریگی اور ہر موضوع کے ممتحن الگ الگ ہوں گے۔ علاقائی مراکز طلباء کی رفتار ترقی کا ریکارڈ اپنے پاس رکھینگے اور بعد میں یونیورسٹی کو وہ اپنی اپنی رپورٹ داخل کر دینگے۔

(۸) پرو۔ وائس چانسلر (تعلیمی) تعلیم دینے کی رفتار ترقی کی بابت علاقائی تنظیم کاروں کے ساتھ رابطہ قائم رکھے گا اور تعلیم دینے کے سلسلہ میں جو دشواریاں محسوس ہونگی ان کی بابت ان سے رپورٹ حاصل کریگا تاکہ اس پر غور و خوض کرنے کے بعد تعلیم کے نظام میں کچھ بہتری لائی جاسکے۔

(۹) طلباء کا داخلہ —— طلباء کو اپنا اپنا نام یونیورسٹی میں رجسٹر کرانا ہوگا اور اس کے بعد انہیں ان کی رہائش / سہولتوں کے پیش نظر متعلقہ علاقائی مراکز سے وابستہ کر دیا جائیگا۔

(۱۰) ہر طالب علم کی رفتار ترقی کا یونیورسٹی کے پرو۔ وائس چانسلر تعلیم علاقائی کاؤنسل کی رپورٹ کی بنیاد پر جائزہ لے گا اس کے بعد یونیورسٹی طلباء کا امتحان لے گا اور انہیں ڈگری دے گی۔

(۱۱) اساتذہ اور دیگر متعلقہ اشاف۔ مطالعہ کے ڈائرکٹروں (جو رتبہ میں یونیورسٹی کے پروفیسروں کے برابر ہونگے) کے علاوہ ہر موضوع کے لئے دو پورے وقت کے پروفیسر بھی،

(بعد ازیں پرنسپل اور ریڈر کے برابر ہونگے) مقرر کئے جائینگے اور لکچرار اور تعلیم دینے کے پروگرام اور سبق تیار کرنے اور درسی اور حوالے کی کتابیں تیار کرنے کا کام انہیں کے ذمہ ہوگا۔ سوالات بنک ان کے ذمہ ہوگا اور یہی امتحانات کے لئے سوالات تیار کرینگے، اور ہر موضوع پر مطالعہ بورڈ، خبروں اور مختلف موضوعات پر سبق لکھنے والوں سے رابطہ قائم رکھینگے۔

۱۱۔ یونیورسٹی کے تعلیمی اسٹاف پرو وائس چانسلر (تعلیمی اور تعاون) نیز مطالعہ کے ڈائرکٹروں اور اپنے وقت کے اساتذہ پر اس یونیورسٹی کے تعلیمی اسٹاف مشتمل ہونگے اور امتحان کے نتیجے شائع کرنے کی ذمہ داری بھی ان کی ہوگی۔

۱۲۔ پرو۔ وائس چانسلر (مالیات و نظامیہ) یونیورسٹی کے دفتر انتظامیہ، مالیات اور حساب و کتاب کے لئے ذمہ دار ہونگے۔

۱۳۔ اس یونیورسٹی کے دفتر میں کام کرنے کے مندرجہ ذیل ڈویژن ہونگے۔

(الف) ڈویژن۔ I۔ مطالعہ کے ڈائرکٹروں کے کام کاج سے وابستہ۔

(ب)۔ ڈویژن۔ II۔ طلباء کے ناموں کا اندراج، تعلیم دینے کے لئے ضروری ساز و سامان کی سپلائی، امتحان کا انتظام کرنا اور نتائج شائع کرنا۔

(ج) ڈویژن۔ III۔ علاقائی مرکزوں سے تال میل قائم رکھنا۔

(د) ڈویژن۔ IV۔ آمدنی اور خرچ اور دیگر حساب و کتاب کا کام۔

(ہ) ڈویژن۔ V۔ انتظامیہ کے عام کام کاج اور یونیورسٹی کا مرکزی دفتر۔

(و) ڈویژن۔ VI۔ (چھاپہ خانہ) تیار کردہ سبق اور تعلیم دینے کی دیگر طریقہ کار وغیرہ کی طباعت۔

یہ تمام ڈویژن ایک ہی مکان میں واقع ہونگے۔

مالیات

ریاستی حکومت اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اس ادارہ کی مالیاتی ذمہ داریاں سنبھالینگے۔ طلباء کو تعلیم کے لئے ٹیوشن فیس دینی ہوگی۔ اس کھلی یونیورسٹی میں امتحان ہال اور کلاس کے کمروں کے لئے خرچ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن حکام اور جزوی وقت کے لئے کام کرنے والے اشخاص کی تنخواہوں کیلئے اخراجات ہونگے نیز متعلقہ سبق اور دیگر باتوں کی اشاعت اور ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعہ نشر و اشاعت کے لئے بھی اخراجات ہونگے۔

اختتام

یہ کھلی یونیورسٹی اس طرح ڈگری عطا کرے گی جس طرح کے عام یونیورسٹی کرتی ہے یہ ریسرچ کے کام کاج کو فروغ دیگی، نیز یہ ان لوگوں کی جو پہلے باقاعدہ طور پر اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کرسکے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے سلسلہ میں بہت افزائی کریگا۔

یہ یونیورسٹی ڈگری عطا کریگی لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ طلباء کے علمی علم میں اور سائنسی نظریہ میں وسعت پیدا کریگی۔ بچوں اور بالغوں دونوں کے لئے تعلیم اور عام معلومات ایسی سہولیت فراہم کرتی ہیں جن سے انھیں خصوصی ہنر سیکھنے میں آسانی ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے سائنسی نظریہ فروغ پاتا ہے۔ آزاد ہندوستان میں جس نے جمہوریت اور سوشلزم کا حلف اٹھایا ہے، تعلیمی پالیسی کا مرکزی مقصد یہ ہونا چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ افراد تعلیم حاصل کریں نیز تمام لوگوں کے لئے تعلیم حاصل کرنے کی سہولیت فراہم کی جانی چاہئے تاکہ قومی ترقی کی رفتار اور بھی تیز ہو جائے۔

اس کھلی یونیورسٹی کی عطا کردہ ڈگری کی مساوی ڈگری کیا ہے، اس کا اعلان دوسری یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں سے مشورہ کرنے کے بعد تعین کیا جائیگا۔ اس یونیورسٹی کے مکمل بجٹ تیار کرنے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی جائیگی۔

اس ریاست کی یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کی کمیٹی نے کھلی یونیورسٹی کی پوری اسکیم کو تسلیم کرلیا ہے۔

:: :: :: :: :: :: :: :: :: :: :: ::

باقی صفحہ ۳ سے

مغربی بنگال میں فلموں کی نمائش کا مسئلہ بھی کافی اہمیت کا حامل ہے اس لئے مرکزی حکومت سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ اس ریاست میں مزید تھیٹر ہال کی تعمیر کے لئے مالی امداد فراہم کرے۔

گرچہ نظامت اطلاعات کے بہت سارے مسائل ہیں تاہم اس سلسلہ میں مرکز اور ریاستوں کے درمیان بات چیت کرنے کی کافی گنجائش ہے۔ اس فورم کی سال میں ایک بار نشست ہوتی ہے اور اس لئے اس میں صرف متعلقہ مرحلہ سے متعلق سرگرمیوں اور ترقیاتی اقدامات کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ میری یہ رائے ہے کہ ابھی ہم لوگ ایسے طریقہ کار مرتب کریں کہ جس کی وجہ سے متعلقہ ایجنسیوں، صنعتی شعبوں اور ریاستی حکومتوں کے درمیان مسلسل اور قریبی تعاون ہو کہ اس کانفرنس میں جن مسائل کو پیش کیا جائے ان کے سلسلہ میں جلد از جلد فیصلہ کیا جائے۔

میں نے حال ہی میں حکومت مغربی بنگال کے شعبۂ اطلاعات کی ذمہ داری سنبھالی ہے میں اس موقعہ کو خوش آمید کہتا ہوں کہ مجھے پہلی بار اس کانفرنس میں شرکت کرنے کا موقعہ ملا۔ آنے والے مہینوں میں ہماری مشترکہ کوششوں میں میں مرکزی وزارت اور دیگر ریاستوں کے متعلقہ وزارت کی نیک خواہشات اور تعاون کا امیدوار ہوں۔

"میں ایک بار پھر سبھوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں"۔

لودھا قبیلہ ________ از: بمل چندر ملک

یہ ایک حقیقت ہے کہ شیڈولڈ ٹرائب فرقہ کے لوگ عام طور پر دیگر فرقوں کے لوگوں سے معاشی اور تعلیمی لحاظ سے کافی پیچھے ہیں۔ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ شیڈولڈ کاسٹ طبقہ اور دیگر غیر شیڈولڈ کاسٹ طبقہ کے مقابلہ میں شیڈولڈ ٹرائب طبقہ اور خاص طور پر لودھاؤں کی سماجی۔ معاشی حالات کا جائزہ لیا جائے۔ اس سلسلہ میں مدناپور ضلع کے دیہاتوں میں رہنے والے لودھاؤں کا جائزہ لیا گیا۔

مذکورہ دونوں گاؤں پاکولی اور چک شاہاپور، ضلع مدناپور کے ڈبرا تھانہ کے علاقہ میں واقع ہے۔ یہ دونوں گاؤں قبائلی ترقی منصوبہ علاقہ کے تحت آتے ہیں۔ ان دونوں گاؤں کے درمیان صرف ایک کیلومیٹر کا فاصلہ ہے اور ایک کچی سڑک دونوں کو ملاتی ہے۔ ان گاؤں سے چار میل کی دوری پر پکی سڑک ہے۔ یہاں آمد و رفت اور دیگر کام کاج کے لئے ضروری سہولتیں فراہم نہیں ہے۔ پاکولی گاؤں میں صرف ایک پرائمری اسکول ہے۔ جونیر ہائی اسکول یہاں سے ۲ کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ حال میں مقامی ایسٹ ڈیٹ کلب نے یہاں بالغوں کی تعلیم کا ایک مرکز قائم کیا ہے، جس میں تقریباً ۳۰ دیہی باشندے باضابطہ شرکت کرتے ہیں۔ اس علاقہ سے بازار زیادہ دوری پر واقع نہیں ہے۔ ایک بازار شیام چک میں ہے جو یہاں سے تین کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے اور دوسرا پانی چک میں ہے جو چار تا پانچ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ صرف چک شاہاپور میں غلہ کا ایک گولہ (گودام) ہے اور یہاں سے ۲ کیلومیٹر کی دوری پر ایک کوآپریٹیو سوسائٹی واقع ہے۔ اس سوسائٹی کے جتنے ممبران ہیں ان میں سے ۲ ممبران شیڈولڈ ٹرائب طبقہ (لودھا اور بھومج) کے ہیں۔ ان میں سے بعض گاؤں میں گھریلو صنعت کی سرگرمیاں دیکھی گئی ہیں۔ ایسی صنعتوں کے کاریگر روایتی ہنر کے مالک ہوتے ہیں۔ ڈوماؤں اور لودھاؤں میں ٹوکری بنانے کا کام عام ہے۔ بُری فرقہ کے لوگ بہت ہی خوبصورت ہاتھ پنکھا بناتے ہیں۔ چٹائی تیار کرنا لودھاؤں کا ثانوی پیشہ ہے۔ یہاں تانت کے کپڑے بھی بُنے جاتے ہیں۔

ان دیہاتوں میں کل آبادی ۵۳۹ ہے جن میں مرد ۲۸۵ اور عورتیں ۲۵۴ ہیں۔ یہاں کل ۱۲۷ خاندان رہتے ہیں۔ ان خاندانوں میں صرف لودھاؤں کی تعداد ۴۴٫۱۴ فی صد بھومج ۱۵٫۷۵ فی صد، ڈوملے باگدی ۲٫۷۶ ۴ اور دھوبا ۲٫۴۷ فی صد ہے۔ دیگر فرقوں کی تعداد پوری آبادی کی ۲۸٫۶۵ فی صد ہے۔ ہر فرقہ کے خاندان کا اوسط سائز مختلف ہے لودھاؤں کی اوسط تعداد ۵ افراد فی خاندان ہے۔ اسی طرح بھومج کی اوسط ۷٫۴۴، دولے باگڈی کی ۷٫۰۰، دھوبا کی ۶٫۰۰، اور دیگر فرقوں کی ۳٫۴۴ فی صد ہے۔ اس طرح ان دونوں گاؤں میں خاندان کی اوسط تعداد ۲٫۶۵ ہے۔

مضافاتی علاقوں میں زراعت ہی اہم پیشہ ہوتی ہے۔ اسی طرح ان دونوں گاؤں میں رہنے والے کل خاندانوں میں سے ۱۰۹ خاندان بسر اوقات کے لئے زراعت پر انحصار کرتے ہیں۔ ان میں سے ۴۳ خاندان کے لوگ کاشتکار ہیں اور باقی ۶۶ خاندان کے لوگ زراعتی مزدور ہیں۔ کاشتکاری کرنے والے لوگوں میں ۳۲ خاندان کے لوگ غیر شیڈولڈ کاسٹ طبقہ کے ہیں۔ لودھاؤں میں صرف ۸ خاندان کے لوگ بسر اوقات کے لئے کاشتکاری پر انحصار کرتے ہیں دوسری طرف کل زرعی مزدوروں میں سے ۴۶ خاندان کے مزدور لودھا فرقہ کے ہیں۔ لودھا زرعی مزدوری کو ثانوی پیشہ سمجھتے ہیں۔ صرف تین خاندان کا اصلی پیشہ گھریلو صنعت ہے۔ ان میں دو خاندان دھوبا فرقہ کے ہیں۔ کل ملا کر ۷ خاندان، سروس اور بزنس، کے کام میں مصروف ہیں۔ صرف ایک لودھا خاندان کے لوگ نوکری کرتے ہیں۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ یہاں صرف ایک لودھا حجام ہے جو صرف اپنے فرقہ کے اور دیگر شیڈولڈ کاسٹ فرقے کے لوگوں کی خدمت کرتا ہے۔

ایک ذیلی پیشہ کی طرح شکار کرنا یہاں بہت عام ہے۔ ۲۹ خاندان اس پیشہ میں مشغول ہیں جن میں ۲۲ خاندان لودھا کے ہیں۔ ۱۶ لودھا خاندان کے لوگ روزمرہ کے مزدور کی طرح، تعمیرات وغیرہ کے کام پر معاہدہ کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ باگدی خاندان میں سے دو خاندان کے لوگ مچھلیاں پکڑتے ہیں اور دیگر ذاتوں کے تین خاندان روپیہ قرض دینے کا اور دیگر اقسام کے کاروبار کرتے ہیں۔ زیادہ تر لودھا خاندان کے لوگ مہوا پھول سے دیسی شراب تیار کرتے ہیں اور انہیں ہاٹوں اور بازاروں میں فروخت کرتے ہیں۔

لودھا مزدوروں کو یہاں اجرت پیسے کی جگہ اناج کی شکل میں دی جاتی ہے یعنی مزدوری کے
مزدور کو کام کے عوض ۲ کیلو گرام دھان / چاول اور ۱۰۰ گرام مونگ دی جاتی ہے۔
زمین کھودنے والے روزانہ کے مزدوروں کو فی ۱۰۰ مربع فیٹ زمین کھودنے پر صرف
۴ روپئے دیے جاتے ہیں۔ عام طور پر ایک زرعی مزدور یا روزانہ کے مزدور کو سال میں ۱۵۰
دن کام کے ملتے ہیں۔ سال کے باقی دنوں میں انہیں دیگر طریقوں پر زمین کھودنے کے کام، شکار
کرنے، مچھلی پکڑنے، دیگر طرح کے کام کرنے پڑتے ہیں۔ سال کے اس موسم میں جب کاشتکاری
نہیں کی جاتی لودھا لوگ گزر بسر کیلئے پودوں کو اکھاڑ کر ان کی جڑیں اور زمین دوز بیج
کو پکاتے ہیں یا شکار کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ لودھاؤں میں شہد
اکٹھا کرنے کا کام بہت عام پیشہ ہے۔ وہ لوگ ایک دن میں تقریباً ایک کیلو گرام شہد اکٹھا کرتے ہیں
اور انہیں تقریباً ۱۰ روپئے میں فروخت کرتے ہیں۔ گرچہ ایک کیلو گرام شہد کی بازاری قیمت بہت
زیادہ ہے لیکن درمیانی لوگوں کی وجہ سے یہ لوگ شہد کو اتنی کم قیمت پر فروخت کرنے پر
مجبور ہو جاتے ہیں۔

یہاں کے لوگوں کی معاشی حالت کا اندازہ لگانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے
درمیان یہاں کی زمینوں کی تقسیم کا مطالعہ کیا جائے۔ یہاں کے ۱۲۷ خاندانوں میں سے ۴۶
خاندان بے زمین ہیں اور ان میں سے ۳۲ خاندان لودھا خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ دیگر
ذاتوں میں ۵۹ء۶۷ فی صد خاندانوں کے پاس زمینیں ہیں، لیکن لودھاؤں میں صرف ۳۹ء۴۸ فی صد
خاندان کے پاس قطعات اراضی ہیں۔ کل ۳۴ خاندانوں کے پاس فی خاندان ایک ایکڑ سے بھی
کم زمین ہے۔ ان میں لودھاؤں کے ۲۵ خاندان شامل ہیں۔ صرف ایک لودھا خاندان ہے
جس کے پاس ۱۵/۲ ایکڑ زمین ہے۔ وہ تمام خاندان جن کے پاس ۵ ایکڑ اور اس سے زیادہ
زمین ہے، دیگر طبقوں کے ہیں۔ ان باتوں کے مدنظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دیگر ذاتوں کے مقابلے میں
شیڈولڈ کاسٹ طبقہ کے لوگوں کے پاس بہت ہی کم زمین ہے، اس کے علاوہ یہاں غربت عام ہے۔
۵۵ خاندانوں کی ماہانہ آمدنی ۱۰۰ روپئے سے کم ہے۔ ان میں ۳۴ خاندان لودھا طبقے کے ہیں۔
صرف ۳ لودھا خاندان، ۲ بھومج اور ۲ دھوبا خاندان کی ماہانہ آمدنی ۲۰۰ سے ۲۹۹ روپئے
کے درمیان ہے۔ وہ تمام خاندان جن کی ماہانہ آمدنی ۳۰۰ روپئے سے زیادہ ہے، دیگر طبقے
سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کے پیشے، زمین اور ماہانہ آمدنی کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات
بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ دیگر ذات کے چند خاندانوں کے علاوہ سبھی لوگ غریب ہیں اور انہیں
گزر بسر کرنے کے لئے قرض لینا پڑتا ہے۔ ان دونوں گاؤں میں ۴۲ لودھا خاندانوں میں سے ۱۵ خاندان
مقروض ہیں، ان میں سے ۳۲ لودھا خاندان ۲۰۰ روپئے سے کم، ۷ خاندان ۲۰۰ سے ۵۰۰ روپئے
تک اور باقی ۲ خاندان ۵۰۰ سے زیادہ روپئے کے مقروض ہیں۔ بھومج، ڈولے، باگدی اور
دھوبے خاندانوں کے علی الترتیب ۲، ۴ اور ۳ خاندان ۲۰۰ سے کم روپئے کے مقروض ہیں۔
مقامی مہاجن جو قرض دیتے ہیں وہ ہمیشہ زر نقد کی شکل میں نہیں ہوتے بلکہ وہ اجناس بھی قرض
کی شکل میں دیتے ہیں۔ تفتیش سے یہ پتہ چلا ہے کہ ایک کیلو گرام دھان قرض لینے پر قرض دار کو
قرض دینے والے کے یہاں ۵ دنوں تک کام کرنا پڑتا ہے اور اس کام کے بدلے پیسے کی جگہ
۲/۵۰ روپئے یا ایک کیلو گرام چاول یومیہ دیا جاتا ہے۔ مزید ایسی بھی ایک بات معلوم ہوتی ہے کہ
صرف ایک روپیہ کے قرض کے لئے قرض دار کو ایک دن کی مزدوری مفت کرنی پڑتی۔ اگر قرض
زر نقد میں لیا جائے تو فی ماہ ایک روپیہ پر ۲۰ تا ۲۵ پیسے کے حساب سے سود دینا پڑتا ہے۔
اگر قرض مزدوری کی صورت میں ادا کیا جائے تو اس کے لئے ۱۰ روپئے کے قرض دار کو دس
دنوں تک مزدوری کرنی پڑے گی اور اس کے بدلے اسے روزانہ صرف ایک روپیہ بطور مزدوری
دیا جائیگا۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دیہی ترقی کے کسی بھی اقتصادی پروگرام پر یہ قرض برا اثر
ڈالتا ہے۔ ان دیہاتوں کے مہاجن دیگر ذاتوں کے ہیں اور ان کی چھوٹی چھوٹی دکانیں ہیں۔
اس قرض کی وجہ سے لودھا، بھومج، ڈولے، باگدی اور دھوبا جیسے فرقے کے غریب
لوگ برسوں سے نہ صرف استحصال کا شکار ہو رہے ہیں بلکہ ان میں سے بہت سارے افراد
زمین گروی رکھنے کی وجہ سے بے زمین بھی ہو گئے ہیں۔ ان میں سے بہت سارے قرض دار ڈر
اور خوف کی وجہ سے ان باتوں کا کسی سے ذکر نہیں کرتے۔

اس سلسلے میں جو باتیں دریافت کی گئی ہیں ان سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ
مقروض لودھا خاندان کے ہیں اور انھوں نے کھانے پینے کے لئے جو رقم ادھار لی تھی، اس کی
وجہ سے ۴ سے ۸ سال کے درمیان ان کی زمین گروی رکھی گئی۔

گاؤں کے باشندے مویشی بھی پالتے ہیں۔ زیادہ تر دیہی خاندان گائے/بکری
بھینس/بیل/دیسی چڑیاں وغیرہ پالتے ہیں۔ یہ ان کے لئے آمدنی کے امدادی ذرائع ہیں۔ یہاں
یہ بات قابل ذکر ہے کہ باگدی خاندان کے لوگ گائے اور دیگر فرقے کے لوگ بھینس
پالتے ہیں۔ دیگر فرقے کے لوگ زیادہ بیل پالتے ہیں اور زراعت کے وقت یہ بیلوں کو کرایہ
پر دیتے ہیں۔ چونکہ دیہی باشندوں کی مالی حالت اچھی نہیں ہوتی اس لئے ان میں سے
زیادہ تر لوگوں کے پاس مویشی نہیں ہوتے اور اگر کسی کے پاس مویشی ہوتے ہیں تو وہ
انہیں مصیبت کے وقت اونے پونے داموں میں فروخت کر دیتے ہیں۔ اور مویشی خریدنے
والے دیگر ذاتوں کے درمیانی لوگ ہوتے ہیں۔

تعلیم زندگی کا ایک سماجی پہلو ہے اور اس کا وہاں رہنے والوں کی معاشی
حالت سے براہ راست تعلق ہوتا ہے۔ جائزہ سے پتہ چلا ہے کہ یہاں کے ۱۲۷ خاندانوں
میں صرف ۲۳ خاندان تعلیم یافتہ ہیں اور ان ۲۳ میں سے ۱۸ خاندان دیگر فرقے کے ہیں۔

باقی ہم اولاد کچھ لوگ ان کا علاقہ ہی ہیں۔ اس سلسلے میں متعلقہ اعداد و شمار ہیں کہ کچھ یوں ہے

نمبر	برادری	خاندانوں کی تعداد	تعلیم یافتہ خاندانوں کی تعداد	غیر تعلیم یافتہ خاندانوں کی تعداد
۱۔	لودھا	۶۲	۴	۵۸
۲۔	بھومج	۷	۱	۶
۳۔	ڈوم بانگدی	۶	—	۶
۴۔	دھیبا	۳	—	۳
۵۔	دیگر فرقے	۴۹	۱۸	۳۱
کل		۱۲۷	۲۳	۱۰۴

مذکورہ دونوں گاؤں میں بچوں کی تعداد ۲۴۶ ہے اور ان میں ۲۱ء۴۳ فی صد بچے اسکول کے مختلف درجات میں زیر تعلیم ہیں۔ دیگر فرقوں کے اسکول جانے والے بچوں کی تعداد زیادہ ہے یعنی ان کے ۵۴ء۱۹ فی صد بچے اسکول جاتے ہیں۔ اس کے بعد لودھاؤں کے ۲۶ء۵۲ فی صد بھومج کے ۱۳ء۵۰ فی صد ڈوم بانگدی کے ۷ء۸ اور دھیبا کے ۷ء۲۸ فی صد بچے اسکول جاتے ہیں۔ یہ بات دیکھی گئی ہے کہ ۱۱ ۔ ۱۶ برس کے لڑکے اسکول جانا چھوڑ دیتے ہیں۔ صرف دیگر ذاتوں اور چند لودھا بچے اس عمر میں اپنی تعلیم کو جاری رکھتے ہیں اور اسکول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ۱۶ سال سے زیادہ عمر کے طلباء زیادہ تر دیگر ذاتوں کے ہوتے ہیں ۔

تحقیق کرنے پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بہت سے لوگ پڑھنا لکھنا چھوڑ دیتے ہیں اس کی وجہ صرف یہ نہیں کہ وہ امتحانات میں کامیاب نہیں ہوتے بلکہ اصل وجہ معاشی حالت ہے ۔ عام طور پر ۱۱ سال سے زیادہ عمر کے بچوں کو گھر کی آمدنی میں اضافہ کرنے کیلئے کام کرنا پڑتا ہے۔

یہاں رہنے والوں کی صحت اچھی نہیں ہے۔ لودھا اور بھومج کے لوگ بیماری کے علاج کیلئے روایتی دیسی اور جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے ہیں، صرف جب مریض کی حالت بہت نازک ہو جاتی ہے کہ وہ ان ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں جو انگریزی علاج کرتے ہیں۔ ان خاندانوں میں تپ دق کوڑھ، انفلوئنزا، کھانسی اور پیچش کے مریض زیادہ ہوتے ہیں۔ اس بات کی خبر ملی ہے کہ یہاں کے ۱۵ افراد کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہیں، یہاں سے ۸ میل کی دوری پر پرائمری مرکز صحت واقع ہے ۔

مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان علاقوں میں تعداد کے لحاظ سے لودھا خاندان کے لوگ دوسرے نمبر پر ہیں۔ یہاں پانچ فرقے کے لوگ آباد ہیں، ان میں سے لودھا ہی سب سے زیادہ پسماندہ ہیں اور ان کا بحیثیت قوم استحصال کیا جاتا ہے۔ جس طرح قبیلے کے میدان میں لودھا بھومج ڈوم بانگدی اور دھیبا فرقے کے لوگ نے ترقی نہیں کی۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ لودھا خاندانوں کی سماجی معاشی حالت کو سمجھنے کے بعد ان کی ضرورتوں کے مطابق خاندانوں کی بہتری کی اسکیمیں مرتب کرنے کے بعد ان لوگوں کی زندگی اور سرگرمیوں میں بہتری لائی جاسکتی ہے۔ اس سلسلہ میں یہاں یہ کہا جاسکتا ہے بائیں محاذ حکومت نے ۵ سال قبل برسر اقتدار آنے کے بعد ہی قبائلیوں کی فلاح و بہبود کے لئے جامع اور ٹھوس اقدامات کرنے شروع کردئے اور ان کی معاشی تعلیمی اور سماجی زندگی میں بہتری لانے کے لئے بہت سارے اقدامات کئے ہیں اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے ۔

بے زمین کسانوں کو کاشتکاری کی زمینیں دی گئیں

گزشتہ ۵ جولائی کو ضلع بردوان کے آؤسگرام بلاک ۲ کے تحت ابھیرامپور میں بے زمین کسانوں کے درمیان ۲۲۶ء۲۵ ایکڑ قطعات آراضی جن میں سے ۴۴ء۲۱۳ ایکڑ زرعی زمین ہیں اور ۱۲ء۱۰ ایکڑ مکانات کی تعمیر کے لئے ہیں، تقسیم کئے گئے اور ان کسانوں کو ان قطعات آراضی کے پٹے بھی دیے گئے۔ اس موقع پر ابھیرامپور میں ایک جشن کا انتظام کیا گیا جس کی صدارت شری بنوئے کرشنا چودھری وزیر آراضی اور اصلاحات آراضی حکومت مغربی بنگال نے کی۔ وزیر محترم نے کسانوں کے درمیان پٹے تقسیم کرتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا کہ ریاستی حکومت پٹہ داروں کو کو آپریٹیو سوسائٹیوں کے ذریعے مختصر مدت کے زرعی قرض فراہم کرنے کے لئے بھی اقدامات کر رہی ہے تاکہ ان لوگوں کو کاشتکاری کرنے کی سہولتیں بھی فراہم ہوں۔ پٹہ پانے والوں میں ۴۹ قبائلی اور ۱۲ شیڈولڈ کاسٹ طبقہ کے کسان ہیں۔ اس جشن میں ۹۱ نئے پٹہ داروں کے درمیان ... ۸۰۰ روپے بطور زرعی قرض تقسیم کئے گئے ۔ باقی پٹہ داروں کو بھی بہت جلد زرعی قرض فراہم کیا جائیگا نیز اس موقع پر بردوان ضلع پریشد کے سبھادھیپتی شری محبوب زاہدی نے پٹہ داروں سے کہا کہ وہ سب بھی توڑ محنت کریں اور اچھی فصل اگائیں اور اس طرح یہ ثابت کردیں کہ وہ پٹہ پانے کے واجب حقدار ہیں۔

انیسویں صدی کے وسط میں شاعرانہ ذہن نے ایک نئی کروٹ لی۔ یہ ذہنی تبدیلی کچھ تو کلاسیکی ادب کے خلاف ایک ردِعمل کے طور پر شروع ہوئی اور کچھ سائنسی ترقیات کے نتیجے میں عمل میں آنے لگی۔ شاعری میں یہ تبدیلی اہم اور نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ غالب کی شاعری کا مطالعہ اس تبدیلی کے پیشِ نظر کافی اہمیت رکھتا ہے۔ غالب ایک عظیم شاعر ہیں۔ ان کے اشعار بلیغ، وسیع، پُرمعنی اور ہمہ گیر ہونے کے علاوہ ان کا سمویا ہوا ہر لفظ گنجِ معانی کا ایک طلسم ہے۔ کوئی ذوقِ نظر ان کی عظیم فنکارانہ شخصیت کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔ ان کی شاعری میں انسانی زندگی، جذبات اور احساسات کی حسین تصویریں ہیں، جو فکری، فلسفیانہ اور ایک نئی بلندی کی آئینہ دار ہیں، غالب نے اپنی زندگی کے وسیع اور عمیق تجربات کے لئے ایک منفرد علامتی نظام کی تشکیل کی ہے۔

غالب کا رومانی رویّہ اس عہد کے پیچیدہ اور سنگین حالات کے خلاف ایک ردِعمل ہے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے سلطنت کی تباہی اور تہذیبی قدروں کو مٹتے ہوئے دیکھا ہے جس کا نہایت ہی گہرا اثر انہوں نے قبول کیا۔ زندگی کی ان تلخ ترین آزمائشوں اور سنگین حقیقتوں کا سامنا کرنے کے باوجود بھی انہوں نے اپنی شخصیت کا تحفظ کیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد حسن کا خیال درست ہے کہ "غالب کبھی بے تکلف رفیق کی طرح ہماری حسرتوں میں شریک ہوتے ہیں اور کبھی روشن دماغ کی طرح شادابی اور شگفتگی لے کر ہماری محفلوں میں آتے ہیں اور کبھی ہماری آہوں اور آنسوؤں میں ہماری غمخواری کرتے ہیں۔"

غالب کا عہد ایک تہذیب کا اختتامیہ تھا۔ ایک تہذیب تھی جو دامن ہو کر بیٹھ گئی تھی، اور دوسری تہذیب کا کارواں ابھی نمودار نہیں ہوا تھا۔ پرانی مٹتی ہوئی تہذیبی قدروں سے بے زاری عام تھی۔ اور نئی قدریں ابھی واضح نہیں ہوئی تھیں۔ اپنے عہد کے حالات و واقعات سے گہرے طور پر متاثر ہونے کے باوجود بھی غالب حالات و واقعات کے پابند نہیں رہے بلکہ ایک عظیم فنکار کی طرح نئی تہذیب اور فکر کے وسیع پہلوؤں کی ترجمانی پر قادر تھے، ان کی شاعری معنویت اور منفرد تجربات انسانی فطرت کی پیچیدگی اور تہہ داری پر دلالت کرتے ہیں۔

تصور کی یہ ہمہ گیری ان کی شاعری کو آفاقیت سے ہمکنار کرتا ہے، اختلال اور انتشار کے دور میں غالب کا وجود ایک نقشِ فریادی کی طرح ابھرتا ہے اور ناگہانی آفتوں کا وار طلب کرتا ہے جس کا اظہار ان کی غزلوں میں اکثر ملتا ہے۔ غالب نے اپنے اضطراب اور بے اطمینانی کو جبر کی قوتوں سے خلاف نعرۂ انقلاب نہیں بنایا بلکہ اپنے عہد کے سیاسی حالات کی طرف پوری خودضبطی کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی!

غالب کی شاعری کا بیشتر حصہ عشقیہ تجربات پر مشتمل ہے، غالب سے پہلے اردو شاعری میں عشق کی دو مختلف شکلیں نظر آتی ہیں۔ ایک عشق کا مجازی تصور اور دوسری متصوفانہ پہلو سے دیکھا جا سکتا ہے یہ دونوں شکلیں ہر چھوٹے بڑے درجے کے شعراء کے یہاں کثرت سے ملتی ہیں۔ جہاں تک غالب کی عشقیہ شاعری کا تعلق ہے ان کے یہاں عشق کا تصور محض سخن آرائی اور روایت پرستی نہیں بلکہ ان کی شخصیت کا عمیق ترین خیالات کا ایک فطری اظہار ہے۔ غالب کے عشقیہ مزاج کے تعمیر میں ان کی نسلی خصوصیات نے اہم حصہ ادا کیا ہے۔ مغلیہ نسل کا گرم خون ان کی رگوں میں جاری و ساری ہے، یہ نسل جنگجوئی، تعیش پسندی، عیش پرستی اور لذت پرستی میں تاریخی شہرت رکھتی ہے۔ غالب نے اپنی زندگی کا ابتدائی زمانہ آگرہ کے عیش پرستانہ ماحول میں گزارا، تجربہ ہوا کہ وہ عشق کی بنیادی جبلتوں سے نہ صرف آگاہ ہوئے بلکہ اس کے بے باک اظہار سے بہرہ مند ہو گئے۔ یہ جذبہ لذتوں سے شروع ہو کر جمالیاتی آسودگی کا باعث بنتا ہے۔ اور غالب کی جمالیات کا آئینہ دار ہے۔

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کئے ہوئے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کئے ہوئے

اک نوبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن — بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

ان اشعار میں غالب کی لذت پرستی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ محبوب کو خیالی پیکر نہیں سمجھتے ہیں بلکہ اس کے جسمانی پیکر کو محسوس کرتے ہیں۔ انہوں نے حسیاتی پیکر تراشی سے اپنے جذبات کی گرمی اور شدت کا اظہار کیا ہے۔ غالب اپنے محبوب سے جس قدر انسیاتی میلان کے ساتھ پیش آتے ہیں اور وہ اپنی شاعری میں اس حد تک خوش دل شگفتہ اور شوخ نظر آتے ہیں کہ ان کی ذاتی چاہتوں پر تصوف کی ایک نقاب سی پڑ جاتی ہے اور اس حد کے بعد وہ اپنے محبوب سے مخاطب ہوتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی زندگی بڑی خوشگوار اور اطمینان بخش ہو۔ یہ گرمی جذبات ان کے عاشقانہ اشعار میں موجود ہیں۔

اسد بہارِ تماشائے گلستانِ حیات — وصالِ لالہ عذارانِ سرو قامت ہے
میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا — بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں

غالب کی شاعرانہ عظمت کا راز ان کے شعری تجربات میں پوشیدہ ہے۔ ان کے تجربات عشق کے فنکارانہ اظہار میں ان کی شخصیت کی تازگی اور توانائی سامنے آتی ہے اور یہ سہولت جذبہ و احساس اردو شاعری میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ غالب کا جذبۂ عشق ان کی تخلیقی قوتوں کا آئینہ دار ہے اور اصل میں دبی ہوئی جنسی جبلت کا ارتقائی اظہار ہے۔ یہ جذبہ ماورائی اور غیر ارضی نہیں بلکہ مختلف رنگوں اور پیکروں میں نمودار ہونے کے باوجود جنسی خوشبو کی ہلکی فضا موجود ہے، وہ ایک مادی انسان سے عشق کرتے ہیں اور گوشت پوست کی ایک "مہ خورشید جمال" کو شدت سے چاہتے ہیں ؎

دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت — ہے نگاہِ آشنا تیرا سر ہر مو مجھے
نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں — تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں
اسد بندِ قبائے یار ہے فردوس کا غنچہ — اگر وا ہو تو دکھلاؤں کہ یک عالم گلستاں تھا

عشق و محبت کا یہ مادی تصور اور اس کا آزادانہ اظہار اردو شاعری میں سب سے پہلے غالب کے یہاں ملتا ہے۔ ان سے پہلے اردو شاعری عموماً افلاطونی نظریۂ عشق یا خیالی عشق کا بازار گرم رہا ہے۔ غالب کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے عشق کو جنسی تقاضوں اور بدن کی لمسی لذتوں کے علاوہ نئی جہتوں سے آشنا کیا۔ وہ صنف نازک سے بے پناہ عشق کرنے کی صلاحیتوں سے متصف ہیں، مگر سماجی اور اخلاقی حالات ان کے آگے دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ "ان کے یہاں جو محبوب کا تصور ابھرتا ہے وہ روایتی محبوب سے بہت دور ہے اور حسن و شباب کا ایک جیتا جاگتا مرقع اور تمام انسانی اوصاف سے آراستہ و پیراستہ ہے۔"

غالب کی عشقیہ شاعری جمالیاتی اور حسیاتی لذت آفرینی کی خوبصورت فضاؤں سے بھری ہوئی ہے۔ عشق میں ناکامی کے باوجود بھی وہ حسن پرستی کو فنا نہیں کر سکتے۔ یہ ناکامی ان کی تخلیقی شخصیت کو تمکنت روپ پیش کرتی ہے۔

بخشے ہے جلوۂ گل ذوقِ تماشا غالب — چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

غالب نے اپنی زندگی میں حسن و جمال کے ہر منظر کو چاہا ہے حسن کے وہ شناس بھی ہیں اور حسن کا ہر جلوہ انہیں دیوانہ بناتا ہے۔ ان کے اکثر اشعار حسن کی نازک اداؤں اور رنگ جلوؤں کی تجلی پیش کرتے ہیں۔

تماشا کر اے محوِ آئینہ داری — تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں
وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد — ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

اردو ادب میں غالب کی عشقیہ شاعری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے حسن و جمال کی ایک الگ دنیا آباد کی ہے جس میں غم، حیرت، بے خودی، مستی اور رنگینی کے متعدد جلوے رنگوں کی بارش کرتے ہیں۔ عشق کے سلسلے میں پیش کئے ہوئے خیالات، جذبات، احساسات اور کیفیات عرض انسانی نفسیات سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔

(بشکریہ تعمیر، سرینگر)

حکومت کا عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے پہاڑی علاقے کے ترقیاتی پروگرام کے تحت معاشی ترقی اور قدرتی ماحول کی بحالی کا جائزہ لینے کے لئے تحقیقی پروجیکٹ اسکیم کو بروئے عمل لانے کے لئے اپنی انتظامی منظوری دے دی ہے اور اس کام کے لئے اخراجات کے سلسلہ میں ...۵۸۰۹۱ روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔ عطیہ کی یہ رقم حکومت ہند کی طرف سے ریاستی حکومت کو ملی۔ شمالی بنگال یونیورسٹی اس اسکیم پر عمل درآمد کرے گی۔

ہسپتال کیلئے عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے لومبینی پارک مینٹل ہسپتال کو غیر مخصوص بستروں کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے ...۲۵۰ روپے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی۔

قبائلی زندگی اور ثقافت

از:- [illegible]

ہندوستان میں آزادی کے قبل کے دنوں میں قبائلیوں کے سلسلہ میں انگریز حکام نے جس پالیسی کو اپنایا تھا اسے الگ تھلگ رکھنے کی پالیسی کہا جاتا ہے کیونکہ شروع سے ہی اس کی پالیسی مقصد یہ تھا کہ قبائلیوں کے رسم و رواج کے تحفظ کے لئے، ان کے روایتی پیشیوں کی حفاظت کے لئے اور انہیں استحصال سے محفوظ رکھنے، جیسے نام نہاد مقاصد کیلئے قبائلیوں کو قومی زندگی کے اصل دھارے سے الگ تھلگ رکھا جائے۔ درحقیقت انگریزوں کی پالیسی کا مقصد یہی تھا کہ قبائلیوں کو غیر قبائلیوں سے الگ تھلگ رکھا جائے تاکہ قبائلی بغاوتی جوش و خروش کو آسانی سے ٹھنڈا کیا جا سکے۔

ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت کا ۱۸ ویں صدی کے آخری نصف کے عرصہ میں قبائلیوں سے سابقہ ہوا جب کہ راج محل کے قبائلی پہاڑیوں نے جو زمینداروں کے خلاف بغاوت کی۔ اس وقت سے قبائلی لوگوں کے لئے جو قومی زندگی سے الگ تھلگ حد سے زیادہ نیم ترقی یافتہ علاقوں میں رہتے تھے ایک خصوصی قسم کے انتظامیہ کی ضرورت محسوس کی گئی۔

غیر ملکی حکمرانوں کی تائید سے باہر کے لوگ قبائلیوں کا استحصال کرنے لگے، اور اس استحصال کے خلاف مختلف علاقوں میں اور مختلف اوقات میں مختلف قبائلی گروہ نے بڑے دلیرانہ بغاوت کی۔ ان میں سے چند کا بیان ذکر کیا جا سکتا ہے۔ بہار میں پہاڑیوں کی بغاوت (۱۷۷۲ء)، بہار کے کھیرویوں کی بغاوت (۱۸۳۴ء)، مانبھوم کے بھومجوں کی چوار بغاوت (۱۷۹۵-۱۷۹۸ء) سنگھ بھوم کے "ہو" قبیلہ کی کول بغاوت (۱۸۳۲ء)، بھومجوں کی گنگا نارائن بغاوت (۱۸۳۲ء)، رانچی کے منڈا قبیلہ کی سردار لڑائی (۱۸۸۵ء) اور برسا تحریک (۱۸۹۵-۱۹۰۱ء)، سنتھال بغاوت (۱۸۵۵-۵۶ء) کچانا کا کی بغاوت (۱۸۸۰ء) وغیرہ۔ بعد کے دور میں قبائلیوں نے گاندھی جی کی سربراہی میں قومی تحریک میں بھی حصہ لیا۔

صورت حال کی شدت کا احساس کرتے ہوئے ساتھ بہتر انتظامیہ کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ قبائلیوں کی زندگی اور ثقافت کی بابت معلومات حاصل کی جائیں۔ برٹش انتظامیہ نے بہت سارے مشہور عالم انسانیت کی خدمات حاصل کیں اور ان کے ذمہ یہ کام دیا کہ وہ علاقائی بنیاد پر قبائلیوں کی زندگی، رہن سہن، رسم و رواج کی بابت اعداد و شمار اکٹھا کریں۔ ان میں سے چند عالموں کے نام یہ ہیں۔ رسلے، تھرسٹن، ڈالٹن، گرگسن، گورڈن، رسل، ہٹن، شیرنگ، کروک وغیرہ۔ قبائلیوں کی فلاح و بہبود کے لئے وقتاً فوقتاً بہت سارے اقدامات کئے گئے۔ جن میں چند اقدامات درج ذیل ہیں ——

ریگولیشن ۱۳/۱۱۱ (۱۸۳۳ء) نافذ کر کے چھوٹا ناگپور کو غیر با ضابطہ علاقہ قرار دیا گیا۔ ۱۸۷۴ء میں شیڈولڈ ڈسٹرکٹ ایکٹ لاگو کیا گیا۔ انتظامیہ کو یہ اختیارات دیئے گئے کہ وہ ان علاقوں کو عام قوانین کے دائرہ عمل سے باہر رکھیں اور ان علاقوں کے لوگوں کی حسب ضرورت حفاظت کریں۔

حکومت ہند ایکٹ ۱۹۱۹ء کی دفعہ نمبر ۵۲-اے (۲) کے تحت ہندوستان کے گورنر جنرل کو اس بات کا اختیار دے دیا گیا کہ وہ ہندوستان کے کسی بھی علاقہ کو پسماندہ علاقہ قرار دے سکتے ہیں اور سکریٹری آف اسٹیٹ کی منظوری کے ساتھ اس بات کی ہدایت دے سکتے ہیں کہ حکومت ہند ایکٹ ان علاقوں میں، چند مستثنات اور ترمیمات کے ساتھ، جس کا ذکر گورنر جنرل اپنے اعلانیہ میں کریگا، نافذ العمل ہوگا۔

قبائلی علاقوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

(۱) بعض علاقوں کو مکمل طور پر الگ تھلگ رکھا گیا۔ ان علاقوں کے لئے نہ مرکزی اور نہ صوبائی اسمبلیوں کو قوانین مرتب کرنے کے اختیارات دیئے گئے۔ قانون سازی کے اختیارات صرف گورنر کو دیئے گئے (اس وقت کے صوبہ مدراس میں لکادیپ اور منی کوئے جزائر، بنگال میں چاٹگام کے پہاڑی علاقے، اس وقت کے صوبہ پنجاب میں چھوٹا سا علاقہ اسپیتی اور لاہیہ میں انگول)

(۲) دیگر پسماندہ علاقوں میں ترمیمی مستثنات کا اطلاق کیا گیا۔

حکومت ہند ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت پسماندہ علاقے مستثنیٰ اور جزوی مستثنیٰ علاقے قرار دیئے گئے۔ مستثنیٰ یعنی الگ تھلگ علاقوں کو صوبائی گورنر کے تحت اور جزوی مستثنیٰ علاقوں کو وزارت کی ذمہ داری میں دے دیا گیا۔ ان علاقوں کی نظم و نسق کے سلسلہ میں گورنر کو ایک خصوصی ذمہ داری نبھانی پڑتی۔ ان علاقوں میں مرکزی یا صوبائی مجلس قانون ساز کا کوئی ایکٹ لاگو نہیں کیا جا سکتا لیکن گورنر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ

[illegible] کو اب سب ہندو تہذیب کے [illegible] کر سکتے ہیں۔

آزادی کے بعد یہ محسوس کیا گیا کہ پسماندہ علاقوں کے مسائل کا حل ترقیاتی سرگرمیوں [illegible] الگ تھلگ رہنے پر مبنی ہے۔

[illegible] کے قبل جدید دور میں جو حالات تھے (اس وقت نسبتاً آبادی بہت کم تھی) وہ جنگلات اور پہاڑوں میں رہنے والے قبائلیوں کو سماجی لحاظ سے الگ تھلگ رکھنے میں معاون ثابت ہوئے۔ لیکن موجودہ دور میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ قبائلیوں کو کس طرح ترقی کے راستے پر گامزن کیا جائے۔ وہ سب دیگر لوگوں کے ساتھ ساتھ مساوی طور پر ملک کے ترقیاتی کاموں میں پوری طور پر شرکت کر سکیں۔ قومی پالیسی یہ ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے اور جہاں تک ممکن ہو سکے کم سے کم داخلی دباؤ کے ساتھ غیر قبائلی لوگوں کے ساتھ ساتھ ایک مشترکہ قومی سماجی نظام میں نیم ترقی یافتہ قبائلیوں کو شامل کیا جائے گا اور اس طرح انہیں سماج کا ایک جزو بنایا جانا چاہیے۔

قبائلی کون ہیں اور ہندوستان کی تہذیب اور ثقافت کی ترقی میں ان کا کیا مقام ہے ان باتوں کو تاریخی اور قبل از تاریخی واقعات کے مطابق مناسب طور پر سمجھنا چاہیے۔ ہندوستانی تہذیب مختلف لسانی اور نسلی قوموں — قبل از ڈراویڈ، آریا اور منگولیا —— کی مختلف روایتوں کا امتزاج ہے۔

ہندوستان میں تقریباً چار سو شیڈولڈ ٹرائب فرقے ہیں جو ہندوستان کے چار اہم جغرافیائی علاقوں میں رہتے ہیں۔ وہ لوگ ابھی ترقی کے مختلف معاشی (شکار کرنا، خوراک اکٹھا کرنا، چراگاہوں سے حاصل کرنا، ادھر ادھر ہجرت کرنا، دستکاری وغیرہ) اور سماجی، ثقافتی (ماقبل تعلیم، نیم تعلیم یافتہ، خانہ بدوشی، ایک جگہ رہتے ہیں وغیرہ) دور سے گزر رہے ہیں۔ ان میں بہت سارے لوگوں نے اب بھی اپنی طرز زندگی کو برقرار رکھا ہے، گرچہ کہیں کہیں انہوں نے اپنے رسومات میں چند تبدیلیاں کی ہیں۔ شکار کرنے اور خوراک اکٹھا کرنے والے قبیلے یہ ہیں: راجمالی، جاروا، اونگے، بیرہور، پہنچو، قندا کرد، مبا وغیرہ۔ ٹوڈا، بادگا، کوٹو وغیرہ قبیلے کے لوگ دستکاری کرتے ہیں۔ بھوٹیا، کورو، پہاڑیہ، ناگا وغیرہ قبیلے کے لوگ مستقل طور ایک جگہ نہیں بلکہ جگہ جگہ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ فی الحال بہت سارے قبائلی (سنتھال، گونڈ، اراؤں، منڈا وغیرہ) اپنے اپنے علاقہ میں کاشتکاری کرتے ہیں)

مغربی بنگال میں فی الحال ۸ شیڈولڈ ٹرائب قبیلے ہیں۔ ذات، زبان اور ثقافت کے لحاظ سے انہیں دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، میدانی قبائلی اور ہمالیہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں رہنے والے قبائلی۔ میدانی علاقوں میں رہنے والے قبائلی زیادہ تر قبیلے ڈراویڈ (جیسے اراؤں، ملاپہاڑیہ، سنتھال، منڈا، ہو، بھومج، بیرہور، کوڑا وغیرہ) سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی زبان اور [illegible] آسٹرلائڈ اور ڈراویڈی زبان سے ملتی جلتی ہے۔ ان کے سماج میں باپ کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور باپ کے نام سے خاندان چلتا ہے۔ یہ قبائلی بہار اور اڑیسہ سے ہجرت کر کے مغربی بنگال کے اضلاع مدناپور، بانکوڑا اور پرولیا اور دیگر جگہوں میں آباد ہو گئے۔

چھوٹا ناگپور سطح مرتفع اور چھوٹا ناگپور کے علاقوں سے قبائلیوں (جیسے سنتھال، اراؤں، منڈا وغیرہ) کو تقریباً ایک صدی قبل جنگلات صاف کرنے کے لئے سندربن کے علاقوں میں لایا گیا تھا چونکہ یہ اپنے وطن سے بالکل الگ تھلگ ہو گئے اور یہاں ایک نئے طرز کی زندگی گزارنے لگے جسے قبائلی، ہندو، مسلمان کے طرز زندگی کا متوازن امتزاج کہا جا سکتا ہے۔

اسی طرح مرشدآباد، ندیا اور بنگلہ دیش کے علاقوں میں بھی قبائلی آباد ہو گئے۔ وہاں وہ نیل کی کاشت کے کام میں مشغول ہو گئے۔ ان قبائلیوں کو ان کے ہنر کے لحاظ سے اضلاع دارجلنگ، جلپائی گوڑی اور بردوان میں چائے باغات اور کوئلہ کی کانوں میں ملازمتیں ملیں۔ میدانی قبائلی جماعتوں میں اوڈھا، بھمریا کو دیکھو، جانگ اور بیرہور کو قدیم قبائلی ذات سمجھا جاتا ہے۔

شمالی بنگال (دارجلنگ، جلپائی گوڑی اور کوچ بہار) کے وسیع قبائلی گروہ کے لوگ نسلی لحاظ سے منگولیائی ہیں۔ لیپچا اور بھوٹیا کی مقامی بولی تبتی، ہمالیائی جماعت کے تبتی چینی ذات کی بولیوں سے ملتی جلتی ہے۔ اسی طرح میچ، گارو اور رابھا قبائلیوں کی بولی آسامی، برمی جماعت کی، اور ٹوٹو، لیپچا، ہجنگ، مگ قبائلیوں کی بولی برمی جماعت کی زبان سے ملتی جلتی ہے۔ منگولیائی قبائلی طبقہ کی تعداد اس ریاست کے شیڈولڈ ٹرائب کی کل آبادی کا تین فی صد ہے۔ اس قبیلے کے لوگ اپنے ترقی پذیر خیالات اور رنگین طرز زندگی کے لحاظ سے کافی مشہور ہیں۔ اس قبیلہ کے زیادہ تر لوگ سکم، بھوٹان اور دارجلنگ پہاڑ میں رہتے ہیں۔

یونیسیف کو حکومت مغربی بنگال کی طرف سے دستکاری کی مصنوعات کا عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے یونیسیف کو بنگال کی دستکاری کی چند خوبصورت مصنوعات بطور عطیہ دی۔ یونیسیف نے نئی دہلی میں اپنے دفتر کی ایک عمارت تعمیر کی ہے۔ یہ مصنوعات اس عمارت میں بطور نمائش رکھی جائیں گی۔ ان میں بانکوڑا کا گھوڑا، مٹی کا گھوڑا، پرولیا کی گڑیاں اور چھاؤ نقاب، نیز بانکڑا اور شیر کی مصنوعات شامل ہیں۔

پنچائت سمتیاں آبپاشی کے ذرائع کی تعمیر کرا رہی ہیں

مغربی بنگال

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

آزادی نمبر

مدیر
دھریندرا ناتھ دت

مدیر معاون
محمد اعظم

شرح خریداری
سالانہ ــــــ ۳ روپے
فی پرچہ ــــــ ۱۲ پیسے

جلد نمبر ۲۹ ــــــ ۱۵ اگست ۱۹۸۲ء ــــــ شمارہ نمبر ۱۵

کلکتہ میں پی ایل او کے نمائندوں کا استقبال تصویر میں درمیان میں پی ایل او کے نمائندے جناب صادق الشیخ اور بائیں طرف ریاستی وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری پربھاش پھودکر ہیں۔
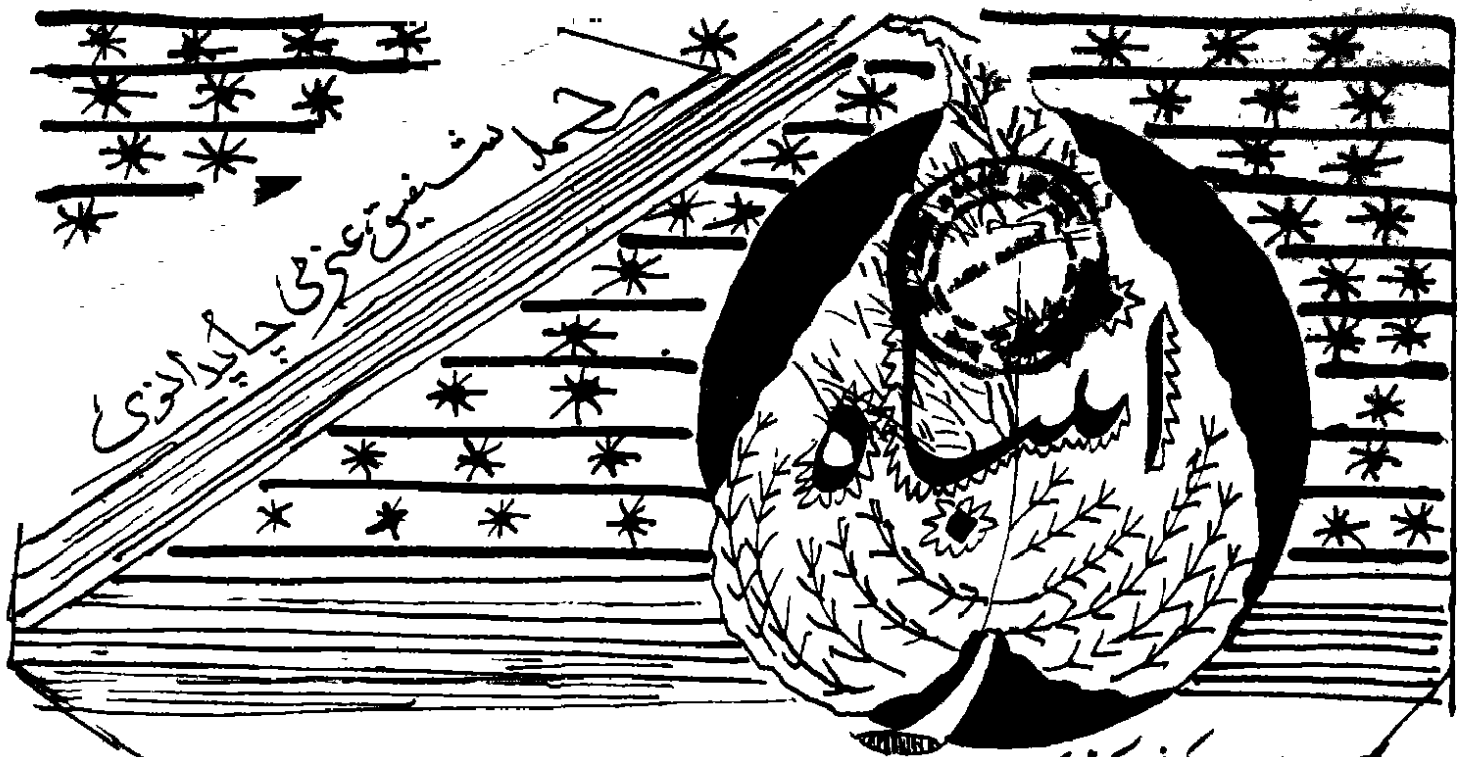
محمد شفیق عشرتی چاندپوری
کشمکش بالارادہ سے عاری جو ہو وہ زندگانی نہیں ہے
اہل حرکت کی جو زندگی ہے کشتئ بادبانی نہیں ہے
سامری آمریت کی خاطر جال جادو کے جتنے بچھا لے
حق جمہور جس پر ہو لاگو تخت وہ خاندانی نہیں ہے
ہو عرض منسلک جس عدل سے وہ نفی نیک انجام کی ہے
خدمت قوم ہے مختلف شئے قوم پر حکمرانی نہیں ہے
اقتدار و حکومت کا چشمہ پھوٹتا ہے ہماری رگوں سے
آپ رہبر ہیں دم سے ہمارے آپ کی مہربانی نہیں ہے
رہبر قوم! سن لے معیشت ہے امانت غریبوں کی جس پر
بار اہل ہوس ڈال دینا لوٹ پاسبانی نہیں ہے
وعدے وہ شوق سے بھول جاؤ جو سیاست میں نبھتے نہیں ہیں
ہم کو الفت کی اندھی روایت ایک طرفہ نبھانی نہیں ہے
ڈھائے تھے کل تو ڈھا دیجے اب بھی ظلم کے بت یہ بجلی رگوں کی
کل بہا جو وہ بیشک لہو تھا اب جو ہے وہ بھی پانی نہیں ہے

ہندوستان کی ثقافت

گزشتہ تیس برس پہلے یعنی اس وقت جب ملک کو ایک جمہوریہ (ریپبلک) قرار دیا گیا آج تک ہندوستان کی ثقافتی زندگی میں چند نمایاں تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ یہ تبدیلیاں افادیت اور سادگی کی وجہ سے جیسا کہ اس ملک کے مختلف علاقوں میں رائج مختلف تھی مگر یہ جو ظاہر ہوتی ہیں وابستہ ہیں جب ان تغیرات پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمہوری خیالات یعنی جمہوریت اور مساوات کے خیالات سماج کے چند لوگوں کے مفادات پر بحیثیت مجموعی طور پر سماج کے مفادات کو ترجیح "انفرادی طور پر لوگوں کی بھلائی کے لئے تمام جہاد مانگ پر عوامی رفاہ کو ترجیح" عوام کے بنیادی حقوق مستقل تحریر کی آزادی وغیرہ۔ ان تمام باتوں نے وسیع گرانٹ پیمانہ جیسے برسوں سے ہندوستانی ثقافت کہتے ہیں اصلی نقصان ڈال فروغ کر دیا ہے۔ اب انسان اور زندگی کا جو نظریہ ہے جیسا کہ آرٹ اور ادب سے ظاہر ہوتا ہے وہ اب آہستہ آہستہ زمانہ قدیم کا استبدادی خیالات کی جگہ مقبول عام بنتا جا رہا ہے۔ اب مالدار لوگوں کے مفادات اور اکثریت کے تصورات آہستہ آہستہ دھندلے ہوتے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ دھیرے دھیرے نئے دور کے وہ تمام تصورات ظاہر ہو رہے ہیں جن سے عوام کو بہت سارے فوائد حاصل ہونے کی امید ہے اور آج عوام ان کے لئے ہی جدوجہد کر رہے ہیں۔

نشاۃ ثانیہ

اس میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ انگریزوں کی حکومت کے دوران انگریزی تعلیم کی اشاعت سے بہت سارے خیالات اور تصورات جنہیں مغربی روشن خیالی یا مغربی انسان دوستی کہا جاتا ہے اس ملک میں رونما ہوئے اور سماج کے اس وقت کے تعلیم یافتہ لوگوں کے خیالات پر اثر انداز ہوئے لیکن مغربی نشاۃ ثانیہ کے تصورات صرف شہری علاقوں تک محدود رہے اور یہاں بھی کم سے کم حد تک وہ متاثر ہوئے۔ نیز یہ روشنی و خوشحالی جو شہروں میں نمودار ہوا عوام تک یا مضافاتی علاقوں تک نہیں پہنچ سکا یہ ایک ایسا دور تھا جس میں اپنی روشن خیالی کی کمی تھی اور ایسے شہروں کے متوسط طبقے کے لوگوں نے اپنایا اور سہارا دیا۔ ان باتوں کی وجہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انیسویں صدی میں یورپی قسم کی ہندوستانی نشاۃ ثانیہ کو دیہاتوں میں جگہ نہ ملی اور یہ مقبول عام نہ ہو سکی۔

انگریزوں کی آمد سے قبل ہمارے ملک میں سرداروں، راجاؤں، جاگیرداروں اور ان کی حیثیت کے لوگوں کی حکومت تھی اور یہ سب اپنے علاقے کے جہاں ان کی حکومت تھی، مالک مختار تھے۔ وہ اپنی رعیت کی بابت آخری فیصلہ کیا کرتے تھے اور ان کی سلطنت میں ان کے فیصلے کے خلاف کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ بات سمجھنے کی ضرورت نہیں کہ ایسی تانا شاہی فضا میں آرٹ اور ادب کے فروغ کا انحصار راجاؤں اور بادشاہوں کی سرپرستی پر تھا اور ایسے راجاؤں اور بادشاہوں جمہوریت کو وبال جان سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے قرون وسطیٰ میں اس ملک کی ادبی تخلیقات میں ہم ادیبوں کو اپنے دنیاوی مالک کی خواہشات کی مکمل اطاعت کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ چنانچہ ایسے نظام میں جہاں ادیبوں کو کاریگروں جیسا سمجھا جاتا تھا وہاں جمہوریت کو کسی نے بھی ایسے ہو گا، جیسے لوگ اپنے اور اس کی قدر کریں گے۔

تین لہریں

آج کے جمہوری ہندوستان میں جہاں تک ادب کا سوال ہے ہمیں تین ادبی لہریں نظر آتی ہیں جو ایک ساتھ اپنا کام کر رہی ہیں۔ ان میں سے اہم لہر جمہوریت اور عوام دوستی ہے ترقی پذیر ادیبوں اور مفکروں کی تحریروں میں ہمیں اس کی جھلک ملتی ہے کیونکہ وہ اسے اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اپنی تحریروں کے ذریعہ عوام کے فلاح و بہبود کے لئے آواز اٹھائیں، عوام کی خدمت کریں جہاں تک ان کی یہ خواہش ہے ادب میں آرٹ برائے آرٹ کے اصول سے پرہیز کیا اور ایک ایسے نقطہ نظر یعنی کو اپنایا جو حقیقت پسندی اور سوشلزم کی عکاسی کرتا ہے۔ دوسری لہر پرانا استبدادی اور غیر جمہوری رویہ ہے جو آج بھی ان قدروں پر زیادہ بھروسہ کرتا ہے جو لازمی طور پر نوعیت کے لحاظ سے اصلاح و ترقی کے خلاف ہے اور سیاق و سباق کے لحاظ سے قرون وسطائی ہیں۔ اس مکتب خیال کے سربرآوردہ لوگ کو جو بھی غیر سائنسی اور غیر منطقی عقائد پر بھروسہ کرتے اور ذہنی لحاظ سے آج بھی وہ ماضی میں رہتے ہیں جہاں منطق اور عقل کا زیادہ اور مذہبی خیالات عجیب و غریب طریقہ سے ایک ہو گئے ہیں۔ تیسری لہر ان مصنفوں کا ہے جو دانستہ طور پر قومی بندرگاہ سے اپنی کشتی کو بہاتے ہوئے غیر ملکی بندرگاہ میں ٹھہراتے ہیں۔ اس طرح وہ ذہنی لحاظ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مذاہب

کے رشتے والے ہیں اور نہ اُدھر کے ہیں۔ یہی لوگ آج کل کے انگلش ادیب ہیں۔ ان لوگوں نے انگریزی بولنے والی حکومت کی بنگلا اینگلو ادیبوں کی روایت کو براہ راست اپنایا ہے اور یہ سب کم و بیش ان لوگوں کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں جنہیں ادبی خصوصیات جو میراث میں ملی ہیں وہ نمایاں طور پر غیر ہندوستانی ہیں اور ان کی ہمدردی مغرب اور ان کے ساتھ ہے یہ اینگلو۔ اینگلو ادیب ادیبوں کی ترقی پسند جماعتوں اور اداروں سے خود کو الگ رکھنے کی کوشش کر کے اپنی نمایاں شخصیت کو قائم کرنا چاہتے ہیں اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ ہندوستان کے دیگر ادیبوں سے بالکل مختلف ہیں وہ اپنی انفرادیت کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی بول چال میں مغربی انداز کو اپناتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بیچ ہواؤں میں لٹکتے رہتے ہیں ـــــــ وہ نہ اس ملک کے ہوتے ہیں اور نہ اُس ملک کے جس کی نمک حلالی کا وہ دعویٰ کرتے ہیں اور وہ ملک ان لوگوں کو اپناتا بھی نہیں۔

ان لوگوں میں کملا مارکنڈیہ، راجہ راؤ، آر۔ کے۔ نارائن، بھبانی بھٹاچاریہ، ششتی برتا اور نیرد چندرا چودھری وغیرہ کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں یہ سب بہت مشہور ادیب ہیں اور ہر ایک کے قلم میں اپنے لحاظ سے ایک عظیم طاقت پوشیدہ ہے، لیکن افسوس ان کا کوئی مقام نہیں ہے انہیں اس ملک سے جہاں وہ پیدا ہوئے، کوئی واسطہ نہیں ہے ساتھ ہی نہ اس ملک کے لوگوں سے کوئی واسطہ ہے جن کے درمیان یہ زندگی گزارتے ہیں۔ نفسیاتی طور پر وہ ایک غیر ملکی شخص کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ اپنے ہم وطنوں سے کافی دوری پر الگ تھلگ زندگی گزار رہے ہیں۔ ملک راج آنند بھی ان لوگوں کی طرح اینگلو۔ انگلش ادیب ہیں لیکن انہیں مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ بہت ہی ہمدرد انسان ہیں اور ہندوستان کے عام مزدور اور کام کرنے والے مرد اور عورتوں کے دکھ اور مصیبتوں میں برابر کے شریک ہیں۔ وہ پنجابی ادیب ہے اور اشتراکیت پسند ہیں۔ انہیں اس بات پر پورا یقین ہے کہ عوام ہزاروں مشکلات کے باوجود اپنی جدوجہد میں کامیاب ہونگے۔

بنگال کے ادیب

جمہوری مساوات اور انسان دوستی کے جمہوری خیالات کی بہترین تشریح ان بنگلا ادیبوں کی تحریروں میں پائی جاتی ہے جنہوں نے رابندر ناتھ ٹیگور، سرت چندر، قاضی نذر الاسلام، سکانتو اور مانک بنرجی کی ادبی جاگیر سے براہ راست فائدہ اٹھایا۔ ایک طرف تو ان لوگوں نے نہایت ہی کمزور قسم کی تنگ قوم پرستی کو رد کر دیا تو دوسری طرف انہوں نے بے رحم کٹر پن والے بین الاقوامیت کو بھی دور کر دیا کیونکہ اکثر و بیشتر ایسی بین الاقوامیت بین الاقوامی ثقافت کے نام پر مغرب پرستی کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ دراصل یہ مغربیت مغربی یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں رائج سرمایہ دارانہ اصولوں کو قبول کرنے کا سہل طریقہ ہے۔ ہمارے نئے ادیبوں کو اس قسم کی بورژوائی ثقافت سے بچو، زیادہ تر مغربی دارالسلطنتوں میں پھل پھول رہی ہے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ وہ سب امریکی یا کمیونزم کے نام سے کانپ اٹھتے ہیں اور اس طرح وہ ہمارے ادب کو اس کے مضر اثر سے محفوظ رکھنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح یہ ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ دو باتوں سے دور رہا جائے ایک طرف ماضی کے ظلمت پسند خیالات ہیں تو دوسری طرف غیر یقینی۔ ان ادیبوں کو ہمارے عوام کے ساتھ ایک ہونے کا متحرک جذبہ ہمیشہ ابھارتا رہتا ہے اور اس سے ایک فائدہ ہوتا ہے کہ یہی ادیب اپنی پیش قدمی سے ہم آہنگی کے ساتھ وقت کے دھارے سے آگے بڑھتے ہیں۔

قاضی نذرالاسلام کی انقلابی نظمیں، ٹیگور کا وسیع انسان دوستی جذبہ اور سکانتو کی فاسزم کے خلاف پرزور آواز، ان تمام باتوں کی آج کے شاعروں کی شاعری میں جھلک ملتی ہے۔ ان شاعروں نے ان باتوں کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے کہ وہ بنگلہ شاعری کی بہترین روایات کو اجاگر کریں گے۔ ان کی یہ کوشش بھی ہوتی ہے کہ آنے والے دور کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی سرحدوں کو نئی اور صحت مند سمت کی طرف وسیع کیا جائے۔ افسانے اور چھوٹی کہانیوں کی دنیا میں سرت چندر، تاراشنکر، بھبوتی بھوشن اور مانک کے تصورات نے مصنفوں کے ایک نئے اور طاقتور طبقہ کو جنم دیا۔ یہ اس طبقہ کی تحریروں میں نہ صرف ان کی فنکارانہ استعداد کی چاشنی ہوتی ہے بلکہ ان میں حقیقت پسندی کا نمایاں ہوتی ہے۔ ٹیگور نے ہمارے ادب میں انسان دوستی اور حریت پسندی کو اجاگر کیا ہے۔ ہمارے نئے ادیبوں نے ٹیگور کے ساتھ ساتھ سرت اور مانک جیسے ادیبوں سے حقیقت پسندی کے تحریروں میں کافی فائدہ اٹھایا۔ خاص طور پر مانک سے کئی ادیبوں نے بہت کچھ استفادہ حاصل کیا کیونکہ وہ ان لوگوں کیلئے مشعل راہ ثابت ہوئے اور آج کے ادیبوں کی تحریروں میں ایک سماجی حقیقت کی بیداری پائی جاتی ہے ساتھ ہی ان میں تنقیدی خوبی بھی نمودار ہوئی۔ ڈرامہ کے میدان میں ڈرامہ نویسوں کی تعداد کافی زیادہ ہے یہ سماجی لحاظ سے بیدار ہوئے ہیں اور یہ سب جمہوریت پسند ہوتے ہیں۔ اسی طرح فلم اور ناٹک کی دنیا میں اتپل دت، اجیتیش بنرجی، ارون مکھرجی اور دیگر چند لوگوں نے اسٹیج کو ایک سرگرم تخلیقی مرکز بنا لیا ہے۔ میری نظر میں آج کا بنگلہ اسٹیج بہت ہی متحرک ہے اور ملک میں آرٹ تحریکوں میں بھی سب سے زیادہ زندہ جاوید ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ جب یہ دیگر تمام تخلیقات پر حاوی ہو جائے گا۔

از:- مسیس کمار مجیداہ

انگریزی لفظ میوزیم (یعنی عجائب خانہ یا جادو گھر) کی عجائب خانوں کی بین الاقوامی کاؤنسل کی ماہر کمیٹی نے یوں تعریف کی ہے ..... "ایک مستقل ادارہ جو مطالعہ، تعلیم و تفریح کے لئے ثقافتی اور سائنسی اہمیت کی چیزوں کو محفوظ رکھتا ہے اور ان کی نمائش کرتا ہے۔" اس طرح یہ ایک ایسی ایجنسی ہے جو ان لوگوں کو جو اس کی سہولتوں سے مستفید ہونا چاہتے ہیں معلومات اور تفریح فراہم کرتی ہے۔ لیکن آج عجائب خانہ کے جو معنی ہیں اس سے قبل اس کے یہ معنی نہ تھے۔

قدیم یونان میں یہ نام انسان کی ثقافت کے مذہبی پہلو سے یعنی نظم و موسیقی کی دیویوں میوزیس (MUSES) سے وابستہ تھا لیکن تیسری صدی قبل مسیح میں اس کے معنی میں مذہبی پہلو کی جگہ علمی کی اور ذہنی پہلو شامل ہو گیا۔ پٹولیمی (PTOLEMY) نے اسکندریہ میں قائم کردہ عجائب خانہ موجودہ معنی میں عجائب خانہ سے زیادہ ایک مرکز کی حیثیت تھا۔ اس میں مورتیاں ان کے عقیدت مندوں کے پیش کردہ پوجا کے سامان، ستاروں کو مشاہدہ کرنے کے اور طبی آپریشن کرنے کے ساز و سامان تھے۔ نیز یہاں ہاتھی دانت اور دیگر چیزیں بھی تھیں۔ دنیا کے بڑے بڑے عجائب خانے بادشاہوں کے ہوتے یا بادشاہوں کی سرپرستی میں قائم کئے گئے۔ جیسے پیرس کا لوور عجائب خانہ شہنشاہ فرانکوئس اول کا تھا اور اس میں اس شہنشاہ کی حاصل کردہ چیزیں اور نادرات رکھی گئی تھیں لیکن ۱۷۹۱ء میں فرانسیسی انقلاب کے دوران انقلابی حکومت نے اس عجائب خانہ کو ضبط کر لیا اور بعد میں اسے ایک قومی عجائب خانہ کی حیثیت سے عوام کے لئے کھول دیا۔ اسی طرح اسپین کے پراڈو میں عوامی عجائب خانہ فرڈی نینڈ ہفتم نے قائم کیا تھا اور یہ اس علاقہ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

شروع شروع میں خدمت عامہ کا تصور عجائب خانہ کی خصوصیات میں شامل نہ تھا کیونکہ اس وقت عجائب خانوں کو صرف نادر چیزوں کے رکھنے کا گھر سمجھا جاتا تھا۔ ۱۹ ویں صدی تک کے قبل زمانہ قدیم کے لوگوں کے ہتھیار، ان کی پوشاک، ان کے تیار کردہ نمونے و عجائبات کے طور پر جمع کئے جاتے اور ایک جگہ رکھے جاتے۔ ۱۹ ویں صدی میں علم الانسان سے وابستہ عجائب خانے قائم کئے گئے۔ ان عجائب خانوں کے اغراض و مقاصد بھی اس سے قبل کے نادرات جمع کرنے والے لوگوں کے خیالات سے مختلف تھے کیونکہ پہلے لوگ زیادہ تر توہم پرستی کی بنا پر نادرات اکٹھا کرتے۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عجائب خانہ کی سرگرمیوں کا تصور بھی پرائیویٹ نادرات حاصل کرنے کی عوامی ضرورت میں تبدیل ہو گیا۔ جدید تصور کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کی ثقافتی، مذہبی اور نفسیاتی پہلو کو اجاگر کرنے میں عجائب خانہ بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔

یونیسکو (UNESCO) کی پیرس میں ۱۴ نومبر ۱۹۶۰ء سے ۱۵ دسمبر ۱۹۶۰ء تک جنرل کانفرنس نے اپنے ۱۱ ویں سیشن میں اس سلسلہ میں سفارشات پیش کی گئی تھیں کہ عجائب خانوں سے لوگ مناسب طور پر فائدہ اٹھا سکیں۔ عجائب خانہ کے فرائض میں یہ شامل ہے کہ یہ عوامی تعلیم اور ثقافت کے فروغ میں معاون ثابت ہو گا، ساتھ ہی یہ بلا امتیاز ذات، جنسی یا معاشی یا سماجی فرق مساوی تعلیمی مواقع کے تصور کو آگے بڑھانے اور زیادہ سے زیادہ تعلیمی سہولتیں فراہم کرنے کے پیش نظر لوگوں کے درمیان باہمی سمجھ بوجھ اور تعاون کو فروغ دینے کی کوشش کریگا۔"

عجائب خانہ آرٹ اور سائنس کی چیزوں اور نباتات و حیوانات سے وابستہ چیزوں کو حفاظت کے ساتھ رکھنے کی جگہ ہے، ساتھ ہی عوام کے سامنے یہ چیزیں پیش کرتا ہے اور اس طرح عجائب خانے مختلف ثقافتوں کے علم کی تشہیر کرتے ہیں نیز قوموں کے درمیان باہمی سمجھ بوجھ کو فروغ دیتے ہیں۔ یونیسکو کانفرنس میں پیش کردہ مذکورہ بالا تجاویز کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عجائب خانہ سماجی بہتری کا ملک کا بہت ہی موثر ذریعہ ہے اور وقتاً فوقتاً عجائب خانوں کی نمائش سے اس سلسلہ میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

سائنسی نقطہ نظر سے توانائی (ENERGY) کبھی فنا نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک شکل سے دوسری شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ثقافت انسانی توانائی کا ظہور ہے اور اس کو مٹایا نہیں جا سکتا ورنہ مصر کے ممیوں کو ... ہم برسوں کے بعد بھی اچھی حالت میں نہیں پاتے اور نہ چہالدیہ میں ہیں... ۵ سال سے کے بہت مشہور آرٹ کا پتہ چلتا ہے...

اپنے وقت میں تہذیب و تمدن کا مرکز تھا۔ یہاں ایک قدیم عجائب خانہ بھی تھا جہاں صدیوں پرانی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ موہنجوداڑو اور ہڑپا جن کی تہذیب ۵۰۰۰ سال کی ہے، کے شہری معمار آج کے ماہرین معماروں کو حیرت زدہ کرتے۔ ترکی میں قدیم نمرود دارا کی دریافت اب بھی لوگوں کو متحیر کرتی ہے۔ اس طرح قدیم مایا تہذیب کے پتھروں پر لکھی جو تحریریں ملی ہیں انھیں برسوں تک کوئی پڑھ نہ سکا صرف چند سال قبل ان تحریروں کو پڑھا جا سکا اور ان سے قدیم انسانی ثقافت کی شاندار کامیابیوں کا پتہ چلتا ہے۔

سائنس داں اور ماہرین معمار اب بھی زمین کے اندر پوشیدہ خزانوں کی تلاش کر رہے ہیں اور ماہرین علم الانسان اس بات کی تلاش کر رہے ہیں کہ دنیا میں سب سے پہلے کس جگہ لوگ آباد ہوئے اور کہاں سے انسانی تہذیب شروع ہوئی۔ چند ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ جگہ مرکزی ایشیاء میں ہے تو بعض کے مطابق یہ افریقہ میں ہے۔ اس مسئلہ کو اب بھی حل نہیں کیا جا سکا لیکن قدرت نے اب بھی انسان کے لئے اس کا جواب پوشیدہ رکھا ہے اور ماہرین معمار اس کی تلاش میں سرگرم عمل ہیں۔ عجائب خانہ اس سلسلہ میں عوام کو کچھ جواب دے سکتا ہے۔

ہمارے ہردلعزیز شاعر گرودیو رابندر ناتھ ٹیگور نے ایک بار یوں کہا تھا۔ ”ہندوستان کا کثرت میں وحدت کی تلاش میں ایک مقصد ہے۔ یعنی عوام میں ظاہری فرق سے انکار کئے بغیر ان میں اندرونی اتحاد کو دریافت کرنا ہے۔“ کثیر لسانی ریاستوں پر مشتمل اس ملک کو عجائب خانہ تعلیم کی صحیح طور پر اشاعت کے لئے واحد میدان تصور کرنا چاہئے۔ عجائب خانہ کا نہ کوئی مذہب ہوتا ہے اور نہ کوئی ذات اس کا واحد مقصد یہی ہوتا ہے کہ علم کی اس کی ثقافتی نوعیت میں اشاعت کی جائے اور خیالات کو ٹھوس شکل میں تبدیل کیا جا سکے۔ یونیسکو کے ماہرین کے مطابق اس مقصد میں مندرجہ ذیل طریقوں سے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

(۱) مقامی ثقافتی وسائل کی معاشی ترقی

(۲) ماحول کو بہتر طور پر استعمال میں لانے جیسے زرعی طریقہ کار کی تعلیم از سر نو جنگلات اگانا، ایک ہی کھیت میں مختلف فصلیں اگانا وغیرہ، کیلئے ٹکنالوجی کی بہتری۔

(۳) تعلیم صحت۔

عجائب خانہ کے مکمل امکانات اور تعلیم میں عجائب خانہ کی تکنیک کا استعمال ان دونوں کی اہمیت کا ابھی تک پوری طرح اندازہ نہیں لگایا جا سکا ہے۔ یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ ہندوستان کے منصوبوں اور ترقیاتی اقدامات میں دیہی معیشت کو اہم مقام حاصل ہے، اسی لئے یہ ضروری ہے کہ عجائب خانہ کی خدمات کو دیہی علاقوں میں بھی فراہم کی جائیں عجائب خانہ میں رکھی چیزوں سے متعلق دستاویزی فلموں کی گاؤں گاؤں میں نمائش کرنی چاہئے تاکہ عام دیہی لوگوں کو اپنے اعلیٰ ثقافتی میراث کا یا قدرتی وسائل کی بابت معلومات حاصل ہو سکیں۔ اس طرح متعلقہ عجائب خانہ سے ان کا لگاؤ پیدا ہوگا۔ باضابطہ اسکول تعلیم خدمات کی زیادہ سے زیادہ ہمت افزائی کرنی چاہئے۔ انسانی سرگرمیوں کے مختلف پہلوؤں پر ثقافتی اور دیگر شعبوں پر باضابطہ بین ریاستی تقریروں اور سیمینار کا انتظام کرنا چاہئے۔ اس لئے چند جدید ترین عجائب خانوں اور عجائب خانوں میں کام کرنے والے چند لوگوں کی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس منزل کی طرف کچھ پیش قدمی ہوئی ہے۔ یہ افراد اپنی سرگرمیوں کو تیز کر رہے ہیں اور ان کی سرگرمیاں مذکورہ سیمینار اور عجائب خانوں کی سیر کرنے والوں کے دلوں پہ تصور اجاگر میں معاون ثابت ہو رہی ہیں کہ وہ سب پورے ملک کے جز و لاینفک ہیں۔ انڈین میوزیم، برلا انڈسٹریل اور ٹکنالاجیکل موزیم، اکیڈمی آف فائن آرٹس وغیرہ دیہی لوگوں کے درمیان عجائب خانوں کی نئی تصویر پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں دیہی علاقوں میں عجائب بسیں بھیجی جاتی ہیں۔ ان بسوں میں ملک کے عظیم نوادرات ہوتی ہیں جو وادی سندھ تہذیب، جنوبی ہندوستانی نوادر، شمالی مشرقی ہندوستان کے پھول پودے اور جانور، مشرق کی اور جزائر انڈمان کے اُونجے، جاروان اور انڈمانوں کی لوک ثقافت کی جھلکیاں پیش کرتی ہیں۔ اس سے ایک بات سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے کہ مختلف شکلوں میں ہندوستانی ثقافت ایک ہے۔

ہندوستان کے چند موجودہ قبائلیوں کی معاشی سماجی سرگرمیوں کی بابت ڈرامے تیار کر کے انھیں عوام کے سامنے اسٹیج میں یا فلم کی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ سامعین کچھ حد تک ان سے مستفید ہو سکیں۔ بلاشبہ چند ریاستوں نے اس سلسلہ میں پیش قدمی کی۔ ان ریاستوں نے ملک کے بڑے بڑے عجائب خانوں کی ساتھ چند قبائلیوں کی زندگی، ان کا رہن سہن اور ثقافت کی فلمیں تیار کی ہیں۔ اگر ایسی فلموں کی باضابطہ نمائش کی جائے تو ایسی فلمیں دیکھنے والوں کے دلوں میں قومی یکجہتی کا جذبہ بیدار ہوتا جائیگا اور مستحکم ہوتا جائیگا۔ چونکہ فلمیں بہت ہی مقبول ذریعہ ہوتی ہیں اس لئے دیہی عوام کے درمیان ایسی فلموں کی نمائش سے خاطر خواہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ ان باتوں کے پیش نظر چند ریاستوں کے شعبۂ نشر و اشاعت نے بلاک سطح پر قومی نوعیت کی دستاویزی فلمیں تیار کرنا شروع کر دی ہیں یہ بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن فلموں کے لئے منتخبہ موضوعات کی نوعیت علاقائی نہ ہونی چاہئے، بلکہ یہ قومی نوعیت کی ہو۔

باقی صفحہ ۲۲ پر

معاشی آزادی کا سراب

از:۔ شنکر رائے

۴۳ سال قبل جب ہندوستان آزاد ہوا تھا تو اس وقت کسی کے ذہن میں یہ بات پیدا نہیں ہوئی تھی کہ اگر اقتصادی ترقی کے لئے قومی جوش و خروش میں معاشی آزادی کا تصور ماند پڑ جائے تو سیاسی آزادی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ لہٰذا گزرے برسوں میں جنھوں نے سرمایہ دارانہ نظام کے خطرات سے لوگوں کو آگاہ کیا تھا وہ اس بات کو سمجھ نہ پائے کہ سرمایہ دارانہ نظام کی خامیاں سماجی لحاظ سے اتنی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے جب ۱۹۵۶ء میں صنعتی پالیسی قرارداد نافذ کی گئی تو اس وقت حالانکہ پبلک سیکٹر منصوبہ بندی نمونہ بھی زیر تکمیل تھا ان دونوں میں بہت سی باتیں بھی آئیں تھیں اور اس عہد میں ہند۔ روس اور ہند چینی دوستی کو بھی کافی فروغ حاصل ہوا تھا لیکن آج ۱۹۵۶ء کی دستاویز کی اصولی باتوں کو حکمراں طبقہ نے بالکل فراموش کر دیا۔ اس سلسلہ میں شری آر۔ سی۔ دت، سابق آئی۔ سی۔ ایس اور سکریٹری، حکومت ہند، یوں رقمطراز ہیں: "حقیقت یہ ہے کہ سماجی انصاف کے مفاد کے پیش نظر منصوبہ بند ترقی کے راستہ کو حالیہ برسوں میں چھوڑ دیا گیا ہے، حالانکہ اس منصوبہ بندی میں عوامی سیکٹر پر زیادہ زور دیا گیا تھا اور پرائیویٹ سیکٹر پر کڑی نگرانی رکھنے کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ اس کی جگہ زیادہ نفع کی بنیاد پر پیداوار میں اضافہ کے اصول کو اپنایا گیا۔ اس بات کو پیش نظر لازمی چیزیں پیدا کرنے کی جگہ وسائل کو وسیع پیمانے پر مختلف چیزوں کی تیاری کے لئے بروئے کار لایا گیا ہے۔ اس طرح لازمی چیزوں کی کمی ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی پرائیویٹ تاجروں نے اپنے اسٹاک کی مدد سے بازاروں میں ان چیزوں کی قیمتوں میں بلا روک ٹوک اضافہ کیا۔ اس طرح افراط زر کا دباؤ پیدا کیا گیا اور اس کی وجہ سے عام لوگوں کو کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی صورت حال میں بہتری لانے کے لئے اس آسان طریقہ کو اپنایا گیا کہ ایسی چیزوں کی درآمد کی جائے۔ منصوبہ بند طریقہ سے پیداوار پر زور دینے کی وجہ سے مشینیں اور خام اشیا اور دیگر ضروری ساز و سامان کی فراہمی پر ہی زور دیا جاتا تاکہ پیداوار میں اضافہ کے سلسلہ کو برقرار رکھا جا سکے۔ اسی طرح جدید ترین مشینیں درآمد کی گئیں حالانکہ درآمد کرنے سے قبل اس بات پر غور نہیں کیا گیا کہ آیا یہ درآمدات ہندوستان کی ضرورتوں کو پورا کریں گی؟"

شری آر۔ سی۔ دت حکومت ہند کے صنعتی شعبہ کے سکریٹری تھے، انھوں نے اپنے وقت میں حکمراں پارٹی کی خواہشوں کا بہت ہی قریب سے مطالعہ کیا لیکن آج منصوبہ بند ترقی کے تصورات کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم شری جواہر لال نہرو نے منصوبہ بند ترقی کا کام شروع کیا تھا لیکن ان کی بیٹی شریمتی اندرا گاندھی کے دور میں ان تصورات کو مٹا دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ شریمتی گاندھی یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ وہ نہرو کی معاشی پالیسی پر کاربند ہیں۔

ہندوستان کی معیشت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس خطرناک راستے کو نظرانداز کرنا مشکل ہے جس پر حکمراں طبقہ گامزن ہے یعنی ایک ایسا راستہ جو ملک کو نوآبادیاتی استحصال کا شکار بنا دیتی ہے۔ آج ہندوستان میں ۱۵ صنعتی گھرانے ہیں جن کے اثاثہ کی مالیت ۴۰ کروڑ روپئے سے زیادہ ہے جب کہ ۱۹۶۵-۶۶ء میں ایسے صرف ۹ گھرانے تھے اور جن کے اثاثہ کی مالیت ۵ کروڑ روپئے تھی۔ اجارہ داری کی ترقی سے خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی۔ کم از کم ۴۴ صنعتی گھرانے جیسے آئی سی آئی گروپ، ہندوستان لیور، انڈین المونیم، یونین کاربائیڈ، سینڈوز، گلیکسو انڈیا، سیمنس، بابکاک اور ولکاکس لمیٹڈ، [illegible] الائیڈ کارپوریشن کے زیر انتظام ہیں ۷۰ء کے دو برسوں میں اجارہ دار بن چکے ہیں۔ چنانچہ اب ایک ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کو یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں کہ غیر ملکی سرمایہ نوآبادکاری کا اہم ہتھیار ہوتا ہے اور یہی معاشی آزادی کی کامیابی کی راہ میں سب سے بڑا سد راہ ہوتا ہے۔ شری آر سی دت نے جن خدشات کا ذکر کیا تھا وہ غیر ملکی سرمایہ کے اضافہ اور دونوں پر بیک وقت غور کرنا چاہئے ۱۹۵۶ء کی صنعتی پالیسی قرارداد کو اب عملی طور پر ترک کر دیا گیا اور اس کی جگہ ۱۹۸۰ء میں موجودہ حکومت نے نئی صنعتی پالیسی رائج کی۔ غیر منصوبہ بند ترقی اور معیشت کو پوشیدہ طور پر غیر ملکی سرمایہ کے لوٹ کھسوٹ پر چھوڑ دینا یہ تمام باتیں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ ان سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بھی کوشش کی جا رہی ہے کہ [illegible] ریسٹرکٹیو ٹریڈ پریکٹیسیز کمیشن (اجارہ داری کی روک تھام کا کمیشن) بھی خاطر خواہ طریقہ سے اپنے فرائض انجام نہ دے سکے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گزشتہ [illegible] اجارہ داروں کی

تو پالیسی میں وہ نئی بات ہوا اس سلسلہ میں یہاں مشہور ماہر اقتصادیات اور
ایم آر پی سی کے ایک سابق ممبر کی باتوں کو درج کرتا ہوں۔ "جب مسز اندرا گاندھی کا ذکر آتا ہے
تو یہاں یہ کہا جاتا کہ انھوں نے بائیں خیالات کے کام کو آگے بڑھانے میں اپنے والد نہرو سے
بھی زیادہ بہتر اقدامات کئے۔ یہ سو کر ہمیں حیرت ہوتی ہے۔ اگر ایسا بیان ۱۹۷۱ء یا
۱۹۷۲ء میں دیا جاتا ہے تو اسے درگزر کیا جا سکتا ہے لیکن ۱۹۸۲ء میں ایسی
باتیں کہنی تمام منطقوں سے بالاتر ہے خواہ یہ صنعتی لائسنسنگ پالیسی ہو یا اجارہ داری اور
غیر ملکی سرمایہ کی بابت پالیسی ہو یا سماج کے غریب ترین طبقوں کو منصوبہ بند طریقہ سے
امداد کی فراہمی ہو ان تمام اقدامات کے سلسلہ میں اندرا گاندھی کی حکومت کا ریکارڈ غیر سوشلسٹ
ہے۔ بلاشبہ اگر ہم ان کے علانات اور تقریروں کو پیش نظر رکھیں تو بہت سارے طریقہ سے وہ
ترقی پذیر اور سوشلسٹ نظر آتی ہیں لیکن ان کی موثر پالیسی کیا ہے؟ ہاں، بنکوں کو قومیایا
گیا لیکن اس سلسلہ میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سماجی حکمت عملی کا بہتر اقدام سے کہیں زیادہ
عمر والے لیڈروں کو شکست دینے کے لئے اندرونی پارٹی تنازعہ کا ہتھیار ہے یہ حقیقت
ہے کہ اس سے قبل جب ایسے اقدامات کی بابت کابینہ میں گفت و شنید ہوئی تھی تو انھوں نے
اس اقدام کی تائید نہیں کی تھی۔ دت کمیٹی کی رپورٹ کے پیش نظر صنعتی پالیسی میں جو تبدیلیاں ہوئیں
اور ایم آر ٹی پی ایکٹ جسے منظوری دی گئی، ان دونوں کی بابت یہ خیال کیا گیا تھا کہ یہ پرائیویٹ
صنعتی طاقت کو مرکوز ہونے نہیں دیں گے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان اقدامات کے شروعات ہوتے ہی انہیں
بے اثر بنانے کے لئے کوششیں کی جانے لگیں" (ایچ۔ کے۔ پرانجپے۔ ایک مضمون 'مینسٹریم' رسالہ۔
۲۹ مئی ۱۹۸۲ء) ہو سکتا ہے کہ پرانجپے کے خیالات اندرا گاندھی کے خیالات سے مختلف ہوں،
لیکن میرا مقصد یہ نہیں کہ یہ موازنہ اندرا گاندھی یا مرارجی دیسائی کی نشاندہی کی جائے۔ میں
روبہ تنزل ہونے والی معیشت کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کس طرح تنزلی کی طرف جا رہی ہے۔
جب مرارجی دیسائی نے اپنے رولنگ پلان کا ذکر کیا تو اس وقت بہت سارے لوگ اس بات کو
فراموش کر چکے تھے کہ ۱۹۶۶ء میں ترقیاتی سرگرمیوں میں کمی ہو گئی تھی یہاں تک کہ تین سالانہ منصوبوں
نے چوتھے منصوبہ کو اپنا لیا۔ چوتھے اور پانچویں منصوبوں کے دوران ہمارے عالم فاضل ماہرین
معیشت نا مناسب بات کا تجزیہ کرنے کے لئے کہ منصوبہ بند معاشی ترقی کے لئے [illegible] نمونہ کو یا امید افزا
نمونہ کو اپنایا جائے [illegible] کیا [illegible] لیکن
منصوبہ کے سلسلہ میں شکوک و [illegible] پوشیدہ رکھنے کا بہانہ تھیں۔
[illegible] سماجی اغراض و مقا[illegible]
[illegible]
[illegible]

اس (صنعتی پالیسی) نے ہندوستان کی پرائیویٹ صنعت کو برسوں میں بہت زبردست
سہارا دیا۔" (ہاشم چودھری۔ ہندوستان میں پرائیویٹ معاشی طاقت، نئی دہلی ۱۹۷۶ء،
صفحہ ۱۵۲) دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حکمراں طبقہ نے اپنے طبقاتی فرائض کو
پیش نظر رکھتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا کہ سرمایہ داری کو نا مساعد مشکلات کا سامنا کرنا نہ پڑے۔
شاید ہندوستانی ساتھ ہی غیر ملکی صنعت کار یہ بات سمجھ نہ سکے کہ حکمراں پارٹی نے کتنی
شاطرانہ چال چلی ہے اس لئے ان لوگوں نے دوسرے منصوبہ اور آئی پی آر ۱۹۵۶ء کے
خلاف احتجاج کیا تھا لیکن بہت ہی جلد صنعت کاروں کو یہ بات معلوم ہو گئی سوشلسٹ طرز
کے اعلانات صرف نعرہ تھے جب ۱۹۶۲ء میں انڈین چیمبرس آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے
فیڈریشن کی میٹنگ ہو رہی تھی تو اس وقت شری تلسی داس کیلاچند نے ایک معاشی پالیسی کی
تجویز پیش کی کہ "کاروباری طبقہ کو حکومت کے سوشلسٹ اغراض و مقاصد سے مکمل طور پر
اتفاق ہے، اور کاروباری طبقہ اور حکومت کے درمیان کسی قسم کے بنیادی یا تصوراتی
فرق نہیں ہے۔" (ہند، ۲۵ مارچ ۱۹۶۲ء)

جب ۱۹۶۰ء کے شروع شروع میں ہم نے اجارہ داروں کی تعداد میں اضافہ ہوتے دیکھا
اور ایسا معلوم ہوا کہ ان کے ہاتھوں زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھا ہوتی جا رہی ہیں تو ہم پریشان
ہو گئے اس بات کو سمجھ نہ سکے کہ آئی پی آر ۱۹۵۶ء کے باوجود ایسا کیسے ہو سکا، لیکن حکمراں
طبقہ اور صنعتی سورماؤں نے آپس میں سمجھ بوجھ کر لی تھی کہ بڑے صنعتی گھروں کی تعداد میں بلا
روک ٹوک اضافہ ہوتا رہے۔ مختلف شکلوں میں تقسیم ہونے کے باوجود معیشت کو دولت
پیدا کرنے والی پالیسی اور مٹھی بھر صنعت کاروں اور وہی امیروں نے جس کا بہت بڑا حصہ ہڑپ کر لیا اور
لاکھوں عام لوگوں کے لئے برائے نام کچھ حصہ چھوڑ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں لوگ غربت کی
غار میں چلے گئے تقریباً ۵۰ فی صد سے زیادہ لوگ غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح پر زندگی بسر
کر رہے ہیں۔ اس طرح بے روزگاروں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ صرف
رجسٹر شدہ بے روزگاروں کی تعداد ۵ء۱ کروڑ کے قریب ہے۔ بدعنوانی کا دائرہ بھی بڑھ
گیا ہے۔ اس طرح معاشی آزادی کا تصور بھی مٹتا جا رہا ہے۔ لیکن کیا اس کی وجہ سے ہماری
سیاسی آزادی کو خطرہ لاحق نہیں ہوتا؟ ۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو اپنی ایک نشست میں انسانی حقوق کے عالمی اعلانیہ کو اپنایا تھا۔ اس اعلانیہ کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کے مختلف ملکوں کے تمام لوگوں کی کامیابی کے لئے ایک مشترکہ معیار دیا جائے۔ ایک بنیادی انسانی حق تو کام کرنے کا حق ہے۔ بہت سارے سرمایہ دارانہ ملکوں کے دستوروں میں اور انسانی حقوق پر بہت سارے بین الاقوامی معاہدوں میں اس حق کا ذکر ہے۔ اب سرمایہ دار ملکوں میں حق تلفی کی جا رہی ہے اور اس کا ثبوت حال ہی میں شائع شدہ بے روزگاری کی بابت اعداد و شمار سے ملتا ہے۔

ہندوستان کے دستور میں بہت سارے حقوق کو جنھیں تمام آزاد لوگوں کے بنیادی حقوق تصور کرنا چاہئے، نافذ العمل حقوق کی طرح کوئی مقام نہیں دیا گیا۔ اگرچہ ہندوستان کا دستور، شاید طویل اور بہت ہی جامع لکھا ہوا دستور ہے اور اس میں اتنی ساری گنجائشیں رکھی گئی ہیں جن سے سیاسی شعور کے لوگوں کی زندگی کے تمام پہلو اثر انداز ہوتے ہیں، لیکن یہاں بھی نافذ العمل دفعہ کی طرح کام کرنے کے حق کا ذکر نہیں ہے۔ ریاستی پالیسی کے رہنما اصول میں اس کا یوں ذکر کیا گیا ہے۔

"ریاست، اپنے معاشی اور ترقیاتی حدود کے اندر رہتے ہوئے کام کرنے، تعلیم حاصل کرنے اور بے روزگاری، ضعیفی، بیماری اور معذوری وغیرہ کے کیسوں میں عوامی امداد فراہم کرنے کے لئے موثر گنجائش رکھے گی۔"

یہ ریاستی پالیسی کے رہنما اصولوں میں سے ایک ہے، لیکن یہ نافذ العمل بنیادی انسانی حق نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ان رہنما اصولوں میں بہت سارے دیگر حقوق کو بھی شامل کیا گیا ہے اور دستور کے ۲۳ویں سال کے موقعہ پر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تقریباً تمام رہنما اصول نیک خواہشات بن کر رہ گئے کیونکہ کسی نے بھی انھیں پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی کوششیں نہیں کیں۔ اگر آپ کام کرنے کے حق کے اصول، جیسا کہ رہنما اصول میں ہے، کی بدحالی پر غور کریں تو آپ کو یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوگی کہ دستور سازوں نے کم از کم رہنما اصولوں کے باب کے سلسلہ میں کتنی غیر حقیقت پسندی کا ثبوت دیا۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دستور سازوں نے عملی طور پر ہندستان کے لوگوں کے اس اہم ترین اور بنیادی انسانی حق کو نظر انداز کر دیا۔

اگر آپ اس تصویر کے دوسرے رخ کو دیکھیں تو آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ جہاں بنیادی انسانی حق کو فراموش کر دیا گیا وہاں جائیداد رکھنے کے حق کو۔ مالدار لوگوں کے جائیداد رکھنے کے حق کو، خواہ انھوں نے یہ جائیداد کیسے حاصل کی ہو — دستور میں جگہ دی گئی۔

کام کرنے کے حق کی قانونی ضمانت اس حق سے متعلق سماجی تعلقات کے قانونی اور اخلاقی نظام میں نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر ہندستان کے ساتھ ساتھ ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں میں، جہاں کام کرنے کے حق کی ضمانت دی گئی ہے، یہ حق عملی طور پر، بے روزگاروں کی تعداد میں دن بدن لگاتار اضافہ کی وجہ سے، بے ثمر بن گیا۔ ای ای سی کمیشن کے شائع کردہ اعداد و شمار کے مطابق، جنوری ۱۹۷۵ء کے آخر میں کومن مارکیٹ (عام بازار) کے ملکوں میں بے روزگاروں کی مجموعی تعداد ۶۵ لاکھ تھی۔ بے روزگاروں کی تعداد فرانس میں ۱۸ لاکھ، اٹلی میں ۱۷ لاکھ، ایف آر جی میں ۱۱ لاکھ اور برطانیہ میں ۱۴ لاکھ تھی۔ یہ عدد اس سے گذشتہ مہینہ کے مقابلہ میں ۵ فی صد زیادہ تھی۔

یہاں یہ ذکر کیا جا سکتا ہے کہ ای ای سی کے ملکوں میں ۱۹۷۵ء کے شروع میں بے روزگاروں کی تعداد ۵۲ لاکھ تھی جو ۱۹۷۳ء

میں بے روزگاروں کی تعداد کی ڈگنی تھی۔ ممالک متحدہ امریکہ میں بیروزگاروں کی تعداد سرگرم آبادی کی ۶ فی صد تھی یعنی ۶۰ لاکھ تھی حالانکہ وہاں ۱۹۷۳ء میں بے روزگاروں کی تعداد ۴۲ لاکھ تھی۔ جاپان میں بے روزگاروں کی تعداد ۱۹۷۳ء میں ۰۰۰ ،۶۸ کے مقابلہ میں ۱۹۷۸ء میں ۱۱۴۰۰۰۰ ہوگئی۔ اسی طرح آسٹریلیا میں محنت کشوں کے ۵ ،۷ فی صد لوگ یعنی تقریباً ۵ لاکھ افراد بے روزگار تھے۔

برطانیہ میں شائع ہونے والے فنانشیل ٹائمس، باسلے میں اپلائیڈ اکونومک ریسرچ (عملی معاشی تحقیق) کے مرکز کی طرف سے کی گئی تفتیش سے حاصل کردہ اعداد و شمار کا ذکر کرتے ہوئے' یوں لکھتا ہے کہ مغربی یورپ میں امکانات کا خدشہ لاحق ہے کہ سنہ ۱۹۹۰ء تک کام کرنے کی عمر کے ایک کروڑ بیس لاکھ سے زیادہ لوگ بے روزگار ہو جائیں گے

اگر ان باتوں پر دو اور پہلوؤں سے غور کیا جائے تو صورت حال اور بھی ابتر نظر آئیگی۔ مشرقی یورپ کے ملکوں میں گرچہ مزدور عورتوں کی تعداد کل مزدوروں کی تعداد کی ۳۷ فی صد ہے تاہم مجموعی طور پر ان کی تعداد بے روزگاروں کی تعداد کا نصف ہے۔ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۸ء کے درمیان بے روزگار عورتوں کی تعداد ۶۰ فی صد' فرانس میں ۵۲ فی صد اور ایف آر جی میں ۱۵ فی صد تھی۔

سرمایہ دار ملکوں میں بے روزگاری کا سے نوجوان بُری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ معاشی تعاون و ترقی کے لیے تنظیم (او ای سی ڈی) کے ملکوں میں' ۲۵ سال سے کم عمر کے ۷۰ لاکھ لوگ بے روزگار ہیں اور ان میں یورپی معاشی برادری میں تقریباً ۲۰ لاکھ بے روزگار ہیں۔ گرچہ ان ملکوں میں مزدور نوجوانوں کی تعداد مزدوروں کی تعداد کی ۷۱ فی صد ہے۔ تاہم بے روزگاروں میں ان کی تعداد ۴۰ فی صد تک پہنچ گئی ہے۔ فرانس میں جہاں ہر سال ۶ لاکھ نوجوان مزدور بازار میں جاتے ہیں وہاں ان میں ۴۰ فی صد مزدوروں کو' جنکی عمر ۱۶ سے ۲۵ سال کے درمیان ہوتی ہے' کوئی کام نہیں ملتا۔ سویڈن میں بے روزگار نوجوانوں کی تعداد کل بے روزگاروں کے نصف کے برابر ہے۔

یہاں یہ ذکر کیا جا سکتا ہے کہ زیادہ تر مذکورہ بالا سرمایہ دار ملکوں میں کام کرنے کے حق کو دستوری ضمانت دی گئی ہے۔ لیکن ان لوگوں کی معاشی بنیاد اور سماجی تعلقات ایسے ہیں کہ یہ دستوری ضمانت

بھی شدید معاشی بحران' جس سے ساری سرمایہ دار دنیا دوچار ہے' کے سامنے کھوکھلی نظر آتی ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے انحطاط نے اس بنیادی حق کو' جسے قانونی ضمانت حاصل ہے' درحقیقت باطل کر دیا ہے بین الاقوامی مزدور دفتر کے جائیزہ کے مطابق سرمایہ دار دنیا کے سب سے امیر ملک ممالک متحدہ امریکہ میں لاکھوں افراد سرکار کی مقرر کردہ کم سے کم آمدنی سے بھی کم آمدنی پر اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ برطانیہ' امریکہ اور دیگر سرمایہ دارانہ ملکوں میں بے روزگاری امداد فراہم کی جاتی ہے۔ اس سے کچھ فائدہ ہوتا ہے' لیکن یہ اس مسئلہ کو' جو روز بروز دہشت ناک بنتا جا رہا ہے' حل کرنے میں ناکام رہا ہے۔

ہندستان میں بے روزگاری کی صورت حال بہت ہی خراب ہے۔ مندرجہ ذیل سرکاری میزان سے ہندستان میں بے روزگاری میں اضافہ کی رفتار عیاں ہو جائے گی۔

روزگار کی صورت حال

(اعداد ہزار میں)

بحالی

سال	رجسٹرڈ بے روزگاروں کی تعداد	سرکاری سیکٹر میں	غیر سرکاری سیکٹر میں	کل
۱۹۶۶	۱۸۳۳	۲۹۶۵	۴۰۲	۳۳۶۷
۱۹۷۱	۵۱۰۰	۳۸۶۲	۴۰۰	۴۲۶۲
۱۹۷۵	۹۳۲۲	۳۰۶۵	۳۰۲	۳۳۶۷
۱۹۷۶	۹۷۸۴	۳۶۶۷	۴۴۷	۴۱۱۴
۱۹۷۷	۱۰۹۲۴	۳۴۶۸	۳۹۷	۳۸۶۵
۱۹۷۸	۱۲۹۷۸	۳۴۰۶	۳۹۶	۳۸۰۲
۱۹۷۹				
جنوری	۱۳۱۴۸	۳۶۶۹	۳۶۸	۴۰۳۷
فروری	۱۳۲۸۲	۳۲۶۴	۳۶۱	۳۶۲۵

(اعداد و شمار ماہانہ اعداد و شمار رسالہ' حجم ۳۲ نمبر ۷ مرکزی اعداد و شمار تنظیم وزارت منصوبہ بندی' حکومت ہند)

اس کے معنی یہ ہوئے کہ فروری ۱۹۷۹ء میں بے روزگار لوگوں کی تعداد

میں چند لاکھ کا اور اضافہ ہوا۔ اس ایک کروڑ اور ۲۳ لاکھ میں صرف ۲/۳ لاکھ بے روزگاروں کے لئے روزگار فراہم کیا گیا۔ یہ تو سرکاری اعداد و شمار ہیں، غیر سرکاری اعداد و شمار اس سے کہیں زیادہ ہیں کیونکہ ہمارے ملک میں ہزاروں بے روزگار افراد ایسے ہیں جو اپنا نام تبادلۂ ملازمت کے دفاتر میں درج کرانا پسند نہیں کرتے اس ہولناک صورتحال کے باوجود حکومت ہند نے کبھی بھی یہ خیال نہیں کیا کہ کام کرنے کے حق کو دستور کے تحت دی گئی ضمانت کے پیش نظر رائج کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ خالی آسامیاں پیدا کرنے کیلئے مناسب معاشی اور سماجی اقدامات کئے جائیں۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں اس دستور کو اپنانے کے بعد سے اب تک مرکزی حکومت نے کم از کم چار درجن دستوری ترمیمات کیں، لیکن ان میں سے ایک بھی ترمیم بے روزگاروں کے لئے کام کرنے کے حق سے متعلق نہ تھی۔ نہ حکومت ہند اس بات پر غور کرتی ہے کہ رجسٹرڈ بے روزگاروں کو اس وقت تک بے روزگاری امداد دی جائے جب تک کہ انھیں مناسب روزگار فراہم نہ ہو جیسا کہ ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں میں کیا جاتا ہے۔

یہ مغربی بنگال کی واحد بائیں محاذ حکومت ہے جس نے سنہ ۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آنے کے بعد سے ہی اس سوال پر غور کرنا شروع کیا اور بے روزگاری بھتہ کی ایک اسکیم رائج کی۔ اس اسکیم کے تحت رجسٹرڈ بے روزگار لوگوں کو فی ماہ ۵۰ روپئے بطور بے روزگاری بھتہ دیئے جائیں گے۔ شروع شروع میں ۱/۲ ۱ لاکھ رجسٹرڈ بے روزگار نوجوان اس اسکیم سے مستفید ہوئے اور سرکاری اعلانیہ کے مطابق اس اسکیم کے تحت مستفید ہونے والوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

بہرحال سماجی نظریہ کا بھی ایک سوال ہے۔ کون زیادہ مقدس ہے۔ جائیداد رکھنے کا حق یا کام کرنے کا حق؟ جائیداد کے مالکوں اور امیروں کے جو آزادی کے بعد سے مرکز میں ہمارے ملک پر حکومت کر رہے ہیں، طبقاتی نظریہ یہ ہے، ملکیت کا حق بہت ہی مقدس ہوتا ہے اور کام کرنے کا حق ترتیب خواہشات اور سخاوت کا معاملہ ہے۔ لیکن دوسرے طبقہ یعنی مزدور طبقہ کے لئے کام کرنے کا حق ان کے اور ان کے اہل و عیال کی بسر اوقات کے لئے بنیادی شرط ہوتا ہے۔ اسی لئے عرصہ دراز سے ہندوستان کی ٹریڈ یونین تحریک کام کرنے کے حق کی مانگ کر رہی ہے۔ مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت نے جو محنت کشوں کی جد و جہد کے ذریعہ عالم وجود میں آئی اور جو محنت کشوں کی امیدوں اور تمناؤں کی علمبردار ہے، مزدوروں کی اس مانگ کو تسلیم کر لیا اور اپنی محدود صلاحیت کے اندر رہتے ہوئے، بے روزگاری امداد اسکیم رائج کی۔ اس طرح بائیں محاذ حکومت اور غیر بائیں محاذ حکومتوں کے درمیان نظریہ میں فرق بہت ہی نمایاں ہے اور یہ فرق اس وقت اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے جب چند اہم شخصیتیں معہ اس وقت کے وزیر اعظم نے یہ کہتے ہوئے اس اسکیم کا مذاق اڑایا کہ اس اسکیم ذریعہ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ بے روزگاروں کو بھکاریوں میں تبدیل کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے بنیادی نقطہ کو نظر انداز کر دیا یعنی کام کرنے کا حق ایک بنیادی انسانی حق ہے اور یہ ریاست کا فرض ہے کہ وہ بے روزگاروں کو اس وقت تک مالی امداد فراہم کرتی رہے جب تک کہ انھیں روزگار نہیں ملتا۔

سرمایہ دار ملکوں کے محققوں نے بھی لمبے عرصے تک بے روزگاری کے سماجی خطرہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ عمرانی اور طبی تحقیق کے کام کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اگر بے روزگاری کی صورت حال بہت دنوں تک قائم و دائم رہے تو اس کی وجہ سے اعصابی اور طبی مسائل رونما ہونے لگتے ہیں۔ انگریز ماہر عمرانیات ٹی فورسٹر اس نتیجہ پر پہونچے کہ بے روزگار لوگ بہت ہی شدید احساس کمتری میں مبتلا رہتے ہیں اور اس کی وجہ سے وہ باہری دنیا سے اپنا رشتہ ناطہ توڑ دیتے ہیں اور اس طرح وہ مطالعہ باطن کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مغربی جرمنی کا ہفتہ وار ریڈرشس چینیٹر سے یوں رقمطراز ہے کہ ہر دو بے روزگاروں میں ایک میں بزدلی کی علامتیں نمایاں ہوتی ہیں۔ امریکی طبی ماہر عمرانیات مسٹر ایچ برینر کے تیار کردہ اعداد و شمار کے مطابق بے روزگاروں کی تعداد میں ایک فی صدی کا اضافہ ہونے سے سارے ملک عام طور پر مرنے والوں کی تعداد ۹ء۱ فی صد قتل کے واردات کی تعداد ۹ء۰ فی صد نفسیاتی طور پر بیمار ہونے والوں کی تعداد ۳ء۴ فی صد بڑھ جاتی ہے۔ یہ باتیں تو ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں میں کئے گئے مطالعہ کے

نتائج ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں شاید ہی کسی منظم تحقیق نے اس قسم کے عمرانیاتی اور طبی مشاہدہ کیا ہو۔ اس لئے ایسے اعداد و شمار ہمارے ملک میں دستیاب نہیں ہیں۔ لیکن ہمارے ملک میں اس موضوع پر مطالعہ بھی نہیں کیا جاتا۔ اگر بڑھتی ہوئی سماج دشمن سرگرمیوں کا اس کے صحیح عمرانی تناظر میں اس کا جائزہ لیا جائے تو ہندوستان کے ہر شہری کو بے روزگاری کے براہ راست نتائج نظر آئیں گے۔

یہ تمام باتیں سرمایہ دار ملکوں میں نظر آتی ہیں لیکن سوشلسٹ ممالک ایک دوسری تصویر پیش کرتے ہیں۔ ایک سوشلسٹ سماج میں شہریوں کے لئے برسر روزگار ہونے سے قبل ہی، برسر روزگار رہتے ہیں، روزگار کے دوران اور قانونی تعلقات محنت، جن کے ذریعہ شہری سماجی کام میں حصہ لیتے ہیں، کام کرنے کا حق ایک قانونی اور سماجی ضمانت ہے۔

مثال کے طور پر مشرقی یورپ کے ایک سوشلسٹ ملک زیکوسلواک سوشلسٹ ریپبلک۔ میں کام کرنے کا حق شہریوں کا اہم سماجی حق ہے اور اسے بنیادی ریاستی قانون میں درج کر دیا گیا ہے۔ اس ملک کے دستور میں یہ بات درج ہے کہ تمام شہریوں کو کام کرنے کا حق حاصل ہے۔ (آرٹیکل ۲۱) "اس دستور کی دفعہ ۱۹ میں یہ بھی ذکر ہے کہ کام کرنا عوام کے مفادات کی خاطر ایک اہم فرض ہے اور کام کرنے کا حق ہر شہری کا اہم حق ہے۔

ان دستوری اصولوں کو قانونی محنت کی دفعہ ۱ میں بنیادی اصولوں کی طرح شامل کر لیا گیا ہے۔ نیز ان اصولوں میں کام کرنے کے حق کی حصولیابی کی گنجائش رکھی گئی۔ نیز یہ قوانین شہریوں کے جب وہ سماجی مزدور جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں، اس حق کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ قوانین ملازمت میں تبدیلی، اداروں کے ذریعہ جاری کردہ نوٹس وغیرہ سے متعلق ہیں، اور ان کا مقصد یہ ہے کہ کسی بھی ادارہ سے بلا سبب کسی بھی مزدور کو اس کے کام سے الگ کیے جانے کی مزاحمت کرنا ہے۔

چیکوسلوواک قوانین میں کام کرنے کے حق کے سلسلہ میں بہت ہی موثر قانون درج ہے۔ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ کاروباری اداروں اور دفاتر کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ بلا شدید وجہ مزدوروں کے ساتھ کیے گئے کام کرنے کے معاہدہ کو توڑ دیں، کیونکہ ایسے مزدوروں کی ضلع قومی کمیٹیوں کی اکزیکٹیو باڈیز کام کے سلسلہ میں سفارش کرتی ہیں اور یہ کمیٹیاں خالی جگہوں کو پُر کرنے کے لئے امیدواروں کی لیاقت کی جانچ کر لیتی ہیں۔

ماضی کے تمام سماجی نظام کے برخلاف سوشلسٹ سوسائٹیوں نے اپنے شہریوں کے لئے ایسے قوانین مرتب کئے ہیں جن کی وجہ سے ان کے کام کرنے کا حق انھیں ملتا ہے۔ اس حق کا نہ صرف رسمی طور پر سوشلسٹ مزدور قانونوں میں ذکر ہے بلکہ اس کے حصول کے لئے مادی ضمانت بھی دی گئی ہے، اور اس ضمانت میں پیداوار کے ذرائع کو سوشلسٹ ملکیت میں لانا، قومی معیشت اور اس کی ترقی کے لئے منصوبہ بند انتظامیہ، مزدور اور مزدور تعلقات کی سماجی خصوصیات، سماجی مزدوری کے تقابل کی تقسیم کا سوشلسٹ نظام وغیرہ شامل ہے۔

ان باتوں کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سوشلسٹ ملکوں میں کام کرنے والے تمام افراد برسر روزگار ہو جاتے ہیں اور ۸۵ فی صد عورتیں بھی برسر روزگار ہوتی ہیں۔

اس طرح سرمایہ دار ملکوں اور سوشلسٹ ملکوں کی مذکورہ عملی مثال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کام کرنے کے قانونی حق کو موثر اور عملی انسانی حق بنانے کے لئے سماجی اور معاشی ڈھانچہ تیار کرنا ایک لازمی فرض بن جاتا ہے۔ لیکن اس قسم کی بنیادی سماجی اور معاشی تبدیلی کی منزل ابھی کافی دور ہے اور اس منزل تک پہونچنے سے قبل ہمارے ملک کے مزدور طبقہ کی بے روزگاری امداد کی فوری مانگ ہے۔ آنے والے دنوں میں ہندوستانی مزدور طبقہ کو اس دستوری حق حاصل کرنے کے لئے بہت ہی طاقتور تحریک کی تعمیر کرنی ہوگی، ساتھ ہی انھیں بنیادی سماجی اور معاشی تبدیلی لانے کے لئے جدوجہد بھی جاری رکھنا ہوگی۔

ہندوستانی دستور مرتب کرنے والوں نے جب دستور مرتب کیا تھا تو اس وقت اس معاملہ میں انھوں نے مزدور طبقہ کے نظریہ کی رہنمائی حاصل نہیں کی تھی اور نہ ایسا کرنا ان کے لئے ممکن تھا کیونکہ سب کے سب مالدار طبقہ کے نمائندے تھے اور اس لئے موجودہ حالات میں دستور مرتب کرنے والوں نے جو جگہ خالی چھوڑی تھی، اسے پُر کرنے کے لئے مزدوروں اور محنت کشوں کو ذمہ داری لینی ہوگی۔

ہماری ۹۰ فیصد فلمیں عشقیہ ہوتی ہیں اور انمیں بچپن کی گنجائش صرف اس حد تک ہوتی ہے کہ ہیرو اور ہیروئن کو بچپن ہی سے عشق کرتا ہوا دکھایا جائے۔ مثلاً "میلہ" "دیدار" "لیلیٰ مجنوں" "شیریں فرہاد" یا دیوداس وغیرہ۔ بعض پرانی سماجی فلموں میں جیسے کہ درد ۔ بچپن بالغ پن کے بوجھ تلے دبا ہوا نظر آتا ہے۔ گرچہ میلہ اور دیوداس میں اچھی ہدایت کاری کے ہاتھوں بچپن کی کچھ اچھی جھلکیاں ملتی ہیں لیکن انھیں بچے کہانی کا مرکز نہیں بلکہ ابتدائی مرحلہ ہیں۔ جب پارلیمنٹ نے ہندو کوڈ بل پاس کیا تو طلاق کے مخالف فلمسازوں نے ایسی بے شمار فلمیں بنائیں جن میں بچپن کو جھگڑالو ماں باپ کے درمیان پُل بنا کر پیش کیا گیا۔ اِن فلموں میں ایرانی بہنوں (یعنی ڈیزی ایرانی اور نارد ایرانی) نے اپنے معصوم لبوں سے بالغ مکالمہ نویسوں کے فلسفے کو دُہرا کر بڑی مقبولیت حاصل کی۔

جب بچوں کی فلموں کے لئے سرکاری انعاموں کی اسکیم شروع ہوئی تو کئی بڑے فلمسازوں نے بچپن پر مرکوز فلمیں بنائیں جیسے خواجہ احمد عباس کی مُنّا اور شانتارام کی طوفان اور دیا۔ لیکن ۱۹۵۲ء کے بین الاقوامی فلم فیسٹول میں جب پہلی بار ننگی اور بیہودہ فلمیں دیکھنے میں آئیں تو فلمساز تشدد، دہشت جنسیت اور جرائم سے بھرپور فلمیں بنانے لگے اور ایک عرصے تک بچپن فلموں سے غائب رہا۔ گرچہ بعض سماجی فلموں میں گھر اور گھریلو زندگی لوٹ آئیں مگر بچپن پھر بھی فلموں کا موضوع نہیں بن سکا۔ چاچا نہرو کے بچوں کے عالمی سال میں صرف ایک فلم بچپن سے متعلق بنی اور وہ تھی ملیالم میں۔

لیکن تاریخی نقطۂ نظر سے یہ بات دلچسپی کی ہے کہ ہماری پہلی مکمل فیچر فلم یعنی دادا صاحب پھالکے کی راجہ ہریش چندر میں بچپن پہلا بچے کا کردار نظر آتا ہے۔ پھالکے کی دوسری فلم ہوری کی پوری بچپن کے بارے میں ہے۔ لیکن یہ کوئی عام بچپن نہیں۔ یہ بلکہ کرشن جی کا بچپن ہے۔ ننھے کرشن جی کا رول پھالکے کی بیٹی منداکنی نے کیا تھا۔ خاموش فلموں کے زمانے میں ہمیں زیادہ تر دھارمک بچپن ملتا ہے۔ کرشن جی، رامچندر جی، سنت دیانیشور وغیرہ۔ پربھات کی سنت دیانیشور اپنے زمانے کی کامیاب ترین فلموں میں سے تھی۔

آزادی کے بعد [illegible] دو بنگالی فلموں نے بچپن کو موجودہ سماج کے پس منظر میں پیش کر کے فلمسازوں کو بچپن کی تصویر کشی کا راستہ دکھایا۔ ایک تھی "[illegible] ماں" جس میں تربیتی پہلو کو اُبھارا گیا۔ دوسری تھی بابلہ جس میں بچپن، ممتا سے محروم بچپن کی جدوجہد کو سرمایہ دار سماج کی ایک بدنصیبی کے طور پر اُجاگر کیا گیا۔ لیکن بمبئی میں بنی فلموں کو زیادہ شہرت ملی، مثلاً راج کپور کی بوٹ پالش اور اب دلی دور نہیں، عباس کی مُنّا، شانتارام کی طوفان اور دیا اور دتّا رام اودھیکاری کی ننھے مُنّے۔ آخری فلم بن ماں کے چار بچوں کی دل دہلا دینے والی کہانی تھی۔ لیکن فلمساز جلد ہی بچپن کو فلسفہ چھانٹنے اور اپدیش دینے کے لئے استعمال کرنے لگے۔ ایسی فلموں میں جاگرتی اور طلاق شامل ہیں۔ لیکن اے وی ایم نے تو بچوں کے ڈھانچے میں بچوں کی برادری کا ایک اچھا خاکہ ایک ایسی فلم میں پیش کیا جس کا نام خود اسکی تشریح تھا یعنی — ہم پنچھی ایک ڈال کے۔ اسکے بعد نونہال اور دو کلیاں بنی جن میں بچپن

کو موجودہ سماج کی تاریکیوں کے پس منظر میں دکھایا گیا۔ اسطرح کا تاثر چیتن آنند کے "آخری خط" ممتا کی بید کی "ننھا فرشتہ" وغیرہ جیسی فلموں میں بھی ملتا ہے۔

لیکن بچے کی شخصیت کو حقیقی روپ میں پیش کرنے کا سہرا بمل رائے کے سر ہے۔ پہلے "دو بیگھہ زمین" میں اور پھر "کابلی والا" میں بمل رائے نے بچپن کی معصومیت اور مسکینی کے دونوں رنگ پیش کئے ہیں۔ دو بیگھہ زمین کے ساتھ ہی ایک اور فلم بنی تھی رمیش سہگل کی شکست جس میں بچے کے کردار کو بڑی خوبی سے پیش کیا گیا تھا۔ جیسے جیسے فلمسازوں کو پتہ چلتا گیا کہ بچپن کو فلموں میں پیش کرنا کٹھن کام ہے، ویسے ویسے وہ ننگی ہیروئنوں اور پستول والے ویلنوں کے پیچھے چھپنے لگے۔ لیکن ایسے عالم میں کامیڈین محمود نے ایک معنی خیز اور مقصدی فلم کنوارا باپ بنائی جس میں پولیو کا شکار بچپن دکھایا گیا۔ بچپن اور غریبی اور بچپن اور محرومی گرچہ ہماری فلموں میں پیش ہوتی رہی ہیں لیکن فرق صرف یہ ہے کہ بمبئی میں فلم "دوستی" کے روپ میں بچپن گداگری کے آئینہ میں دیکھا جاتا ہے تو ملیالم سینما میں تلا بھرم میں ہمیں وہ سماجی نابرابری کی اندوہناک تصویر کے روپ میں ملتا ہے لیکن یہ ملیالم فلم سماجی احتجاج کی فلم تھی جسکا بچپن ایک حصہ تھا۔ لیکن اسی ڈائرکٹر کے ایس سیتھو مادھون نے تیرتھ یاترا نامی فلم میں بھٹکے ہوئے بچپن پر زیادہ گہرائی سے نظر ڈالی ہے اور دکھایا ہے کہ بغیر باپ کے اولاد کیسے بھٹک سکتی ہے۔

کنڑا زبان کی دو فلموں یعنی گریش کرناڈ کی کاڈو (جنگل) اور گریش کسروالی کی گھٹاشردھا میں بچپن کی دوالگ جھلکیاں ہے۔ اِن فلموں میں بچہ ایک معصوم گواہ ہے جس کے سامنے زندگی کا ہولناک تماشہ ہوتا ہے۔ نہ ہی کاڈو کا بچہ یہ جانتا ہے کہ گاؤں میں خون کیوں بہایا نہ ہی گھٹاشردھا کا بچہ سمجھتا ہے کہ

اُس کی دیدی کا سر کیوں مونڈ دیا گیا۔ لیکن ہر دو فلموں کے آخری منظر میں بچے کے آنے سے فلم کی طاقت اور رنگ کے معنی میں ایک نئی جان پڑ جاتی ہے۔

ہندوستانی سنیما نے ہندوستانی بچپن کے جتنے بھی روپ پیش کئے ہیں۔ انمیں سے سب سے گہرا اثر چھوڑنے والے روپ ہیں، بمل رائے کے کابلی والا کی "منی"، محبوب کے سن آف انڈیا کا کنول اور ستیہ جیت رائے کی پتھر پنچالی اور اپراجیتو کا اپو۔

کابلی والا کی "منی" کا بچپن خوف، تعصب، محبت، تعلق، ہراسانی اور کشش کے مختلف جذبات سے دوچار ہوتا ہے ایک بھاری بھرکم پٹھان چھوٹی سی "منی" کے روپ میں اپنی بیٹی آمنہ کو دیکھتا ہے اور اجنبی سماج میں اپنی ایک ذاتی دنیا بنالیتا ہے۔ بالغ تعصبات اُس سے یہ دنیا اور "منی" سے اُسکی اپنی دنیا چھین لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ "منی" اس دنیا کو اپنی ننھی باہوں میں بچائے رکھتی ہے۔ لیکن وقت اِن کمزور ہاتھوں سے اُسکی دنیا چھین لیتا ہے۔ بمل رائے کی "منی" کابلی والا کا سہارا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ وقت اور فاصلے پر قابو پالیتا ہے اور آمنہ سے دوری کو نزدیکی میں بدل لیتا ہے۔ "منی" کا جوان دُلہن بن کر عبدالرحمٰن کابلی کے سامنے آنا اور اُسے نہ پہچاننا ہی اِس فلم کی بنیادی بات ہے۔ کیا آمنہ عبدالرحمٰن کو پہچانے گی؟ ایک معصوم بچپن اپنے باپ کی شفقت سے محروم گذر گیا۔!

محبوب کی سن آف انڈیا کا بچپن شہروں کی بے راہی میں گذرنے والا بچپن ہے۔ محبوب نے بے سہارا بچپن کی ہی تصویر نہیں پیش کی بلکہ یہ بھی دکھایا ہے کہ ماں باپ کے لڑنے کا بچے پر کیا اثر پڑتا ہے۔ آج کل شہری جرائم میں بچوں کا حصّہ بڑھتا جارہا ہے۔ محبوب نے سن آف انڈیا میں بڑی ہی قوت کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ اولاد پیدا کرنا عبث ہے

اُبلنا ایک فرض ہے، لیکن تربیت کرنا ایک کارنامہ ہے اور یہ کارنامہ اُس ملک کی اَن پڑھ مائیں صدیوں سے انجام دیتی آرہی ہیں۔

ستیہ جیت رائے کی پتھر پنچالی اور اپراجیتو دو الگ فلمیں ہیں لیکن دونوں ایک ہی بچپن کی کہانی ہے۔ اس بچپن کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے میں ایک اہم بات بتانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ ستیہ جیت کی بیشتر فلموں میں کوئی نہ کوئی بچہ ضرور ہوگا "پتھر پنچالی"، "اپراجیتو"، "اپور سنسار"، "پرش پتھر"، "دیوی"، "کنچن جنگا"، "جوائے بابا"، "شطرنج کے کھلاڑی" اور "پیکو" جو کہ سر تا سر ایک بچے کی دنیا ہے۔ لہٰذا بچپن کی بعض بہترین تصویریں ہمیں ستیہ جیت کی فلموں میں ملتی ہیں۔ پتھر پنچالی میں اپو اور درگا کی تنگدستی دیکھنے والے محسوس کرتے ہیں۔ لیکن اپو اور درگا اُس سے بیگانہ ہیں اور زندگی اور قدرت کے ہر لمحے سے وہ لطف اُٹھاتے ہیں جو اُن کے بچپن کا حق ہے۔ ۱۹۵۵ء تک ہندوستانی سنیما کی پوری تاریخ میں ایسا بچپن نظر نہیں آیا تھا۔ دُرگا کا بارش میں بھیگ کر بیمار پڑنا میری رائے میں ہندوستانی سنیما کا واحد منظر ہے جس میں ہمیں اس ملک کے بچپن کی سب سے دردناک تصویر ملتی ہے۔

اپراجیتو میں اپو اکیلا رہ جاتا ہے۔ بڑے مکان، بڑے شہر میں گھومتا ہے۔ کسی نے شاید غور نہیں کیا، لیکن مجھے بار بار خیال آتا تھا کہ کاش دُرگا بھی بنارس میں اپو کے ساتھ ہوتی۔ بچپن کا تجسس اپو کو بالغ دنیا کے نئے پہلوؤں اور منظروں سے گذارتا ہے اور جس طرح اپو نئی نئی دریافتیں کرتا ہے اسی طرح دیکھنے والا بھی نئی نئی دریافتیں کرتا ہے۔ شہر ننھے دماغ پر جادو کرتا ہے۔ جب اپو کی ماں گاؤں لوٹتی ہے تو اپو گاؤں سے وہ بندھن نہیں رکھتا جو پتھر پنچالی میں دیکھا جاتا ہے۔ وہ ایک سماجی عمل کا نشانہ بن جاتا ہے۔ ہندوستان کے بیسوں شہروں میں سینکڑوں اپو روز اسی عمل کا شکار ہوتے ہیں۔ اپو گاؤں میں رک نہیں سکتا۔ ماں اپنے دل پر پتھر رکھکر اسکا سامان باندھتی ہے اور جب وہ شہر چلا جاتا ہے تو ایک بیوہ ماں اور اسکے ننھے بیٹے کا ننھا دکھائی دینے والا تعلق دیکھنے والے کے دل کو نوچ لیتا ہے۔ ان دونوں فلموں میں دکھائی دینے والا بچپن بنارس یا بنگال تک محدود نہیں بلکہ ایک آفاقی نوعیت کا حامل ہے یہ دنیا ہے تلاش اور دریافت کی، جڑنے اور ٹوٹنے کی، پانے اور کھونے کی۔ ہم میں سے ہر ایک انسان زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے پر دُرگا کی طرح معصوم غلطی کرتا ہے اور اپو کی طرح بھٹکتا ہے۔ لیکن اس غلطی اور اس بھٹکنے کے بغیر ہم اس منزل تک نہیں پہنچ سکتے جسے بالغ دنیا کہا جاتا ہے اور جس میں بچپن کے حسن اور معصومیت کا کوئی مقام نہیں جس میں انسان جنگل کے قانون کا پابند ہو جاتا ہے۔

طبی یونٹوں کیلئے عطیہ

ریاستی حکومت نے دویکا اتنیلا سیوا سدن، خلیج ہگلی اور سماجی خدمات، کلکتہ کو، اپنے اپنے ہسپتال اور طبی یونٹوں کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے ۲۶ ہزار روپے بطور عطیہ دینے کی منظوری دیدی۔

فلسطینی تنظیم آزادی کی جدوجہد ہماری جدوجہد ہے

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

"فلسطینی تنظیم آزادی کی سامراجی ظلم وستم کے خلاف جدوجہد ہماری بھی جدوجہد ہے۔ مجاہد مغربی بنگال دنیا کے کسی بھی کونے میں سامراجیت کے خلاف جدوجہد کی ہمیشہ تائید کریگے۔"

گذشتہ ۳۱ اگست کو نیتاجی انڈور اسٹیڈیم کلکتہ میں فلسطینی تنظیم آزادی (پی ایل او) کے نمائندوں کے لئے منعقدہ ایک استقبالیہ میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنی صدارتی تقریر میں یہ باتیں کہیں۔

وزیر اعلیٰ نے پی ایل او کے دونوں نمائندوں جناب صادق الشفیع اور جناب عبدالکریم مصطفیٰ کو خوش آمدید کہا اور انہیں پھولوں کے ہار پہنائے۔ وزیر اعلیٰ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا "ہم لوگ صحیح معنوں میں پی ایل او مجاہدین کو اپنے درمیان دیکھ کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ہمارے ملک کے لوگوں کی ساتھ ہی مغربی بنگال کے عوام کی سامراجیوں کے خلاف جدوجہد کرنے کی ایک عظیم روایت ہے اور اس کے لئے انہوں نے کافی ذاتی قربانیاں دیں۔ ہم لوگ سامراجیت کے خلاف عوام کے ضمیر کو بیدار کرتے رہینگے اور انہیں سامراجیت کے خلاف جدوجہد کے لئے متحد کرتے رہینگے۔"

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا "سامراجی، خاص طور پر امریکی سامراجیت اور اس کے پیروکار عالمی جنگ کا خطرہ لاحق کرکے عالمی امن کو درہم برہم کرنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔ ممالک متحدہ امریکہ کی سامراجیت خطرناک ہتھیار، نیوکلائی بم اور دیگر اوزار مسلسل تیار کر رہی ہے۔ دنیا کے تمام امن پسند لوگ سامراجی ظلم وستم کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس لئے سامراجیوں کی جنگ کرنے کی کوششوں اور حکمت عسکری کو زبردست جوش وخروش کے ساتھ دبا دینا چاہیئے۔ اس لئے سامراجیت کے خلاف جدوجہد میں مشغول فلسطینیوں کی تائید اور مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔"

وزیر اعلیٰ نے اختتام میں اس بات کی وضاحت کی کہ پی ایل او نہ صرف اپنی آزادی کے لئے بلکہ ساری دنیا کے جمہوری عوام کے لئے سامراجیوں سے جنگ کر رہے ہیں۔

بائیں محاذ کمیٹی کے چیرمین شری پرمود داس گپتا نے پی ایل او کے نمائندوں کو پھولوں کا ہار پیش کیا اور انہیں کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (مارکسٹ) کی طرف سے ایک لاکھ روپے کا چیک پیش کیا۔ بائیں محاذ کے مختلف پارٹیوں کے سربراہ بھی اس جلسہ میں شریک تھے۔ پی ایل او کے نمائندوں کو اور بھی رقوم کی تھیلیاں اور دیگر انعامات پیش کئے گئے۔ وزیر اعلیٰ نے بائیں محاذ حکومت کی طرف سے پی ایل او کے نمائندوں کو ایک پیکیٹ پیش کیا جس میں ۵۰۰ کمبل اور ۲۰ خیمے تھے۔

اسی دن صبح کے ½ ۸ بجے پی ایل او کے نمائندوں کو گارڈن ریچ میونسپل دفتر میں استقبالیہ دیا گیا۔ اس علاقوں میں مزدوروں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس لئے ہزاروں کی تعداد میں مزدوران دونوں نمائندوں کو خوش آمدید کہنے کے لئے وہاں جمع ہوئے تھے۔ اسی روز ½ ۱۰ بجے دن کو ہوڑہ ٹاؤن ہال میں بہت ہی جوش وخروش کے ساتھ پی ایل او کے نمائندوں کا لوگوں نے استقبال کیا۔ ہوڑہ میونسپلٹی کے چیرمین شری اوکیندو داس نے ہوڑہ کے لوگوں کی طرف سے ۱۲۰۰۱ روپئے کی تھیلی پیش کی اور ہوڑہ ضلع کمیٹی کے سی پی آئی (ایم) کی طرف سے شری نریش داس گپتا نے ۴ ہزار روپئے بطور تحفہ پیش کیے۔

اسی دن ½ ۲ بجے سہ پہر کو پی ایل او کے نمائندوں کو پریس کلب کلکتہ میں اخباروں کی طرف سے استقبالیہ دیا گیا۔

پی ایل او کے نمائندہ جناب شفیع صاحب کا عزم

"ہماری مسلح جدوجہد جاری رہیگی جب تک کہ ہم فلسطین کو آزاد نہیں کرالیتے"

جناب صادق الشفیع، فلسطینی آزادی تنظیم (پی ایل او) کے ایک نمائندہ نے گذشتہ ۱۷ اگست کلکتہ کے ہوائی اڈہ میں بیانات دیں۔ جناب شفیع صاحب مدراس سے بذریعہ ہوائی جہاز دمدم ہوائی اڈہ پر پہونچے اور ہوائی جہاز سے اترنے کے بعد ہی انہوں نے وہیں ایک مجمع کو خطاب کیا۔ ان کے ساتھ ان کے ساتھی جناب عبدالکریم مصطفےٰ بھی تھے۔ یہ دونوں ان فلسطینی مجاہدوں کے نمائندے ہیں جو لبنان میں اپنی آزادی کی دفاع کیلئے ظالم اسرائیلیوں کا مقابلہ کررہے ہیں۔

دمدم ہوائی اڈہ پر مغربی بنگال کے وزیر ریاست برائے بجلی، شری شنکر گپتا، ریاستی وزیر اطلاعات، شری [illegible]، وزیر ریاست برائے خدمات نوجوان و ڈیری کی ترقیات، شری سبھاش چکرورتی، سی پی آئی کے لیڈران، شری وشوا ناتھ مکھرجی، شریمتی گیتا مکھرجی اور جمہوری عورتوں کی تنظیم، ہندوستان کے طلباء کی تنظیم اور جمہوری نوجوان فیڈریشن کے نمائندوں اور دیگر لوگوں نے پی ایل او کے دونوں نمائندوں کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔

دمدم ہوائی اڈہ پر ایک مجمع کو خطاب کرتے ہوئے جناب شفیع صاحب نے کہا، "کلکتہ کے لوگوں نے جس طرح ہمارا والہانہ خیر مقدم کیا ہے اس سے ہمیں بے حد خوشی حاصل ہوئی ہے۔ ہندوستان سے ہمارا رشتہ دوستی کا رشتہ ہے۔ یہ ایک قدیم رشتہ ہے۔" اپنی جدوجہد کا تاریخی اور بین الاقوامی امکانات کی وضاحت کرتے ہوئے جناب شفیع نے مزید کہا، "ہم لوگ اپنی مسلح جدوجہد کو اس وقت تک جاری رکھیںگے جب تک کہ ہم ظالم صیہونیوں کے زہر آلود پنجوں سے یروشلم کو آزاد نہ کرلیں۔ امریکی سامراجیوں کی مدد سے اسرائیلی جنگ بازوں نے جدید ترین ہتھیاروں کے ساتھ فلسطینیوں پر ظالمانہ حملہ کیا۔ لیکن اسرائیلیوں کا یہ حملہ فلسطینی مجاہدوں کے جذبات کو ٹھنڈا نہیں کرسکےگا اور نہ اسے فلسطینی مجاہدین کے جوابی حملوں کو خاموش کرانے میں کامیابی حاصل ہوگی۔"

جناب شفیع صاحب نے سوشلسٹ اور ناوابستہ ملکوں کا شکریہ ادا کیا کیونکہ ان ملکوں نے فلسطینی آزادی کی تحریک کے محاذ کے لئے کافی مدد پہونچائی۔ انھوں نے خاص پر سوویت روس کا شکریہ ادا کیا کہ اس ملک نے اخلاقی اور مادی تائید کی۔

پریس کلب کلکتہ میں اس دن ایک مجمع کو خطاب کرتے ہوئے جناب شفیع صاحب نے ممالک متحدہ امریکہ کی اس کی شاہانہ ساز باز کیلئے سخت تنقید کی۔ انہوں نے صاف لفظوں میں کہا امریکہ کی مدد کے بغیر اسرائیلی لبنان پر حملہ کی جرأت بھی نہیں کرسکتے۔ تمام دشواریوں کے باوجود فلسطینی ظالموں کے خلاف جدوجہد کررہے ہیں۔

آخر میں نیتاجی انڈور اسٹیڈیم میں جناب شفیع صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا "ہم لوگ صرف فلسطین کی آزادی کے لئے نہیں بلکہ عالمی امن کے لئے جنگ کررہے ہیں۔ ہماری جدوجہد سامراجیت کے خلاف عالمی جدوجہد کا ایک حصہ ہے۔"

فرات سے تیل کے چشموں تک

کیفی اعظمی

اے صبا لوٹ کے کس شہر سے تو آتی ہے
تیری ہر لہر سے بارود کی بو آتی ہے
خون کہاں بہتا ہے انسان کا پانی کی طرح
جس سے تو روز یہاں کر کے وضو آتی ہے
دھجیاں تو نے نقابوں کی گنی تو ہوں گی
یوں ہی لوٹ آتی ہے یا کر کے رفو آتی ہے
اپنے سینہ میں چرا لائی ہے آہیں کس کی
مل کے رخسار پہ کس کس کا لہو آتی ہے

ایہاالناس فلسطین صدا دیتا ہے
وہ بھی ایسے کہ ہمالہ کو ہلا دیتا ہے
اُس کی آواز پہ لبیک کہی جو تم نے
ہر لب زخم سے وہ تم کو دُعا دیتا ہے
بے خبر اتنے نہیں تم کو یہ معلوم نہ ہو
تخت پر کون یزیدوں کو بٹھا دیتا ہے
شمر ظالم بھی ہے قاتل بھی ہے ملعون بھی ہے
وہ ہے کیا شمر کو خنجر جو تھما دیتا ہے
کبھی ہتھیاروں کے تاجر سے یہ جا کر پوچھو
کون اک شہر کو شمشان بنا دیتا ہے
کب اُٹھائے گا خدا حشر خدا ہی جانے
آدمی روز کوئی حشر اُٹھا دیتا ہے

میری کیوں مانو گے یہ پوچھ لو ہتھیاروں سے
کون وہ لوگ ہیں دشمن ہیں جو آزادی کے
نام بتلائیں گی بیروت کی زخمی گلیاں
کون در پہ ہوا لبنان کی بربادی کے
بے ضمیری کا ہے یہ عہد خبر ہے کہ نہیں
کس توقع پہ چلیں اب کسی فریادی کے
بند پانی ہوا بیروت کے جانبازوں پر
حربے رائج ہیں ابھی تک وہی جلادی کے
ایک اک بوند کو جس وادی میں ترسے تھے حسین
تیل کے چشمے ہیں ناسُور اسی وادی کے

اے صبا اب ہو جو بیروت کی گلیوں میں گذر
اور تری راہ میں آ جائے کوئی تازہ کھنڈر
اس سے کہہ دینا کہ بھارت کا بھی سینہ ہے فگار
ہل گیا کوہِ ہمالہ جو سُنی تیری پکار
تو اکیلا نہیں اس جنگ میں ہم تیرے ہیں
خوشیاں سب تیری ہیں اور اپنے یہ غم تیرے ہیں
جتنے کانٹے بھی بچھانا ہوں بچھالے کوئی
تیری راہوں سے جُدا ہوں گی نہ راہیں اپنی
غم نہ کر ہاتھ اگر تیرے قلم ہو جائیں
جوڑ دیں گے ترے بازو میں یہ بانہیں اپنی
سر ترے جسم سے ہوتا ہے جدا آخر اگر
بڑھ کے رکھ دیں گے ترے جسم پہ ہم سر اپنا
قاتلوں سے کہو ہم مرنے کو تیار نہیں
پھیر لیں اپنی ہی گردن پہ وہ خنجر اپنا
آج بیروت میں ملتا نہیں جن کو پانی
آؤ ہم چھوڑ دیں اُن کے لئے یہ ساغر اپنا

پذیر آئی نہیں ہو سکی۔ نیچے لوگ انتظار میں ہیں اس لئے آج کوئی بات بھی نہیں ہو سکے گی لیکن آپ تو گھر کے آدمی ہیں آپ سے کیا تکلف ہے۔ تین دن کے بعد یہ ماتمی رسومات ختم ہو جائیں تو اطمینان سے گفتگو ہو گی۔

پہلی ملاقات:۔ یاسر عرفات کے بارے میں پڑھا بہت کچھ ہے تصویریں بھی بہت دیکھی ہیں بالمشافہ بات کرنے کا اتفاق ابھی نہ ہوا تھا جب اسلامی کانفرنس کی تقریب میں لاہور تشریف لائے تب بھی سوئے اتفاق سے ہم شہر سے غیر حاضر تھے۔ البتہ زندہ دلانِ لاہور نے جس والہانہ انداز سے ان کا خیر مقدم کیا اس کا احوال بہت سنا تھا۔ کسی خیالی ہیرو سے پہلی بار ملنے پر جو کچھ ذہنی تناؤ سا ہوتا ہے وہ اپنے ذہن میں بھی تھا لیکن ابو عمار کچھ اس انداز سے ملے جیسے ہمیشہ کے آشنا ہوں۔ پلنگ پر گندمی رنگ، خشخشی داڑھی، پوسٹروں والی شکل، مجاہدانہ لباس، مسکراتے چہرے والے اس عالمی شہرت کے مالک شخص کو بھی دیکھ کر ایک بڑے انقلابی رہنما اور جرّی بطل حریت کے بجائے ایک شفیق اسکول ماسٹر معلوم ہوتے ہیں۔ تکبر، خشونت یا خود نمائی کا کوئی شائبہ ان کی ذات میں نہیں ملتا۔

اب ہم اٹھ کر نیچے ڈیوڑھی میں آئے۔ ابو عمار باری باری سب سے گلے ملے یہاں کے دستور کے مطابق آپس میں سلام کیا اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

یہاں ایسا نقشہ ہی تھا جو اپنے ہاں کسی ماتمی گھر میں ہوتا ہے۔ لوگ آتے رہتے جاتے رہتے ہیں۔ کوئی سفیر ہے کوئی فقیر ہے، کوئی افسر ہے کوئی ملازم ہے۔ کوئی سپاہی ہے کوئی رضاکار ہے، ایک سفیر صاحب اٹھ کر گئے۔ تو معین نے کہا اب تم رخصت مانگو تو چلیں، میں نے جاکر اجازت چاہی اور کہا مجھے افسوس ہے کہ میں اتنے المناک وقت میں یہاں پہنچا، مجھے اس سانحہ کی اطلاع پہلے نہیں تھی، کہنے لگے نہیں بھئی یہ تو ہماری روزمرہ کی زندگی ہے ہم میں سے ہر کوئی اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھرتا ہے اور اب ہمارے دشمنوں کا منصوبہ یہی ہے کہ ہماری تحریک سربراہ اور وہ لوگوں کی باری باری سے ٹھکانے لگا دیں تاکہ جماعت کی کمر ٹوٹ جائے لیکن انہیں بالکل اندازہ نہیں کہ ہمارے ہاں شہید لہو کے ہر قطرے سے ایک نیا سرفروش پیدا ہوتا ہے اور جب تک ہم میں سے کوئی ایک جان بھی باقی ہے ہم لڑتے جائیں گے۔ تم کل ظہیر محسن کا جنازہ دیکھنا وہ ماتم گریہ و زاری کا منظر نہیں تھا، عزم وہمت کا جشن تھا۔

اس عزم و ہمت کا ایک ثبوت تو ضمناً اوپر بیان ہو چکا یعنی ہر چند شہر کا صرف ایک حصہ اور قوم پرست لبنانی عناصر کے تصرف میں ہے جس سے ملا ہوا علاقہ فرقہ پرست عیسائی افواج کے ہاتھ میں ہے جنہیں اسرائیلیوں کی حمایت اور سرپرستی حاصل ہے اور جن سے آئے دن جھڑپیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہاں کے رہنے والوں میں خوف و ہراس یا پریشانی اور سراسیمگی کا کوئی سراغ نہیں ملتا، سوائے ساحلِ سمندر کے علاوہ جہاں کچھ ہوا مار توپیں نصب ہیں اور جگہ جگہ ریت کے بوروں کی اوٹ میں جو کسی سپاہی کھڑے ہیں اندرون شہر حفاظتی تدابیر بھی واجبی سی ہیں صرف اتنا ہے کہ پی ایل او نے اپنے دفاتر ایک جگہ رکھنے کے بجائے مختلف محلوں میں پھیلا رکھے ہیں۔ اسی طرح بعد میں معلوم ہوا کہ جس مکان میں یاسر عرفات صاحب سے ملاقات ہوئی تھی وہ بھی ان کی اقامت گاہ نہیں ہے ان کے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں۔

مسئلہ زندگی:۔ بات ظہیر محسن مرحوم کے ماتم سے شروع ہوئی تھی۔ ہمارے آنے کے بعد تین دن تک شہر میں ان کا سوگ منایا گیا تمام شہر میں در و دیوار پر ان کی تصاویر اور ان کی زندگی اور خدمات کے اشتہار چسپاں تھے۔ یہاں ہر دفتر میں یاسر عرفات کمال جنبلاط کے ساتھ لبنان کے قوم پرست رہنما کمال جنبلاط شہید کے علاوہ ملا خمینی، ہوچی منہ اور کہیں کہیں فیڈل کاسترو کے ساتھ اب ظہیر محسن کی شبیہ بھی آپ کو نظر آئے گی۔

روانگی سے دو دن پیشتر یہ تقریبات ختم ہوئی۔ اس دن معین ہمیں مضافاتی پہاڑیوں کی سیر کو لے گئے، یہاں پر حفاظتی انتظامات ذرا زیادہ ہیں اور چیک پوسٹ پر گاڑی روک کر سرسری معائنہ کیا جاتا ہے، شہر سے کوئی پندرہ میل دور ایک پہاڑی ریستوران میں تعطیل کی وجہ سے بہت بھیڑ لگ رہی تھی۔ لبنانی لوگ کھانے کے بہت رسیا ہیں۔ سب سے پہلے تو دسترخوان پر نقل کے طور پر کوئی بیس چیزیں آپ کے سامنے چن دیں گے، کئی طرح کے سلاد، پنیر، زیتون، میوے جن میں کچھ تک آپ کا ہاتھ بھی نہیں پہنچے گا۔ اس کے بعد مرغ و ماہی کے علاوہ دو چار قسم کے کباب وغیرہ وغیرہ۔ ویسے یہ تکلفات ہوٹل ریستوران وغیرہ میں ہی ہوتے ہیں، گھر میں کافی سادہ کھانا پکتا ہے، دن ڈھلے واپس ہوٹل پہنچے تو معین نے بتایا کہ آج شام ابو عمار نے اپنی مرکزی کمیٹی سے ملوانے کے لئے تمہیں طلب کیا ہے۔ معین نے کہا کہ یہ بہت ہی غیر معمولی اعزاز ہے، مرکزی کمیٹی کے ارکان کی پہچان اتنی مخفی رکھی جاتی ہے کہ کسی غیر ملکی سے ان کا شاید ہی کبھی سامنا ہوتا ہو۔

شام کے وقت ہم گلیوں محلوں میں سے ہوتے ہوئے ایک دوسرے مکان میں پہنچے یہاں فوجی پہرہ پہلے کی نسبت کچھ زیادہ تھا اور چھٹی ساتویں منزل پر یاسر عرفات صاحب کا فلیٹ باہر سے مقفل تھا۔ فوجی محافظ نے ہمارے لئے دروازہ کھولا ہمارے حساب سے یہ فلیٹ بھی ایک عام سفید پوش گھرانے کا مسکن سمجھ لیجئے۔ مردانے میں ایک بیٹھنے کا کمرہ یا ڈرائنگ روم جس میں ایک صوفہ اور چار پانچ آرام کرسیاں رکھی تھیں اس سے ملا ہوا ایک اور چھوٹا کمرہ جو لائبریری یا دفتر معلوم ہوتا تھا اور بغل میں تو زیادہ بڑا

کھانے کا کمرہ جس میں ایک میز پر کوئی دس بارہ آدمی بیٹھ سکتے تھے جب ہم داخل ہوئے تو یاسر عرفات بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ ان کے پانچ رفقائے کار یعنی مرکزی کمیٹی کے ارکین بیٹھے تھے، یاسر عرفات نے سب سے تعارف ہوا (نام بتانے کی اجازت نہیں) سب دہاں انگریزی سمجھتے تھے۔ ذہین چہرے، کسرتی بدن، قریب قریب سبھی ہم عمر تھے۔ چالیس پینتالیس سال کے پیٹے میں ہوں گے۔ انہیں کے ذریعے معلوم ہوا کہ آج ابو عمار کی سالگرہ ہے اور یہ اسی تقریب کے سلسلے میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ سب نے ہماری اور پاکستان کی خیر و عافیت پوچھی،

اتنے میں یاسر عرفات آگئے اور اسی گرمجوشی سے معانقہ کیا۔ علیک سلیک کے بعد میں نے کہا کہ عجیب اتفاق ہے چار دن پہلے ملنا ہوا اور آج خوشی کے موقع پر آپ سے ملاقات ہو رہی ہے آپ کو سالگرہ مبارک ہو۔ وہ ہنس کر بولے لیکن یہ تو پوچھ لیجئے یہ میری پچاسویں نہیں بلکہ پہلی سالگرہ ہے۔ اس لئے پہلے تو مجھے اپنی سالگرہ کی اطلاع کبھی نہیں ہوتی اور آج بھی ریڈیو ہی سے اس کی اطلاع ملی خاص طور سے جب سوویت یونین کے سربراہ لیونڈ بریژنیف کا تہنیتی پیغام پہنچا۔ اس کے بعد الفجر والثقافی انجمن اور رسالے کے بارے میں کچھ بات چیت ہوئی۔ پھر میں نے کہا کہ آپ کی تحریک، آپ کی سیاست اور بین الاقوامی امور کے بارے میں تو آپ کے خیالات سب کو معلوم ہی ہیں تو شعر و ادب کے بارے میں آپ سے انٹرویو چاہتا ہوں۔ اس پر ہنسنے لگے۔ شاعری تو تم جانتے ہو ہم سب لوگوں کی گھٹی میں پڑی ہے لیکن اس سلسلے میں سرسری سوال جواب سے کچھ حاصل نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ کچھ سوالات لکھ کر معین کو دے جائیے میں فرصت میں جواب لکھ کر دوں گا (یہ وعدہ کب وفا ہوتا ہے) اور یوں بھی اب ہم اپنی جدوجہد کے نازک ترین مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ دشمنوں کا زعم اور بعض دوستوں کے قدم ڈگمگا رہے ہیں ہمیں اپنے زور بازو پر بھروسہ ضرور ہے لیکن عالمی سیاست کا نقشہ اس سرعت سے بدل رہا ہے کہ ہمیں ہر لحظہ چوکس رہنا پڑتا ہے اس نے پوچھا کہ اس سلسلے میں امریکی اخبارات اس بات کو ہوا دے رہے ہیں کہ آپ اور امریکہ کے درمیان مذاکرات کی طرح ڈالی جا رہی ہے کہاں تک صحیح ہے کہنے لگے ہمیں اپنے ملک سے ہٹانے کے لئے ڈورے ڈالنے کی کوشش تو ظاہر ہے ہوتی رہتی ہے لیکن اس اشتہار بازی کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ کیمپ ڈیوڈ سمجھوتوں میں جو رخنہ پڑ گیا ہے اسے اور پھیلایا جائے تاکہ اسرائیلی جارحیت کے خلاف بعض عرب ممالک کی مزاحمت نرم ہو جائے۔ ساتھ ہی لبنان میں ہمارے خلاف اسرائیل کو اپنی وحشیانہ کارروائیوں کے لئے زیادہ شہ ملے اور دنیا پر یہ ظاہر کیا جائے کہ اس مسئلے کا پرامن حل تلاش کیا جائے حالانکہ حقیقت اس کے عین برعکس ہے

ننھی منی باتیں:۔ ابھی بات جاری تھی کہ ایک پیاری سی بچی کچھ پھول لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی اور آکر یاسر عرفات صاحب سے لپٹ گئی۔ یہ میری بھتیجی بھی ہے اور بیٹی بھی اس لئے کہ ہماری اپنی بیٹی نہیں ہے۔ اصل میں آج یہ آپ کی میزبان بھی ہے۔ بچی نے

کہا (نام ذہن سے اتر گیا) چلئے کھانا لگ گیا ہے۔ اٹھ کر سب دوسرے کمرے میں گئے میز پر پہلے کسی والا کا خوب سا تھا، پھر سادہ چاول بغیر گوشت کے سالن اور ایک سبزی کا سالن، نان اور سیخ کباب جس میں تکلف کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ اچھے کھانے کے بعد ایک بہت عمدہ کیک کاٹا گیا جس میں ہم سب لوگ ضرور شریک ہوئے۔ پھر ابو عمار کا سب لوگ، یاسر عرفات کے ساتھی، محافظ سپاہی، ایک گھریلو ملازم، ہمارا ڈرائیور ابو عمار سے گلے ملے اور صبر و استقامت کی دعا دی۔ اس معاشرے میں منصب اور جاہ و مال میں تفاوت ضرور ہے لیکن باہمی میل جول اور نشست و برخاست میں محمود و ایاز کوئی اونچ نیچ نہیں برتتے۔ یاسر عرفات اور ان کی مرکزی کمیٹی کے ارکین میں تو خیر ویسے ہی قائد اور مقلد کا کوئی رشتہ نظر نہیں آیا، ان کے بجائے بے تکلف دوستوں کی جھلک معلوم ہوتی تھی لیکن ابھی باقی عملہ اور رضاکار بھی آپس میں ایسے بے تکلفی سے پیش آتے تھے اور یہ عربوں میں یہ مساوات نمائشی نہیں جبلی ہے، عربی زبان میں جی جناب کا ویسے بھی دستور نہیں، بزرگی یا علم و فضل کے احترام میں السید یا استاذ ضرور مستعمل ہیں۔ لیکن فلسطینی حریت پسندوں میں یہ القابات بھی متروک ہیں اور کامریڈ یا رفیق کے بجائے قائدین کو الاخ یا بھائی پکارا اور لکھا جاتا ہے۔

رخصت کا وقت ہو رہا تھا، یاسر عرفات نے چلتے وقت کہا میں نے سنا ہے کہ آپ پہلے بھی یہاں آئے ہیں، اس شہر اور یہاں کے رہنے والوں کا انتہائی خوشگوار یادیں تک دل میں زندہ ہیں، واپسی پر انہیں میرا سلام پہنچا دیجئے۔

بقیہ صفحہ ۷ سے آگے

تفریح کے ذریعہ تعلیم ترقی یافتہ ملکوں میں ایک نیا تصور ہے۔ ان ملکوں کے عجائب خانے اپنے یہاں رکھی ہوئی چیزوں پر مبنی تفریحی فلموں کی نمائش کرتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ایسی تفریحی سرگرمیوں کا انتظام کرنا چاہئیے۔ مطالعہ کے میدان میں قابلیت مسئلہ نہیں ہوتا اور ترقی پذیر نقطۂ خیال کی کمی نہیں ہوتی۔

ہمارے عجائب خانہ اپنے یہاں رکھی ہوئی چیزوں کی بابت بولیٹن، بروشیورز اور فہرست وغیرہ، جن میں خاص طور پر قومی نوعیت کی چیزوں کی تفاصیل درج ہوں گے، شائع کریں۔ اس سے ہمارے قومی یکجہتی کے مقصد میں بہت حد تک کامیابی ہوگی۔ ایسی بولیٹن فہرستوں وغیرہ کو ملک کے اسکولوں، کالجوں اور ریاستی، ضلع کی اور دیہی لائبریریوں میں بھیجنا چاہئے۔ عوام کو قومی ثقافت سے آگاہ کرنے کے لئے عجائب خانہ بہت ہی مؤثر واسطہ ہے، اور اس کے ترقی پذیر اقدامات سے عوام کافی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

آج فلسطین میں رہنے والی عورتیں ان عورتوں سے مختلف ہیں جو دیگر عرب ملکوں میں، جہاں آج بھی قدیم اور جاگیردارانہ نظام قائم ہے، مشقت آمیز زندگی گزار رہی ہیں۔ فلسطینی عورتیں فلسطینی مردوں کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر صرف آزادی کے لئے بلکہ مساوات کے لئے بھی جنگ کر رہی ہیں۔

مغرب کے غیر سنجیدہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عورتوں کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ انہیں (عورتوں کو) بچوں کی پیدائش کی روک تھام کے طریقہ کار پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن عورتوں کے حقیقی انقلاب کی جیتی جاگتی مثال فلسطینی عورتوں نے پیش کی، کیونکہ ایک آزاد فلسطین میں ان کی پہلی اور اہم مانگ یہ ہے کہ انہیں اپنے بھلے برے کی تمیز کرنے کا حق دیا جائے۔

جیسے یہودی دشمن مقبوضہ علاقوں میں فلسطینیوں کو ان کی سرزمین سے نکال باہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ویسے فلسطینی عورتیں فلسطینی لوگوں کو اپنے وطن میں برقرار رکھنے کیلئے جنگ کر رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے نہایت ہی بنیادی اور ضروری مانگ بھی مرتب کی ہے اور وجہ یہ کہ وہ سب ودیعی بہتر سماجی اور معاشی زندگی کے لئے انقلابی جدوجہد کر رہی ہیں۔ یہودی دشمنوں نے روایتی فلسطینی زرعی معیشت کو اجاڑ دیا۔ اس معیشت کا چھوٹے چھوٹے گاؤں میں لوگوں کے تعاون پر انحصار تھا۔ اس کی وجہ سے گاؤں سے عورتوں اور مردوں کو باہر نکلنا پڑا اور صنعتوں میں شامل ہونا پڑا۔

مقبوضہ مغربی کنارہ پر کم از کم ... ۳۸ فلسطینی عورتیں اب صنعتوں میں خاص طور پر کپڑے کی صنعتوں میں کام کر رہی ہیں، اور اب وہ ہر جگہ کام کرنے والی عورتوں کے مسائل کو حل کرنے کے لئے منظم طور پر کوشش کر رہی ہیں۔

گذشتہ سال عورت مزدوروں کے لئے فلسطینی کمیٹیوں کی ایک پوشیدہ یونین قائم کیا گیا۔ اس یونین کی مغربی ساحل کے شہروں اور دیہاتوں میں تقریباً ۲۰ شاخیں ہیں جن کے ممبروں کی تعداد ... ۲۵ سے زیادہ ہے۔

اس یونین کے ایک ممبر جناب حمل قریشی یوں رقمطراز ہیں، "چونکہ عورتوں کو بزور زبردستی کارخانوں میں دھکیل دیا گیا، اس لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے مسائل کو حل کیا جائے۔ ہمارے اغراض و مقاصد یہ ہیں کہ فلسطینی عورتوں کی معاشی اور سماجی حیثیت میں بہتری لائی جائے اور ان کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔

مقبوضہ علاقوں میں دیگر عوامی تنظیموں کی طرح عورتوں کی اس تنظیم نے حلف اٹھایا ہے کہ وہ فلسطین کی آزادی کے لئے اور پی ایل او کے زیر انتظام ایک آزاد فلسطین کے قیام کے لئے جدوجہد جاری رکھے گی۔

عورتوں کے یونین کی جدوجہد مقبوضہ علاقوں میں فلسطینی عورتوں میں سیاسی بیداری اجاگر کرنے میں معاون ثابت ہوئی۔ یونین کا یہ کہنا ہے وہ عورتوں کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے مطالبات کو پورا کرنے کے لئے کوشش کرتا رہے گا۔ اس اقدام سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ آزادی کی جدوجہد میں عورتیں بھی شامل ہونے لگیں۔ عورتوں کے لئے ایک جمہوری ادارہ قائم کر کے ہم فخر سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ مقبوضہ علاقوں میں قبضہ کے خلاف حالیہ مظاہروں میں عورتوں نے حصہ لیا۔"

عورتوں کی اس بیداری نے یہود کا خفیہ پولیس شن بیتھ کی توجہ اپنی طرف مرکوز کی۔ فی الحال ۳۰ فلسطینی سربراہ جیلوں میں ہیں اور ایک اندازہ کے مطابق ۵۰۰۰ عورتیں بھی مقبوضہ علاقوں میں زیر حراست ہیں۔

حمل قریشی یوں رقمطراز ہیں "اس یونین کا زور اس بات پر ہے کہ اس میں عورتیں شامل ہیں۔ مغربی کنارہ پر اس طرح کے ابھی ۱۲ یونین ہیں جہاں یونین کی کارگزاری کے سلسلے میں ممبروں کو تربیت دی جاتی ہے۔ اس طرح عنقریب آٹھ تربیت گاہ قائم کی جائیں گی۔ ایسی تربیت گاہوں کے اخراجات خود وہاں کے باشندے برداشت کرتے ہیں۔ یہاں

شعر اور شاعر پر سب سے پہلے با قاعدہ اظہار خیال مشہور فلسفی، عالم حکیم اور دانا افلاطون نے کیا ہے اس کی "ریاست" نے دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ "تمام شاعرانہ نقلیں سامعین کے لئے مضر رساں ہیں۔

افلاطون شاعر کی مثال اس مصور سے دیتا ہے جو چمار کی تصویر بناتا ہے اور اس کے فن سے ذرا بھی واقفیت نہیں رکھتا۔"

افلاطون کے شاگرد ارسطو کی کتاب "بوطیقا" ادبی اور نظریاتی تنقید پر دنیا کی پہلی کتاب ہے جس میں فن شاعری پر بہت تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

ارسطو نے اپنی بحث کی تمام تر بنیاد "نقل" پر رکھی ہے۔ وہ شاعری کی ابتدا کے دو اسباب بتلاتا ہے۔ ایک تو نقل سے صرف خوشی ہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس سے تعلیم کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ شاعری کی ابتدا کا دوسرا سبب نغمہ یا موزونیت ہے۔ رونے یا ہنسنے کی طرح گانا بھی قدیم زمانے میں شاعری کی ابتدا ہوئی ہوگی۔

اپنے مضمون "ادب" میں ڈاکٹر سید محمد عبداللہ لکھتے ہیں کہ ہمارے قدیم نقادوں نے "معجم" (فارسی) کے مصنف شمس قیس، "چہار مقالہ" (فارسی) کے مصنف نظامی عروضی اور "کتاب العمدہ" (عربی) کے مصنف ابن رشیق نے شاعر کے متعلق اپنا تصور پیش کیا ہے مگر بنیادی طور پر سب شاعری کو فن اور صناعت قرار دیتے ہیں۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ان سب نے شاعری کو اصولاً آرٹ یا صناعت (فن) قرار دینے کے باوجود اس کو ازحد سیاسی عمل اور ایک "نفع مند پیشہ" بنانے کی کوشش کی ہے البتہ سب نقادوں اور تمام لکھنے والوں کے خیال میں شاعری الہام ہے اور ایک لحاظ سے پیغمبری۔

عربی زبان کے عالموں نے شعر کی تعریف کم و بیش ایک سی کی ہے۔ اور وہ یہ کہ شعر ایسا کلام ہے جو موزوں اور مقفیٰ ہو اور بالارادہ کہا گیا ہو۔

مولانا شبلی نعمانی اپنی کتاب "موازنہ انیس و دبیر" میں فرماتے ہیں۔

"کہ شاعری کیا ہے۔؟ یہ ایک نہایت مفصل اور دقیق بحث ہے۔ ارسطو نے اس پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے...... ابن رشیق قیروانی اور ابن خلدون نے بھی اس پر بحث کی ہے۔ انگریزی زبان میں نہایت اعلا درجے کی کتابیں اس مسئلہ پر لکھی گئی ہیں۔"

جانسن نے اپنی لغت میں شاعری کے معنی "باوزن ادب" لکھے ہیں کارلائل کی نظر میں شاعری "مترنم خیال" کا نام ہے۔ شیلی اس کو "اظہار جذبہ" سمجھتا ہے۔ ہیزلٹ نے شاعری کا نام "تخیل اور جذبات کی زبان" رکھا ہے۔ ورڈزورتھ شاعری کو تمام علوم کی روح سمجھتا ہے۔ "شعر العجم" میں شعر کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔ کہ جب انسان پر کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے۔ تو بے ساختہ اس کی زبان سے بے ساختہ الفاظ نکلتے ہیں۔ اسی کا نام شعر ہے۔

مولانا شبلی منطقی پیرائے میں شعر کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

جو جذبات الفاظ کے ذریعے ادا ہوں شعر ہیں۔

منظوم کلام تمام اقسام کے کلام سے بالاتر اور فصیح تر ہے۔ اس کی عظمت کی دلیل اور ثبوت یہ ہے کہ کلام اللہ کا آغاز ایک موزوں مصرعے سے ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈپٹی طالب حسین خان نادر نے آتش اور ناسخ سے تلمذ حاصل کیا تھا۔ فن شاعری میں ان کا مقام مسلم ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیے کہ اگلے

گزشتہ ۹ اگست کو نارا گھاٹ میں متن گھی سیتو
کے افتتاح کے موقع پر عام لوگوں کی بھیڑ۔

مغربی بنگال

شہیدوں کی یادگار نمبر

۱۹۸۴ء

شرح خریداری
سالانہ – ۲۰ روپے
فی پرچہ – ۱۲ پیسے

پندرہ روزہ
مغربی بنگال
کلکتہ

مدیر – دھیریندر ناتھ دت
مدیر معاون
محمد اعظم

جلد ۲۹ | یکم ستمبر ۱۹۸۲ء | شمارہ ۱۷

شریمتی چھایہ بیرا وزیر ریاست برائے سماجی خدمات نے ۲۵ اگست ۸۲ء کو کلکتہ میونسپلٹی لائبریری کے بچوں کے سیکشن کا افتتاح کیا۔

اتحادِ باہمی

مقصدِ عمرِ رواں ہے اتحادِ باہمی
وجہ تعمیرِ جہاں ہے اتحادِ باہمی
گلستاں در گلستاں ہے اتحادِ باہمی
اک بہارِ بے خزاں ہے اتحادِ باہمی
اتحادِ باہمی میں قوتِ یزداں کا زور
منزلِ آرامِ جاں ہے اتحادِ باہمی
کیا ملے گا تفرقہ پردازیوں سے دوستو
زندہ قوموں کا نشاں ہے اتحادِ باہمی
کاہلی، افسردگی، کم ہمتی مٹ جائیگی
آپ کا عزمِ جواں ہے اتحادِ باہمی
آدمی ہی آدمی کا پاسباں ہے دوستو
اور وطن کا پاسباں ہے اتحادِ باہمی
اتحادِ باہمی سے قوم کو ہوگا عروج
حاصلِ تاب و تواں ہے اتحادِ باہمی
زندہ قوموں کی مثالیں ہے نظر کے سامنے
کاروں در کارواں ہے اتحادِ باہمی
اتحاد قطرہ قطرہ صورتِ دریا بنا
آبِ دریائے رواں ہے اتحادِ باہمی
بربریت اور وحشی پن کو چھوڑو دوستو
وارثِ امن و اماں ہے اتحادِ باہمی

خود پسندی خود فریبی ہے بشیر وارثی
ضامنِ امنِ جہاں ہے اتحادِ باہمی

بشیر وارثی

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے وزرا

شری جیوتی باسو - وزیر اعلیٰ

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو آنجہانی ڈاکٹر نیشی کانتو باسو کے فرزند ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں آپکی پیدائش ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم لوریٹو ڈے اسکول، کلکتہ، اور اسکے بعد سینٹ زیویرس اسکول میں حاصل کی آپ نے بی۔ اے ڈگری سینٹ زیویرس کالج سے حاصل کی۔ بی۔ اے انگریزی میں آنرس کے ساتھ پاس کیا۔ اس کے بعد آپ انگلینڈ تشریف لے گئے۔ وہاں وکالت کا امتحان پاس کیا۔ انگلینڈ میں رہائش کے دوران آپ انڈیا لیگ سے سرگرم طور پر وابستہ ہو گئے۔ اس لیگ کے سربراہ وی۔ کے کرشنن تھے۔ آپ نے انگلینڈ میں ہندوستانی طلباء کے فیڈریشن کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا۔ آپ لندن مجلس کے سکریٹری بھی تھے۔ اپنے طالب علمی کے زمانہ میں آپ نے برطانیہ کی کمیونسٹ پارٹی سے رابطہ قائم کیا۔ آپ ۱۹۴۰ء میں کلکتہ واپس آئے۔ یہاں آکر آپ نے طلباء کی تحریکوں اور بعد میں ٹریڈ یونین تحریکوں میں سرگرم حصہ لینا شروع کیا۔ آپ ایسٹرن بنگال ریل روڈ ورکرس یونین (اب یہ یونین نہیں ہے) کے ایک لیڈر تھے۔ اپنی سربراہی میں آپ نے سارے بنگال اور آسام میں ریلوے مزدوروں اور ملازمین کو منظم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

آپ ۱۹۴۶ء میں ریلوے حلقۂ انتخاب سے مرحوم پروفیسر ہمایوں کبیر کو شکست دے کر بنگال قانون ساز کاؤنسل کے ممبر منتخب ہوئے تقسیم ہند کے بعد آپ بنگال اسمبلی کے ممبر رہے۔ ۱۹۴۸ء میں مغربی بنگال میں جب کمیونسٹ پارٹی پر پابندی عائد کر دی گئی تو آپ روپوش ہو گئے۔ لیکن اسکے چند دنوں کے بعد پولیس نے آپ کو گرفتار کر لیا۔ ہائی کورٹ کے حکم سے آپ کو قید سے رہائی مل گئی۔ اسکے بعد آپ 'سادھینتا' اخبار کے ادارتی بورڈ کے چیرمین بن گئے۔ یہ اخبار مغربی بنگال میں کمیونسٹ پارٹی کا واحد اخبار تھا۔ ۱۹۵۲ء میں آپ بارانگر حلقۂ انتخاب سے مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی میں منتخب ہوئے۔ اس انتخاب میں آپ نے شری رائے ہریندرا ناتھ چودھری کو، جو اس وقت کے وزیر تعلیم تھے، شکست دی تھی۔ اس وقت سے لیکر ۱۹۷۲ء تک آپ بارہ نگر حلقۂ انتخاب سے منتخب ہوتے رہے۔ ۱۹۵۷ء میں آپ کو مخالفین کا سربراہ بنا دیا گیا۔ لیکن اس وقت آپ نے ان تمام تنخواہ اور دیگر سہولتوں کو قبول نہ کیا۔ جو آپ کو سربراہ ہونے کی وجہ سے ملتا۔ ان تمام دنوں آپ کا پارلیمانی کردار بہت ہی اعلیٰ رہا۔ مخالفین کے سربراہ ہونے کی وجہ سے اسمبلی میں مزدوروں کے حقوق کی وکالت میں آپ کی فصیح تقریروں کی پرانے پارلیمانی حضرات اب بھی تعریف کرتے ہیں۔

۱۹۴۰ء میں آپ غیر منقسم کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (سی پی آئی) کی صوبائی کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ بعد میں آپ کمیونسٹ پارٹی کی صوبائی کمیٹی کے سکریٹری منتخب ہوئے۔ اس عہدہ پر آپ ۱۹۵۳ء تک سرفراز رہے ۱۹۶۳ء تک آپ کمیونسٹ پارٹی کی نیشنل سکریٹریٹ، سنٹرل ایگزیکوٹیو کمیٹی اور نیشنل کاؤنسل کے ممبر تھے۔ لیکن ۱۹۶۴ء کمیونسٹ پارٹی کی تقسیم ہونے کے بعد آپ سی پی آئی (مارکسٹ) پارٹی میں شامل ہو گئے اور اسکے ارباب حل و عقد کے ممبر بن گئے۔ اس عہدہ پر آپ ابھی تک فائز ہیں۔

کانگریس کے عہد حکومت میں آپکو کئی بار، پہلی بار ۱۹۴۸ء میں پھر ۱۹۴۹ء، ۱۹۵۳ء، ۱۹۵۵ء، ۱۹۶۳ء اور پھر ۱۹۶۵ء میں گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔

۱۹۶۷ء میں پہلی متحدہ محاذ حکومت میں آپ نائب وزیر اعلیٰ اور وزیر مالیات تھے۔ دوسری بار ۱۹۶۹ء میں دوسری متحدہ محاذ حکومت میں آپ پھر نائب وزیر اعلیٰ تھے اور شعبۂ ہوم اور انتظامیہ کے وزیر بھی تھے ۱۹۷۷ء میں آپ ست گچھیہ حلقۂ انتخاب سے منتخب ہوئے۔ بعد میں آپ بائیں محاذ فرنٹ کے سربراہ منتخب ہوئے۔ ریاست کے وزیر اعلیٰ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ نے شعبہ جات ہوم اور بجلی کو بھی اپنے پاس رکھا تھا۔ آپ ۱۹۸۲ء میں بھی ست گچھیہ حلقۂ انتخاب سے منتخب ہوئے۔

شری کرشن پدو گھوش

شری کرشنا پدو گھوش مزدوروں کے بہت ہی بڑے لیڈر ہیں۔ طلباء کی تحریکوں سے اپنی سرگرمیوں کو مزدوروں کی تحریک میں منتقل کرنے کے بعد شری گھوش مزدوروں اور خاص طور پر جوٹ مزدوروں کے کام کو آگے بڑھانے میں بہت ہی نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ آپ سی پی آئی (ایم) کے بہت ہی اہم و مشہور لیڈر ہیں۔ آپ ۱۹۶۷ء میں مغربی بنگال اسمبلی میں منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۹ء کی متحدہ محاذ حکومت میں آپ وزیر محنت تھے۔

شری گھوش بائیں محاذ کی پہلی حکومت میں بھی وزیر محنت تھے۔ اس سال آپ بلیہ گھٹہ حلقۂ انتخاب سے منتخب ہوئے اور بائیں محاذ کی دوسری حکومت میں بھی آپ وزیر محنت ہیں۔

شری جوتن چکرورتی

شری جوتن چکرورتی ۱۹۱۱ء میں کومیلا ضلع (اب یہ بنگلہ دیش میں ہے) میں پیدا ہوئے آپ نے اپنے اوائل عمر سے نوجوانوں کی اور طلباء کی تحریکوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ ہندوستان چھوڑو تحریک میں شامل ہونے کی وجہ سے آپ کو قید کر لیا گیا۔ آزادی کے بعد بہت ساری تحریکوں میں شرکت کرنے کی وجہ سے آپ کو کئی بار زیر حراست رکھا گیا۔ آپ بہت ہی پرانے ٹریڈ یونین لیڈر ہیں۔ آپ ۱۹۵۲ء میں عام انتخابات میں کلکتہ سے منتخب ہوئے۔ آپ ۱۹۴۰ء میں انقلابی سوشلسٹ پارٹی (آر ایس پی) میں شامل ہو گئے اور اب آپ اسی پارٹی کی مرکزی اکزیکٹو کمیٹی کے ایک ممبر ہیں۔

آپ نے کلکتہ یونیورسٹی سے بی۔ اے اور ایل ایل بی کیا۔ اسکے بعد آپ ٹریڈ یونین کے وفد کے ممبر کی حیثیت سے برطانیہ، سوئزرلینڈ، چین اور روس کا دورہ کیا۔ ۱۹۶۹ء میں متحدہ محاذ حکومت میں آپ پارلیمانی امور کے وزیر تھے۔ اس سال آپ ڈھکوریہ اسمبلی حلقۂ انتخاب سے پھر منتخب ہوئے پہلی بائیں محاذ حکومت میں آپ تعمیرات عامہ شعبہ کے وزیر تھے۔

ڈاکٹر کنائی لال بھٹاچاریہ

ڈاکٹر کنائی لال بھٹاچاریہ سنترا گاچھی، ضلع ہوڑہ، میں ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے کلکتہ یونیورسٹی سے ایم۔ ایس سی اور ڈی۔ فل کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹر بھٹاچاریہ بہت ہی پرانے ٹریڈ یونین لیڈر ہیں اور فارورڈ بلاک کے پورے وقت کے کارکن ہیں۔ ۱۹۴۲-۴۵ء میں آپ کو کئی بار قید کر لیا گیا۔ آپ ۱۹۵۲ء میں پہلی بار مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی میں منتخب ہوئے۔ آپ ہوڑہ میونسپلٹی کے کمشنر بھی تھے۔ ۱۹۶۹ء میں دوسری متحدہ محاذ حکومت میں آپ زراعت اور اجتماعی ترقی کے وزیر تھے۔

ڈاکٹر کنائی لال بھٹاچاریہ نے اس سال شیب پور حلقۂ انتخاب سے اپنی اسمبلی نشست کو برقرار رکھا۔ پہلے بائیں محاذ حکومت میں آپ کامرس اور صنعت کے وزیر تھے۔

شری کنائی بھومک

شری کنائی بھومک، جنکی عمر ابھی ۶۰ سال کی ہے، ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی کے (سی پی آئی) بہت ہی ممتاز لیڈر ہیں۔ آپ تملوک ضلع مدناپور کے باشندے ہیں۔ گراجیوئٹ ہونے کے بعد آپکو ۱۹۴۲ء میں 'ہندوستان چھوڑو' مہم کے دوران گرفتار کر لیا گیا تھا۔ ۱۹۴۲ء میں آپنے جاپانی سامراجیوں کے خلاف کانفرنس میں شرکت کی تھی۔ ۱۹۴۳ء میں ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی سے آپکے تعلقات قائم ہوئے۔ اس کے بعد آپ ضلع مدناپور میں کسانوں کی مختلف تحریکوں سے وابستہ ہو گئے۔ عالمی جنگ کے دوران آپ نے کسانوں کی تحریک میں حصہ لیا حالانکہ اس وقت برطانیہ سرکار کا یہ حکم تھا کہ پاٹ کی کاشتکاری بند کر دی جائے۔ آپ نے تملوک۔ پانسکوڑہ علاقہ میں کسانوں کے 'کرایہ نہیں' تحریک میں سرگرم حصہ لیا۔ اس کے بعد آپ ۱۹۴۶ء میں 'تیبھاگہ' تحریک میں کسانوں کی رہنمائی کی اور آپ کو اس سلسلہ میں نندی گرام میں گرفتار کیا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں جب کمیونسٹ پارٹی پر پابندی عائد کر دی گئی تھی تو اس وقت آپنے ضلع مدناپور میں تملوک۔ موئنا علاقوں میں کسانوں کی مزاحمتی تحریکوں کا انتظام کیا تھا۔ اس کی وجہ سے آپکو ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۱ء تک قیدخانہ میں رکھا گیا۔

۱۹۵۲ء میں پہلے عام انتخابات میں شری بھومک موئنا سے مغربی بنگال اسمبلی میں منتخب ہوئے۔ پھر ۱۹۶۷ء سے ہر بار وہ عام انتخابات میں منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۹ء کی متحدہ محاذ حکومت میں آپ وزیر تعاون اور سماجی رفاہ تھے۔ آپکو ریاست گیر تحریکوں جیسے بنگال۔ بہار کو ایک

کرنے کے خلاف تحریک، غذائی تحریک وغیرہ میں حصہ لینے کی وجہ سے گرفتار کیا گیا۔

۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۲ء تک آپ غیر منقسم سی پی آئی کی مدناپور ضلع کمیٹی اور بہت عرصہ تک آپ غیر منقسم سی پی آئی کی ریاستی کمیٹی کے ممبر تھے فی الحال آپ سی پی آئی کے نیشنل کاؤنسل کے ممبر ہیں۔ ساتھ ہی مغربی بنگال میں صوبائی کرشک سبھا کے سکریٹری بھی ہیں۔ ایک کسان لیڈر ہونے کی وجہ سے شری بھومک بہت ساری تحریکوں جیسی زمین حاصل کرو، فصل کے لئے مناسب قیمت، قرض کی معافی وغیرہ کی مختلف مواقع میں رہنمائی کی۔ دوسری متحدہ محاذ حکومت میں آپ چھوٹی آبپاشی کے شعبہ کے وزیر ہیں۔

شری بینوئے کرشنا چودھری

آنجہانی گیہندرا ناتھ چودھری کے بیٹے شری بینوئے کرشنا چودھری ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بردوان ہائی اسکول میں اسکول کی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے آئی۔ ایس سی امتحان سیرامپور کالج سے پاس کیا۔ آپ جب قید میں تھے تو اس وقت آپ نے معیشت کا مطالعہ کیا تھا

آپ کو مشہور انقلابی شری بھوپیندرا ناتھ دت نے سیاست میں شامل کرایا۔ ۱۹۳۰ء میں انہوں نے شہری نافرمانی تحریک میں حصہ لیا۔ میر بھوم سازش کیس کے لئے ۱۹۳۲ء میں آپکو ۶ سال کی قید با مشقت کی سزا دی گئی۔ ۱۹۳۸ء میں آپ ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے اور بردوان میں کسانوں کی تحریک کا انتظام کیا۔ انہوں نے مشہور "نہر تحریک" کی رہنمائی کی۔ اس تحریک کی وجہ سے نہر ٹیکس میں کمی کی گئی۔ شری چودھری نے رانی گنج کاغذ ملوں میں مزدوروں کی تحریکوں کو منظم کرنے میں بہت ہی اہم کردار کیا۔ ۱۹۴۸ء میں آپکو گرفتار کر لیا گیا اور ۱۹۵۱ء تک قید خانہ میں رکھا گیا۔ آپ سات بار، پھر اس سال، بردوان حلقۂ انتخاب سے منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۶۴ء تک ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی کی بردوان ضلع کمیٹی کے سکریٹری رہے۔ آپ ابھی سی پی آئی (ایم) کی ریاستی کمیٹی کے سکریٹریٹ کے ایک ممبر ہیں۔

شری چودھری ابھی آراضی اور اصلاحات اراضی کے وزیر ہیں

شری سید ابو المنصور حبیب اللہ

شری سید ابو المنصور حبیب اللہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۹ء کو بردوان میں پیدا ہوئے۔ آپنے بردوان کے ٹاؤن اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اسکے بعد آپ نے اسکاٹش چرچ کالج سے بی۔ اے اور کلکتہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے اور ایل ایل بی کیا۔ ۱۹۳۶ء میں آپ نے ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی (اس وقت اس پر پابندی عائد تھی) کے سربراہی میں سیاسی تحریکوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ آپ کل ہند طلباء فیڈریشن اور بنگیہ پرادیشک کرشک سبھا کے بانی۔ ممبر ہیں۔ ۱۹۴۲ء میں آپکو مدناپور میں گرفتار کیا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں پارٹی کے حکم کے مطابق آپ کو مشرقی پاکستان جانا پڑا۔ ۱۹۴۹ء کو آپ کو رنگپور میں گرفتار کیا گیا۔ ۱۹۵۰ء میں راجشاہی جیل میں فائرنگ سے آپ سخت مجروح ہوئے۔ ۱۹۵۲ء میں آپکو مشرقی پاکستان سے نکال دیا گیا کچھ عرصہ تک آپ نے سوری ودیا ساگر کالج میں پڑھایا۔ بعد میں انکی سیاسی پارٹی کی وجہ سے انھیں نوکری سے برخواست کر دیا گیا۔ ۱۹۶۱ء میں آپنے کلکتہ کے ہائی کورٹ میں وکالت شروع کر دی۔

۱۹۶۲ء تک آپ مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کے اسپیکر تھے۔ آپ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۷ء میں اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے تھے۔ اسپیکر ہونے کی حیثیت سے آپ نے ساری دنیا کا سفر کیا۔

آپ اس سال اسمبلی میں دوبارہ منتخب ہوئے اور اب آپ شعبۂ عدلیہ کے وزیر ہیں۔

شری دیبا براتو بندوپادھیہ

شری دیبا براتو بندوپادھیہ، برہمپور، مرشد آباد میں ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئے ۱۹۴۲ء میں آپ نے میٹرک امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ اور اس امتحان میں پانچ لیٹر پائے۔ آپ نے کرشنا ناتھ کالج سے آئی۔ ایس سی پاس کیا۔ آپ نے جادوپور میں کیمیکل انجینئرنگ کا مطالعہ کیا۔

شری بندوپادھیہ ۱۹۴۲ء میں انقلابی سوشلسٹ پارٹی (آر ایس پی) کی طلباء شاخ کے ممبر کی حیثیت سے سیاست میں شریک ہوئے گذشتہ ۳۰ برسوں سے آپ طلباء، کسانوں اور مزدوروں کی تحریکوں سے وابستہ ہیں۔ عوامی تحریکوں کی رہنمائی کرنے کی وجہ سے آپکو قید کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔

شری بندوپادھیہ ابھی شعبہ جات پنچایت اور ترقیات کے وزیر ہیں۔

شری رادھیکا رنجن بندوپادھیہ

شری رادھیکا رنجن بندوپادھیہ ۱۹۱۹ء میں بریسال میں (جو بنگلہ دیش میں واقع ہے) پیدا ہوئے۔ آپ ۱۹۳۹ء میں سی پی آئی کے ممبر بن گئے۔ آزادی کی تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ سے آپکو کافی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، اور کئی بار آپکو قید کی سزا بھی دی گئی۔ نیز عوامی تحریک میں شرکت کی وجہ سے آپکو کئی بار جیل میں بند کر دیا گیا۔ متعدد بار آپ کو روپوشش رہکر اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھنا پڑا۔

شری بندوپادھیہ گذشتہ ۴۰ سال سے پورے وقت کے پارٹی ورکر کی طرح کام کر رہے ہیں۔ فی الحال آپ سی پی آئی (ایم) کی ۲۴ پرگنہ ضلع کمیٹی کے سکریٹریٹ کے ممبر ہیں۔ ساتھ ہی آپ سی آئی ٹی یو کی اگزیکیوٹیو کمیٹی کے بھی ممبر ہیں۔ مغربی بنگال اسمبلی انتخابات میں آپ سی پی آئی (ایم) کے امیدوار کی حیثیت سے ۱۹۶۷ء، ۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۱ء میں کامیاب ہوئے۔ اس سال آپ کمرہٹی حلقۂ انتخاب سے دوسری بار بھی منتخب ہوئے۔ شری بندوپادھیہ موجودہ بائیں محاذ حکومت میں شعبۂ جات خوراک و رسد اور امداد کے وزیر ہیں۔

شری نونی بھٹاچاریہ

شری نونی بھٹاچاریہ ۱۹۱۰ء میں مرشدآباد ضلع کے برہمپور شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے برہمپور کے۔ این کالج سے، جب آپ قیدخانہ میں تھے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ شری بھٹاچاریہ انوسیلن سمیتی کے سرگرم ممبر تھے۔ آپ انقلابی سوشلسٹ پارٹی (آر ایس پی) کے بانی ممبر ہیں۔ آپ نے ریلوے ملازمین کی تحریک کا انتظام کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ آر ایس پی کے اخبار "گن بارتا" کے ایڈیٹر تھے۔ ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۹ء میں آپ متحدہ محاذ حکومت میں وزیر صحت تھے۔

آپ صحت اور خاندانی رفاہ کے وزیر ہیں۔ بسلی پور دوار حلقۂ انتخاب سے دوبارہ منتخب ہوئے۔

شری کانتی بسواس

شری کانتی بسواس ۱۹۳۲ء میں بنگلہ دیش کے ضلع فرید پور کے ایک بہت ہی غریب خاندان میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں آپ نے ڈھاکہ یونیورسٹی سے آئی۔ کام امتحان پاس کیا اور اس امتحان میں گیارہویں نمبر پر آئے۔ بی کام اور ایم کام امتحان میں آپ علی الترتیب دوئم اور چوتھی نمبر پر تھے۔ آپکو انگلینڈ میں مطالعہ کرنے کے لئے چھ سالہ وظیفہ دیا گیا۔ لیکن اس وظیفہ سے آپ مستفید نہ ہو سکے۔ آپ گوپال گنج کالج کے لیکچرار تھے۔

شری بسواس اپنے طالب علمی کے زمانے سے ہی سی پی آئی سے وابستہ تھے۔ ۱۹۵۹ء میں مشرقی پاکستان میں فوجی حکومت کے دوران آپ پر بہت ظلم کیا گیا اور آپکو آپ کے گھر سے نکال دیا گیا۔ ۱۹۶۰ء میں آپ ہندوستان آئے اور بنگال میں بناتا ہائیر سیکنڈری اسکول کے اسسٹنٹ ماسٹر بن گئے۔ ۱۹۶۳ء میں راجار ماٹھ ہائیر سیکنڈری اسکول کے ہیڈ ماسٹر بن گئے۔ سی پی آئی (ایم) کے ممبر ہونے کے ناطے آپ نے اساتذہ اور طلباء اور نوجوانوں کی تحریکوں کے علاوہ زرعی مزدوروں کی تحریکوں سے خود کو وابستہ کر لیا۔

سابق بائیں محاذ وزارت میں آپ نوجوانوں کی خدمات شعبۂ کے وزیر تھے۔ آپ گئی گھاٹہ حلقۂ انتخاب سے دوبارہ منتخب ہوئے اور آپ پرائمری اور ثانوی تعلیم کے وزیر ہیں۔

پروفیسر نرمل بوس

آنجہانی ہیرا مبا کمار بوس کے فرزند پروفیسر نرمل بوس جلپائی گوڑی میں ۱۰ ستمبر ۱۹۳۰ء کو پیدا ہوئے۔ آپ نے کلکتہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے پاس کیا۔ آپ نے اسکول اور کالج کی تعلیم جلپائی گوڑی میں حاصل کی۔ پروفیسر بوس آزادی سے قبل طلباء کی تحریکوں میں شرکت کیا کرتے۔ اس لئے پہلی بار آپکو ۱۹۴۳ء میں پولیس نے گرفتار کیا۔ اسکے بعد سے جمہوری تحریک میں شرکت کرنے کی وجہ سے آپکو کئی بار گرفتار کیا گیا اور مہینوں آپ کو قیدخانہ میں رکھا گیا۔ آپ نے بیرباری کو پاکستان میں اور بنگلہ دیش میں (۱۹۵۸ء سے ۱۹۷۵ء تک) منتقل کرنے کے خلاف کا ہند تحریک کا انتظام کیا۔ آپ مغربی بنگال کے فارورڈ بلاک کی ریاستی سکریٹری کے ممبر اور کل ہند فارورڈ بلاک کی مرکزی کمیٹی کے ممبر ہیں۔

پروفیسر بوس مغربی بنگال قانون ساز کاؤنسل کے ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۹ء

ممبر تھے۔ نیز آپ مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کے ۱۹۸۲ء تک ممبر تھے۔
آپ کلکتہ یونیورسٹی کے سینیٹ کے ممبر تھے۔ ابھی آپ کلکتہ یونیورسٹی کے
سل کے ممبر ہیں۔

پروفیسر بوس بنگلہ اور انگریزی کی کئی کتابوں کے مصنف ہیں، آپ نے
کتابیں شائع کیں۔

آپ مغربی بنگال ریاستی کوآپریٹو یونین کے سابق چیئرمین، نیشنل کوآپریٹو
یونین آف انڈیا کے سابق نائب صدر تھے۔ آپ نے ۱۹۷۱ء میں تین افراد پر
نیشنل قومی کوآپریٹو وفد کے ساتھ روس کا دورہ کیا۔ آپ ہندوستانی
سیاسی سائنس ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری تھے اور بین الاقوامی سیاسی
سائنس ایسوسی ایشن کی اکزیکیوٹیو کمیٹی کے ممبر رہے۔ ریو ڈی جنیرو (اگست ۱۹۸۲ء)
ہوئی عالمی سیاسی سائنس کانگریس کی پروگرام کمیٹی کے ممبر، عالمی امور کے ہندوستانی
کونسل کے ممبر تھے۔

بین الاقوامی سیمینار اور کانفرنس کے سلسلہ میں آپ نے ساری دنیا کے
مختلف ملکوں کا دورہ کیا۔

آپ دوسری متحدہ محاذ حکومت میں وزیر تعاون رہیں۔

شری شمبھو گھوش

شری شمبھو گھوش آنجہانی نیت نند گھوش کے فرزند ہیں۔ ۱۰ جون ۱۹۲۳ء میں انکی پیدائش
ہوئی۔ آپ کلکتہ یونیورسٹی کے ایم۔اے ہیں۔ آپ اکو بڑیا کالج میں معلم تھے۔ آپ ۱۹۴۲ء میں
فارورڈ بلاک میں شامل ہوئے۔ جمہوری تحریکوں میں شریک ہونے کی وجہ آپکو کئی بار قید
کیا گیا۔ آپ کچھ عرصہ تک مغربی بنگال منوسپل پرائمری ٹیچرس ایسوسی ایشن کے صدر رہے۔
آپ دوسری متحدہ محاذ حکومت میں چھوٹے پیمانہ کی اور گھریلو صنعتوں کے وزیر تھے۔
آپ اس سال چنسورہ حلقۂ انتخاب سے پھر منتخب ہوئے۔ آپ ۱۹۶۷ء، ۱۹۶۹ء اور
۱۹۷۱ء میں بھی انتخابات میں کامیاب ہوئے۔

شری شمبھو گھوش ابھی اعلیٰ تعلیم کے وزیر ہیں۔

شری کمل گوہا

آنجہانی جوگیش چندر گوہا کے بیٹے شری کمل گوہا ۱۹۲۹ء میں دین ہاٹا کوچ
بہار میں پیدا ہوئے۔ آپ ۱۹۴۲ء میں فارورڈ بلاک میں شامل ہو گئے، اور اس
ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد میں شریک رہے۔ آپ نے کوچ بہار میں خاندانی حکومت
کو ختم کرنے کی تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ تحریکوں کو منظم کرنے کے لئے آپ کئی بار
گرفتار ہوئے اور قید کر دئے گئے۔ آزادی کے بعد ۱۹۴۸ء اور ۱۹۴۹ء کے درمیان
آپکو کئی بار گرفتار کیا گیا۔

شری گوہا دین ہاٹا حلقۂ انتخاب سے اس سال منتخب ہوئے۔ اور ابھی
زراعت کے وزیر ہیں۔ آپ اس سال سے قبل بھی کئی بار اسمبلی کے لئے منتخب
ہوئے۔ پہلی بائیں محاذ حکومت میں آپ وزیر زراعت تھے۔

ڈاکٹر شمبھو ناتھ مانڈی

ڈاکٹر شمبھو ناتھ مانڈی گالا سوری، مدنا پور کے ایک غریب قبائلی خاندان
میں ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ آنجہانی دولا منڈی کے بیٹے ہیں۔ آپ نے علاج
مویشی کالج، بلگچھیا میں ۱۹۶۲ء میں علاج مویشی کے سرجن بنے۔ اپنے کالج میں
وہ طلباء کی تحریک میں وابستہ تھے۔ آپ نے ہمیشہ سماج کے کمزور طبقے کے لوگوں
کی فلاح وبہبود کیلئے خدمات انجام دی ہیں۔ آپ شیڈو کاسٹ و ٹرائب کی
رفاہ کے شعبہ اور جھاڑگرام ترقیاتی شعبہ کے وزیر ہیں۔ آپ اس سال بنپور
حلقۂ انتخاب سے مغربی بنگال اسمبلی کیلئے منتخب ہوئے۔ آپ سی پی آئی (ایم)
کی ریاستی کمیٹی کے ممبر ہیں۔ نیز آپ جمہوری نوجوان فیڈریشن کی مرکزی اکزیکیوٹیو
کمیٹی کے بھی ممبر ہیں۔ (باقی آئندہ)

لوک گیت کا مطالعہ۔ بقیہ صـ۱۲ پر

کو برداشت کرکے دھرتی کے سخت سینہ سے سونا اگانے والے لوگ
بھی کہیں بے جان، کمزور اور پھیکے ادب کی تخلیق کر سکتے ہیں۔ ان گیتوں میں
ہماری دیہی زندگی اپنی ساری خوبصورتی اور توانائی کے ساتھ جلوہ گر ہوتی
ہے۔ ان لوک گیتوں کے ساتھ دھرتی گاتی ہے۔ آسمان گاتا ہے۔ چاند تارے گاتے ہیں
فطرت کے سارے عناصر گاتے ہیں۔ (بشکریہ۔ بہار کی خبریں)

سرکاری خبریں بقیہ صـ۱۱

سود اور جرمانہ کی ادائیگی سے پرہیز کرنے کے لئے اس ایکٹ کے تحت
رجسٹرڈ لوگوں کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ مقررہ تاریخ کے اندر ٹیکس ادا
کر دیں۔ انلوگوں کو جنہوں نے ابتک اپنا نام رجسٹرڈ نہیں کرایا ہے، یہ مشورہ
دیا جاتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں پروفیشن ٹیکس آفیسر، سیلس ٹیکس بلڈنگ
بیلیگھٹہ، کلکتہ سے رابطہ قائم کریں اور اپنا نام رجسٹرڈ کرائیں۔

لوک گیت کا مطالعہ

از
عنبر بہرائچی

ابھی تک ہندوستانی دیہی ادب بالخصوص لوک گیتوں کو جمع کرنے کا ہی کام زیادہ تر ہوا ہے ان جمع شدہ گیتوں کے مطالعہ میں چار زاویوں کا سہارا لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں فنی نقطۂ نظر سے لوک گیتوں کا مطالعہ زیادہ عام رہا۔ موسم کے مطابق لوک گیتوں کی اقسام کا مطالعہ کیا گیا۔ تیوہاروں اور پوجا وغیرہ کے مقدس مواقع کی بنیاد پر بھی ان کا مطالعہ کیا گیا۔ محنت کی بنیاد پر لوک گیتوں کی اقسام کو غیر سائنسی نہیں کہا جاسکتا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس طرح لوک گیتوں کا مطالعہ کس معنی میں جامع اور مکمل ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ جب تک ان گیتوں کی تشریح معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی نقطۂ نظر سے نہیں کی جاتی تب تک ان کا مطالعہ جامع نہیں کہا جاسکتا ایک ماہر لسانیات الفاظ کی ساخت و اختراع میں ہی کھو کر رہ جاتا ہے۔ فنی نقطۂ نظر سے لوک گیتوں کا مطالعہ کرنے والا تشبیہات و استعارات ڈھونڈنے ہی میں مصروف رہتا ہے۔ بارہ ماسی اور برسات وغیرہ کے تغیر و تبدل سے بھرپور رُت کو اہمیت دینے والا قاری ہجر اور وصال کے نشیب و فراز کے مشاہدوں میں ہی اپنی ساری صلاحیت صرف کر بیٹھتا ہے۔ مختلف معاشرتی مواقع پر گائے جانے والے گیتوں کو تسلیم کر کے دیہی ادب کے بہت سے عشاق انہی کی بنیاد پر لوک گیتوں کی اقسام کا تعین کرتے ہیں۔ بوائی، بزائی اور کٹائی وغیرہ کاموں کو دیکھنے والے حضرات ان گیتوں کو انہیں کاموں کی بنیاد پر تقسیم کر دیتے ہیں۔ مگر سادہ دیہی زندگی کی آبیاری کرنے والے جن معاشرتی، سیاسی، تہذیبی اور اقتصادی پہلوؤں پر ان لوک گیتوں کے ذریعہ روشنی ڈالی جاتی ہے۔ ان حقیقتوں کی طرف ہماری توجہ نہیں جاتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارے دلوں میں ان کے لئے خلوص نہیں جاگ پاتا، ہم ان گیتوں کے خالق کی سچی درد بھری پکار کو نہیں سن پاتے اور اس طرح ہم ان کے ساتھ معمولی انصاف بھی نہیں کر پاتے۔

جب ہم دیہی ادب اور دیہی فن کا مطالعہ کرنے لگتے ہیں تو فطری طور پر بہت سے سوالات ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ اگر ہم دیہی ادب یا لوک گیتوں کے بارے میں جدید سائنسی نقطۂ نظر سے خیال آرائی کرنا چاہتے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کا استعمال آج کی ہمہ گیر تعمیری سرگرمیوں میں باقاعدہ ہو تو ہمیں ان سوالات کے جوابات بھی تلاش کرنے ہوں گے۔ وہ یہ ہیں اوّل یہ ہے کہ آج کے سائنسی دور میں جب کہ زمینداری نظام ایک طرح ختم ہو چکا ہے، دیہی ادب کے کیا فوائد ہیں؟ دوم یہ کہ دیہی ادب کا چرچا کرنا اور اسے غیر ضروری حد تک اہمیت دینا کیا پیچھے لوٹنے کے مترادف نہ ہوگا؟ کیا اس سے قومی یکجہتی کا معاشرتی اور تہذیبی ارتقاء میں دشواریاں نہیں پیدا ہوں گی؟ سوم یہ کہ دیہی ادب کا مطالعہ کیوں شروع ہوا؟ کیا دیہی ادب اور کتابی ادب میں کوئی تعلق قائم ہو سکتا ہے۔ پنجم یہ کہ دیہی ادب کے لئے ہمارا زاویہ نظر کیا ہونا چاہئے اور اس کا مطالعہ کس طرح

ہوتا ہے؟ یہ کشمکش کہ کیا دیہی ادب و فن کے مطالعے سے قومی تعمیر نو میں کوئی مدد مل سکتی ہے؟ ہم یہاں سوالات کے جوابات ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔

ذوق عامہ نے ہمیشہ دیہی ادب و فن کی نشو و نما میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ عوام صرف اسی ادب کی زبان اور اس کے گوناگوں نقوش سے واقف تھے۔ ان کے ذریعہ وہ اپنی زندگی، جد و جہد، غم و خوشی، یاس و امید، شکست و فتح کے جذبات کا اظہار کرتے رہے۔

عجب بات ہے کہ اکثر سبھی ارباب ہیک آواز اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے شہری ادب و فن کی نشو و نما ہمارے دیہی ادب و فن کی رہین منت ہے۔ مگر یہ حضرات یہ نہیں کہتے کہ شہری ادب و فن کو جنم دینے کے بعد بھی دیہی ادب ختم نہیں ہو گیا۔ یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ دیہی ادب و فن کے ارتقاء میں کبھی کوئی رکاوٹ نہیں آئی بلکہ ہر دور میں عوام کے طرز معاشرت کا اظہار اسی کے ذریعہ ہوتا رہا۔ ہر دور میں شہری ادب و فن نے جو ترقی کی اس میں دیہی ادب و فن کا ہمیشہ بہت بڑا ہاتھ رہا۔

اس ضمن میں خدا جانے کتنی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ سب سے بڑا مغالطہ تو یہ ہے کہ دیہی ادب دور ماضی کی یادگار ہے۔ یہ حضرات دیہی ادب کو قدیم بتوں اور تحریروں کے صف میں رکھ کر اس کی قیمت کا تعین کرنا چاہتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہمیں بہت سے ایسے قدیم فن پارے دستیاب ہوئے ہیں جو بہت قدیم اور دلآویز ہیں اور جن کی بلندی پر ہم حیرت زدہ رہ جاتے ہیں اور ان کی قدامت پر ہمیں شبہ ہونے لگتا ہے۔ پھر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زمانہ در زمانہ ہمارے دیہی فن میں تغیر اور تبدیلی ہوتی رہی ہے اور ان کی ہیئت میں اصلاحات بھی ہوتی رہی ہیں۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ دیہی ادب اور فن کو آثار قدیمہ کی شاندار امانت تصور کرنا قطعی غلط ہے۔

جو حضرات قدیم زرعی تہذیب کو دوبارہ لانا چاہتے ہیں اور سائنس کی ترقی، صنعتی ترقی اور نئے معاشرتی نظام کی طرف سے منہ موڑ کر قدامت پسندانہ نقطۂ نظر سے سوچتے ہوئے قدیم تہذیب کو جدید تہذیب سے بہتر تصور کرتے ہیں، اور معاشرہ کو اس مقام پر پہنچا دینا چاہتے ہیں جہاں سے چل کر وہ موجودہ معیار تک پہنچا ہے، ان کی بات ہم نہیں کرتے۔ یہ حضرات دیہی ادب و فن کے لئے وہی رُخ اپنائے ہیں جو ہم بچوں کے لئے رکھتے ہیں۔ یہ حضرات دیہی فن و ادب کی سادگی اور ننگی پر ہی دل لٹا بیٹھتے ہیں۔ اور یہ نہیں دیکھتے کہ دیہی ادب کے علامتوں میں کتنی بھنگی ہے۔ ان میں انسانی وقار کے لئے کتنی ہمت، زندگی میں کتنا یقین اور سچائی کے لئے کتنی محبت ہے؟

دیہی ادب و فن کے بارے میں ایک مغالطہ یہ بھی ہے کہ وہ بھدا ہوتا ہے۔ اس کے کوئی ایک متعین ساخت نہیں ہوتی یہ بات بھی غلط ہے، زمانہ قدیم کا شاہی معاشرہ اور اس کے حاشیہ بردار دیہی ادب کے لئے یہی رخ رکھتے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ آج بھی شہری اور مہذب کہا جانے والا معاشرہ ہمارے دیہی ادب و فن کے تئیں یہی رخ اپنائے ہوئے ہے۔

جب یہ حضرات ان غیر مہذب کہے جانے والے قبائل کو مہذب بنانے کے لئے جاتے ہیں تو ان کے دل پر کیا گذرتی ہے ان کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ ان کے فنی جوہر کس طرح دھیرے دھیرے فنا ہوتے ہیں، اس کی طرف کون متوجہ ہوگا؟

اگر یہ مان لیا جائے کہ دیہی عوام بھی بہتر اور کھرے فنی شہپاروں کو پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو ہمیں یہ

بھی قبول کرنا پڑے گا کہ یہ لوگ ہمارے سماج میں معیاری مقام بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن کیا ہم یہ قبول کرنے کیلئے تیار ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ جب ہم ان کول، بھیل، تھارو، سنتھال اور دیگر قبائل کی طرز معاشرت، رقص اور موسیقی وغیرہ پر توجہ مبذول کرتے ہیں یا لوک گیتوں کی میٹھی تانیں سنتے ہیں یا اہیروں ......، بنجاروں، کہاروں، اور دھوبیوں کے رقص کو دیکھتے ہیں یا جھولے کی پینگوں ،...... کھیتوں اور کھلیانوں سے ابھرتی ہوئی راگنیوں کو سنتے ہیں تو ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ہم میں زیادہ مہذب کون ہے؟

دیہی ادب و فن کی یہ درگت ذی علم اور مہذب کہے جانے والے افراد کے ظالم ہاتھوں کے ذریعہ ہو رہی ہے۔ دیہی ادب صرف تفریح طبع کا ایک ذریعہ بن کر رہا ہے۔ اس سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کبھی بھی اس طبقے نے نہیں کی حقیقت یہ ہے کہ ہماری ہندوستانی موسیقی کے راگوں میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب اس دیہی فن کے ذریعہ تخلیق کردہ دھنوں کا ہی مرہون منت ہے۔ جس کی کتھک اور منی پوری رقص کو آج ہم ہندوستانی رقص کے بہترین نمونوں کا درجہ دیتے ہیں۔ کل تک ان کا شمار قبائلی رقص کی حیثیت سے ہی ہوتا تھا۔ ۲۰/۲۵ سال پیشتر منی پوری رقص کو وہی مقام حاصل تھا جو مقام آج ان علاقوں میں پائے جانے والے معمولی رقصوں کو حاصل ہے۔ یہی حال دیگر فنون کا بھی ہے۔ موہن جوداڑو اور ہڑپا کی کھدائی سے حاصل ہونے والے مٹی کے بتوں اور برتنوں کو دیکھکر بعد کے فن بت تراشی کی قلعی کھل جاتی ہے۔ زبان اور ادب کے میدان میں بھی یہی حقیقت سامنے آتی ہے۔

اس لئے دیہی ادب و فن کے بارے میں خیال آرائی کرتے ہوئے نہ تو کسی کرم فرمائی یا احسان کے جذبہ سے کام لینا چاہیئے۔ اور نہ انہیں سستی تفریح کا ذریعہ ماننا چاہیئے بلکہ یہ ماننا چاہیئے کہ ان کے دامن میں گہری اور سنجیدہ انسانی قدریں پوشیدہ ہیں اور یہ بھی قبول کرنا چاہیئے کہ دیہی ادب ہمیشہ تغیر پذیر اور ترقی کی منازل پر گامزن رہا ہے۔ زندگی کی طرح اس کی رفتار بھی رکنے والی نہیں ہے۔ اس میں ہمیشہ زندگی کے نئے عناصر کو قبول کرنے کی صلاحیت رہی ہے اور اس میں ہمیشہ سے ہی عظیم فنی شاہکار دستیاب ہوتے رہے ہیں۔ اس کے خارجی اور داخلی دونوں پہلو خوب صورت پرکشش اور حوصلہ افزا رہے ہیں۔

لوک گیتوں کے بارے میں ایک مغالطہ یہ بھی رہا ہے کہ ان کا خالق کوئی ایک شخص نہیں تھا بلکہ ان کی تخلیق اجتماعی کاوش کا نتیجہ ہے۔ یہ بات بالکل کھوکھلی اور بے بنیاد ہے۔ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ ان فن پاروں یا لوک گیتوں کی تخلیق میں اشخاص کا ہاتھ رہا لیکن انہوں نے اپنی روایتی انکساری کی وجہ سے اپنی فنی تخلیقات کے ساتھ اپنا نام کبھی نہیں جوڑا اور نہ ہی انہوں نے اپنی فنی تخلیقات میں اصلاح کرنے سے کسی کو بھی باز رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنیادی طور پر شخص خاص کی تخلیق ہوتے ہوئے بھی وہ تخلیق پورے معاشرے کی ملکیت ہو گئی

ہمارے معاشرہ میں ہزاروں اور لاکھوں گیت عوام کو زبان زد ہوں گے۔ اگر سارے ملک میں پھیلے ہوئے لوک گیتوں کو جمع کیا جائے تو ان کی دلاویزی دیکھ کر ہم انگشت بدنداں رہ جائیں گے۔ اس وقت ہمیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ان گیتوں کے خالق کا کوئی پتہ نہیں، یہ بھی نہیں معلوم کہ ان گیتوں کی تخلیق کب ہوئی ان کی بنیادی ساخت کیا تھی؟ ان میں کون کون سی اصلاحات کب اور کس طرح ہوئی اور کیسے یہ اپنی موجودہ شکل میں پہونچے۔ دیہی ادب میں اصل انسان بولتا ہے۔ اس کے ساتھ

یہی وہ عنصر ہے جو عصر تغیر پذیر علاقائی زبانوں کا اظہار بھی کرتا ہے اس کی ہمہ گیری میں ذرہ برابر بھی خامی نظر نہیں آتی ۔ اس ادب میں ہندوستانی تہذیب کی بنیاد اور دیہی تہذیب اپنا پرکشش چہرہ چھپائے ہوئے ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ دیہی ادب خصوصاً لوک گیتوں میں ہندوستان کی روح نغمہ سرا ہے ۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دیہی تہذیب اور شہری تہذیب میں اسی حد تک فرق ہے جس حد تک حقیقت اور استدلال میں یا سادگی اور بناوٹ میں فرق ہوتا ہے ۔ دیہی تہذیب فطرت کی آغوش میں ندیوں کے کناروں میں آبشاروں کے کنارے پہاڑوں، کھیت اور کھلیانوں کے دامن میں نشوونما پاتی ہے ۔ جب کہ شہری تہذیب دھواں اگلتی ہوئی چمنیوں، چیختی ہوئی مشینوں اور بلبوں کی تیز روشنی کے درمیان پرورش پاتی ہے ۔

لوک گیت زندہ جاوید ہیں جب سے انسانی معاشرہ وجود میں آیا تب سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سر رالف ولیمس (RAL PHWILLIAMS) نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ لوک گیت نہ پرانا ہوتا ہے نہ نیا ۔ یہ تو اس جنگلی پیڑ کی طرح ہوتا ہے جس کی جڑیں ماضی کی گہرائیوں میں دھنسی ہوتی ہیں مگر جس میں روزانہ نئی شاخیں، نئی پتیاں اور نئے پھل آتے رہتے ہیں۔ کوئی وجہ ضرور ہے کہ ہم تمثیلی، پنجابی اور مالوی، بھوجپوری اور راجستھانی اودھی اور برج لوک گیتوں میں علاقائی اور لسانی فرق ہوتے ہوئے بھی ان میں مساوی پاتے ہیں ۔ جس طرح دیہی انسانوں کے بارے میں اکثر سبھی ادبا کی رائے ہے کہ ان میں خارجی فرق کے باوجود داخلی یگانگت کارفرما ہے ۔ یہی بات لوک گیتوں سے متعلق بھی ہے ۔ ہماری لوک گیت ہر زمانہ، ہر علاقہ ہر قوم کے مزاج سے ہم آہنگ رہے ہیں ۔ اسی طرح ہمارے ملک کی علاقائی زبانوں کے لوک گیتوں میں ہی نہیں بلکہ اسکاٹ لینڈ انگلینڈ و جرمنی وغیرہ ممالک کے لوک گیتوں میں بھی اس قسم کے جذبات ملتے ہیں ۔ کہیں کہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے جملے کے جملے ترجمہ کی شکل میں رکھ دیئے گئے ہیں ۔ جزئیات کی یہ مماثلت خیالات اور نظریات کی یہ یکسوئی حیرت انگیز ہے ۔ ہمارے لوک گیتوں میں کہیں کجرارے بادلوں کو خوش آمدید کہا گیا ہے، کہیں کھیتوں کی ہریالی پر خوشی کا اظہار کیا گیا ہے ۔ کہیں دھرتی، چاند اور سورج کے لئے تشکر آمیز جذبات کا اظہار کیا گیا ہے ۔ کہیں دیوی دیوتاؤں کے حضور میں عقیدت کے پھول نچھاور کئے گئے ہیں ۔ کہیں تالابوں، دریاؤں، جنگلوں اور پہاڑوں کی پرستش کی گئی ہے ۔ کہیں وصال کے موقع پر فخر و انبساط اور ہجر کے موقع پر رنج کا اظہار کیا گیا ہے، کہیں بیٹے کی پیدائش پر خوشی ہے، کہیں بانجھ پن پر ماتم ہے ۔ کہیں خوب صورت دوشیزہ کے جذبات کا رومانی بیان ہے ۔ کہیں بھری محفل میں اونچی پگڑی باندھنے والے، فراخ سینہ اور سڈول دست بازو والے شوہر پر فخر کیا گیا ہے، کہیں بے میل شادی کا مذاق اڑایا گیا ہے ۔ کہیں بہن کا پیار اور بھائی کی قربانی، کہیں نند اور بھاوج کی نوک جھونک، کہیں ساس بہو کے جھگڑے، کہیں قومی یکجہتی کی شان میں قصیدے کہیں مذہب اور فرض شناسی کی کی تعریف اور کہیں لامذہب کی تنقید ہے ۔ غرض کہ ہمیں ان لوک گیتوں میں زندگی کے لئے بڑا اری (صحت مند، فطری) اور مضبوط زاویۂ نظر ملتا ہے ۔ قنوطیت اور یاس و فرار کی جگہ رجائیت اور حوصلہ مندی کے جذبات ہمیں ان گیتوں میں ملتے ہیں ۔ کہیں بھی ان گیتوں میں کمزوری یا پھیکا پن نہیں ہے ۔ ہمت و حوصلہ اور لگن کی کمی ہم نہیں پاتے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان گیتوں کے کردار سارے کے سارے دھرتی کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں ۔ شدید بارش گرمی اور جاڑے

(باقی صفحہ [illegible] پر)

سرکاری خبریں

ضلع ہگلی میں خشک سالی

اس سال کی خشک سالی سے ضلع ہگلی بری طرح متاثر ہوا ایک اندازہ کے مطابق اس خشک سالی سے کروڑوں روپئے کی فصل برباد ہوگئی اس ضلع کے ایک چوتھائی قابل کاشت علاقے اور تقریباً ۸ لاکھ افراد بُری طرح متاثر ہوئے۔

اس ضلع میں بارش کی کمی کی وجہ سے ۴ ½ لاکھ ایکڑ کی جگہ صرف ۶۲ ہزار ایکڑ رقبہ آراضی میں امن دھان کی کاشت کی جاسکی۔ دیگر برسوں میں یہاں اگست مہینہ کے پہلے ہفتہ سے ہی ۵ء۱ لاکھ ایکڑ زمین پر کاشتکاری کا کام شروع کردیا جاتا۔ اس سال خدشہ ہے کہ ۲۰ ہزار میٹرک ٹن امن دھان کو نقصان پہونچیگا۔ اتنے دھان کی قیمت لگ بھگ ۴ کروڑ روپئے ہے۔ اس ضلع میں اَؤس فصل کو بھی نقصان پہنچا۔ ۲۰۰۰ ایکڑ پر مشتمل کھیتوں میں فصل بالکل برباد ہوگئی اور ۲۰۰۰ ایکڑ میں فصلوں کو کافی نقصان پہنچا۔ اس طرح ۲۴۲ء۱ کروڑ روپئے کی مالیت کے ۸۰۰۰ میٹرک ٹن غلے کا نقصان ہوا۔ پاٹ کی فصل کے نقصان کی مالیت تقریباً ۲ کروڑ روپئے ہے۔

خشک سالی کی اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے سلسلہ میں مضافاتی کام کرنے کے لئے پنچایتوں کے ذریعہ اب تک ۲۴ لاکھ روپئے خرچ کئے گئے۔ نیز اسی مقصد کے لئے ریاستی حکومت نے مزید ۱۰ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔ اس کے علاوہ حکومت نے قومی مضافاتی روزگار اسکیم کے تحت بھی ایک کروڑ روپئے کی منظوری دی ہے۔ بے استحقاقی امداد کے تحت تقریباً ۷ ہزار لوگوں کے درمیان ایک ہزار میٹرک ٹن چاول تقسیم کیا گیا۔ نیز کھاد کے لئے ۱۵ لاکھ روپئے اور بیج کی سپلائی کے لئے ۱۰ لاکھ روپئے فراہم کئے گئے۔

اینٹ صنعت کے مسائل

شری کنائی لال بھٹاچارجی، وزیر کاٹیج اور صنعت، حکومت مغربی بنگال، نے گذشتہ ۱۰ اگست کو اینٹ صنعت پر ایک سیمینار کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کلکتہ اور اسکے اردگرد کے علاقوں میں مختلف بڑے بڑے پروجیکٹوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کی وجہ سے اینٹوں کی مانگ میں کافی تیزی سے اضافہ ہوا۔ انہوں نے مزید کہا کہ اینٹ صنعت کو اب سائنسی طریقہ سے جدید پیمانہ پر ڈھالا جارہا ہے۔ انہوں نے اینٹ سازوں سے کہا کہ وہ اینٹ صنعت کی وجہ سے رونما ہونے والے آلودگی اور کٹائی کے مسائل کو زیر غور رکھیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ اینٹوں کی مانگ میں کافی اضافہ ہوا ہے، لیکن اسکی قیمت کو ایک ایسی سطح پر رکھنی چاہیے جس سے غریب لوگوں کو فائدہ پہونچے۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری جوتن چکرورتی، وزیر تعمیرات عامہ، مغربی بنگال، نے کہا کہ مغربی بنگال میں ہر سال ۴۰۰ کروڑ اینٹیں تیار کی جاتی ہیں۔ جن میں سے ریاستی حکومت ایسے اینٹ میزان میں ۷ کروڑ اینٹیں تیار کرتی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ چونکہ اس صنعت میں زیادہ سے زیادہ مزدور کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اس صنعت سے دیہی روزگار کے امکانات پیدا کرنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ چونکہ اس صنعت میں کافی مزدور کام کرتے ہیں اس لئے یہاں مزدوروں کی فلاح و بہبود کے قوانین کو روبہ عمل لانا چاہئے

ترقیاتی اسکیموں کے لئے

سی ایم ڈی اے کے عطیات

کلکتہ میٹروپولیٹن ڈیولپمنٹ آتھوریٹی نے مندرجہ ذیل اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے ۱۲ء۸۴ کروڑ روپئے بطور اخراجات دینے کی منظوری ہے۔

۱۔ سودپور میں دیش بندھو نگر پرائمری اسکول کی عمارت کی نو تعمیر۔

۲۔ کلکتہ میں دو یکا نند اود یہ لایہ کی عمارت کی نو تعمیر ۳۔ گانش پور مخصوص علاقہ کے حکام کے دائرہ عمل کے تحت گانش پور اور کانا گنج گوکل پور کالونی میں ۶ فیٹ چوڑی پختہ سڑک کی تعمیر ۴۔ گھولا، ضلع ۲۴ - پرگنہ میں واقع ربندرا ودیا پیٹھ کی عمارت کی نو تعمیر ۵۔ نمتا میں واقع کھردد چندو بند و پادھیہ پرائمک ودیہ لایہ کی عمارت کی نو تعمیر اور ۶۔ نمتا میں پبلیس پرائمری انسٹی ٹیوشن کی نئی عمارت کی تعمیر۔

دماغی امراض کے مریضوں کے علاج کے لئے حکومت کا عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے مانکنڈو مینٹل ہسپتال کے حکام کو ۹۰ ہزار روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔ اس ہسپتال میں حکومت کی طرف سے بھیجے گئے دماغی امراض کے مریضوں کے علاج کے لئے مخصوص بستروں کے لئے ۳۰۰۰ روپئے فی بستر سالانہ کے حساب مذکورہ عطیہ دیا گیا۔

کلکتہ شہری لائبریری میں نیا ایکشن......

شریمتی چھایا بیرا، ریاستی وزیر برائے سماجی تعلیم اور لائبریری خدمات نے ۱۵ اگست [illegible] کو کلکتہ میں کلکتہ میٹروپولیٹن لائبریری کے عام اور بچوں کے پڑھنے کے شعبوں کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے انھوں نے لائبریری تحریک کے ہمدردوں اور درکروں سے پُرزور اپیل کی کہ وہ اس تحریک کو آگے بڑھانے میں پورے اعتماد کے ساتھ کام کریں۔ شری سوشیل داس گپتا، ڈائرکٹر تعلیم عامہ، ڈاکٹر سوشیل گپتا ڈائرکٹر، لائبریری خدمات اور شری پرابیر رائے چودھری، سلا بنگال لائبریری اسوسی ایشن نے بھی اس موقع پر تقریریں کیں۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ۱۹۷۹ء میں اس لائبریری کا افتتاح کیا تھا۔ اس میں ابھی مطالعہ کرنے کے کمرہ کی خدمات اور بچوں کی لائبریری کا اضافہ کیا گیا۔ اس لائبریری میں تقریباً ۲ لاکھ روپئے کی مالیت کی کتابیں ہیں۔ پڑھنے والوں کی ضرورت کے پیش نظر اس لائبریری میں انگریزی اور بنگلہ کے علاوہ اُردو، ہندی اور اڑیہ زبان کی کتابیں رکھی گئی ہیں

پیشہ ٹیکس ادا کرنے والوں سے اپیل

ریاستی حکومت نے یکم اپریل ۱۹۷۹ء سے پیشہ ٹیکس جاری کیا تھا۔ برسر روزگار اور کاروباری لوگوں کو یہ ٹیکس مقررہ شرح میں ہر سال ۳۰ ستمبر تک ادا کر دینا چاہئے۔ اب تک اس زمرہ میں ۲۲۵۰۰۰ لوگوں نے اپنے نام درج کرائے ہیں جنہیں ریاستی حکومت کو یہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ ٹیکس ادا کرنے میں اگر تاخیر ہو جائے تو تاخیر کرنے والے لوگوں کو ہر ماہ ٹیکس کی جتنی رقم انکو ادا کرنی ہے اس پر ۲ فی صد کی شرح پر آسان سود ادا کرنا ہوگا۔ ایسے ٹیکس نہ ادا کرنے والوں کے خلاف اس ایکٹ کے تحت قانونی اقدامات کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

(باقی صفحہ ۶۳ پر)

دیسی کرگھا صنعت

Editor : D. N. Dutta, Associate : Md. Azam, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal and Printed by IMPRESSIVE IMPRESION 10, Dr. Kartick Bose Street, Calcutta 700 009.

یکم اکتوبر ۱۹۸۲ء

مغربی بنگال

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر ...... دھریندرا ناتھ نادت .....
.... مدیر معاون .... محمد اعظم .....

شرح خریداری
سالانہ ...... ۳ روپئے
قیمت
فی پرچہ ...... ۱۲ پیسے

جلد نمبر ۲۹ یکم اکتوبر ۱۹۸۲ء شمارہ نمبر ۱۸ اور ۱۹

شری بی-ڈی-پانڈے، گورنر، مغربی بنگال، ۹ ستمبر ۸۲ء کو
سینٹ جانس ایمبولنس کا پہلا 'فلیگ' خریدتے ہوئے۔

وزیر اعلیٰ نے ریاستی بجٹ پیش کیا

وزیر اعلیٰ شری جیوتی نے، جو حکومت مغربی بنگال کے شعبہ مالیات کے بھی انچارج ہیں، گزشتہ ۴ ستمبر کو مغربی بنگال اسمبلی میں حکومت مغربی بنگال کا سنہ ۱۹۸۲-۸۳ء کے لئے بجٹ پیش کیا۔ بجٹ پیش کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے مغربی بنگال میں بائیں بازو حکومت کی واضح کارگزاری اور مرکز ریاست مالیاتی تعلقات واضح کیا۔ وزیر اعلیٰ کی بجٹ تقریر اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

میں اس اسمبلی کے ممبران کی توجہ دو اہم باتوں کی طرف مرکوز کرانا چاہتا ہوں یہ باتیں بہت ہی اہم ہیں اور اس ریاست کے لوگوں اور خاص طور پر دیہی اور شہری علاقوں میں رہنے والے لوگوں کی اکثریت کی فلاح و بہبود سے وابستہ ہیں۔

گزشتہ جون مہینہ میں میں نے اپنے بیان میں ریاست میں پھیلی ہوئی شدید خشک سالی کا ذکر کیا تھا۔ اس سال کی خشک سالی گویا گزشتہ سال کی خشک سالی کا سلسلہ ہے۔ اس ریاست کے بہت سارے علاقوں میں ستمبر مہینہ کے درمیانی عرصہ سے ناکافی بارش ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے امن دھان کی پیداوار میں ۲۵ فی صد کمی ہوئی ہے۔ اس کے بعد گیہوں اور بورو دھان کی پیداوار میں شدید کمی ہوئی۔ اس طرح مضافاتی معیشت پر زبردست دباؤ پڑا۔

اس سال کے شروع میں وقت پر بارش کے نہ ہونے سے صورت حال اور بھی خراب ہو گئی۔ اس سال پاٹ، آؤس اور امن دھان کی فصلوں کو کافی نقصان پہونچا۔ ایک اندازہ کے مطابق سال رواں میں تقریباً ۲۷۵ کروڑ روپئے کی مالیت کی فصل کو نقصان پہونچا۔ اس خشک سالی کی وجہ سے اضلاع پرولیا، مالدہ، بانکوڑہ، مدناپور، بردوان، بیربھوم، مرشد آباد، ندیا، ہگلی، ہوڑہ، ۲۴ پرگنہ اور مغربی دیناج پور میں پینے کے پانی کی شدید کمی ہو گئی۔

ہم لوگ ہنگامی بنیاد پر اس صورت حال کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ بلا استحقاقی امداد کی تقسیم کا کام تیزی سے کیا جا رہا ہے۔ امدادی کام کی اسکیموں کی تکمیل کے لئے کافی فنڈ فراہم کئے گئے۔ پنچایتوں سے کہا گیا ہے کہ وہ قومی مضافاتی روزگار پروگرام کے تحت اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے کام کو اور بھی تیز کر دیں۔ شعبۂ زراعت چھوٹے چھوٹے تھیلوں میں بیج اور دیگر زرعی چیزوں کی تقسیم کا کام تیزی سے انجام دے رہا ہے۔ ہم ترجیحی بنیاد پر پینے کے پانی کی سپلائی اور تغذیہ پروگرام کو بروئے عمل لا رہے ہیں۔ ہم لوگوں نے لاکھوں مصیبت زدگان کی امداد کے لئے حلقے کے تحت جتنے ذرائع ہیں انہیں کام میں لا رہے ہیں۔

ہم لوگوں نے حکومت ہند سے درخواست کی ہے کہ وہ اس ریاست کی معیشت کی بہتری کے لئے ہمیں ۴۴ کروڑ روپے کی مالی امداد فراہم کرے۔ اب تک حکومت ہند نے ہماری درخواست پر ۲۴٫۷۷ کروڑ روپئے کے اخراجات کی منظوری دی ہے۔ ہماری یہ تجویز ہے کہ ہم حکومت ہند سے یہ درخواست کریں گے کہ وہ اس امر پر دوبارہ غور کرے۔ مسلسل خشک سالی سے ریاست کی مالی حالت پر بھی شدید اثر پڑا۔

مسلسل خشک سالی نے تو اس ریاست کی غذائی صورت حال شدید طور پر متاثر ہوئی۔ اس ریاست میں عام طور پر ۲۰ لاکھ ٹن غذائی اجناس کی کمی ہوتی لیکن اب یہ کمی ۳۳ لاکھ ٹن ہو گئی ہے چونکہ آئندہ کی امن فصل بھی اچھی نہیں ہوگی اس لئے ہم قانونی راشننگ اور جزوی راشننگ کے علاقوں کی غذائی اجناس کی ضرورتوں کو اسی وقت پورا کر سکتے ہیں جب اس سلسلہ میں مرکزی حکومت ہمیں معمولی سے زیادہ اجناس فراہم کرے۔

محترم جناب، ہم لوگوں عرصہ سے مرکزی حکومت سے اس بات کی درخواست کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں ماہانہ عوامی تقسیم نظام سے ....۳۰ ٹن چاول اور ......ا ٹن گیہوں اور رولر میدہ ملوں کیلئے ...۵۵ ٹن گیہوں دے۔ فی الحال ...۵۴۲ ٹن چاول گیہوں دیا جاتا ہے جو ناکافی ہے اور اس کے علاوہ فوڈ کارپوریشن وریلوے کی وجہ سے باضابطہ بنیاد پر غذائی اجناس مذکورہ مقدار میں ہر وقت نہیں پہونچتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض ضلعوں میں راشن کی دوکانوں میں چاول و گیہوں وقت پر نہیں بھیجا جا سکتا۔ بہت ہی ہوشیاری کے ساتھ اور بروقت اقدامات کے ذریعہ ہم لوگوں نے راشننگ نظام کو برقرار رکھنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔

ہم لوگوں نے اناج کی سپلائی میں اضافہ کرنے کیلئے مرکزی گودام کے علاوہ آندھرا پردیش سے بھی چاول منگانے کا انتظام کیا۔ آندھرا پردیش سپلائی کارپوریشن سے ۴۰ ہزار ٹن چاول خرید نے کا معاہدہ کیا گیا ہے اور اب تک اس معاہدہ کے تحت ۲۴ ہزار ٹن سے زیادہ چاول ہم لوگوں کو مل چکا ہے اور اس چاول کو قانونی راشننگ کے علاقوں میں بذریعہ راشن دوکان تقسیم کیا جا رہا ہے

ہمیں یقین ہے کہ مرکزی حکومت اس ریاست کی سنگین غذائی صورت حال کا غائر مطالعہ کریگی اور وقت پر مناسب مقدار میں غذائی اجناس اس ریاست میں سپلائی کریگی تاکہ یہاں کے لوگوں کو بے جا پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

میں نے گذشتہ ۱۵ رجون کو یہ کہا تھا کہ ہملوگ اس ایوان میں اپنی نظر ثانی کردہ بجٹ تجاویز کے ساتھ پھر ملیں گے۔ اس وقت میں نے اس بات کا ذکر کیا تھا کہ اس دوران ہم لوگ بینک قرض (اوور ڈرافٹ) اور مقدویہ کے سائز کی بابت بجٹ پیش کرنے سے قبل بات چیت کریں گے لیکن میں یہ کہہ نہیں سکتا کہ یہ مسائل تشفی بخش طور پر حل ہو گئے۔ اس کے باوجود ہم لوگوں نے یہ فیصلہ کیا ہے مرکز سے ہماری جو بات چیت ہوئی ہے اس کی روشنی میں ہم لوگ آگے بڑھیں گے۔

جیسا کہ عزت مآب ممبروں کو معلوم ہے کہ حکومت ہند نے تمام ریاستوں پر ۳۱ رمارچ ۱۹۸۲ء کو اوور ڈرافٹ کی جتنی رقوم باقی تھیں ان رقموں کو درمیانی عرصہ کے قرض میں تبدیل کر دیا۔ نیز مرکز نے یہ بھی کہا کہ یکم جولائی ۸۲ء کے بعد سے اوور ڈرافٹ کی اجازت نہیں دی جائیگی۔ اس مالی سال کے پہلے تین مہینوں میں جتنا اوور ڈرافٹ کیا گیا، اس رقم کو اس مالی سال میں واپس کر دینی ہوگی۔ اسکے معنی یہ ہوئے کہ مالی سال کے آخری نو مہینوں میں ریاستوں کی مالی حالت اتنی اچھی ہو جائیگی کہ وہ اس قرض کو ادا کر دیں گے۔ یہ تمام فیصلے اس سال کے دوران کئے گئے جبکہ ملک کے بہت سارے علاقے شدید خشک سالی میں مبتلا ہیں۔ ہماری یہ رائے ہے کہ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ریاستوں کو کچھ وقت دینا چاہیئے۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ مرکزی حکومت اوور ڈرافٹ کے کچھ حصہ کو قلم زد کر دے، کیونکہ مرکز کے افراط زر کی پالیسی کی وجہ سے ریاستوں کو بینکوں سے رقوم ادھار لینی پڑی اور باقی حصہ کو لمبے عرصہ کے قرض میں تبدیل کر دے۔ بدقسمتی سے ہماری تجویز قبول نہیں کی گئی۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ مرکزی حکومت کے لئے یہ لازمی امر بن جائے گا کہ وہ سال رواں میں اپنے فیصلہ کا از سر نو جائزہ لے۔

اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ ریاستوں نے انتہائی مالیاتی ضبط سے کام لیا ہے۔ ریاستوں نے ۷۸ء سے اب تک کل ۳۴۷ کروڑ روپے بطور اوور ڈرافٹ لیا۔ اس رقم کو حکومت ہند نے درمیانی عرصہ کے قرض میں تبدیل کر دیا۔ دوسری طرف گذشتہ تین برسوں میں مرکزی حکومت کو ہر سال ۱۲۰۰ کروڑ روپئے کی کمی برداشت کرنی پڑی۔ ایک طرف ریاستوں سے یہ کہا گیا کہ وہ ترقیاتی مدوں میں اپنے اخراجات میں کمی کرے اور بینکوں سے قرض نہ لیں تو دوسری طرف مرکزی حکومت خود اپنے اوپر ایسی پابندی عائد نہیں کرتی۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر

قوم کی منظم اور متوازن ترقی میں دلچسپی لینے والے تمام لوگوں کو غور کرنا چاہیئے۔ اس لئے میں ایکبار پھر حکومت ہند کو پیش کی گئی تجویز کو دہراتا ہوں کہ کمی کو بینکوں سے قرض لے کر پورا کرنے کے سوال پر مرکز اور ریاستیں تفصیلی طور پر گفت و شنید کریں اور اس کا ایک تشفی بخش حل دریافت کریں۔ اوور ڈرافٹ کی بابت حکومت ہند کے فیصلہ سے جو فوری مسائل پیدا ہوئے، انہیں پیش نظر رکھتے ہوئے ہم لوگوں کو ۱۹۸۲-۸۳ کے لئے اپنے سالانہ منصوبہ کے سائز کو گذشتہ سال کے منصوبہ کے سائز کے برابر رکھنا پڑا۔ اس فیصلہ سے اس ریاست کے عوام بری طرح متاثر ہوں گے۔

ہمارے منصوبہ میں خشک سالی سے متاثر علاقوں کیلئے چند خصوصی پروگرام ہیں۔ ہمیں اپنے منصوبہ کے سائز کو ۱۲۵ کروڑ روپئے تک محدود رکھنا پڑا۔ اس رقم میں خشک سالی سے متاثر علاقوں کی اسکیموں کیلئے مزید ۱۵ کروڑ روپئے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ چونکہ اس سلسلہ میں حکومت ہند کی منظوری تاخیر سے ملی، اس لئے اس رقم کو بجٹ کے تخمینہ میں شامل نہیں کیا جا سکا۔

کم اخراجات کی بنیاد پر اپنے منصوبہ کو مرتب کرتے وقت ہم لوگوں نے اس بات کو زیر غور رکھا کہ ترقی کے پھل سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہوں۔ اس سلسلہ میں زیر تکمیل اسکیموں پر اور چھوٹی چھوٹی اسکیموں پر زیادہ زور دیا جائے گا۔

حضرات، مغربی بنگال کے لوگوں کیلئے منصوبہ کے سائز میں اضافہ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ افراط زر جس پر ہمیں کوئی "کنٹرول نہیں ہے" کی وجہ سے، عوام کو فراہم کردہ کم سے کم لازمی خدمات کو برقرار رکھنے کے اخراجات میں اضافہ ہو گیا ہے۔

مثال کے طور پر ہم نے تعلیم کی مد پر اخراجات میں کافی اضافہ کیا ہے۔ اس بار ۱۹۸۳-۸۴ء میں ۱۲۹ کروڑ روپے جبکہ موجودہ سال میں ۹،۴ کروڑ روپئے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ ہم نے بارہویں کلاس تک تعلیم مفت کر دی ہے۔ نیز پسماندہ علاقوں میں بہت سے نئے اسکول قائم کئے۔ نیز اسکول کے غریب طلباء کو نصاب کی کتابیں مفت سپلائی کی گئیں۔ انکے ٹفن کا بھی انتظام کیا گیا۔

گذشتہ تیس برسوں میں جن باتوں کی کوشش کی نہ گئیں، ہم نے انہیں مختصر عرصہ میں پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی کوششیں کیں۔ وسیع پیمانہ پر سماجی سرمایہ کاری پروگرام بہت ہی اہم فیصلہ ہے۔ یہ تو ملک کے آنے والے شہریوں کیلئے سرمایہ کاری ہے۔

اس سلسلہ میں میں ان مطالبات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو ریاستوں سے وسیع پیمانے پر کئے جا رہے ہیں۔ ریاستوں سے یہ کہا جا رہا ہے کہ ان کے منصوبہ میں وسائل کی جو کمی ہے اسے پورا کرنے کے لئے وہ اپنے طور پر مزید وسائل اکٹھا کرنے کی کوشش کریں۔ یہاں یہ ذکر کرنا کافی ہے کہ ریاستوں کو ایسا کرنے کے لئے بہت ہی کم دستوری اور قانونی گنجائش رکھی گئی ہے اور اگر وہ ایسا کریں تو انکے اس اقدام سے غریبوں اور ضرورتمندوں کو کافی نقصان پہونچے گا۔ موجودہ مندا بازاری کے رجحانات کے پیش نظر ریاستوں کو کیلئے محاصل کی موجودہ سطحوں کو برقرار رکھنا مشکل ہوگا۔ بدقسمتی سے حکومت ہند ترقیاتی اقدامات کے لئے ریاستوں کو فنڈ فراہم کرتے وقت ان محدود اجزاء پر غور کرنا نہیں چاہتی۔

اب میں آپ لوگوں کے سامنے ترقیاتی انتظامیہ سے متعلق چند اہم فیصلوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

جیسا کہ عزت مآب ممبروں کو معلوم ہے، ہماری حکومت نے گذشتہ پانچ برسوں میں مقامی سلف گورنمنٹ کو فروغ دینے اور عوام کی جمہوری تمناؤں کو پورا کرنے کی مسلسل کوششیں کی ہیں۔ ہم نے پنچایتی راج اداروں کو وسائل کے ساتھ ساتھ ذمہ داری بھی منتقل کر دی۔ میونسپل انتظامیہ کو مستحکم بنانے کیلئے ہم نے شری بھبتوش دت کی چیئرمین شپ میں ایک میونسپل مالیات کمیشن قائم کیا ہے۔ شری دت ملک کے بہت ہی مشہور ماہر اقتصادیات ہیں۔ اس کمیشن نے اپنی رپورٹ داخل کر دی اور حکومت کمیشن کی سفارشات پر غور کر رہی ہے۔ اسی دوران اس رپورٹ پر حکومت کے دو اہم فیصلوں کا اعلان کرتے ہوئے مجھے خوشی حاصل ہو رہی ہے۔ کمیشن کی سفارش کے مطابق حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء تک کلکتہ کارپوریشن اور دیگر میونسپلٹیوں نے حکومت سے

جتنا قرض لیا تھا، اس کی ادائیگی سے انہیں معاف کر دیا جائے۔ ہم نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ ریاستی تفریح ٹیکس سے جتنی رقوم حاصل ہوں گی ان کا نصف میونسپل علاقوں کی ترقی کے لئے آبادی کی بنیاد پر میونسپلیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان دو اقدامات، عوام کی خدمت کرنے کے لئے شہری مقامی حکومت کی کوششوں کو مستحکم بنائینگے۔

مارچ ۱۹۸۱ء میں نیز جون ۱۹۸۲ء میں بھی پیش کردہ بجٹ میں ابتدائی کمی ۶۳ کروڑ روپئے کی تھی۔ بعد میں کل ابتدائی کمی ۱۴۰۳ کروڑ روپئے کی ہوئی۔ اس فرق کی وجہ اس وقت واضح ہو جائیگی جب ۸۲-۱۹۸۱ء کیلئے حقیقی اخراجات اور آمدنی کی رپورٹ اس ایوان میں پیش کی جائیگی۔ درایں اثنا ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ریزرو بینک آف انڈیا کے پیش کردہ اوور ڈرافٹ (قرض) کی رقم کے سلسلہ میں جو حساب پیش کیا گیا فی الحال اسے تسلیم کر لیا جائے اور جب ۸۲-۱۹۸۱ء کیلئے صحیح آمدنی اور خرچ کا حساب دستیاب ہوگا، تو اس وقت یہ بات بھی معلوم ہو جائیگی کہ اوور ڈرافٹ کتنے کا ہے۔

۸۳-۱۹۸۲ء میں ریونیو خرچ کا تخمینہ ۱۵۴۰ کروڑ روپیہ اور آمدنی کا تخمینہ ۱۳۹۷ کروڑ روپیہ ہے۔ اس طرح اس مد میں ۱۴۳ کروڑ کی کمی ہوتی ہے۔ دیگر مدوں میں مجموعی طور پر ۱۱۷ کروڑ روپئے فاضل باقی ہوں گے اس طرح ٹیکس کی موجودہ سطحوں کے مطابق ۲۶ کروڑ روپے کی کمی ہوگی۔ اس سلسلہ میں فاضل ٹیکس کے ذرائع کو بروئے کار لانا چاہتا ہوں تاکہ یہ کمی پوری ہو جائے۔

میری تجویز یہ ہے کہ ان چیزوں کی تیاری پر، جن پر بنگال فائنس (سیلس ٹیکس)، ۱۹۴۱ء اور مغربی بنگال سیلس ٹیکس ایکٹ ۱۹۵۴ء کے تحت ٹیکس عائد کیا جاتا ہے، براہ راست استعمال میں آنے والی خام اشیاء اور مصنوعات کو لپیٹنے کی چیزوں پر ٹیکس کی رعایتی شرح ۲ کو ایک فی صد سے بڑھاکر ۲ فی صد کر دیا جائے۔ ایسی تبدیلیاں حسب معمول موٹر اسپرٹ اور اخباروں پر بھی لاگو ہوں گی۔ لیکن کوئلہ اٹھانے اور بجلی پیدا کرنے والے یونٹوں کیلئے ضروری خام اشیاء پر ٹیکس کی موجودہ شرحیں جاری رہیں گی۔ میری یہ بھی تجویز ہے کہ ہانڈی، برتنوں (پتھر، مٹی سے بنی ہوئی ہانڈیوں کو چھوڑکر)، بجلی کے ساز و سامان، خشک اور محفوظ پھل، کاغذ بورڈ اور وناسپتی پر ٹیکس کی شرح میں ایک فی صد کا اضافہ کیا جائے۔ مغربی بنگال میں اڑیسہ کے مقابلہ میں ڈیزل (پٹرول) تیل پر ٹیکس کی شرح کم ہے اس لئے میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ ڈیزل تیل پر سیلس (فروخت) ٹیکس کی موجودہ شرح ۹ فی صد سے بڑھاکر ۱۲ فی صد کر دیا جائے۔

ساگودانہ، اونی موزہ وغیرہ اور بجلی یا تیل سے چلنے والے زرعی آلات کو سیلس ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ اب میری تجویز یہ ہے کہ ان پر ۸ فی صد کے حساب سے ٹیکس عائد کیا جائے۔ نیز بوتلوں میں بند ایلوکوہل (شراب) پر عائد ایکسائز ڈیوٹی میں کچھ اضافہ کرنے کی میری تجویز ہے۔

جیسا کہ عزت مآب ممبروں کو معلوم ہے حکومت ہند نے فروری ۱۹۸۱ء میں کوئلہ میں رائلٹی (ٹیکس) کی شرح پر نظر ثانی کی حالانکہ حکومت کو اگست ۱۹۷۹ء میں ایسا کرنا چاہیئے تھا۔ اسکے نتیجہ میں اس ریاست کو تقریباً دو برسوں میں کم محاصل وصول ہوئے۔ دوسری طرف اس ریاست نے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا کہ کوئلہ کان کے علاقوں میں آمد و رفت اور دیگر سہولتیں فراہم ہوں۔ اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ کوئلہ ٹیکس کی شرح ایک روپیہ فی ٹن سے بڑھاکر ۲ روپیہ فی ٹن کر دیا جائے۔ میری یہ بھی تجویز ہے کہ مغربی بنگال دیہی روزگار اور پیداوار ایکٹ ۱۹۷۶ء کے تحت کوئلہ کی کانوں پر بھی ٹیکس کی شرح ۵ روپیہ فی ٹن سے بڑھاکر ۷.۵۰ روپیہ فی ٹن کر دیا جائے۔

کچھ عرصہ سے سینما ہال صنعت کے مسائل بھی ہمارے زیر غور رہیں خاص طور پر حکومت یہ دیکھنا چاہتی ہے سینما ہال کے ورکروں کو فائدہ پہونچے۔ اس مقصد کے پیش نظر اس صنعت کی بہتری کے کیلئے میری یہ تجویز ہے بنگال تفریحی ٹیکس ایکٹ ۱۹۲۲ء کے تحت ٹیکس اور رنگین فلموں پر ٹیکس کی شرحوں میں کچھ تبدیلی لائی جائے۔ اس اقدام سے سینما ہال کے مالکوں کی آمدنی میں اضافہ ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ مالکان اس اضافہ شدہ آمدنی سے اپنے ملازمین اور مزدوروں کو فائدہ پہونچائیں گے اور سینما بینوں کے لئے بہتر سہولتیں فراہم کریں گے۔ اس اسمبلی کے حالیہ سیشن میں ان تجاویز کی تفاصیل، منی بل (زر بل) کی شکل اس ایوان میں پیش کیا جائیگا۔

میری ایک تجویز یہ ہے کہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ تفریح پر ٹیکس

کے لیے گنجائش رکھنے کے سلسلے میں ایک بل پیش کیا جائے۔ اسمبلی کے موجودہ سیشن میں عزت مآب ممبروں کے سامنے مغربی بنگال تفریح۔ مو فرحت بل ۱۹۸۲ء پیش کیا جائے گا۔

حالیہ دور میں چائے صنعت میں مندا بازاری کا رجحان نظر آرہا ہے۔ جیسا کہ عزت مآب ممبران جانتے ہیں، یہ تو حکومت ہند کا فرض ہے کہ وہ اس اہم زرمبادلہ کمانے والی صنعت کی مدد کرے۔ اس سلسلہ ہم کچھ زیادہ نہیں کر سکتے۔ ہمیں یقین ہے کہ حکومت ہند اس صنعت کو اسکے پاؤں پر کھڑا کرنے کیلئے موثر اقدامات کریگی۔ اپنے طور پر ہم لوگوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ٹیکس کی ساخت میں یکسانیت لائی جائے اور ٹیکس میں کچھ رعایت دی جائے۔ میری تجویز یہ ہے کہ مغربی بنگال دیہی روزگار وپیداوار ایکٹ، ۱۹۷۶ء کے تحت چائے پر ٹیکس کی شرح میں کمی کی جائے اور تیار کردہ چائے پر ٹیکس فی کیلوگرام ۵ روپئے کی جگہ ۵۰ء۱ روپیہ اور سبز چائے پتیوں پر ۲۰ء۱ روپیہ کی جگہ ۳۰ پیسے فی کیلوگرام کر دیا جائے۔

میں دیگر چیزوں پر بھی ٹیکس کی کچھ رعایتیں دینے کی تجویز پیش کرتا ہوں اور مغربی بنگال میں گھڑیاں اور ہاتھ گھڑی پر سیلس ٹیکس کی شرح دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔ اس لیے میری تجویز ہے کہ ان پر سیلس ٹیکس ۱۵ فی صد سے گھٹا کر ۱۲ فیصد کر دیا جائے۔ اسی طرح انگریزی اور ہومیوپیتھک ادویہ پر مغربی بنگال سیلس ٹیکس ایکٹ ۱۹۵۴ء کے تحت ۸ فیصد ٹیکس عائد کیا جاتا ہے، لیکن آیورویدک (موسدھا) اور یونانی ادویہ پر بنگال فائننس (سیل ٹیکس) ایکٹ، ۱۹۴۱ء کے تحت ۸ فیصد ٹیکس عائد کیا جاتا ہے۔ اس تفریق کو ختم کرنے کیلئے میری تجویز یہ ہے کہ آیورویدک (موسدھا) اور یونانی ادویہ کو مغربی بنگال سیلس ٹیکس ایکٹ ۱۹۵۴ء کے تحت لایا جائے اور ان پر ۴ فیصد ٹیکس عائد کیا جائے۔

ہم لوگ دھان اور گیہوں کے بیج پر ٹیکس عائد نہیں کرتے ہیں کیونکہ یہ خوراک ہیں اور بنگال فائننس (سیلس ٹیکس) ایکٹ، ۱۹۴۱ء کے تحت یہ ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔ ہندوستان کے کومٹرولر اور آڈیٹر جنرل نے اس بات پر اعتراض کیا کیونکہ بیج خوراک نہیں ہے۔ اسلئے میں متعلقہ قوانین میں ترمیم لانا چاہتا ہوں تاکہ دھان اور گیہوں کے بیج اس ایکٹ کے تحت ٹیکس سے مستثنیٰ رہ سکیں۔

ٹیکس کی ساخت میں مجوزہ تبدیلیوں کی تجویز کے علاوہ میری یہ بھی تجویز ہے کہ سیلس ٹیکس ایکٹس، مغربی بنگال ابتدائی تعلیم ایکٹ، ۱۹۷۳ء اور مغربی بنگال دیہی روزگار وپیداوار ایکٹ ۱۹۷۶ء میں ترمیم لائی جائے تاکہ ان کے تحت ٹیکس کی وصول میں آسانی ہو۔

سیلس ٹیکس کی شرحوں، چائے اور کوئلہ پر ٹیکس، تفریحی ٹیکس اور آبکاری کی شرحوں میں تبدیلی سے ریاستی حکومت کو پورے سال میں تقریباً ۵ کروڑ روپئے بطور فاضل محاصل حاصل ہوں گے۔ موجودہ مالی سال کے باقی ماندہ عرصہ میں ان مدوں کے تحت ۲۵ء۲ کروڑ روپئے حاصل ہوں گے۔

ان تمام اقدامات سے ہماری آمدنی اور خرچ میں فرق بہت حد تک کم ہوجائے گا اور سال کے آخر میں ایک کروڑ روپئے کے لگ بھگ کمی ہوگی۔

میں نے گذشتہ موقعہ پر مرکز، ریاست مالیاتی تعلقات سے متعلق چند خصوصی مسائل کا ذکر کیا تھا۔ میرے خیال میں یہ ضروری ہے کہ ان میں سے چند کا ایک بار پھر ذکر کیا جائے۔ جیسا کہ عزت مآب ممبران کو معلوم ہے کہ حکومت ہند نے ونا سپتی، ادویہ، سمنٹ، کاغذ، کاغذ بورڈ اور پیٹرولیم کی مصنوعات پر سیلس ٹیکس کی جگہ فاضل اکسائز ڈیوٹی عائد کرنے کیلئے انہیں اعلان کردہ چیزوں کی فہرست میں شامل کرنے کی تجویز کی مالی پیچیدگیوں کا مطالعہ کرنے کیلئے ایک ماہر کمیٹی تشکیل کی ہے۔ ہم لوگوں نے اس تحریک کی مزاحمت کی، اور یہ ایکٹ جو سوتی کپڑے، شکر اور تمباکو پر سیلس ٹیکس کی جگہ فاضل اکسائز ڈیوٹی عائد کرنے کا مرکزی حکومت کو اختیار دیتا ہے، دستوری لحاظ سے صحیح ہے یا نہیں، اس کی بابت معلومات حاصل کرنے کیلئے ہم نے اس معاملہ کو تحریری طور پر سپریم کورٹ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ممبروں کو اس بات سے خوشی حاصل ہوگی کہ اب دیگر ریاستوں نے بھی، اس کمیٹی میں اپنی نمائندگی کے دوران مرکز کی اس تحریک کی سخت مخالفت کی۔ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مرکز کی تحریک سے حکومت کی وفاقی ساخت بری طرح متاثر ہوگی اور ریاستوں کو مرکز کی امداد پر گذر بسر کرنا پڑے گا۔

مجھے امید ہے کہ یہ کمیٹی اور مرکزی حکومت ریاستی حکومت کے نظریہ پر غور وخوض کریگی اور اس تجویز کو واپس لے لیگی۔

مرکزی حکومت کو ریاستی حکومتوں سے زیادہ محاصل کے وسائل حاصل ہیں۔ مرکزی حکومت بیرونی بازار سے بھی قرض لے سکتی ہے۔ دوسری طرف ریاستوں کو اندرون ملک کے بازاروں سے قرض لینے کا مناسب حق حاصل نہیں

ہے۔ یہ باتیں اعداد و شمار سے بالکل عیاں ہو جاتی ہیں۔ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۶ء تک تیسرے پنجسالہ منصوبہ کے عرصہ میں مرکزی اور ریاستی حکومتوں نے بازار سے کل ۸۲۳ کروڑ روپئے قرض لیے۔ ان میں سے مرکز نے ۳۰۷ کروڑ روپئے یعنی ۳۷.۳ فیصد اور ریاستوں نے مجموعی طور پر ۵۱۶ کروڑ روپئے یعنی ۶۲.۷ فیصد قرض لیے۔ چھٹے پنجسالہ منصوبہ کیلئے جس کی مدت ۱۹۸۵ء تک ہے۔ بازار سے ۲۰۰۰ کروڑ روپئے لینے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس رقم میں سے یعنی ۲۵ فیصد قرض کی گنجائش ریاستوں کیلئے رکھی گئی ہے۔ اگر ریاستوں کو اس اہم ذرائع میں مساوی حصہ دیا جاتا، تو ریاستوں کو اور ۵۰۰ کروڑ روپئے بطور قرض ملتا۔ اس رقم سے ریاستیں نہ صرف اپنے اپنے اوور ڈرافٹ کی رقوم واپس کر دیتیں بلکہ ترقیاتی کام کیلئے ان کے پاس کچھ رقوم رہ جاتیں۔ کئی ریاستوں نے ہماری اس رائے سے اتفاق کیا کہ بازاری قرض میں ریاستوں کے حصہ میں کم از کم ۲۵ فیصدی کا اضافہ کر دیا جائے۔ اس مانگ کیلئے ہم دباؤ ڈالتے رہیںگے۔

چھوٹی بچت بھی ریاست کیلئے غیر ٹیکس محاصل کا ایک اور اہم ذریعہ ہے۔ جب ریاستوں میں چھوٹی بچت کے تحت زیادہ رقوم جمع ہونے لگیں تو اس وقت مرکزی حکومت نے ان ذرائع کے رخ کو اپنی طرف موڑنے کیلئے اپنی اسکیمیں رائج کیں۔ مرکز نے چھوٹی بچت اسکیم کے باہر، سرمایہ لگانے کی پرکشش بونڈ اسکیم رائج کی۔ نیز اس اسکیم کے سود میں خصوصی مراعات دی گئی ہیں۔ ہماری یہ تجویز ہے کہ اس اسکیم پر جو ٹیکس بچت دی جاتی ہے۔ ویسی سہولیتیں چھوٹی بچتوں کیلئے بھی دی جائے، اور سرمایہ کاری بونڈ سے جو رقوم حاصل ہوں، انہیں ریاستوں کے درمیان بھی تقسیم کیا جائے۔

اگر مرکزی حکومت ریاستوں کے چھوٹے موٹے وسائل کو مصرف میں لانے کی کوشش کرے تو اس کی وجہ سے ریاستیں مکمل طور پر اپنے عوام کی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکیں۔ اس لئے میں ایکبار پھر مرکزی حکومت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ترقیاتی مالیات سے متعلق جیسے اہم مسائل پر ریاستوں کے نقطۂ نظر کو سراہے۔ میں یہاں اس بات کو دہرانا چاہتا ہوں کہ ہمارے موجودہ نظام کے تحت ریاست کی ترقی کا انحصار صرف ریاستی حکومت کی کوششوں پر نہیں ہے۔ اس کام کے لئے مرکزی حکومت، مالیاتی اداروں اور پرائیویٹ سیکٹر کی شرکت لازمی ہے۔

ہم لوگوں نے چند اہم صنعتی پروجیکٹ جیسے ہلدیہ پیٹرو کیمیکلس پروجیکٹ سالٹ لیک الکٹرونکس کمپلکس، ہلدیہ جہاز مرمت کارخانہ، اور دیگر دفاعی پیداواری یونٹ کے قیام کے لئے اور مرکزی حکومت کے ذریعہ المونیم کارپوریشن آف انڈیا لمیٹیڈ، جے کے نگر، انجیک ٹائرس لمیٹیڈ، کلکتہ، نیشنل ربر مینوفیکچررس لمیٹیڈ کلکتہ اور دیگر اہم صنعتی یونٹوں کو قومیانے کے لئے مرکزی حکومت کے سامنے تجاویز پیش کی تھیں لیکن ابھی تک ہمیں حکومت کے مثبت جواب کا انتظار ہے۔

ہماری ریاست کو جن بنیادی صنعتی خام اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے سلسلہ میں مساوی کرایہ کے لئے ہم لوگوں نے مرکزی حکومت سے درخواست کی تھی، لیکن ابھی تک مرکزی حکومت انکار کر رہی ہے۔ اس کی وجہ سے اس ریاست کی صنعتی ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔ ہم لوگ اس سلسلہ میں پر خلوص طریقہ سے حکومت ہند سے بات چیت کر رہے ہیں۔ مالیاتی ادارہ بھی مشرقی علاقہ میں نئی سرمایہ کاری کرنے سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ میں مرکزی حکومت، مالیاتی اداروں اور پرائیویٹ سیکٹر سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس ریاست کی موجودہ سازگار صنعتی فضا سے مستفید ہوں اور ریاستوں کی ترقی کے کام میں مکمل طور پر شریک ہوں۔

آخر میں میں عزت مآب ممبروں کو اس بات کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس سال ہم موجودہ ٹیکس قوانین کا بہتر طور پر انتظام کر کے اپنے محاصل میں اضافہ کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔ ہم لوگ مالیاتی کنٹرول کا اس طرح استعمال کریں گے جس سے عوامی فنڈ کے استعمال سے بہتر نتائج حاصل ہوں۔ ہم لوگ اس ریاست کے پبلک انڈر ٹیکنگس (عوامی اداروں) کے کام کاج میں بھی اس طرح بہتری لانے کی کوشش کریں گے کہ ان کے نقصانات میں کمی ہو جائے۔ اس کوشش میں بھی ہمارے ملازمین، انتظامیہ اور عام لوگوں کی مکمل تائید کا متمنی ہوں۔

آئندہ دو سال ہم لوگوں کیلئے خاص طور پر مشکل کے سال ہوں گے، کیونکہ آٹھویں مالیاتی کمیشن کے فیصلے یکم اپریل ۱۹۸۴ء سے نافذ العمل ہوں گے۔ اسلئے ہمیں درپیش مسائل کو حل کرنے کے لئے حتی الامکان کوششیں کرنی ہوں گی۔ اس ریاست کے عوام نے ہم لوگوں پر اعتماد کیا ہے اور اسلئے ہمیں اور بھی تحمل اور عزم مصمم کے ساتھ کام کرنا ہے۔ ہماری ذمہ داری بہت عظیم ہے لیکن اسکے باوجود ہم معاشی اور سماجی ترقی کی راہ سے، جس پر ہم لوگوں نے اس ریاست اور ریاست کے عوام کو گامزن کیا ہے۔ دور نہیں بھاگیں گے اور اس راہ پر پرخلوص طریقہ سے گامزن رہیں گے۔
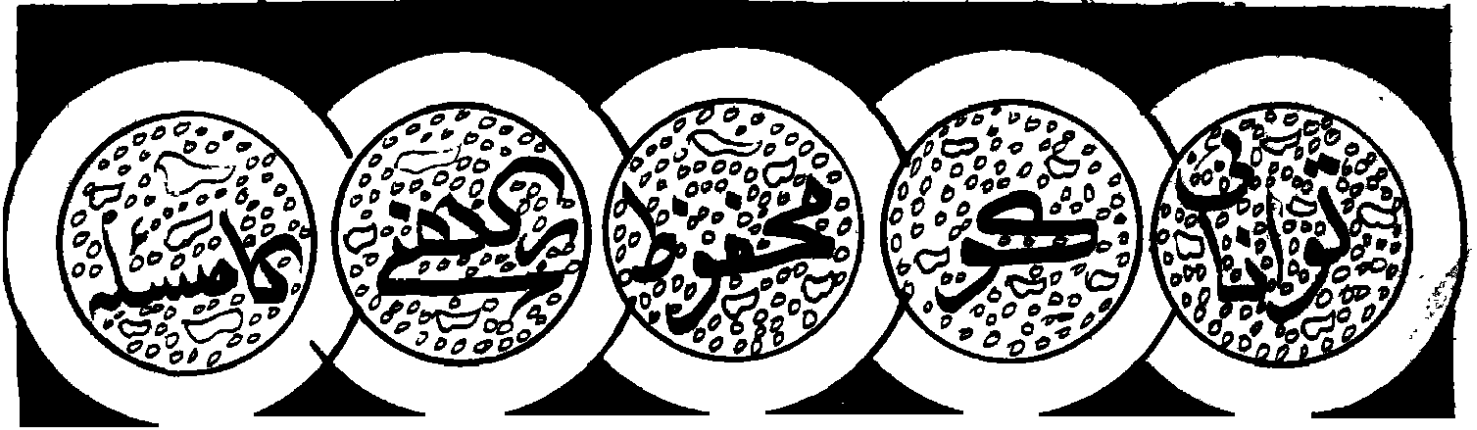
(ھندوستانی انجینیرنگ صنعتوں کے اسوسی ایشن نے گذشتہ ،راگست کو گرانڈ ہوٹل، کلکتہ میں ایک ورک۔ شاپ کا انتظام کیا تھا۔ اس ورکشاپ میں شری شنکر گپتا، ریاستی وزیر توانائی نے تقریر کی : جو درج ذیل ہے۔)

مجھے اس بات سے بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ اس ورک شاپ کے شروع میں میں آپ کے درمیان ہوں۔ یہاں آپ لوگ جو فیصلہ کرینگے اور جس نتیجہ پر پہونچینگے، ان کا مجھے اور حکومت مغربی بنگال کو بڑی دلچسپی سے انتظار ہے۔ ہندوستانی انجینیرنگ صنعتوں کے اسوسی ایشن نے اس مسئلہ کی طرف، جس کا جدید انسانی تہذیب کی بقا کے سوال سے براہ راست تعلق ہے، توجہ مبذول کرانے کے لئے بہت بروقت پہل کی۔ توانائی کو محفوظ رکھنا اب بہتر زندگی کیلئے توانائی کے وسائل میں سے ایک کا انتہائی حد تک استعمال کرنے کے انتظام کا معمولی سوال ہی نہیں ہے، بلکہ ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اپنی دور اندیشی اور منصوبہ بندی کی کمی کی وجہ سے ہم اس محرک طاقت کو بے جا خرچ نہ کر دیں کیونکہ ہماری ٹکنالاجی پر مبنی تہذیب کی طاقت کے پیچھے یہی توانائی کارفرما ہے۔

یہاں سائنس داں، ٹکنالاجی کے ماہرین، پالیسی ساز اور دیگر ماہرین موجود ہیں۔ وہ سب آپس میں اس مسئلہ پر بحث و مباحثہ کرینگے اور ہمیں یہ بتائینگے کہ توانائی کے وسائل کو کس طرح بہترین طریقہ سے بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ شری سنگھ نے اپنی استقبالیہ تقریر میں ہم لوگوں کو یہ بتایا کہ اس سلسلہ میں اب ہمیں فیصلہ کرنا ہے۔ اس پر میں اتنا ہی شامل کرنا چاہتا ہوں کہ اگر اس کام میں مزید تاخیر کرینگے تو اس کا نتیجہ بہت ہی تباہ کن ثابت ہوگا۔ اس لئے حکومت، عوام اور صنعت کو اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ایک ساتھ مل کر کام کرنا ہوگا۔ میں آپ لوگوں کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ یہاں آج صنعت نے جو پہل کی ہے حکومت اسی مطابق حسب ضرورت اقدامات کریگی اور بہت ہی جلد صحیح سمت میں چھوٹے پیمانہ پر لیکن اقدامات آپ کو نظر آنے لگے گا۔

توانائی کو محفوظ رکھنے کا آج جو تصور ہے وہ اس بات پر مبنی ہے کہ توانائی کے ذرائع ناقابل تجدید ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ کا اہم حل یہ ہے کہ توانائی کے ایسے ذرائع کی تلاش کی جائے جو قابل تجدید ہوں اور پھر ان کا معاشی لحاظ سے بہتر طور پر استعمال کیا جائے۔ ہوا، موجوں اور سورج کی روشنی سے ہم یہ حاصل کرسکتے ہیں لیکن جب تک ہم ایسا نہیں کرسکتے اس وقت تک ہمیں توانائی کے قدیم زمین دوز ذرائع پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے۔ یہ خاص طور پر ترقی پذیر اور ہمارے ملک کی طرح دیگر غریب ملکوں میں بہت ہی مشکل کام ہے کیونکہ یہاں لوگ اپنے کام کے لئے بہت ہی کم توانائی استعمال کرتے ہیں۔ اگر انہیں اس سے بھی کم توانائی استعمال کرنے کو کہا جائے تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ انہیں ان کی کم سے کم ضرورتوں سے بھی محروم رکھا جائے۔ ساری دنیا میں توانائی کا اعتدال کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے اور اس طرح توانائی کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہیں۔ لیکن ہمارے ملک کی طرح اور ملکوں میں توانائی کی جتنی زیادہ بچت کی جاسکے اتنا ہی بہتر ثابت ہوگا، کیونکہ ایسی بچت سے اپنے پڑوسیوں کا کچھ فائدہ کرسکینگے، ساتھ ہی ایسی بچت ہم صرف کل کے لئے نہیں کر رہے ہیں بلکہ آج بھی ہم اسے بہتر طور پر استعمال میں لاسکتے ہیں۔

ہمیں یہ معلوم ہے کہ اگر ہم ٹکنالاجی کو بہتر طور پر استعمال میں لائیں تو اس سے توانائی کی بچت ہوسکتی ہے۔ اسپات، سمنٹ، المونیم اور دیگر صنعتوں میں ٹکنکی بہتری سے توانائی کے استعمال میں بہت حد تک کمی ہوسکتی ہے۔ ہندوستان میں اس بات کی تجویز پیش کی ہے کہ ان ٹکنالاجی میں، جو نہ بنیادی ہے اور نہ جن کے لئے کافی سرمایہ

کی ضرورت ہو۔ تب تبدیلی سے توانائی کے صرف میں ۳۰ فیصد کمی ہو سکتی ہے
اس طرح جاپان میں بڑی صنعت میں توانائی کی بچت کے لئے مختلف طریقہ کار کو روبہ عمل
لایا گیا ہے۔ یہاں بھی حکومت اور صنعت کو ایک ساتھ مل کر کام کرنا ہوگا۔
ہمارا مقصد تو یہ ہونا چاہئے کہ توانائی کے ایک ذریعہ کو انتہائی حد تک بروئے کار لایا
جائے اور اس سلسلہ میں توانائی کی بچت کے لیے بہتر اقدامات بہم پہنچانے کا کام حکومت
کی طرف سے انجام دیئے جانے چاہئیں۔ کیا اب صنعت اس چیز کو عملی جامہ پہنا سکتی ہے
جو عملی طور پر ممکن ہے اور جس پر مزید اخراجات بھی نہیں ہونگے۔؟

میں اس بات کا ذکر کر رہا ہوں کہ چند صنعتوں میں پیداواری طریقہ کار میں اس
طرح تبدیلی کی جائے کہ اس سے صنعتی پیداوار کے طور پر توانائی حاصل ہو۔ مجھے بتایا گیا ہے
کہ ایسے تجربات شکر، کاغذ اور کھاد صنعتوں میں قابل عمل ہیں۔

اب وقت آگیا ہے کہ توانائی کی بچت کے ایک نظام کو رائج کرنے کے لئے صنعت
اور حکومت کو مشترکہ طور پر ٹھوس فیصلہ کرنا چاہئے۔ شروع شروع میں کچھ تکلیف ہوگی لیکن
توانائی کے استعمال اور سپلائی میں عاقبت اندیشی کے فیصلے سے، جیسا کہ زر نقد اور اجناس کی سپلائی
میں عاقبت اندیشی برتی جاتی ہے، آگے چل کر بہت فائدہ ہو سکے گا۔ مجھے یہ نہیں معلوم ہے کہ
اس نقطہ کو ورکنگ گروپ کے ایجنڈہ میں شامل کیا گیا ہے یا نہیں، لیکن میرے خیال میں
اس نقطہ پر غور کرنا بہت ہی مفید ثابت ہوگا۔

میں یہاں توانائی کے لئے قیمت کی پالیسی کا ذکر نہیں کرنا چاہتا لیکن ہم سب
ایک بات پر متفق ہیں کہ آج ہندوستان میں توانائی کی جو قیمت ہے اس کا صحیح معاشی
قیمت سے کوئی واسطہ نہیں۔ کیا ایک بہتر قیمت پالیسی کے بغیر توانائی کو محفوظ رکھا
جا سکتا ہے؟

میرے خیال میں توانائی کو محفوظ رکھنے کا مسئلہ ہمارے طرز زندگی سے بھی
وابستہ ہے۔ ہمیں اپنے طرز زندگی میں تبدیلی لانی چاہئے اور اس طرح اس کی ضرورت
کے لئے عوام میں بیداری پیدا کرنا چاہئے۔ مثال کے طور پر ٹرانسپورٹ (نقل و حمل) کو لیجئے
میں نے حال ہی میں ڈاکٹر سرینواسن چیئرمین، ایٹومک انرجی کمیشن کا ایک مضمون پڑھا۔
اس مضمون میں انھوں نے کہا کہ اگر لوگ انفرادی گاڑیوں کی جگہ عوامی گاڑیوں میں سفر کریں
تو اس سے پٹرول کی کافی بچت ہو سکتی ہے۔ جرمنی میں ایک مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوئی
ہے کہ اگر ایک شخص ۱۰۰ کیلو میٹر کا سفر بذریعہ موٹر گاڑی کرے تو ایک حساب کے
مطابق اس فاصلہ تک ایک بس کے سفر کرنے میں جتنی پٹرول کی ضرورت ہوتی ہے،
موٹر گاڑی پر چار گنا زیادہ پٹرول خرچ ہوتا ہے اور اسی فاصلہ تک ڈیڑھ ہزار
مسافروں کو لے جانے والی ریل گاڑی میں جتنا خرچ ہوتا ہے، موٹر گاڑی میں پر ڈیڑھ
گنا زیادہ خرچ ہوتا ہے یا پکانے کی مثال لیجئے۔ ہم لوگ ہر روز کافی مقدار میں
گیس اور پٹرول اور کراسن تیل ضائع کرتے ہیں۔ نقل و حمل اور پکانے میں تیل کے
خرچ کو کم کیا جا سکتا ہے اور ایسا کرنے کے طریقہ کار بھی دستیاب ہیں۔ اہم بات
یہ ہے کہ ایسے طریقہ کار کی ضرورت سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے یا پھر گھر کی بتیوں
کی مثال لیجئے۔ ہم ۱۰۰ واٹ کی بتی جلاتے ہیں جب ہمیں ۴۰ واٹ کے ٹیوب لائٹ
سے اتنی ہی روشنی ملتی ہے۔ کیوں ہم گرمی کے ایئر کنڈیشنر کے استعمال میں کافی مقدار
میں بجلی کے استعمال کو برداشت کریں۔ ہندوستان کے دیگر شہروں میں موسم گرما میں
گھریلو اور کاروباری استعمال کے لئے جتنی بجلی کا استعمال ہوتا ہے، ایئر کنڈیشننگ
میں اس بجلی کی ۱۵ تا ۲۰ فی صد بجلی استعمال کی جاتی ہے۔ زراعت میں کیوں اس بات کا
فیصلہ نہیں کیا جاتا کہ ہم مشینوں کو چلانے کے لئے تیل کی جگہ بجلی استعمال کی جائے۔

تقریر ختم کرنے کے قبل اس شہر میں جہاں ہم سب رہتے ہیں، بجلی کے استعمال کے
چند طریقہ کار کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ جب ہمیں بجلی فراہم کی جاتی
ہے تو اس وقت ہم اس کی بچت کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہم فاضل بتی کو یا پنکھے
کو ایئر کنڈیشنر کو جب ان کی ضرورت نہیں ہوتی، بند نہیں کرتے۔ بجلی کی نافراہمی کی
وجہ سے جب نصف شہر میں بجلی سپلائی نہیں کی جا سکتی تو اس وقت دوسرے نصف میں
بجلی کی سپلائی جاری رہتی ہے۔

شہر کلکتہ میں شام کے وقت ۵۵۰ سے ۵۶۰ میگاواٹ بجلی کی
ضرورت ہوتی ہے۔ اس مقدار میں ۲۸۷ میگاواٹ بجلی تحفظ کردہ بجلی ہوتی ہے۔
اس میں سے ۱۸۲ میگاواٹ ضروری ہوتی ہے اور ۱۰۵ میگاواٹ غیر ضروری۔ کیا ہم
اس بات کا جائزہ نہیں لینگے کہ لازمی ضرورت کتنی ہے۔ کیا ہم اس بات پر غور نہیں
کرینگے کہ کیوں لازمی ضرورت کی بجلی لے جانے والے تاروں میں غیر ضروری بجلی بھی
بھیجی جاتی ہے؟ ان تمام باتوں پر حکومت غور کر رہی ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہم بہت
ہی جلد اس سلسلہ میں آپ لوگوں کے سامنے کچھ پیش کر سکیں گے۔

منصوبہ بند طریقہ کار سے توانائی کا استعمال اور اس کا تحفظ منصوبہ کا ایک جزو
ہوتا ہے آپ لوگوں کو یہ جان کر خوشی حاصل ہوگی کہ حال ہی میں ہماری حکومت نے اس
معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور و خوض کرنے کے لئے ایک اعلیٰ اختیاری توانائی منصوبہ بندی کمیٹی قائم کی ہے
اس موقعہ پر میں آپ سبھوں سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس کمیٹی سے
تبادلہ خیال کریں۔

امرت اندو مکھرجی

آنجہانی پنچانن مکھرجی کے فرزند شری امرت اندو مکھرجی سنہ ۱۹۰۸ء میں اسلام نگر، ضلع ندیا میں پیدا ہوئے۔ شری مکھرجی نے ۱۹۲۵ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ جب آپ اسکول میں ہی تھے تو اس وقت کے ظلم کے خلاف آپ نے انقلابی طلباء کی تحریک میں حصہ لیا۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں جب آپ صرف ۱۶ سال کے تھے، آپ انقلابی تنظیم جگانتر پارٹی میں شریک ہو گئے۔ سنہ ۱۹۳۴ء میں آپ کو ۵ سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ حراست کے دوران آپ کو علی پور سنٹرل جیل میں رکھا گیا۔ اس کے بعد آپ کو جزائر انڈمان کے جیل میں بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد پھر آپ کو علی پور جیل میں لایا گیا اور یہاں سے دم دم سنٹرل جیل میں بھیج دیا گیا۔

سنہ ۱۹۳۸ء میں رہائی کے بعد شری مکھرجی ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے۔ آپ نے ضلع ندیا کے چوڈانگا اور صدر سب ڈویژن کے کسانوں کی تنظیمیں قائم کیں اور اس کے ساتھ اسی ضلع میں کسان سبھا کی تشکیل کی۔ آپ نے رشتا اور کرشنگر کے تکلا اور کپڑے کے ملوں کے مزدوروں کی تحریکوں کا انتظام کیا۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران آپ نے جبری ٹیکس کے خلاف مزدوروں کی تحریکوں کی رہنمائی کی۔

سنہ ۱۹۴۳ء میں شری مکھرجی سی پی آئی کی ندیا ضلع کمیٹی کے سکریٹری تھے۔ سنہ ۱۹۴۹ء میں آپ کو اس وقت مشرقی پاکستان کی حکومت نے ایک سال کی سزا دی۔ آپ کو کشتیا، راج باڑی اور پبنا میں ۲۸ دنوں تک پولیس کی حراست میں رکھا گیا۔ آخر میں آپ کو مشرقی پاکستان سے نکال دیا گیا۔ مغربی بنگال آنے کے بعد آپ نے بہت ساری تحریکوں، غذائی تحریک میں حصہ لیا اور سنہ ۱۹۵۶، ۵۹ء اور سنہ ۱۹۶۲ء میں آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ آپ سنہ ۱۹۶۷ء، سنہ ۱۹۶۹ء اور سنہ ۱۹۷۱ء میں سی پی آئی (ایم) امیدوار کی حیثیت سے مغربی بنگال اسمبلی میں منتخب ہوئے۔

شری مکھرجی اس سال کرشنگر مغرب اسمبلی حلقہ انتخاب سے منتخب ہوئے۔ موجودہ بائیں محاذ حکومت میں آپ جانوروں کی پرورش اور ڈیری ترقیات شعبوں کے وزیر ہیں۔

شری بھوانی مکھرجی

آنجہانی نریندر ناتھ مکھرجی کے بیٹے شری بھوانی مکھرجی دسمبر سنہ ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ہگلی محسن کالج سے بی۔ ایس۔ سی پاس کیا۔ نوجوانی میں شری مکھرجی، ومنیش مجمدار، بپن بہاری گانگولی جیسے انقلابیوں سے رابطہ قائم کیا۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں آپ شہری نافرمانی تحریک کے والینٹیر بن گئے۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں شری مکھرجی ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے۔ سنہ ۱۹۳۹ء میں جنگ کے خلاف تحریک میں شامل ہونے کی وجہ سے آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ آپ نے چندن نگر کی آزادی کی تحریک میں بھی حصہ لیا۔ سنہ ۱۹۴۴ء اور سنہ ۱۹۴۳-۴۵ء میں سیاسی تحریکوں کی تنظیم کے لئے

آپ کو جیل جانا پڑا۔ آپ سات بار سے مغربی بنگال اسمبلی میں منتخب ہوئے۔

آپ موجودہ بائیں محاذ حکومت میں شعبہ ماحول کے وزیر انچارج ہیں۔

شری رُدوبن مکھرجی

شری رودبن مکھرجی موجودہ بائیں محاذ حکومت میں ٹرانسپورٹ کے وزیر انچارج ہیں۔ آپ آنجہانی جتندرا ناتھ مکھرجی کے فرزند ہیں۔ آپ ۱۸ جولائی ۱۹۱۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ ۱۹۳۶ء میں کمیونسٹ پارٹی کے ممبر بنے۔ ۱۹۵۷ء سے ہونے والے تمام انتخابات میں، سوائے ۱۹۷۲ء کے آپ اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے۔ شری مکھرجی دوسری عالمی جنگ کے شروع ہونے سے قبل ہی سیاست میں شامل ہو گئے اور جمہوری تحریکوں کی تنظیم کے لئے آپ کو کئی بار جیل جانا پڑا۔ آپ ساؤتھ سوبربن میونسپلٹی کے چیئرمین تھے۔ فی الحال آپ سی آئی ٹی یو کے نائب صدر اور متعدد ٹریڈ یونینوں کے صدر ہیں۔

شری پریمل مترا

شری پریمل مترا ۱۱ اپریل ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ آپ آنجہانی ستناد ھر مترا کے فرزند ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہونے سے قبل آپ طلباء تحریکوں میں سرگرم طور پر حصہ لیا کرتے۔ جب آپ جلپائی گوڑی میڈیکل کالج کے تیسرے سال کے طالب علم تھے، تو اس وقت آپ نے کمیونسٹ پارٹی کے لئے پورے وقت تک کام کرنا شروع کیا۔ ۱۹۴۱ء میں آپ روپوش ہو گئے۔ آپ جلپائی گوڑی ضلع طلباء فیڈریشن کے بانی صدر ہیں۔

شری مترا شمالی بنگال کے بازاروں میں کرایہ اکٹھا کرنے کے کام کی روک تھام اور تاریخی تبھاگا تحریک کے لئے تحریکوں کے منتظمین میں سے ایک تھے۔ آپ بنگال ڈوار ریل روڈ ورکرس یونین اور بنگال آسام ریل روڈ ورکرس یونین کے صدر تھے۔ آزادی کے بعد شری مترا نے آسام کے ریلوے ورکروں کے درمیان کام کرنا شروع کیا۔ ۱۹۵۲ء میں آپ نے شمالی بنگال میں چائے مزدوروں کی تحریک کو منظم کرنے کی خدمات انجام دیں۔ ابھی آپ چائے باغات کے مزدور یونین (مغربی بنگال) کے جنرل سکریٹری ہیں۔ شری مترا سی آئی ٹی یو کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر اور سی پی آئی (ایم) کی جلپائی گوڑی ضلع کمیٹی کی سکریٹریٹ کے ممبر ہیں۔ حالیہ اسمبلی انتخابات میں آپ جلپائی گوڑی ضلع میں کرانتی حلقۂ انتخاب سے منتخب ہوئے۔ فی الحال آپ شعبہ جات جنگلات و سیر و تفریح کے وزیر انچارج ہیں۔

شری پرواش چندر رائے

شری پرواش چندرا رائے ۱۹۰۷ء میں بوڑل ۲۴ پرگنہ میں پیدا ہوئے۔ آپ آنجہانی سریندرا ناتھ رائے کے فرزند ہیں۔ آپ نے تیرہ سال کی عمر میں خلافت تحریک اور عدم تعاون تحریک میں شرکت کی۔ انقلابی لیڈر الزدپ سین اور سریاسن نے آپ کو انقلابی سیاست سے روشناس کرایا۔ آپ جگانتر پارٹی کے بھی ممبر تھے اور شری اننتو سنگھ، شری گنیش گھوش اور شری بی بن بہاری کانگولی کے شریک کار بھی تھے۔ چاٹگام کے اسلحہ خانہ میں حملہ کرنے کے بعد آپ کو کئی جیلوں میں مقید رکھا گیا۔ ۱۹۳۶ء میں سی پی آئی کے ممبر ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں آپ نے پاٹ مل اور اسپننگ مل ورکروں کی تحریکوں کی رہنمائی کی۔ آپ سندر بن ترقیات کے وزیر انچارج ہیں۔ آپ ۱۹۵۲ء میں بھی مغربی بنگال اسمبلی میں منتخب ہوئے تھے۔ آپ ۱۹۶۴ء میں سی پی آئی (ایم) میں شامل ہو گئے۔ آپ ۲۴ پرگنہ ضلع کمیٹی کے سکریٹری اور ریاستی کرشک سبھا کے صدر ہیں۔

شری پراشانتو سور یکم جنوری ۱۹۲۳ء کو ڈھاکہ ضلع (بنگلہ دیش) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے ضلع میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے کلکتہ یونیورسٹی

سے ایم۔ اے اور وکالت کا امتحان پاس کیا۔ آپ نے ۱۹۵۴ء میں کلکتہ ہائی کورٹ میں ایک ایڈووکیٹ کی حیثیت سے شرکت کی۔ اس سے قبل ۱۹۴۲ء میں جب آپ سیول سپلائیز کے انسپکٹر ۔ آپ نے سرکاری ملازمین کی تحریک کی رہنمائی کی۔ اس کی وجہ سے آپ کو نومبر ۱۹۴۹ء میں ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔
۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو رائٹرس بلڈنگس میں وزیر اعلیٰ کے سامنے ایک تحریک کی سربراہی کرتے ہوئے آپ کو گرفتار کیا گیا۔

اپنے طالب علمی کے زمانے میں آپ مارکزم کی طرف مڑ گئے اور طلباء نوجوان تحریک میں حصہ لینا شروع کیا۔ اس کے فوراً بعد ہی آپ سی پی آئی کے ممبر بن گئے۔ ۱۹۴۲ء اور ۱۹۵۶ء کے درمیان آپ نے بہت ساری جمہوری تحریکوں میں حصہ لیا اور چھ بار آپ کو قید کی مشقت برداشت کرنی پڑی۔ ۱۹۵۰ء میں آپ کو بکسر جیل خانہ میں رکھا گیا تھا۔

شری سور دو مسلسل عرصہ یعنی ۱۹۶۹-۷۰ء اور ۱۹۷۱ء تک کلکتہ کارپوریشن کے منتخب رہے۔ آپ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۲ء تک کلکتہ کارپوریشن کے کاؤنسلر تھے۔ آپ سی پی آئی (ایم) کی کلکتہ ضلع کمیٹی کے ممبر ہیں۔
پہلی بائیں محاذ حکومت میں شری سور مقامی حکومت، شہری ترقی اور کلکتہ شہر کی ترقی کے وزیر انچارج تھے۔ بڑے بڑے شعبوں کے وزیر ہونے کے باوجود شری اڑے ہگلی ریور برج کمشنرس کے چیئرمین ہیں۔ اس پروجکٹ کے ۱۹۸۶ء تک مکمل ہو جانے کی امید ہے۔

شری پرسانتا سو ٹالی گنج حلقہ انتخاب سے دوسری بار مغربی بنگال اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے۔ آپ نئی وزارت میں لوکل گورنمنٹ و شہری ترقی کے وزیر ہیں۔

محمد عبد الباری

شری محمد عبد الباری ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے وزیر ریاست ہیں۔ آپ ۱۹۱۹ء میں مرشدآباد ضلع کے گلمبر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے فلسفہ میں ایم اے کیا۔ اس کے بعد آپ نے بی۔ ٹی کیا۔ آپ نے ڈومکل مجاہدین ہائر سیکنڈری اسکول میں ۱۹۵۶ء میں اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر کا کام کیا۔ ۱۹۵۸ء میں آپ نے سی پی آئی سے رابطہ قائم کیا اور ۱۹۶۲ء میں اس کے ممبر بن گئے۔ جمہوری تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ سے آپ کئی بار قید کی سزا بھگتنی پڑی۔ آپ اساتذہ کی تحریکوں میں سرگرم حصہ لیتے ہیں۔ آپ اے بی ٹی اے کی صوبائی کمیٹی کے ممبر تھے۔ آپ مرشدآباد کے سی پی آئی (ایم) کی ضلع کمیٹی کے ممبر ہیں۔
آپ ۱۹۶۷ء، ۱۹۷۱ء اور ۱۹۷۷ء میں بھی مغربی بنگال اسمبلی میں منتخب ہوئے تھے۔

شریمتی چھایا بیرا

شریمتی چھایا بیرا ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئیں۔ آپ نے ہوڑہ گرلس کالج سے انٹرمیڈیٹ امتحان پاس کیا اور مدناپور وومنس کالج سے بی۔ اے پاس کیا۔
آپ نے طالب علمی کے زمانے سے ہی طلباء کی بائیں تحریک میں حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۶۴ء میں کولاگھاٹ گرلس ہائی اسکول کی استانی کی حیثیت سے آپ اے بی ٹی اے میں شامل ہو گئیں اور اسی وقت سے آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ آپ بہت ہی جلد اساتذہ کی تحریکوں کی سربراہ بن گئیں۔ آپ اے بی ٹی اے کے مدناپور ضلع کاؤنسل کی اور مدناپور ضلع کے سی پی آئی (ایم) کے ضلع کاؤنسل کی ممبر ہیں۔
آپ نندن پور حلقہ انتخاب سے منتخب ہوئیں۔

شری شبھاس چکرورتی

شری شبھاس چکرورتی ۱۸ مارچ ۱۹۴۱ء کو ڈھاکہ ضلع کے نواب گنج تھانہ کے مشیل گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں دم دم متی جھیل کالج سے گریجویٹ ہونے کے قبل ہی سے یعنی ۱۹۵۸ء سے شری چکرورتی سی پی آئی سے سرگرم طور پر وابستہ ہو گئے۔ آپ طلباء کی تحریک میں بھی شریک تھے۔ آپ ۱۹۶۵ء ہی میں بنگال صوبائی طلباء فیڈریشن کے سکریٹری بن گئے اور ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۶ء کے درمیان آپ نے خود کو کئی بار گرفتار کرایا۔ آپ سی پی آئی (ایم) کی ریاستی کمیٹی کے ممبر بن گئے۔ بعد میں یعنی ۱۹۷۶ء میں شری چکرورتی ہندوستان کے اسٹوڈنٹس

فیڈریشن کے جنرل سکریٹری بن گئے۔ ۱۹۴۸ء میں ہنگامی حالات کے دوران آپ روپوش ہو گئے۔ آپ ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۲ء تک جنوبی دمدم میونسپلٹی کے کمشنر تھے۔ آپ مغربی بنگال اسمبلی میں دوسری بار بلگچھیہ (مشرق) حلقۂ انتخاب سے منتخب ہوئے۔ آپ موجودہ بائیں محاذ حکومت میں اسپورٹس، محکمہ نوجوان اور ڈیری ترقیات کے وزیر ہیں۔

شریمتی نیروپما چٹرجی

شریمتی نیروپما چٹرجی ہوڑہ ضلع کے کنائی پور گاؤں میں ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئیں۔ اپنے طالب علمی کے زمانہ سے ہی آپ نے طلباء کی تحریکوں میں سرگرم حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۴۹ء میں کسانوں کی تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ سے آپ کو قید کر لیا گیا نیز آپ کو ۹ مہینوں تک گھر کے اندر رکھا گیا۔ انہیں باہر آنے کی اجازت نہ تھی۔ ۱۹۵۰ء میں آپ سی پی آئی کی ممبر بن گئیں۔ ۱۹۶۲ء میں آپ کو ایک سال کے لئے پھر جیل میں بھیج دیا گیا۔

شریمتی چٹرجی نے غذائی تحریک ۱۹۶۹ء کسانوں کے لئے زمین حاصل کرو تحریک اور ریلوے ہڑتال کے سلسلہ میں تحریک اور دیگر تحریکوں میں حصہ لیا۔ آپ ۱۹۶۹ء، ۱۹۷۱ء، ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۲ء کے عام انتخابات مغربی بنگال اسمبلی کے لئے منتخب ہوئیں۔ شریمتی چٹرجی سماج رفاہ شعبہ کی وزیر ہیں۔

شری رام چٹرجی

شہری دفاع کے وزیر انچارج شری رام چٹرجی ۱۹۲۲ء میں چندن نگر اگریا پاڑہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر جب ۱۳ سال کی تھی تو اس وقت آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے مجبوراً آپ کو ریلوے میں کام کرنا پڑا۔ جب آپ یہاں کام کر رہے تھے تو اسی وقت سے آپ نے ملک کی تحریکوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ چندن نگر میں آپ نے نوجوانوں کو منظم کیا اور ہندوستان چھوڑو تحریک میں شامل ہونے کی وجہ سے آپ کو گرفتار کیا گیا۔ اس کے بعد آپ فارورڈ بلاک میں شامل ہو گئے۔ آزادی کے بعد آپ نے زمینداروں کے خلاف کسانوں کی مزاحمتی تحریکوں کا انتظام کیا۔ ۱۹۵۱ء میں آپ کو عدالتی کارروائی کئے بغیر قید خانہ میں رکھا گیا۔ ۱۹۵۳ء میں آپ نے دیگر لوگوں کے ساتھ فارورڈ بلاک (مارکسٹ) پارٹی کی تشکیل کی۔

شری چٹرجی تارکیشور حلقۂ انتخاب سے ۱۹۶۷ء، ۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۷ء میں مغربی بنگال اسمبلی میں منتخب ہوئے تھے۔

شری سید لال الرحمن چودھری

آنجہانی سید لال اناتھ چودھری کے فرزند سید لال ناتھ چودھری ۱۹۲۹ء میں ضلع کوچ بہار کے کماگرا باڑی میں پیدا ہوئے۔ اپنے کالج کے دنوں میں آپ طلباء کی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے۔ ۱۹۴۵ء میں آپ سی پی آئی کے ممبر بن گئے۔ اپنی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے آپ کو کئی بار جیل جانا پڑا۔ آپ نے تقریباً ۳ سال قید خانہ میں گذارا۔ کرشک تحریکوں میں سرگرم طور پر آپ شریک ہوئے۔ آپ نے ۱۹۵۹ء میں پولیس ظلم کے خلاف کوچ بہار میونسپل کاؤنسل استعفیٰ دیا۔ ۱۹۷۷ء میں آپ مغربی بنگال اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے۔ متحدہ محاذ حکومت میں آپ ٹرانسپورٹ کے وزیر انچارج ہیں۔ آپ مغربی بنگا کرشک سبھا کے کوچ بہار ضلع کمیٹی کے سکریٹری ہیں۔ آپ سی پی آئی (ایم) کی ریاستی کمیٹی کے ممبر ہیں۔

شری شانتی رنجن گھٹک

شری شانتی رنجن گھٹک ضلع فریدپور (بنگلہ دیش) کے رائے ناریہ گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ مرحوم سریش چندر گھٹک کے فرزند ہیں۔ آپ گریجویٹ ہیں۔ آپ نے اپنے اسکول کی زندگی سے سیاسی تحریکوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ آپ فی الحال سی آئی ٹی یو کی مغربی بنگال ریاستی کمیٹی کے سکریٹری اور اس کی کل ہند ورکنگ کمیٹی کے ممبر ہیں۔ آپ سی پی آئی (ایم) کی ریا

شری عبدالرزاق ملا

سندربن علاقہ کے ترقی کے وزیر ریاست شری عبدالرزاق ملا ۱۹۴۴ء میں ضلع ۲۴ پرگنہ کے ادھو پور میں پیدا ہوئے۔ آپ جناب عبدالحکیم ملا کے فرزند ہیں۔ آپ کلکتہ یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں۔ شری ملا نے زراعت ہی کو اپنا پیشہ بنایا۔ آپ عرصہ دراز سے کسانوں کی تحریکوں میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ آپ ۱۹۶۸ء میں سی پی آئی (ایم) ممبر بن گئے۔ آپ ابھی اس پارٹی کی ضلع کرشک سمیتی اور ضلع کمیٹی کے ممبر ہیں۔ وزیر بننے سے قبل آپ سندربن ترقیاتی بورڈ کے ممبر تھے۔ آپ ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۷ء میں بھی مغربی بنگال اسمبلی میں منتخب ہوئے۔

ڈاکٹر امبریش مکھوپادھیائے

ڈاکٹر امبریش مکھوپادھیائے آنجہانی نارائن مکھوپادھیائے کے بیٹے ہیں۔ آپ پرولیا ضلع کے نواپاڑہ میں ۱۵ اپریل ۱۹۲۸ء کو پیدا ہوئے۔ آپ نے پٹنہ یونیورسٹی سے ۱۹۴۳ء میں میٹرک امتحان فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا۔ آپ نے پرولیا جے کے کالج سے پری۔ یونیورسٹی امتحان اور کلکتہ کے اسکول آف ٹروپیکل میڈیسن سے ڈی۔ ٹی۔ ایم کا امتحان پاس کیا۔

جب آپ ساتویں جماعت میں زیر تعلیم تھے تو اسی وقت سے آپ انقلابی تصورات سے متاثر ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں آپ نے سرگرم طلباء تحریکوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ آپ کل بنگال مشترکہ طلباء تحریک کے سرگرم کارکن تھے۔ آپ کو بچپن ہی سے کمیونزم پر اعتقاد تھا۔ اسی لئے فاشزم کے خلاف تحریک اور عوام کی جنگ کی پکار نے آپ پر کافی گہرا اثر چھوڑا تھا۔ آپ نے "ساد ھینا" رسالہ کی اشاعت میں کافی اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۴۸ء کو طبی طلباء بھوک ہڑتال تا موت کا انتظام کیا تھا۔ آپ نے اس کے منتظموں میں سے تھے اور آپ نے اس ہڑتال میں بذات خود شرکت بھی کی۔ پڑھنے لکھنے کے بعد آپ نے حکومت بہار کے دفتر میں ملازمت اختیار کی، لیکن اس کے ساتھ ہی آپ نے پوشیدہ طور پر بہار کمیونسٹ پارٹی سے تعلق برقرار رکھا۔ ۱۹۵۱ء میں نیپال کی آزادی کی تحریک کے سربراہوں سے آپ وابستہ ہو گئے۔ آپ نے اپنی ملازمت سے ۱۹۵۵ء میں استعفیٰ دے دیا اور آپ کو کمیونسٹ پارٹی کا ممبر بنا دیا گیا۔ آپ نے اپنی پارٹی کی ہدایت کے مطابق بانکوڑا کسانوں کی تنظیم میں شرکت کی۔ بعد میں پارٹی کے تقسیم ہونے پر آپ سی پی آئی (ایم) میں شرکت ہو گئے۔

۱۹۷۴ء میں ریلوے مزدوروں کی ہڑتال کے دوران، آپ نے اپنی پارٹی کی منظم کردہ شہری نافرمانی تحریک کی سربراہی کی تھی۔ اسی لئے آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ آپ دوسری بار پرولیا کے ہوڑہ حلقہ انتخاب سے منتخب ہوئے۔ آپ شعبہ امداد و رفاہ کی امداد و بحالی کے وزیر ریاست ہیں۔

دوسری متحدہ محاذ حکومت کے آبکاری شعبہ کے نئے وزیر ریاست شری بملندو مکھرجی بانکوڑا کے بیبرد ا گاؤں میں ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ بی۔ ایس سی ہیں۔ آپ جب کالج میں زیر تعلیم تھے تو اس وقت آپ نے ۱۹۴۲ء کی تحریک میں حصہ لیا۔ ۱۹۴۵ء میں آپ ہندوستان کی انقلابی کمیونسٹ پارٹی (آر سی پی آئی) کے ممبر بن گئے۔ اس سے قبل ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۷ء میں آپ تھانتی پور سے مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی میں منتخب ہوئے۔

شری کرن موئے نندا ۱۹۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ موجودہ ریاستی حکومت میں ماہی پروری شعبہ کے وزیر ریاست ہیں۔ آپ طلباء کی تحریک سے سرگرم طور پر وابستہ ہیں اور طلباء کی تحریک کا انتظام کرنے کے لئے آپ کو ۱۹۶۳ء میں گرفتار کیا گیا۔ ۱۹۶۲ء میں آپ ایس ایس پی میں شامل ہو گئے اور ۱۹۷۷ء میں جنتا پارٹی میں شرکت کی۔ آپ مغربی بنگال سوسلسٹ پارٹی (ڈبلیو ایس پی) کے امیدوار کی حیثیت سے مدنا پور ضلع کے مگبھیرا اسمبلی حلقہ انتخاب سے منتخب ہوئے۔

شری پتت پاون پاٹھک ۱۹۱۸ء میں بالی، ضلع ہوڑہ میں پیدا ہوئے۔ آپ شری فقیر چندر پاٹھک کے فرزند ہیں۔ فقیر چندر بہت ساری سماجی سرگرمیوں کے میدان میں بہت ہی مشہور شخص تھے۔ شری پاٹھک نے جنوبی بہار میں اسکولی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۳۳ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے میٹرک امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد آپ نے

نین کے بھی ممبر ہیں۔ شری گمنگ کی عمر تقریباً ۵۹ سال ہے اور شعبہ مالیات کے وزیر ہیں۔ آپ ... حلقۂ انتخاب سے منتخب ہوئے تھے۔

شری رام نارائن گوسوامی ضلع بردوان کے میماری تھانہ کے بھاٹیٹا گاؤں میں اپریل سنہ ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم بھاٹیٹا ہریشنکر ہائی اسکول میں حاصل کی اور یہیں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ شری گوسوامی نے سنہ ۱۹۵۶ء میں کمیونسٹ پارٹی سے رابطہ قائم کیا۔ آپ سی پی آئی (ایم) کی ضلع کمیٹی کی سکریٹریٹ کے ممبر ہیں۔ آپ سی پی آئی (ایم) کی ریاستی کمیٹی کے بھی ممبر ہیں۔ شری گوسوامی کسانوں کے لیڈر رہے ہیں اور بردوان ضلع کرشک سبھا کے سکریٹری ہیں۔ بہت ساری جمہوری تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ سے آپ کو کئی بار قید کی سزا بھگتنی پڑی۔ سنہ ۱۹۷۷ء میں ضلع بردوان میں رائینا سے مغربی بنگال اسمبلی میں منتخب ہوئے۔ سنہ ۱۹۸۲ء میں آپ بردوان (شمال) حلقۂ انتخاب سے منتخب ہوئے۔ موجودہ ریاستی حکومت میں آپ شعبہ آبپاشی اور آب رسانی کے وزیر ریاست ہیں۔

شری شنکر گپتا

شری شنکر گپتا سنہ ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے جادب پور یونیورسٹی سے انٹرنیشنل ریلیشن (بین الاقوامی تعلقات) میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی۔ سنہ ۱۹۶۲ء میں آپ نے چند برسوں تک شمالی بنگال یونیورسٹی میں لکچرار کا کام کیا۔

شری گپتا سنہ ۱۹۶۰ء میں سی پی آئی میں شریک ہوئے۔ سنہ ۱۹۶۴ء میں آپ سی پی آئی (ایم) کے ممبر بن گئے۔ سنہ ۱۹۷۷ء سے لے کر حالیہ انتخابات تک آپ وزیر اعلیٰ کے سیاسی سکریٹری تھے۔ آپ سی پی آئی (ایم) کی ریاستی کمیٹی کے ممبر اور جمہوری نوجوان فیڈریشن کی مغربی بنگال ریاستی سکریٹریٹ کے بھی ممبر ہیں۔

شری شنکر گپتا جادب پور حلقۂ انتخاب سے منتخب ہوئے۔ آپ موجودہ وزارت میں بجلی کے وزیر ریاست ہیں۔

شری ڈاوا لاما ضلع دارجلنگ میں کا منچانے بستی میں پیدا ہوئے۔ آپ موجودہ ریاستی حکومت میں پہاڑی امور کے وزیر ریاست ہیں۔

شری لاما کے آباؤ اجداد چھنگ تھنگ ٹی۔ اسٹیٹ کے باشندے ہیں۔ شری لاما کے والد چائے باغات کے انگریزوں کے ظلم و ستم برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے چھنگ تھنگ ٹی۔ اسٹیٹ مزدور یونین قائم کیا۔ اس طرح بچپن ہی سے شری لاما کے دل میں بغاوت کا بیج بو دیا گیا۔ شری لاما سنہ ۱۹۵۵ء کی تاریخی مزدور تحریک کے دوران اور سنہ ۱۹۶۷ء میں متحدہ محاذ حکومت کے ٹوٹنے کے خلاف نمایاں کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں انہیں گرفتار بھی کیا گیا۔ سنہ ۱۹۷۲ء میں انہیں میسا کے تحت گرفتار کیا گیا اور ... ماہ بعد رہا کیا گیا۔

آپ دارجلنگ حلقۂ انتخاب سے ایم ایل اے منتخب ہوئے اور دوسری بار پہاڑی امور کے وزیر ریاست بنے۔

شعبہ آراضی اور اصلاحات آراضی کے نئے وزیر ریاست شری سنیل کمار مجمدار سنہ ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ آنجہانی پرامو تھو ناتھ مجمدار کے بیٹے ہیں۔ آپ نے کلکتہ میں تعلیم حاصل کی۔ آپ سی پی آئی (ایم) کی ریاستی کمیٹی کے ممبر ہیں۔ آپ سی پی آئی (ایم) کی بیربھوم ضلع کمیٹی کی سکریٹریٹ کے بھی ممبر ہیں۔ آپ بیربھوم ضلع کرشک سبھا کے سکریٹری اور کرشک سبھا کے صوبائی کمیٹی اور مرکزی کمیٹی دونوں کے ممبر ہیں۔ آپ ضلع ابتدائی تعلیم کونسل کے ممبر بھی ہیں۔

ایل۔ایم۔ایف کورس کیلئے داخلہ لیا۔میڈیل کالج میں داخلہ کے چند مہینوں کے بعد شری پاٹھک کو ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں حصہ لینے کی وجہ گرفتار کیا گیا۔ اور وہ اعلیٰ تعلیم کے سلسلہ کو برقرار نہ رکھ سکے ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۲ء تک آپ نے پانچ بار قید کی مشقت برداشت کی۔اپنی قید کے زمانے میں ہی شری بنکم مکھرجی سے آپ کی ملاقات ہوئی اور ان کی صحبت کا اثر یہ ہوا کہ شری پتت پابن مارکسزم میں دلچسپی لینے گئے۔شری پاٹھک ۱۹۳۹ء میں کمونسٹ پارٹی کے پورے وقت کے ممبر بن گئے۔انگریزوں کے دور حکومت میں آپ کو ہندوستان کی دفاع ایکٹ کے تحت ۱۱ر اگست ۱۹۴۲ء کو گرفتار کیا گیا۔

آزادی کے بعد کمونسٹ پارٹی کو ممنوع قرار دیا گیا تو آپ کچھ عرصہ کے لئے زمین دوز ہو گئے۔آپ کو پی۔ڈی۔ایکٹ کے تحت کم از کم دس بار گرفتار کیا گیا۔

اسمبلی انتخابات کے لئے امیدوار بننے سے قبل شری پاٹھک ۱۹۶۵ء میں بالی مونسپلٹی کے کمشنر تھے۔آپ نے ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۷ء میں اسمبلی انتخابات میں حصہ لیا لیکن شکست کھائی۔

۱۹۶۹ء میں آپ پہلی بار انتخاب میں کامیاب ہوئے۔آپ ۱۹۷۱ء میں بھی کامیاب ہوئے لیکن ۱۹۷۲ء کے انتخابات میں ہار گئے پھر ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۲ء کے انتخابات میں آپ منتخب ہوئے۔آپ اسمبلی کے ۱۹۸۲ء کے دوران پبلک اکاؤنٹس سے وابستہ تھے۔

دوسری بائیں محاذ حکومت میں آپ پارلیمانی امور کے وزیر ریاست اور بائیں محاذ کے چیف وہپ ہیں۔

شری پردوائش پھوڈیکار

آنجہانی سریندر ناتھ پھوڈیکار کے فرزند شری پردوائش پھوڈیکار ۸ر دسمبر ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے۔آپ ایم۔اے اور ایل ایل بی ہیں۔آپ ۱۹۶۰ء سے ناگستان کالج میں پڑھا رہے ہیں۔آپ ثقافتی سرگرمیوں میں پرجوش دلچسپی لیتے ہیں۔آپ آئی پی ٹی اے کے ممبر اور سی پی آئی (ایم) کی مدنا پور ضلع کمیٹی کے بھی ممبر ہیں۔

آپ ابھی [illegible] ثقافتی امور کے انچارج وزیر ریاست ہیں۔آپ [illegible] حلقہ انتخاب سے منتخب ہوئے۔

آپ اسی حلقہ انتخاب سے ۱۹۷۷ء میں بھی منتخب ہوئے تھے۔

شری اپنیہ کرشنا رائے

شری اپنیہ کرشنا رائے، وزیر ریاست برائے نوراک و رسد ۱۹۳۷ء میں دیوبھیراہ میں پیدا ہوئے۔وزارت میں شامل ہونے کے قبل آپ دکشنوپور کے رامندا کالج میں لیکچرار تھے۔

آپ مرحوم دینا ناتھ رائے کے بیٹے ہیں۔آپ نے بہت ساری ادبی تخلیقات کی ہیں۔آپ کسان سبھا سے بھی وابستہ ہیں۔

شری بنامالی رائے

شری بنامالی رائے ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئے آپ ایک پرائمری اسکول کے استاد تھے۔آپ ابھی ریاستی حکومت کے شیڈولڈ کاسٹ ٹرائب کی رفاہ کے شعبہ کے وزیر ریاست ہیں۔آپ ۱۹۷۷ء میں بھی مغربی بنگال اسمبلی میں منتخب ہوئے تھے۔

شری سیلین سرکار

شری سیلین سرکار ایک متوسط خاندان میں ۲۴ر مارچ ۱۹۴۲ء کو پیدا ہوئے۔آپ نے اسکول اور کالج کی تعلیم مالدہ میں حاصل کی۔ آپ ۱۹۵۶ء میں جب اسکول میں زیر تعلیم تھے۔اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے ممبر ہونے کی حیثیت سے سی پی آئی سے وابستہ ہوئے۔آپ ۱۹۶۳ء تک اسٹوڈنٹ فیڈریشن کی مالدہ ضلع کمیٹی کے منتخبہ سکریٹری تھے۔۱۹۶۰ء میں آپ سی پی آئی کے ممبر بن گئے۔پارٹی کی تقسیم ہونے پر آپ سی پی آئی (ایم) کی مالدہ ضلع کمیٹی میں شامل ہو گئے [illegible]

اسمبلی کے ممبر بن گئے۔ آپ دوبارہ ۱۹۹۶-۱۹۳۲ء اور ۱۹۸۴-۱۹۸۲ء میں سی پی آئی (ایم) کی مالدہ ضلع سکریٹریٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔ دیمو کریٹک یوتھ فیڈریشن کی مغربی بنگال ریاستی کمیٹی کے نائب صدر ہونے کی حیثیت سے آپ نے ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۸ء تک اپنی تنظیمی صلاحیت کا کافی ثبوت پیش کیا۔ آپ بیک وقت ۱۹۶۳ء اور ۱۹۶۸ء علی الترتیب ڈی وائی ایف کی مالدہ ضلع کمیٹی کے سکریٹری اور صدر رہے تھے۔ آپ ۱۹۸۲ء تک اے بی ٹی اے کی مرکزی کمیٹی کے ممبر تھے۔ اسی سال آپ نے معلمی کا کام ترک کر دیا اور اپنی پارٹی کے پورے وقت کے ممبر بن گئے۔ اس کے بعد سے آپ نے مختلف سرکاری باڈیز میں جیسے ممبر بورڈ آف ڈائرکٹری، این۔ بی ایس ٹی سی، ممبر ریڈ ہوک کمیٹی، ضلع اسکول بورڈ، مالدہ، سکریٹری، مالدہ ضلع کوآپریٹیو یونین، ممبر، مغربی بنگال ریاستی کوآپریٹیو یونین وغیرہ میں ذمہ داری سنبھالی۔

آپ نے ۱۹۷۱ء، ۱۹۷۲ء، ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۲ء میں انگلش بازار حلقہ انتخاب سے مقابلہ کیا اور صرف دو بار یعنی ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۲ء میں کامیاب ہوئے۔

شری سرکار جنوری ۱۹۶۵ء سے اپریل ۱۹۶۶ء تک علی پور سنٹرل جیل میں مقید رہے۔ آپ مالدہ جیل میں ستمبر ۱۹۷۱ء کو زیر حراست قیدی تھے۔ آپ جون ۱۹۷۱ء سے نومبر ۱۹۷۶ء تک روپوش رہے۔
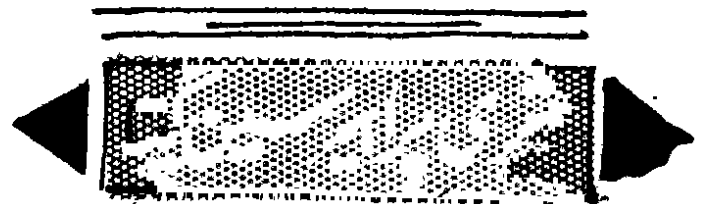
شری ابیر سین گپتا رنگ پور (بنگلہ دیش) میں ۱۹۳۴ء کو پیدا ہوئے۔ آپ آنجہانی پرفلا موہن سین گپتا کے بیٹے ہیں۔ آپ کے آباد و اجداد نے ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت کے دوران انقلابی اور کمیونسٹ تحریکوں میں سرگرم طور پر حصہ لیا تھا۔

شری سین گپتا کو ۱۹۴۹ء میں طلباء کی تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ سے اسکول سے نکال دیا گیا۔ آپ بعد میں گریجویٹ بنے۔ ۱۹۵۰ء میں آپ کا خاندان ہجرت کر کے ہندوستان آگیا اور ہگلی میں آباد ہو گیا۔ آپ ۱۹۵۱ء میں سی پی آئی کے ممبر بن گئے۔ اس پارٹی کی تقسیم کے بعد آپ مزدوروں کی تحریک کو منظم کرنے کا کام میں مصروف ہو گئے۔

شری سین گپتا سی پی آئی کی ریاستی کمیٹی کے ایک سکریٹری ہیں اور سی پی آئی (ایم) کی ریاستی کمیٹی کے ایک ممبر ہیں۔ آپ بہت سارے یونینوں سے وابستہ ہیں۔ آپ اس سال ضلع ہگلی کے بانسبریہ حلقہ انتخاب میں منتخب ہوئے۔ آپ شعبہ محنت کے وزیر ریاست ہیں۔

شری پردوت تالکدار ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ۱۹۵۹ء میں بی کام پاس کیا۔ آپ نے اوائل عمر سے ہی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور آپ طلباء کی مختلف تحریکوں میں شرکت کرنے لگے۔ آپ سی پی آئی (ایم) کی مالدہ ضلع کمیٹی کے ممبر ہیں۔ آپ نے ۱۹۶۲ء میں ٹریڈ یونین کا کام شروع کیا۔ ۱۹۶۴-۶۵ء میں آپ کو ڈی آئی آر کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ آپ ۱۹۶۹ء، ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۲ء میں ریاستی اسمبلی میں منتخب ہوئے۔ دوسری بائیں محاذ حکومت میں آپ دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کے وزیر ریاست بنائے گئے۔ *

برگداروں کو مالی امداد

حکومت مغربی بنگال نے اضلاع بیربھوم، پرولیا، بانکوڑہ اور ۲۴ پرگنہ کے شیڈولڈ کاسٹ طبقہ کے اور ضلع مالدہ کے شیڈولڈ کاسٹ ٹرائب طبقوں کے برگداروں اور سرکاری زمین پانے والے لوگوں کو مالی امداد فراہم کرنے کی اسکیموں کی تکمیل کے لئے ۱۶ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔ اس رقم کی ضلع وار تقسیم درج ذیل ہے۔

ضلع مالدہ:۔ ۹ لاکھ روپئے، ضلع بیربھوم۔ ۱ لاکھ روپئے

ضلع پرولیا:۔ ۲ لاکھ روپئے

ضلع بانکوڑہ:۔ ۵ لاکھ روپئے اور ضلع ۲۴ پرگنہ۔ ۲۵ لاکھ روپئے۔

اس ریاست میں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب اور پسماندہ طبقوں کی فلاح اور سماجی تحفظ کے سلسلے میں ریاستی اسکیموں کے تحت مذکورہ بالا رقوم کی منظوری دی گئی۔

اڑیسہ میں حالیہ سیلاب

MAGHREBI BENGAL
1st OCTOBER 1982

Regd. No. WB/CC-82
Vol. 28, No. 19
PRICE-12 Paise

کلکتہ میں وکٹوریہ میموریل ہال کے سامنے ۱۶ ستمبر ۸۲ء کو انقلابی رہنما
شری باگھا جوتِن کے مجسمہ کی نقاب کشائی ۔

Editor : D. N. Dutta, Associate : Md. Azam, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt, of West Bengal
and Printed by IMPRESSIVE IMPRESION 10, Dr Kartick Bose Street Calcutta 700 000

مغربی بنگال
یکم نومبر ۱۹۸۲ء

مغربی بنگال کی اسمبلی میں ویٹ نام
کے سفارتی نمائندہ مسٹر نگوین کو ونگ
ٹاؤ کی وزیر اعلیٰ مسٹر جیوتی باسو سے
ملاقات

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ناقص منصوبہ مرتب کرنے والوں کی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ جب تک کہ منصوبہ بندی کے طریقہ کار میں بنیادی تبدیلی نہیں لائی جائے گی اس وقت تک قوم کے مسائل بڑھتے ہی رہینگے اور ایک متوازن معیشت کی افزائش خواب ہی بنی رہ جائیگی۔ انھوں نے مزید کہا کہ منصوبہ مرتب کرنے والوں کا تو یہ نظریہ ہونا چاہیئے کہ تبدیلی کے ذریعہ قومی معیشت کو جمود سے باہر نکالا جائے۔

سی ایم ڈی اے کے لئے ہوڑہ کے ایک غیر سرکاری جہاز ساز کمپنی نے دریا ہگلی سے مٹی کھودنے کے لئے ایک گراب ڈریزر جہاز تیار کیا۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اس جہاز کا افتتاح کرتے ہوئے مندرجہ بالا باتیں کہیں۔

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ ناقص منصوبہ بندی کی وجہ سے مشکلات پیدا ہوتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وسیع پیمانہ پر بےروزگاری پھیلتی ہے۔ انہوں نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ منصوبہ میں حسب ضرورت تبدیلیاں لانے کی ذمہ داری ریاستوں پر نہیں ہے کیونکہ ریاستیں منصوبہ بندی کے لئے صرف مشورہ دے سکتی ہیں۔ "دہلی میں جو لوگ برسراقتدار ہیں، منصوبہ بندی کے سلسلہ میں ہم ان سے ہمیشہ متفق نہیں ہوتے" انھوں نے کہا۔

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ سرکاری اور غیر سرکاری شعبوں میں سیکڑوں کارخانے قائم کرکے مغربی بنگال کے لوگوں کی قابلیت اور ہنر کو مناسب طور بروئے کار لایا جا سکتا ہے لیکن کوتاہی کی وجہ سے مغربی بنگال بہت پیچھے ہو گیا، حالانکہ ایسا بھی وقت تھا جب سب سے آگے تھا۔

شری باسو نے اس بیان کو غلط بتایا کہ مغربی بنگال میں صنعتی کوششیں ناکام ثابت ہوتی ہیں اور اس کی وجہ مزدوروں کا عدم تعاون ہے، لیکن اصل وجہ تو دولت کی تقسیم پر مالکوں کے درمیان تنازعہ ہے۔ انھوں نے مزدوروں اور یونین لیڈروں کی یاد دہانی کراتے ہوئے کہا کہ کسی بھی تنازعہ کا جب انتظامیہ کے ساتھ تصفیہ ہو جائے تو اس وقت اس تصفیہ کی شرائط کے مطابق مزدوروں کو اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دینے چاہئیں۔

شری باسو نے، جو سی ایم ڈی اے کے چیرمین بھی ہیں، مالیاتی اداروں کا کردار کا ذکر کرتے ہوئے کہا بنک اور دیگر ادارے بیمار صنعتوں کی مدد کر سکتے ہیں، لیکن یہ کام ازل تک نہیں کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ یہ مالکوں کا فرض ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کی صنعتی یونٹ چالو ہو جائے۔ جتنی بیمار صنعتوں کی ذمہ داری ریاستی حکومت نے لی ہے ان میں سے تیرہ چودہ یونٹیں دوبارہ کھل چکی ہیں اور بہت ہی جلد تین اور یونٹیں چالو ہو جائینگی۔

شری پرشانتا سور، وزیر برائے شہری ترقی نے، جو سی ایم ڈی اے کے وائس چیرمین بھی ہیں، کہا کہ کلکتہ کے آس پاس کی نہروں کی کھدائی اور ان کی گہرائی کو برقرار رکھنے کے لئے اس ڈریزر کو استعمال میں لایا جائے گا۔

مغربی بنگال میں غذائی صورت حال

راجیہ سبھا میں ۱۷ اکتوبر ۸۲ کو حزب مخالف کے ۲۲ ممبروں نے مغربی بنگال میں غذائی بحران کی بابت ایک "توجہ دلاؤ" تجویز پیش کی۔ اس سلسلے میں مرکزی وزیر زراعت سری راؤ بیریندر سنگھ نے جو جواب دیا وہ ریاستی حکومت کی نظر سے گزرا۔

حکومت مغربی بنگال کے شعبہ خوراک و رسد نے اس بات کی وضاحت کی کہ مغربی بنگال میں غذائی قلت کو دور کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے لوگوں کے مفاد کی خاطر مرکزی حکومت کے سامنے ۸۲-۱۹۸۱ کے غذائی سال میں ہر ماہ کم از کم ۲۲۰۰۰۰ ٹن چاول اور گیہوں کی سپلائی کی مانگ بار بار پیش کرتی جا رہی ہے۔ مرکزی حکومت نے ہماری درخواست پر بالکل غور ہی نہیں کیا اور ہر مہینہ مغربی بنگال میں ۹۵۰۰۰ ٹن سے بھی کم غذائی اجناس بھیجنے کا پلان مرتب کیا۔

اس منصوبہ کی وجہ سے فوڈ کارپوریشن آف انڈیا کے ذریعہ غذائی اجناس ضرورت کے مطابق اور وقت پر سپلائی کرنے کے نظام میں بدنظمی کی وجہ سے اضلاع میں نہیں پہنچ سکتی۔ یہ نہایت ہی عجیب بات ہے کہ ایف۔ سی۔ آئی ضلعوں میں لوگوں کی ضرورت کے مطابق راشن کی دوکانوں کے ذریعہ غذائی اجناس کی سپلائی میں ناکام رہتا ہے اس وقت جب کہ خشک سالی کی وجہ سے ۵۰ فی صد غذائی پیداوار کو نقصان پہنچا ہے عام لوگوں کا راشن کی دوکانوں پر انحصار بڑھ گیا۔ مرکزی حکومت کا اس ریاست کے ساتھ امتیازی سلوک کا عکس اس ریاست میں حسب خواہ مقدار میں غذائی اجناس کی سپلائی میں اس کی ناکامیت سے ملتا ہے

ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ پارلیامنٹ میں مفروضی اعداد و شمار فراہم کر کے مرکزی حکومت پیچیدگیاں پیدا کر رہی ہے۔

کسی بھی مہینہ میں مغربی بنگال کے لئے غذائی اجناس کی بذریعہ ریل بھیجنے کے پروگرام کو مکمل طور پر روبہ عمل نہ لایا گیا۔ سری راؤ بیریندر سنگھ اس سوال کا جواب دینے سے گریز کیا۔ این۔ آر۔ ای۔ پی اور امداد کے لئے جو غذائی اجناس سپلائی کی جاتی ہے اس کا راشن کے ذریعہ جتنی غذائی سپلائی کی جاتی ہے اس میں شمار نہیں کیا جاتا۔ نیز این۔ آر۔ ای۔ پی اور امداد کے لئے فراہم کردہ غذائی اجناس کو راشن کے ذریعہ سپلائی نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی وزیر نے اپنے بیان میں ان دونوں مدوں کے تحت سپلائی کردہ کل غذائی اجناس کو ایک ہی مد کے تحت دکھانے کی کوشش کی ہے۔

راشننگ نظام کو پورے طور پر برقرار رکھنے کے لئے مغربی بنگال کو اس اکتوبر مہینہ میں ۲ لاکھ ٹن چاول اور ڈیڑھ لاکھ ٹن گیہوں کی ضرورت ہے اور ریاست میں موجودہ غذائی قلت کے پیش نظر یہ بہت ضروری ہے۔ سری راؤ بیریندر سنگھ نے غذائی اجناس کی سپلائی کے سلسلے میں خاموشی اختیار کی۔

غذائی اجناس کی صوبائی کو مرکزی پالیسی کو بروئے عمل لانے میں حکومت مغربی بنگال نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن جب مرکزی حکومت

بقیہ صفحہ ۱۰ پر

ہشیار! امن کے سپاہیو

انیس جلالی

امن زندگی ہے اور جنگ موت ہے
گھاٹ میں ہمارے سنگ موت ہے
ہشیار! ہشیار!!

نیوکلیائی موت کے دھماکے بڑھ گئے
نیوٹرون بادلوں کے غول امنڈ پڑے ہیں
ہے آسمان میں ایٹمی دھماکوں کا دھواں ہے
اور اس زمین کی موت کے سامان ہو گئے
بیدار! بیدار!!

اس نرالی دھرتی کا روپ ہے انوپ
اس کی مثال ہے نہ کہیں اس کا سا روپ
نیوٹرون موت کا سامان لئے ہوئے
وہ کون رکھ کے آ رہا ہے دوست کا سروپ؟
خبردار! خبردار!!

امن کے سپاہیو دھرتی کے محافظو!
موت کے بڑھتے ہوئے ہاتھ توڑ دو
زندگی کے حسن کو اور بھی نکھار کر
نیوٹرون، نیوکلیائی موت روک دو
بیدار! بیدار!!

امن زندگی ہے اور جنگ موت ہے
گھاٹ میں لگی ہمارے سنگ موت ہے
ہشیار! ہشیار!!

مغربی بنگال میں زرعی ترقی

مغربی بنگال میں زراعت

مغربی بنگال ہندوستان کی تین فی صدی سے بھی کم زمین پر ۸ فیصد آبادی کی پرورش و پرداخت کرتا ہے۔ مغربی بنگال کی تقریباً ۸۰ فی صد آبادی کے بسراوقات کا انحصار زراعت اور زراعت پر مبنی پیشوں پر ہے۔ زراعت اور متعلقہ کام کاج سے مغربی بنگال کی کل آمدنی کی تقریباً ۵۰ فی صد آمدنی حاصل ہوتی ہے، ساتھ ہی یہاں برسرروزگار افراد کی ۶۰ فی صد افراد برسرروزگار ہیں۔ زراعت نہ صرف دیہی بنگال کی، بلکہ ساری ریاست کا معاشی ستون ہے۔

گزشتہ دس برسوں میں زرعی پیداوار میں کافی اضافہ ہوا ہے، تاہم اس سے اس ریاست کی بڑھتی ہوئی آبادی کی غذائی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں، کچھ کمی رہ جاتی ہے۔

گزشتہ پانچ برسوں (یعنی ۷۱-۱۹۷۰ء سے ۷۶-۱۹۷۵ء تک) میں اناج کی سالانہ اوسط پیداوار تقریباً ۶۷ لاکھ ٹن ہوئی، نیز ۷۷-۱۹۷۶ء سے ۸۱-۱۹۸۰ء تک یعنی بعد کے پانچ برسوں میں اوسطاً پیداوار تقریباً ۸۰ لاکھ ٹن ہوئی۔ اس طرح ۶۶-۱۹۶۵ء سے ۸۱-۱۹۸۰ء تک کے عرصہ میں چاول کی مجموعی پیداوار تقریباً ۷۶ لاکھ ٹن ہوئی، جو ۷۱-۱۹۷۰ء سے ۷۶-۱۹۷۵ء تک کی پیداوار سے صرف ۴ لاکھ ٹن زیادہ تھی، یعنی اس عرصہ میں چاول کی پیداوار تقریباً ۷۲ لاکھ ٹن ہوئی۔

بنیادی پالیسی اور پروگرام

یہ حقیقت ہے کہ گزشتہ پانچ برسوں میں ہماری زرعی پالیسی، پیداواری پروگرام جس میں زیادہ سے زیادہ مزدوروں کی شرکت ہو سکے ... پروگراموں کو بروئے عمل لانے کے صحیح طریقہ کار کو عوام ... [illegible]

زراعت اور دیہی ترقی کے سلسلہ میں ہماری پالیسی، جس کا ۳۴ نکاتی پروگرام میں ذکر ہے، مندرجہ ذیل اقدامات پر مشتمل ہے

(۱) اس ریاست کی نمونی اور خاص طور پر زرعی معیشت کی بہتری اور ترقی کے سلسلہ میں قطعات اراضی کو بروئے کار لانے کے لئے اصلاحات اراضی کے اقدامات کا موثر استعمال اور دیگر مناسب اقدامات کو اپنانا۔

(۲) برگداروں اور کھیت مزدوروں کے معاشی حقوق حاصل کرنے کے لئے موثر اقدامات کو اپنانا تاکہ انہیں کم سے کم اجرت ملے۔

(۳) زرعی قطعات آراضی کے تقریباً ۵۰ فی صد قطعات کے لئے آبپاشی کی سہولتوں کی توسیع اس سلسلہ میں آبپاشی، آب نکاسی اور سیلاب پر کنٹرول کے پروجکٹوں کو ترجیح دی جائیگی۔

(۴) مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا۔ کافی مقدار میں زراعتی خام اور ضروری اشیاء کی وقت پر فراہمی، زیادہ زرعی پیداوار کے لئے حوصلہ افزائی، زرعی پیداوار کے لئے مناسب قیمتیں، زرعی پیداوار کو محفوظ طریقہ سے رکھنے کے گودام، نقل و حمل اور بازار میں فروخت کے لئے مناسب انتظامات، کاروباری فصل کی، خاص طور پر خشک سالی سے متاثر علاقوں میں آلو اور پان کی کاشت کے لئے پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے خصوصی اقدامات۔

(۵) پاٹ اگانے والوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے پاٹ کارپوریشن کا قیام، پاٹ کی نئی نئی مصنوعات تیار کرنے اور کاروبار کا لحاظ سے ان کی تیاری کے سلسلہ میں ریسرچ کرنے کے لئے انتظامات۔

(۶) زرعی پیداوار خاص طور پر کاروباری کاشت جیسے پاٹ وغیرہ کے لئے مناسب اقدامات مع قیمتوں کا ... [illegible] ... اگانے والوں کے مفادات کی حفاظت کی جا سکے ... [illegible]

یہ سال میں ... نے دام پر فروخت نہ کر سکیں۔

(۷) زرعی کاروبار کی تقسیم یعنی زراعت کے ساتھ ساتھ مویشیوں کی پرورش و پرداخت، ماہی گیری اور جنگلات کے کام کاج کی سہولتیں بھی فراہم کی جائیں۔

(۸) زرعی ترقی کے لئے امداد باہمی اور پنچایت تنظیموں کو موثر طور پر بڑے پیمانے پر بروئے کار لایا جائے۔

(۹) کاشتکار کھیت مزدوروں کو خاص طور پر اس موسم میں جب زراعتی کام کاج ختم ہوتا ہے، زرعی محاذ پر زیادہ سے زیادہ روزگار کے مواقع کی فراہمی کا انتظام کرنا۔

(۱۰) کاشتکاروں کے لئے فصل بیمہ، کسانوں کا پنشن جیسے سماجی تحفظ اقدامات کو جاری رکھنا۔

زرعی ترقی کے لئے اہم اقدامات

زرعی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے ہماری حکمت عملی کو نئے سانچے میں ڈھالا گیا ہے تاکہ ہماری بڑھتی آبادی کی غذائی ضرورت کو پورا کیا جا سکے اور ہماری صنعت کے لئے کاروباری غلے اگا سکیں۔ حکمت عملی کئی مختصر عرصہ اور کئی لمبے عرصہ کے اقدامات پر مشتمل ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے محدود وسائل کے ذریعہ پیداوار میں انتہائی حد تک اضافہ کریں اور سبھوں کے لئے سماجی انصاف فراہم ہو۔ چونکہ زیادہ سے زیادہ قطعات اراضی کو زیر زراعت لانے کے امکانات محدود ہیں، اس لئے ہم غلہ کی پیداوار میں اضافہ کریں گے اور ایک ہی قطعہ اراضی پر سال میں ایک بار سے زیادہ بار کاشتکاری کریں گے۔ اس مقصد کی برآوری کے لئے ضروری ہے کہ بہتر قسم کے بیج کافی مقدار میں سپلائی کئے جائیں، ساتھ ہی ایسے بیج استعمال کئے جائیں جن سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل ہو۔ آبپاشی کے لئے دستیاب پانی کا بہتر طور پر استعمال کیا جائے۔ نیز آبپاشی کے مزید امکانات پیدا کئے جائیں۔ متوازن اور وسیع پیمانہ پر کیمیاوی اور دیسی کھاد کا استعمال کیا جائے۔ پودوں کی حفاظت کے لئے بروقت عملی اقدامات کئے جائیں۔ مختلف علاقوں میں اور موسموں میں ہم پیداوار کے

غلہ کی بابت تحقیق کرنے کی سہولتیں فراہم کی جائیں اور اس سلسلہ میں متعلقہ لوگوں کو تربیت دی جائے۔ پیداوار کے لئے اور پیداوار کی بازار میں فروخت کے لئے کافی زرعی قرض کی فراہمی کا انتظام کیا جائے۔ نیز غلہ کو گوداموں میں اچھی حالت میں رکھنے کے لئے گودام تعمیر کئے جائیں، نقل و حمل کی بہتر سہولتیں، ساتھ ہی بازاروں میں فروخت کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ نیز بہتر اور زیادہ پیداوار پر انعامات دینا اور قیمتوں کی تائید اسکیم کو روبہ عمل لانے سے زرعی پیداوار میں استحکام اور مزید بہتری ہوگی۔

گزشتہ پانچ برسوں میں زرعی صورتحال

گزشتہ پانچ برسوں میں سے یعنی ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۱ء میں کافی بارش ہوئی، لیکن ۱۹۷۸ء اور ۱۹۷۹ء میں ناگہانی آفات کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۹۷۸ء میں تباہ کن سیلاب کا سامنا کرنا پڑا اور ۱۹۷۹ء میں وسیع پیمانہ پر خشک سالی سے دوچار ہونا پڑا۔ ۱۹۸۱-۸۲ء سال کے شروع شروع میں موسم بہت ہی اچھا رہا لیکن خریف موسم کے درمیانی عرصہ سے پھر خشک سالی شروع ہو گئی۔ ۱۹۸۱ء کے ستمبر کے وسط تک موافق آب و ہوا کی وجہ سے پاٹ اور اوس دھان کی اچھی فصل ہوئی۔ لیکن وسط ستمبر ۱۹۸۱ء کے بعد سے امن دھان کی فصل بری طرح متاثر ہوئی۔ نیز دسمبر ۱۹۸۱ء میں ۲۴ پرگنہ، مدناپور، ہوڑہ اور ہگلی کے وسیع علاقے تباہ کن طوفان سے بری طرح متاثر ہوئے۔ اس سے صورت حال اور بھی ابتر ہو گئی۔ ستمبر ۱۹۸۱ء سے غیر معمولی آب و ہوا اور دسمبر ۱۹۸۱ء میں تباہ کن سیلاب کی وجہ سے دیگر فصلوں کو تو نقصان پہنچا، ساتھ ہی امن دھان کی پیداوار پر بھی برا اثر پڑا۔ نتیجہ میں امن دھان کی پیداوار ۱۹۸۰-۸۱ء میں ۶۷ لاکھ ٹن سے کم ہو کر ۱۹۸۱-۸۲ء میں ۴۳ لاکھ ٹن ہو گئی۔ اس طرح گزشتہ پانچ برسوں میں (۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۱ء تک) امن دھان کی اوسط پیداوار تقریباً ۵۲ لاکھ ٹن ہوئی۔ ستمبر ۱۹۸۱ء سے شروع ہونے والی خشک سالی سال رواں (۱۹۸۲) میں خریف سے قبل اور خریف کے موسم تک برقرار رہی۔ زرعی شعبہ میں حاجت مند کسانوں کی امداد کے لئے اور ان کو نقصان سے بچانے کے لئے ریاستی حکومت نے مختصر عرصہ کے [illegible] کئے۔

(۱) آبپاشی کے چھوٹے پروجکٹوں کے کمانڈ علاقوں میں دھان کے پودے اگانے کے لئے پانی کی شرحوں کی حصولیابی میں تاخیر برتی جائے۔

(۲) آبپاشی کے چھوٹے پرجکٹوں میں ریاستی حکومت کے شعبۂ بجلی کے زیر انتظام بجلی کی نصب کردہ مشینوں کو روزانہ کم از کم ۸ گھنٹے تک چلایا جائے تاکہ کھیتوں کو سیراب کیا جاسکے۔

(۳) گہرے ٹیوب ویل اور ندی سے پانی اٹھاکر آبپاشی کرنے کے علاقوں میں اور سرکاری کھیتوں میں دھان کے پودے اگانے کے لئے مرکوز طور پر اجتماعی نرسری پروگرام کو بر سر عمل لایا جائے۔ اس سلسلہ میں ۴۲ لاکھ روپئے کی گنجائش رکھی گئی۔

(۴) ....۵۲ چھوٹے اور حاشیائی کسانوں کی مدد کرنے کے لئے ۲ کروڑ روپئے کی مالیت کے کلائی دال، چنا، سرسوں اور گیہوں کے چھوٹے تھیلوں کی تقسیم۔ اس کے علاوہ خشک سالی سے متاثر علاقوں میں ۵ لاکھ روپئے کی مالیت کے ۱۰۸۰۶ خصوصی قسم کے چھوٹے تھیلے تقسیم کئے جائینگے۔

(۵) خشک سالی سے متاثر علاقوں میں کسانوں کے درمیان ۸ کیلوگرام بیج فی کسان کے حساب تقسیم کرنے کے لئے دھان کے بیج عامی طور پر خرید نے کے سلسلہ میں ۸۰ لاکھ روپئے کی منظوری دی گئی ہے۔ یہ تمام اضلاع پرولیا، بانکوڑا، مدناپور، بیر بھوم، بردوان، ہگلی، ندیا اور مرشد آباد کے خشک سالی سے متاثر کسانوں کے درمیان تقسیم کی جائے گی۔

(۶) خشک سالی سے متاثر کسانوں کی مدد کرنے کے لئے انہیں بیج وغیرہ خریدنے کے لئے مختصر مدت کے قرض دینے کے لئے ۶ کروڑ روپئے کی منظوری دی گئی۔

سنہ ۸۳ میں غلہ کی پیداوار کا نشانہ۔

غذائی اجناس و دیگر غذائی غلہ اور اہم کاروبار کی اہمیت کے تحت کی پیداوار کا نشانہ درج ذیل ہے۔

غلہ ۔ سنہ ۱۹۸۳-۸۴ کے لئے پیداوار کا نشانہ
(لاکھ ٹن میں)

۱۔ چاول	(الف) اوس	۸٫۵۰
	(ب) امن	۶۵٫۰۰
	(ج) بورو	۱۱٫۰۰
کل چاول		**۸۴٫۵۰**
۲۔ دیگر غلے		۱٫۵۰
۳۔ گیہوں		۱۱٫۰۰
۴۔ دال		۴٫۰۰
کل غذائی اجناس		**۱۰۱٫۰۰**
۵۔ تیل کا بیج		۱٫۷۵
۶۔ آلو		۲۲٫۰۰
۷۔ گنا		۲۰٫۰۰
۸۔ پاٹ (لاکھ گانٹھ)		۴۲٫۰۰

خریف موسم میں خشک سالی کی وجہ سے اوس اور امن موسم میں خریف پیداوار میں کافی کمی ہوئی۔ خریف پیداوار میں جو کمی ہوئی اسے پورا کرنے کے لئے ربیع گرمی کے موسم میں پیداوار میں اسی قدر اضافہ کرنے کے لئے پروگرام کو اپنایا جاتا ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ خریف موسم کے آخری دور میں حسب معمول بارش ہوگی۔ اس لئے ۲۱٫۴۲ لاکھ ہیکٹر قطعات اراضی کو ربیع گرمی پیداوار کی پروگرام کے زیر کاشت لانے کا منصوبہ مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس وسیع پروگرام کی وجہ سے اس بات کی امید کی جاتی ہے

کر دیہی علاقوں میں روزگار کے کافی امکانات پیدا ہو نگے۔ اس پروگرام کے تحت فصل اور زیر کاشت علاقہ کی تفصیل درج ذیل ہے۔

	فصل		کاشتکاری کا رقبہ (لاکھ ہیکٹر میں)
۱	بورو دھان	——	۲۰ ر ۴
۲	گیہوں	——	۵۰ ر ۵
۳	دال	——	۲۵ ر ۶
۴	تیل کا بیج	——	۸۲ ر ۳
۵	آلو	——	۵۸ ر ۱
۶	سبزی	——	۰۰ ر ۲
۷	پٹسن	——	۳۶ ر
۸	دیگر فصلیں	——	۵۰ ر
	کل		۲۱ ر ۲۴

زرعی پروگرام کے لئے اخراجات

عوامی سیکٹر میں انسان تک پہونچنے کے لئے کافی سرمایہ کی ضرورت ہے۔ ۸۲-۱۹۸۱ء زرعی ترقی کے لئے ۲۹ کروڑ روپئے خرچ کئے گئے۔ ۸۳-۱۹۸۲ء اس مقصد کے لئے حکومت نے غرور ۴۴۲ ر ۵۸ کروڑ روپئے کا تخمینہ لگایا تھا، لیکن اب اسے کم کر کے ۲۳ کروڑ روپئے کر دیا گیا۔ اگر اس رقم سے چھوٹی آبپاشی اور اس کے آس پاس کے زرعی علاقوں کی ترقی پر خرچ ہونے والی رقم کو منہا کر دیں تو صرف زرعی ترقی کے لئے ۶۰ ر ۴ کروڑ روپئے مصارف کے لئے رہ جائیں گے۔

(ریاستی حکومت کے وزیر زراعت شری کمل گوہا کا مغربی بنگال اسمبلی میں گزشتہ ۱۲ ستمبر کو زرعی بجٹ تقریر کا ترجمہ (تلخیص)) =

باقی صفحہ ۱۵

غذائی اجناس کی سپلائی کو برقرار رکھنے میں ناکام ہوتی ہے۔ تو اس وقت وہ حصولیابی پالیسی میں تبدیلی کرنی شروع کر دیتی ہے، اور غذائی اجناس کی سپلائی میں ۲۶ پیسے کی چھوٹ دینے کی پالیسی کو، چھوٹ کی رقم میں بتدریج کمی کر کے تبدیل کی جاتی ہے۔ پھر چاول کی قیمت میں ۱۴ پیسے کا اضافہ کرنے مرکز عوام سے اس رقم کو وصول کرنا چاہتا ہے۔

چند دنوں قبل مرکزی حکومت نے گیہوں کی قیمت میں ۸ پیسے فی کیلوگرام کا اضافہ کیا۔ اس طرح چھوٹ کے طور پر اب کچھ رقم باقی نہیں رہا۔ اس سے قبل مرکز کی طرف سے دی گئی چھوٹ کی رقم، مرکزی حکومت منصوبہ بند طریقہ سے لوگوں سے حاصل کرتی ہے۔ مرکز جو چاول مغربی بنگال کو سپلائی کرتا ہے، اس کی کوالٹی اچھی نہیں ہوتی۔ اس سلسلہ میں پارلیمنٹ میں مرکزی وزیر نے کچھ جواب نہیں دیا —

میونسپل ورکروں کو دئے جانے والے پوجا اکس گریشیا کے سلسلہ میں

شری پرشانتو کمار سور، وزیر لوکل گورنمنٹ، شہری ترقی کا وضاحتی بیان

حکومت مغربی بنگال میونسپلٹیوں کے ملازمین کو ایک مہینہ کی بنیادی تنخواہ اور مہنگائی بھتہ بطور پوجا اکس۔گریشیا دیتی ہے لیکن اب حکومت کے علم میں یہ بات آئی ہے کہ چند میونسپلٹیوں کے بعض ملازمین نے پوجا اکس۔گریشیا کے طور پر اس سے زیادہ رقوم کی مانگ کے لئے تحریک شروع کردی ہے۔ بعض جگہوں میں تو ان لوگوں نے پوجا کے دنوں میں ہڑتال کرنے کی دھمکی بھی دی ہے۔

بائیں محاذ حکومت، برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد سے ہی، میونسپل ملازمین کی ملازمت کے حالات میں بہتری لانے کے مسئلہ پر ہمدردانہ غور و خوض کر رہی ہے۔ اس مقصد کے لئے حکومت نے تنخواہ جائزہ کمیٹی قائم کی ہے اور اس کی سفارشات کی بنیاد پر میونسپل ورکروں کی تنخواہ کی شرحوں اور دیگر مراعات میں ایسی تبدیلی لائی گئی کہ یہ ریاستی حکومت کے ملازمین کو دی جانے والی مراعات اور شرحوں کے برابر ہو گئی۔ شدید مالی بحران اور محدود وسائل کے باوجود حکومت نے نہ صرف تنخواہ کی اعلیٰ شرحوں کی منظوری دی بلکہ دیگر مراعات میں بہتری لانے کے لئے ان کے لئے پنشن اور پروویڈنٹ فنڈ اسکیمیں بھی رائج کیں۔

ان لوگوں کو اتنی ساری سہولتیں فراہم کرنے کے بعد بھی حکومت نے ہمدردانہ طور پر ہر ملازم کو ایک مہینہ کی بنیادی تنخواہ، مہنگائی بھتہ بطور پوجا اکس۔گریشیا دینے کا اعلان کیا۔ تنخواہ کی شرحوں پر نظر ثانی کرنے کی وجہ سے ہر ملازم کی تنخواہ میں کم از کم .. ا روپے فی ماہ کا اضافہ ہوا۔ اگر اس میں مہنگائی بھتہ کی رقم شامل کر دی جائے تو اکس۔گریشیا کے طور پر کافی رقوم دی جاتی ہیں لیکن ریاستی حکومت کے ملازمین کو فی کس .. ا روپئے بطور اکس۔گریشیا دیا جاتا ہے۔ نیز انہیں .. ا روپئے بطور پیشگی دئے جاتے ہیں۔ پیشگی کی یہ رقوم ۸ مہینوں میں قسط وار واپس لے لی جاتی ہے۔

جب میونسپل ملازمین کی تنخواہ کی شرحیں ریاستی حکومت کے ملازمین کی تنخواہ کی شرحوں کے برابر کردی گئی ہے تو ریاستی حکومت کے ملازمین کو جتنی رقوم دی جاتی ہیں، اتنی رقوم پر میونسپل ملازمین کو قناعت کرنی چاہئیے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرتے اور اس سے بھی زیادہ رقم کی مانگ کرتے ہیں۔ حکومت اس امر سے واقف نہیں ہے کہ اس بے چینی کی وجہ کیا ہے۔ ہو سکتا ہے وجہ سیاسی ہو۔ یا کسی خاص مقصد کے تحت کیا جا رہا ہے یا کوئی اور وجہ ہو۔

میں ذاتی طور پر اور بائیں محاذ حکومت کی طرف سے میونسپل ملازمین سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس معاملہ پر سنجیدگی سے غور کریں اور قومی تہوار کے موقع پر ہڑتال کرنے سے پرہیز کریں کیونکہ ایسا کرنے سے ریاست کی شہری خدمات بری طرح متاثر ہوں گی۔

مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کے نئے منتخبہ

اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر

ہاشم عبدالحلیم
(اسپیکر)

اسپیکر جناب ہاشم عبدالحلیم صاحب بہار کے ایک خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۹۳۵ء میں ہوئی آپ نے کلکتہ یونیورسٹی سے ۱۹۶۰ء میں ایم ۔ اے اور ۱۹۶۱ء میں ایل ایل بی کیا۔ ۱۹۶۳ء میں آپ کلکتہ کے ہائی کورٹ میں ایک ایڈ ویکیٹ کی طرح شامل ہوئے۔ آپ ۱۹۵۷ء سے کمیونسٹ اور مزدوروں کی تحریک سے وابستہ ہیں۔ آپ کھیل کود میں کافی دلچسپی لیتے ہیں۔

اس کے قبل کی بائیں محاذ حکومت میں آپ وزیر عدلیہ اور قانون ساز تھے۔ گزشتہ عام انتخابات میں آپ ایک بار پھر آمڈانگ حلقہ انتخاب سے منتخب ہوئے۔

کلیم الدین شمس
(ڈپٹی اسپیکر)

مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر جناب کلیم الدین شمس صاحب ۱۹۳۹ء میں بہار کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئے۔ چار سال کی عمر میں آپ اپنے بزرگوں کے ساتھ کلکتہ آئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم ایک مسلم ہائی اسکول میں حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تعلیم حاصل کی۔ آپ نے اردو میں ایم ۔ اے کیا اور ایل ایل بی کی ڈگری بھی حاصل کی۔ ۱۹۶۵ء میں آپ کلکتہ کارپوریشن کے کاؤنسلر منتخب ہوئے۔

اپنی تعلیمی زندگی میں آپ طلباء کی تحریکوں میں سرگرم حصہ لیتے۔ آپ علی پور عدالت اور کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک ممتاز ایڈ ویکیٹ تھے۔ سیاسی تحریکوں میں شامل ہونے کی وجہ سے آپ کئی بار گرفتار کرایا۔ آپ کی کوششوں کی وجہ سے مختلف علاقہ میں چار اسکول قائم ہوئے۔ آپ ریاستی حکومت کی بچ کمیٹی کے ممبر ہیں۔

اس سے قبل آپ مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کے نائب اسپیکر تھے۔ آپ ۱۹۷۷ء، ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۲ء میں کولوٹولہ حلقہ انتخاب سے منتخب ہوئے۔

ریاستی حکومت

بجلی سیکٹر کو اعلیٰ ترجیح دیتی ہے

شری شنکر گپتا، وزیر توانائی، حکومت مغربی بنگال نے ۲۲ ستمبر ۸۲ء کو مغربی بنگال اسمبلی میں توانائی کے سلسلہ میں بجٹ پیش کیا۔ وزیر موصوف کی بجٹ تقریر اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

بائیں محاذ حکومت کی پالیسی میں بجلی کے سیکٹر کو اعلیٰ ترجیح دی گئی ہے۔ ۳۴ نکاتی پروگرام میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ بجلی پیدا کرنے کے لئے زیر تعمیر پروجیکٹوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا جائے کولاگھاٹ، امام اور ٹیٹاگڑھ پروجیکٹوں کو مکمل کرکے ۸۲-۱۹۸۱ تک اس ریاست میں بجلی پیدا کرنے کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ نئے پروجیکٹوں کے لئے اسکیمیں تیار کی جائیں اور ان کے لئے مرکزی حکام سے منظوری حاصل کی جائے اور بجلی سیکٹر میں انتظامیہ کی از سر نو تنظیم کی جائے۔

۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آنے کے بعد سے ہی بائیں محاذ حکومت ریاستی بجلی پروجیکٹوں کے لئے کثیر رقوم خرچ کر رہی ہے ۸۲-۱۹۸۱ء میں اس مد میں خرچ کا تخمینہ ریاستی بجٹ کے پورے سائز کا تیس فی صد تھا۔

بد قسمتی سے سال رواں میں ریاست کے منصوبہ کے سائز میں مجموعی طور پر کمی کردی گئی اس کی وجہ سے بجلی کے سیکٹر میں بھی اخراجات کا تخمینہ کم ہوگا، لیکن اس کے باوجود ریاست کے ترقیاتی پروگرام میں بجلی کو اہم مقام حاصل رہےگا۔

اس ریاست میں بجلی کی مانگ میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اس کی وجہ سے بجلی کی مانگ اور سپلائی میں کافی فرق پیدا ہو گیا ہے۔ اس فرق کو بہت ہی مختصر عرصہ میں کم کرنے کے لئے پیداوار کی صلاحیت میں اضافہ کرنے کے لئے حکومت نے فوری اور خصوصی توجہ دی ہے، اور زیر تعمیر پروجیکٹوں کی جلد از جلد تکمیل کے بعد ایسا کرنا ممکن ہو سکے گا۔ بنڈیل کا پانچواں یونٹ، جس کی صلاحیت ۲۱۰ میگاواٹ ہے مکمل ہو چکا ہے اور یہ اسی مہینہ میں چالو ہو جائے گا۔ کلکتہ الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کا ٹیٹاگڑھ پروجیکٹ، جس کی صلاحیت ۶۰ میگاواٹ ہے، وقت پر مکمل ہو جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ دسمبر ۸۲ء سے یہ یونٹ چالو ہو جائیگا۔ اس پروجیکٹ کے لئے ریاستی حکومت نے سی ای ایس سی کو قرض اور دیگر امداد فراہم کی۔ جلدھاکہ جل بجلی پروجیکٹ، اسٹیج II جس کی پیداوار کی صلاحیت ۸ میگاواٹ ہے کی تعمیر کا کام تیزی سے جاری ہے اور امید کی جاتی ہے کہ ۱۹۸۳ء کے شروع سے یہ چالو ہو جائیگا۔

معزز آپ ممبروں کو یہ معلوم کرکے خوشی ہوگی کہ ۳ یونٹوں پر مشتمل، ہر یونٹ کی صلاحیت ۲۱۰ میگاواٹ ہوگی، کے ٹی پی پی کے دوسرے حصہ کی تعمیر کے لئے مرکزی حکومت کی منظوری حاصل ہو گئی۔ اس طرح ان یونٹوں کے مکمل ہو جانے پر یہاں بجلی پیدا کرنے کی کل صلاحیت ۱۲۶۰ میگاواٹ ہوگی۔

بد قسمتی سے اس ریاست میں ریاستی بجلی بورڈ کے اس پروجیکٹ

کو شروع شروع میں بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اب بہت ساری اہم رکاوٹیں دور کر دی گئی ہیں۔ حکومت اس کی جلد از جلد تکمیل کو زیادہ اہمیت دیتی ہے اور خود سرکار کی سطح پر اس پروجیکٹ پر کام ہو رہا ہے۔

ہم اس امر سے واقف ہیں کہ آئندہ بیس برسوں میں صنعت کاری کی وجہ سے بجلی کی مانگ میں کافی اضافہ ہوگا۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے اس ریاست کے لئے مناسب منصوبہ مرتب کرنے کے لئے ماہرین پر مشتمل ایک بجلی منصوبہ بندی کمیٹی قائم کی ہے۔ اس کمیٹی کے ذمہ اہم کام دیا گیا ہے کہ ۱۹۹۰ء تک اس ریاست میں بجلی کی مانگ کا تخمینہ کرے۔ اس کے بعد ۲۰۰۰ء تک کتنی مانگ ہوگی اس کا بھی اندازہ لگائے۔ ساتھ ہی کوئلہ، پانی، نقل و حمل اور بجلی کی مانگ کے مراکز کی نزدیکی کو پیش نظر رکھتے ہوئے بجلی گھر کی تعمیر کے لئے جائے وقوع کی تجویز پیش کرے۔ نیز اس کمیٹی کے ذمہ یہ کام بھی دیا گیا کہ وہ ہر چھ مہینہ میں بجلی کی مانگ کے پیش نظر بجلی کی سپلائی کم یا فاضل ہوتی ہے، اس سلسلہ میں حکومت کو باخبر کرے۔ اس سلسلہ میں کمیٹی چالو پروجیکٹوں کی رفتار ترقی کو زیر غور رکھیگی اور وقتاً فوقتاً دستیاب بجلی کی جہاں تک ممکن ہو سکے مساوی تقسیم کے طریقہ کار کی تجویز پیش کریگی۔

عزت مآب ممبروں کو یہ بات معلوم ہے کہ بنڈل تھرمل پاور اسٹیشن کو پیداوار میں اپنے استحکام کے لئے سارے ہندوستان میں شہرت حاصل ہوگی لیکن سنتالڈیہ تھرمل پاور اسٹیشن اس حد تک مستحکم نہیں ہوا ہے۔ ہم لوگ اس بجلی گھر کی صلاحیتی قوت میں کس طرح اضافہ کیا جائے اس بات پر غور و خوض کر رہے ہیں۔ مشینوں کے ضروری پرزوں کی تبدیلی کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ نیز بجلی کے پلانٹوں کی صلاحیت میں اضافہ کرنے، نیز انہیں بہتر حالت میں رکھنے کے لئے بھی اقدامات کئے گئے ہیں۔

عزت مآب ممبران اس بات سے واقف ہیں کہ بجلی کے استعمال اور تقسیم میں ضابطگی لانے کے پیش نظر اس ریاست میں مغربی بنگال توانائی کنٹرول آرڈر نافذ ہے لیکن مجھے یہ کہتے ہوئے بہت تکلیف ہوتی ہے کہ جب اس بات کی ہم چھان بین کی گئی کہ اس آرڈر کی کون خلاف ورزی کر رہا ہے تو ہمیں یہ معلوم ہوا کہ بہت سارے ایسے [illegible] صارفین اس آرڈر کی وضاحت کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

اس خلاف ورزی کی وجہ سے بجلی کی فراہمی میں کمی ہو جاتی ہے اور اس طرح تمام صارفین کو بجلی کی سپلائی میں کمی ہو جاتی ہے اور اس طرح زیادہ وقت کے لئے لوڈ شیڈنگ ہوتا ہے۔ اس غیر قانونی اقدام کی روک تھام کرنے کے لئے اس اسمبلی کے موجودہ سیشن میں ہندوستانی الیکٹرسٹی ایکٹ ۱۹۱۰ء میں ترمیم لانے کے لئے میں ایک ترمیمی بل پیش کرونگا۔ اس ترمیم میں قید کی سزا کی گنجائش رکھی جائیگی۔

لوڈ شیڈنگ کے موجودہ طریقہ کار پر حکومت سرگرم طور پر غور کر رہی ہے۔ اس فن میں ماہر ماہرین پر مشتمل ایک ٹاسک فورس حال ہی میں قائم کیا گیا ہے اور اس سے کہا گیا کہ وہ ایک مہینہ میں اپنی رپورٹ داخل کرے۔ مجھے امید ہے کہ میں اس سلسلہ میں نئے فیصلہ کا بہت ہی جلد اعلان کرونگا۔ اور پوجا کے بعد ان اسکیموں کو روبہ عمل لاؤنگا۔ جہاں تک ممکن ہو سکے، بجلی کی مساوی تقسیم کے پیش نظر ہم لوگ اور ٹاسک فورس اس تجویز پر غور کر رہے ہیں کہ تمام صارفین کے لئے بجلی کے استعمال کے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے۔ اس مجوزہ ضابطہ سے گھریلو استعمال کے صارفین متاثر نہیں ہونگے۔

لوڈ شیڈنگ سے متعلق ایک مسئلہ اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ سی ای ایس سی سسٹم میں ایک ہی وقت میں ضروری صارفین کے ساتھ ساتھ غیر لازمی صارفین کو بھی بجلی سپلائی کی جاتی ہے۔ ایک حالیہ جائزہ سے اس بات کا پتہ چلا ہے کہ لازمی صارفین کے لئے ۲۰ میگاواٹ بجلی سپلائی کی جاتی ہے لیکن اس سے ۱۰۲ میگاواٹ بجلی غیر لازمی صارفین استعمال کر رہے ہیں۔ اس طرح ان لوگوں کے یہاں لوڈ شیڈنگ تقریباً نفی کے برابر ہوتا ہے۔ ہم لوگ کلکتہ الیکٹرک سپلائی کارپوریشن سے اس سلسلہ میں بات چیت کر رہے ہیں کہ وہ لازمی صارفین کے راستہ سے غیر لازمی صارفین کو ہٹا دے۔

اس ریاست میں ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۸۱-۱۹۸۰ء کے مقابلہ میں دیہی بجلی کی کارکردگی بہت ہی بہتر رہی ہے ... ہم اطلاع میں اور ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۲۰۲۱ مواضع میں بجلی سپلائی کی گئی۔ لیکن پمپ سیٹوں میں بجلی کی سپلائی، نیز قبائلی طبقہ والے ہریجنوں کے گاؤں میں بجلی کی سپلائی کا کام تشفی بخش طور پر نہیں ہوا۔ حکومت کو اس امر کا احساس ہے کہ وہ اس سلسلہ میں کام کی رفتار تیز کرنے کی کوشش

کر رہی ہے۔ اس مقصد کی کامیابی کے لئے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر ضلع میں مقامی مشاورتی کمیٹی قائم کی جائے۔ اس کمیٹی میں دیگر لوگوں کے علاوہ پنچایتوں اور عوام کے نمائندے بھی شامل ہونگے۔ ہر ضلع میں یہ کمیٹی دیہی بجلی کی موجودہ اسکیم اور نئی اسکیموں کو مرتب کرنے، رو بہ عمل لانے اور انہیں استعمال کرنے کے سلسلے میں بورڈ کی مدد کریگی۔ مجھے امید ہے کہ دیہی بجلی محاذ میں کامیابی حاصل کرنے میں بورڈ اور پنچایتیں کافی مدد کرینگی کیونکہ یہ دیہی ترقیاتی پروگرام کا ایک لازمی جزو ہے۔ موجودہ سال سے ہم لوگ نہ صرف موجودہ (اور مستقبل کے) دیہی بجلی پروگرام پر زور دے رہے ہیں بلکہ ہم ان تمام دیہی بجلی پروجکٹوں کی احیاء نو کے لئے کوشش کرینگے جنھیں اس سے قبل مکمل کر لیا گیا تھا لیکن تار وغیرہ کی چوری ہونے سے نہیں مصرف میں نہیں لایا جاسکا۔ مجھے یقین ہے کہ دیہی بجلی پروگراموں میں پنچایتیں بجلی کے تار کی چوری وغیرہ کی روک تھام کرنے میں ہماری مدد کرینگی۔ اس کے علاوہ ایسی کمیٹیاں شہری اور دیہی علاقوں میں کاروباری اور گھریلو استعمال کے لئے بجلی کی سپلائی کے سلسلے میں بورڈ کی مدد کرینگی۔

مغربی بنگال ریاستی بجلی بورڈ کے کام کاج میں بہتری اور اس کے مختلف شعبوں کے درمیان تال میل اور تعاون کے پیش نظر اس بورڈ کی پیداوار اور اس کی ڈسٹری بیوشن شاخ کو تقسیم شاخ سے الگ کر دیا گیا ہے۔ اس بورڈ کے نظم و نسق میں بہتری لانے کے مد نظر حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس بورڈ کے سکریٹری کے عہدہ پر ایک آئی اے ایس افسر کو مقرر کیا جائے۔ حکومت کا یہ خیال ہے کہ مغربی بنگال ریاستی بجلی بورڈ کے ملازمین کے لئے جو تنخواہ کمیٹی تشکیل کی گئی تھی اس میں ٹریڈ یونین میدان کے تجربہ کار شخص کو شامل کرنا بہتر ہوگا۔ اسی لئے حکومت نے بورڈ کو ایسا کرنے کا مشورہ بھی دیا۔

مختلف چیمبرس آف کامرس نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا کہ وہ بجلی کی پیداوار میں اضافہ کرنے اور مصنوعاتی بجلی کی سپلائی سے متعلق مسائل کی بابت حکومت کو تجاویز پیش کرینگے۔ ہم نے ان کی اس تجویز کو تسلیم کر لیا کہ وہ ایک مطالعہ ٹیم کی طرح تھرمل پاور اسٹیشنوں میں جائینگے اور مطالعہ کے بعد وہ تجاویز پیش کرینگے۔ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ چیمبرس آف کامرس

اور بجلی پیدا کرنے والی ایجنسیوں کے ساتھ ماہانہ بات چیت کی جائے اور ایسی کانفرنس میں جو بات چیت ہو اس کی بنیاد پر موجودہ صورت حال میں بہتری لائی جائے۔

محترم ممبران اس بات سے واقف ہیں کہ دامودر ویلی کارپوریشن ایک معاہدہ کے تحت کلکتہ الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کو ۸۰ ایم وی اے بجلی سپلائی کرتا ہے لیکن حال ہی اس نے اپنے طور پر مختلف سطحوں پر بجلی کی سپلائی کے شیڈول پر نظر ثانی کی۔ اس سلسلے میں ڈی وی سی نے حکومت سے مشورہ نہیں کیا اور اسی لئے اس نے بجلی کی سپلائی میں کمی کر دی۔ مثال کے طور پر ۷۵ میگاواٹ بجلی پیدا کرنے پر ڈی وی سی کو ۸۴ ایم وی اے بجلی کلکتہ الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کو سپلائی کرنا چاہئے لیکن وہ اس کی جگہ ۵۹ ایم وی اے بجلی سپلائی کرتا ہے۔ ہم نے اس سلسلے میں مرکزی حکومت سے کہا کہ ڈی وی سی کا یہ اقدام اس ریاست کے مفاد کے خلاف ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم لوگوں نے ڈی وی سی سے بھی شکایت کی کہ اس نے تمام صارفین کے لئے ڈی وی سی شرح کو دگنا کر دیا۔

ہم لوگوں کو آسام سے ۵ میگاواٹ بجلی سپلائی کی جاتی ہے۔ یہ بجلی شمالی بنگال میں دفاعی تنصیبات میں استعمال کی جاتی ہے۔ ہم لوگوں کو ڈی وی سی کے ذریعہ بھی شمالی بنگال کے لئے بہار سے ۱ میگاواٹ بجلی ملتی ہے اس طرح شمالی مشرقی علاقہ میں بجلی کی افزائش ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہمارا ریاستی بجلی بورڈ ۸ میگاواٹ بجلی کی سپلائی کے لئے میگھالیہ اور آسام سے بات چیت کر رہا ہے۔ میں جب نئی دہلی گیا تھا تو اس وقت اس سلسلے میں نے مرکزی وزیر توانائی سے بات چیت کی تھی اور ان سے درخواست کی تھی کہ وہ اس معاملہ کو حل کرنے میں ہماری مدد کریں۔

اختتام میں اس ریاست میں بجلی کی کمی کے مسائل کو حل کرنے میں تمام حضرات کے تعاون اور تائید کی درخواست کرتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہم متحدہ کوششوں کے ذریعہ اس ریاست کے بجلی مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہو جائینگے۔ *

سرکاری خبریں

خشک سالی متاثر لوگوں کی امداد کیلئے

وزیر اعلیٰ کے امداد فنڈ میں عطیہ

مغربی بنگال میں خشک سالی سے متاثر لوگوں کی امداد کے لئے وزیر اعلیٰ نے امداد فنڈ میں عطیہ دینے کے لئے لوگوں سے پرزور اپیل کی تھی۔ اس اپیل پر بہت سارے لوگوں اور تنظیموں نے اس فنڈ کے لئے عطیات دیئے۔ عطیات دینے والوں کے نام اور عطیات کی رقوم درج ذیل ہیں۔

نام	(روپئے)
کل بنگال پرائمری ٹیچرس ایسوسی ایشن کی ۳۷ ویں ریاستی کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی	۵۰۰۰
شری کاشی ناتھ پانڈے	۱۵۱
شری ایم جی کشتی	۳۰۰
میسرس گمن انڈیا لمیٹڈ کے اسٹاف ممبران، کیلا گھاٹ تھرمل پاور پروجیکٹ، دشوکرما پوجا کمیٹی	۱۵۰۱
کل بنگال ٹیچرس ٹریننگ کالج شکشارتھی سمند	۶۰۱
آئی ایچ ایم اسپورٹس اور تفریح کلب	۱۰۰۱
مغربی بنگال ریاستی حکومت کے ملازمین اور یونینوں کی ریاستی کوآرڈینیشن کمیٹی	۵۰۰۰۰
ایچ بی آئی ملازمین تفریح کلب	۵۰۱
کنچراپاڑہ ہائی اسکول (ایچ ایس) کے اساتذہ، طلباء اور ملازمین	۳۶۰
شری گوپال آچاریہ	۵۰۰
مانک تلہ گرلس ہائی اسکول کی ٹیچرس	۲۲۵
سی پی آئی (ایم)، کلکتہ ضلع کمیٹی	۱۰۰۰۰
آئی پی ٹی اے، مغربی بنگال ریاستی کمیٹی	۶۹۱۵
کل :-	۵۵۰۱۱ روپئے

اس فہرست میں ان لوگوں کے نام شامل ہیں جنھوں نے ۲۰ر اکتوبر ۸۲ء تک عطیات دئے۔

سلی گوڑی میں بلاک کے نوجوانوں کا تہوار

سلی گوڑی میں پھانسی دیوا-کھاری باڑی بلاک کے تحت بدھان نگر میں دو روزہ بلاک یوتھ فیسٹول (نوجوانوں کا تہوار) ۱۴ر اکتوبر ۸۲ء کو ختم ہوا۔ اس تہوار کے موقعہ پر منعقدہ اسپورٹس کھیل کود اور ثقافتی پروگراموں میں دور افتادہ گاؤں کے تقریباً ۶۰۰ افراد نے شرکت کی سلی گوڑی کے سب ڈویژنل آفیسر نے انعامات تقسیم کئے۔

حکومت مغربی بنگال کے شعبہ خدمات نوجوان نے مقامی پنچایت سمیتی کی مدد سے اس تہوار کا انتظام کیا تھا۔

بین الاقوامی تجارتی میلہ میں حکومت مغربی بنگال کی شرکت

نئی دہلی میں منعقدہ ہونے والے بین الاقوامی تجارتی میلہ ۸۲ء میں حکومت مغربی بنگال شرکت کر رہی ہے۔ یہ میلہ پرگتی میدان میں یکم نومبر سے ۱۴ نومبر ۸۲ء تک منعقد ہو رہا ہے۔ اس نمائش میں مغربی بنگال کے نمائش گھر میں مغربی بنگال میں صنعتی مناظر۔ ترقی اور امکانات، کو موضوع منتخب کیا گیا ہے۔

۱۶ یونٹوں معہ ریاستی حکومت کے شعبہ جات، شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، شعبہ سیر و تفریح، سی۔ ایم۔ ڈی۔ اے وغیرہ اور چند بڑے بڑے پروجیکٹ جیسے درگاپور کیمیکلس، مغربی بنگال صنعتی ترقیاتی کارپوریشن، مغربی بنگال زرعی صنعتی کارپوریشن وغیرہ،

اس سال اس نمائش میں حصہ لے رہے ہیں۔ مغربی بنگال کا نمائش گھر ۱۶۰۰ مربع میٹر رقبہ آراضی پر تعمیر کیا جا رہا ہے اور اس پر ۵ء۸ لاکھ روپئے خرچ ہونگے۔

کلکتہ میں گاڑیوں کی آمد و رفت میں بہتری کے لئے سی ایم ڈی اے کی مدد

شہر کلکتہ کی سڑکوں پر گاڑیوں کی آمد و رفت میں بہتری کے لئے سی ایم ڈی اے نے ۹ء۲۱ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔ اس پروجکٹ میں سڑکوں کی موڑ موڑ پر بہتری کے کام کاج گارڈ۔ ریلنگس نصب کرنا، سڑکوں پر نشان ڈالنا گاڑیوں کی آمد و رفت کے لئے بتیاں نصب کرنا، سڑکوں میں لیمپ پوسٹ کے ذریعہ بہتر روشنی کا انتظام کرنا وغیرہ شامل ہے۔

پہاڑی علاقوں میں زرعی ترقی

دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں زرعی سیکٹر کے تحت بہت ساری اسکیموں کو روبہ عمل لانے کے لئے حکومت مغربی بنگال کے شعبہ ترقیات و منصوبہ بندی کی پہاڑی امور شاخ نے ۲۰ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی۔ اس رقم میں سے ۹ لاکھ روپئے زیادہ پیداوار والے، جو دارجلنگ ضلع کے پہاڑی علاقے کے لوگوں کی ایک اہم خوراک ہے، کی بہتری کی اسکیم پر خرچ کئے جائیں گے۔ اس اسکیم کے تحت حاشیائی کسانوں کو زیادہ پیداوار والے مختلف اقسام کے مکئی بیج، ساتھ ہی کھاد بھی فراہم کیا جائے گا۔

آلو کی بہتری اور ترقی کی اسکیم کے لئے ۶ لاکھ روپئے صرف کئے جائیں گے۔ پہاڑی علاقوں کی ایک اہم فصل آلو ہے اور اس علاقہ کی دیہی معیشت میں آلو بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اس اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ پیداوار والے آلو کی کاشت کی جائے اور ساتھ ہی کھاد وغیرہ بھی یہاں کے کسانوں کو سپلائی کیا جائے۔ ایک اور اسکیم کے تحت، جس کی تکمیل پر ۵ لاکھ روپئے صرف ہوں گے، سرکاری کھیتوں کے لئے آبپاشی کی کافی سہولتیں فراہم کی جائیں گی تاکہ یہاں کسانوں کو دینے کے لئے زیادہ پیداوار والے بیج کی زیادہ سے زیادہ پیداوار رہے۔

فینسی مارکیٹ کے اسٹالوں کی نو تعمیر

کلکتہ کے بالی گنج علاقہ میں واقع فینسی مارکیٹ (بازار) کے اسٹالوں میں ۱۴ اکتوبر سنہ ۸۲ء کو آگ لگ گئی جس کی وجہ سے پورا بازار جل کر راکھ ہو گیا۔ کلکتہ کارپوریشن اس بازار کے اسٹالوں (دوکانوں) کی نو تعمیر کے لئے ۳۰ لاکھ روپئے خرچ کرے گا۔ حکومت مغربی بنگال کلکتہ کارپوریشن کو محصول عطیہ اس کا جو حصہ ہے، اس سے یہ رقم دے گی۔

سندربن کے پسماندہ علاقہ کی ترقی

حکومت مغربی بنگال نے سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء سال میں سندربن علاقہ کی ترقی کے لئے ۲۴ پرگنہ ضلع کے متھورا پور بلاک میں اینٹ کی سڑکیں تعمیر کرنے کے لئے ۱۳۲۲۵۱ روپئے اور اور ایسے ہی کام کے سلسلہ میں حسن آباد بلاک کے لئے ۸ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔

آشرم کیلئے ریاستی حکومت کا عطیہ

ریاستی حکومت نے رام کرشن مشن آشرم جلپائی گوڑی کو ۱۲۰۰۰ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔ اس رقم سے اس آشرم کے آؤٹ ڈور خیراتی شفاخانہ اور زچہ و بچہ کی زچگی کے شفاخانہ کے اخراجات برداشت کئے جائیں گے۔

ہومیوپیتھک دواخانوں کو عطیات

حکومت مغربی بنگال نے مندرجہ ذیل اداروں کو اپنے ہومیوپیتھک شفاخانوں کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے ۲۶۳۰۰ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔

(۱) بھنیش مہتا بھارتیہ ہومیوپیتھک۔میڈیکل کالج و ہسپتال کلکتہ، (۲) ماسٹر داتو وے چکتسالیہ کلکتہ، (۳) کھیلا گھر درسری اسکول سوسائٹی، ہوڑہ اور (۴) پالی منگل سمیتی، بابی گھر ضلع ۲۴ پرگنہ۔

(۵) کلکتہ ہومیوپیتھک میڈیکل کالج و ہسپتال۔
(۶) ڈی این ڈے ہومیوپیتھک میڈیکل کالج و ہسپتال کلکتہ

چھوت چھات کے خلاف جدوجہد

شری سمبھو ناتھ منڈی، شیڈولڈ کاسٹ وٹرائب کی رفاہ کے شعبہ کے وزیر نے ۱۲ اکتوبر ۸۲ء کو رائٹرس بلڈنگس کلکتہ میں منعقدہ ایک تقریب میں مذکورہ شعبہ کے ڈائرکٹر کو تین پبلسٹی کار دین (نشرواشاعت کے لئے گاڑیاں) دیں۔ اس موقعہ پر وزیر آراضی و پنچایت شری بنوئے چودھری بھی موجود تھے۔

یہ گاڑیاں کلکتہ میں، کوچ بہار اور بانکوڑا میں استعمال کی جائے گی۔ ان گاڑیوں سے اس ریاست میں چھوت چھات کی برائیوں کو دور کرنے کے لئے مسلسل نشرواشاعت کا کام کیا جائے گا۔ ان گاڑیوں کے ذریعہ مناسب دستاویزی فلمیں اور فیچر فلمیں دکھائی جائیں گی، پوسٹر، رسالہ وغیرہ تقسیم کئے جائیں گے۔ حکومت ہند اور ریاستی حکومت کی مشترکہ اسکیم کے تحت یہ گاڑیاں خریدی گئی ہیں۔ ان گاڑیوں سے نشرواشاعت کا کام شیڈولڈ کاسٹ وٹرائب کی رفاہ کے شعبہ کے ذمہ ہوگا۔

اسکولوں کی عمارتوں کی تعمیر کیلئے عطیہ

سی اے آر ای نے آخری قسط کے طور پر مزید ۱۹۸۷۵۰ روپئے بطور عطیہ دیئے یہ رقم تعمیراتی پروگرام کے دوسرے دور کے تحت سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں پرائمری اسکولوں کی عمارتوں کی تعمیر پر خرچ کی جائیگی۔ اس پروگرام کے پہلے دور کا کام جون ۸۲ء میں شروع ہوا اور اس کے لئے سی اے آر ای نے عطیہ کی پہلی قسط دی۔

مغربی بنگال کی پرائمری تعلیم کے ڈائرکٹر کو اس رقم کی ضلع وار تقسیم کے پیش نظر متعلقہ ضلعوں کے ضلع پرنسپلوں کے زیر اختیار مذکورہ رقوم دینے کا اختیار دے دیا گیا ہے۔

شفاخانہ کے لئے عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے بلیہ گھٹہ کے اپندرا ناتھ مکرجی ہسپتال کو موجودہ مالی سال میں، علاج کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے ۵ ہزار روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔

ٹھیکہ رہیتی قوانین کے تحت حساب و کتاب

داخل کرنے کی آخری تاریخ بڑھادی گئی

ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کلکتہ ٹھیکہ رہیتی (حصولیابی اور ضوابط) قوانین ۱۹۸۲ء کے تحت فارم "اے" اور "سی" میں حساب و کتاب داخل کرنے کی آخری تاریخ کو بڑھا کر ۲ جنوری ۸۳ء تک کر دیا جا سکے۔

کلکتہ میدان میں ریڈ روڈ پر [illegible]
اُتپل دت نے مائیکل مدھوسودن کے
مجسمہ کی نقاب کشائی کی۔

MAGHREBI BENGAL
1st November 1982

Regd. No. WB/CC-52
Vol. 29, No. [illegible]
PRICE-12 Paise

مغربی بنگال کے لوک ناچ نئی فصل کا ایک منظر۔ اس ناچ کو ایشیاڈ-۸۲ کے ثقافتی پروگرام میں پیش کیا جائیگا

Editor : [illegible] Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal [illegible] by IMPRESSIVE IMPRESSION 10, Dr. Kartick Bose Street, Calcutta-700 009.

مغربی بنگال

۱۵ر نومبر ۱۹۸۲ء

مغربی بنگال
کلکتہ
جلد نمبر ۲۹ ۱۵ نومبر ۱۹۸۲ شمارہ نمبر
شرح خریداری ۔ مدیر اعلیٰ:۔ دھیریندر ناتھ
قیمت ۱۲ پیسے معاون مدیر:۔ محمد اعظم
انقلاب نمبر
تزئین کار:۔ تارا پرشاد داس
فہرست
انقلاب روس نظم محمد امین
مجاہدین آزادی اور نومبر انقلاب گنیش گھوش
طبقہ کسے کہتے ہیں ۔ وی۔ آئی۔ لینن
سورج مکھی بٹیا ۔ نظم مکلیش بسواس
اکتوبر انقلاب الیتیا رنکو
نومبر انقلاب اور اشتراکیت ۔ م۔ انسیم

سسک رہی تھی مظالم تلے دبی دنیا
غبار سطوت شاہی سے تھی ڈھکی دنیا
شکار گاہ درندوں کی تھی بنی دنیا
دکھائی دیتی تھی ماتم کدہ یہی دنیا
گرفت زر کی تھی محنت کشوں کی گردن پہ
لہو کا داغ لگا تھا بتوں کے دامن پر

تمام روس پہ حاوی تھے حرص کے بندے
بچھائے بیٹھے تھے مکر و فریب کے پھندے
ہوس پرست خیالات کے بڑے گندے
چلا رہے تھے ہزاروں گناہ کے دھندے
وہ ملک کیا تھا کہ قوموں کا قید خانہ تھا
قحط تھا جنگ تھی اور زار کا زمانہ تھا

نقیبِ ظلم کے چہرے سے جب نقاب اٹھا زمیں سے تابہ فلک شورِ انقلاب اٹھا
پیامِ عشق لئے حسن جلوہ تاب اٹھا افق پہ ایک نیا سرخ آفتاب اٹھا

نویدِ صبح سے خوابیدہ لوگ جاگ گئے
اثر کے تخت سے عالم پناہ بھاگ گئے

رواج بدلے تو آزاد ہو گئی محنت لگی کمال دکھانے پھر آدمی کی صفت
ہنر کو نیک ارادوں نے بخش دی عزت ہوئی عوام کے بس میں عوام کی قسمت

ادا بدل گئی کھیتوں کی سارے کسانوں کی مٹھ
زمین بن گئی ملکیت کسانوں کی مٹھ

عروجِ عظمتِ انساں یہ کاوشِ انساں یہ دیکھ غرقِ ندامت میں ہو گیا شیطاں
صنم کدہ پہ گرا جیسے ایک کوہِ گراں وہ انقلاب کہ سارا جہاں تھا حیراں

اس انقلاب کی توپوں کی گھن گرج ساری
دیارِ چین میں لائی پیامِ بیداری

اڑا کے بوئے چمن لا رہی ہے بادِ صبا رموزِ عشق کے سمجھا رہی ہے بادِ صبا
گلوں کو چھیڑ کے مہکا رہی ہے بادِ صبا رخِ صلیب سے ٹکرا رہی ہے بادِ صبا

نہ بھیک مری نہ غربت ہے اور نہ بیکاری
دفن ہے قبر کے اندر نظامِ زرداری

منا دو سالگرہ کے نام لینن کا چھلک رہا ہے زمانے میں جام لینن کا
ہر ایک ملک میں پہونچا کلام لینن کا کہ اتحاد و عمل ہے پیام لینن کا

کسی بھی دور میں پہلے ذہن بدلتا ہے
پھر انقلاب کے سانچے میں وقت ڈھلتا ہے

اک انقلاب کی لہریں ہیں اپنے سینے میں ہے اعتراض غریبوں کو اب کے جینے میں
مہک لہو کی ہے مزدور کے پسینے میں شمع جلی تھی جو مہینے کے اس مہینے میں

تلاش گردِ سفر پا رہی ہے لینن کی
صدا قریب سے اب آ رہی ہے لینن کی

مجاہدینِ آزادی اور جزیرہ انقلاب

از: گنیش گھوش

وسیع اور نیلے خلیج بنگال میں چھوٹے بڑے بہت سارے جزیرے ہیں جو ناریل کے درختوں کے جھنڈ سے گھرے پڑے ہیں۔ اس وسیع سمندر میں یہ جزیرے نقطے کی طرح نظر آتے ہیں اور انھیں انڈمان و نکوبار جزائر کہتے ہیں۔ فاصلہ سے یہ لمبے جزایر پریوں کی کہانی کے بنت البحر نظر آتے ہیں۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی تھا جب یہی جزائر ایک خطرناک کالونی بن گئے تھے۔ یہ جگہ ایسے قیدخانہ میں تبدیل ہو چکی تھی جہاں برطانوی سامراجیت قیدیوں سے بے رحمانہ اور وحشیانہ سلوک کرتی۔ اس ہولناک قیدخانوں میں بہت سارے مجاہدین آزادی کو برسوں تک رہنا پڑا۔ اور سامراجیت کا ظلم کا نشانہ بننا پڑا۔ ان میں سے بہت سارے بہادر سورماؤں کو اپنے مادرِ وطن میں واپس آنا نصیب نہ ہو سکا کیونکہ انہیں قیدخانوں میں ظالموں نے ہلاک کر دیا، اور جو جیل سے باہر نکلنے میں کامیاب بھی ہو گئے تھے تو وہ سمندر اور پہاڑوں سے گھرے انڈمان جزائر کے جنگلات سے باہر نکل نہ سکے اور وہیں ان کی موت واقع ہوئی۔

ایک دور گذر چکا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے نظریہ میں بھی تبدیلی ہوئی ہے۔ مجھے یہ بات اچھی طرح یاد ہے کہ ان دنوں انڈمان کوئی جانا پسند نہ کرتا کیونکہ یہاں کے قیدخانے کے ظلم و ستم کی داستان سے سبھی واقف ہو چکے تھے اور سبھی ان سے نفرت کیا کرتے۔ یہ قیدخانے سامراجی حکمرانوں کے ظلم کے علمبردار بن چکے تھے۔ آج ہم ہندوستانی ان جزیروں کو ایک [illegible] جہاں ہزاروں مجاہدین وطن نے اپنے وطن کی آزادی [illegible]

ان کے خون سے رنگے ہوئے ہیں اور ان کی قربانیوں کی کہانیاں آنے والے دنوں میں لاکھوں لوگوں کے لئے حب الوطنی کے جذبات کا لازوال ذریعہ بنی رہیں گی۔

میں تاریخ داں نہیں ہوں، اس لئے میں جزائر انڈمان کی سرگذشت کے سلسلہ میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ بلکہ میں اس بات کی کوشش کروں گا کہ اس جزیرہ میں انڈمان کے سیلولر جیل کے دیگر قیدیوں کے ساتھ مجھے جو تجربات حاصل ہوئے ان کا ذکر کروں۔

یہ حقیقت ہے کہ ۲۳-۱۹۲۲ء کے بعد سے انڈمان جزائر کے قید خانہ میں کوئی سیاسی قیدی نہ تھا کیونکہ زیادہ تر سیاسی قیدیوں کو ہندوستان واپس لایا گیا اور انہیں مختلف صوبوں کے قید خانوں میں ڈال دیا گیا۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے صرف ان مجرموں کو جنہیں بہت ہی شدید ظلم کرنے کی وجہ سے سزا دی جاتی، اس ویران جگہ پر تعمیر کردہ قید خانوں میں بھیجا جاتا۔ یہاں بہت ہی سخت محنت و مشقت کا کام لیا جاتا۔ ان جزیروں سے بھاگ نکلنا بھی ممکن نہ تھا کیونکہ یہ سمندر سے گھرا ہوا ہے اور سمندر "شارک" سے بھرا پڑا ہے۔ اس لئے اگر قیدی اچھا برتاؤ کرتے تو انہیں جیل سے باہر جانے کی اجازت دی جاتی۔ بہت سارے قیدی، جنہیں لمبی مدت کی سزا دی گئی تھی، یہیں شادی بیاہ کر کے آباد ہو گئے۔ وہ لوگ عام طور پر اپنے وطن واپس نہیں آئے۔ اس طرح انڈمان کے قید خانہ کے آس پاس لوگوں کی آبادی ہو گئی۔

ہندوستان میں ۱۹۳۰ء میں صورت حال بہت ہی سنگین تھی۔ عرصہ دراز کی غلامی کی لعنت، ظالمانہ استحصال کے خلاف غم و غصہ، جابرانہ و سنگین انسانیت کو اذیت پہونچانا، عرصہ دراز سے جمع شدہ غیر سامراجی بے صبری کی دھیمی آگ، یہ تمام یک وقت ہندوستان کی سرزمین پر چمکتے ہوئے شعلے کی طرح بھڑک اٹھے۔ اس کی وجہ سے ہندوستان میں انگریزی حکومت کی بنیاد لرزنے لگی۔ بنگال کی انقلابی تحریکوں اور اس کی تیز رفتاری نے انگریزی سامراجی ڈاکوؤں کی نیند حرام کر دی، ان کا چین چھین لیا۔ چاٹگام، ڈھاکہ، مدناپور، ہر جگہ پر غیر حکمران، اعلیٰ اور ادنیٰ درجہ کے تمام انگریز افسران پر ایک خوف طاری ہو گیا، ہر وقت وہ سہمے رہتے کیونکہ ان کے دل میں یہ ڈر پیدا ہو گیا کہ کہیں وہ کوئی نشانہ بن جائیں، انگریز حکمرانوں کے ایک جابر ممبر ہونے کے ناطے کہیں ان پر بم سے حملہ کیا جائے۔ انہیں اس بات سے بھی چین نہیں ملتا کہ تمام انقلابی سربراہوں کو جیل خانوں میں بند کر دیا گیا ہے، کیونکہ انہیں اس بات کا خوف لاحق ہوتا کہ ہو سکتا ہے کہ پنجروں میں مقید یہ شیر ببر اپنے پنجرے توڑ کر باہر نکل آئیں اور انگریزی سامراجیت کو تباہ و برباد کر دیں۔ اس لئے ۱۹۳۲ء میں لندن کے پارلیامنٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ ہندوستان کے انقلابی قیدیوں کو ایک بار پھر بہت دور انڈمان جزیروں میں واقع سیلولر جیل میں جلاوطن کر دیا جائے۔

اس فیصلہ کے مطابق مشہور جہاز "ایس۔ ایس۔ مہاراجہ" نے بنگال کے ۲۲ نہایت ہی دلیر سیاسی قیدیوں کو لے کر ۱۵ اگست ۱۹۳۲ء کو کلکتہ بندرگاہ سے روانہ ہوا اور تین دن بعد انڈمان جزائر میں پہونچا۔ وہاں سے سرتاپا زنجیر سے جکڑے قیدیوں کو مسلح سپاہیوں نے سیلولر جیل میں ڈال دیا۔

جب ہم لوگ جیل کے دروازہ سے اندر جا رہے تھے تو جیلر نے بڑی سنجیدگی سے ہم لوگوں سے کہا، "آپ لوگ یہ نہ فراموش کریں کہ شیر ببر کو بھی یہاں پالتو بنا لیا جاتا ہے" شاید وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ کتنے ہی سرکش کیوں نہ ہوں آپ کو یہاں مطیع اور فرمانبردار بنا لیا جائیگا کیونکہ یہاں کسی بھی قسم کی ضد کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے ہی اس افسر نے اپنی باتیں ختم کیں ویسے ہی ہم لوگوں کے ایک نوجوان اور نڈر ساتھی نے چیخ کر جواب دیا "ہم لوگ بنگال کے شاہی شیر ہیں۔ اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ ایک شیر ببر کو سدھا سکتے ہیں لیکن بنگال کے سندر بن کے خطرناک شیر کو نہیں۔ جیسے ہی جیلر نے یہ باتیں ایک قیدی کی زبان سے سنیں ویسے ہی اس کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا اور وہ اس قیدی کی طرف غور سے دیکھنے لگا بس اتنا ہی کچھ وہ کر سکا۔ شاید جیلر بنگال کے قیدیوں کی بابت بہت سی کہانیاں سن چکا تھا۔ چنانچہ یہ سوچتے ہوئے کہ صبر عقلمندی کی نشانی ہے، اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور فوراً اپنے دفتر واپس چلا گیا۔

اس بار ہم لوگوں کو جنوری ۱۹۳۶ء میں پہلی جماعت میں انڈمان بھیجا گیا تھا۔ جب ہم لوگ انڈمان سے واپس آئے تو سیلولر جیل میں کوئی اور قیدی نہ تھا۔ ہو سکتا ہے پورے جزائر میں ایک دو انقلابی قیدی رہ گئے ہوں۔ لیکن ان جزیروں میں ہندوستان کے دیگر صوبوں کے بہت سارے قیدی تھے۔

پہلی جماعت میں ہم لوگوں کو بنگال کے انقلابی قیدیوں کی حیثیت سے سیلولر جیل میں بھیجا گیا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ بنگال، پنجاب اور ہندوستان کے دیگر علاقوں سے بہت سارے انقلابی قیدیوں کو وہاں بھیجا گیا۔ سیلولر جیل میں چند ایسے بھی قیدی [illegible] سنگھ کے شریک کار تھے اور انہوں نے [illegible] میں حصہ لیا تھا۔

چنانچہ اس قید خانہ میں ہم دن گذارنے لگے۔ اس دوران ہمیں بہت سارے تجربات ہوئے ہیں بہت سارے نشیب وفراز دیکھنا پڑا ایک طرح سے یہ ہماری خوش نصیبی تھی کہ ہمیں ایسا موقع ملا۔ اس سے قبل کی مدت میں (یعنی ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۲ء کے درمیان) یہاں کے قیدیوں سے جیل کے حکام بہت ہی بُرا برتاؤ کیا کرتے۔ ان پر ظلم ڈھاتے۔ انہیں مارتے پیٹتے لیکن اس وقت یہاں ہمیں کوئی اب تجربہ نہیں ہوا۔ اس کے ساتھ ہی زیرحراست قیدی ہونے کے ناطے ہمیں کوئی مراعات بھی نہیں دی گئی۔ نیز ہم لوگوں کو اپنے لئے چند عام مراعات حاصل کرنے کے سلسلہ میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مراعات حاصل کرنے کے لئے ہمیں مسلسل تحریک چلانی پڑی۔ ہم لوگوں نے بھوک ہڑتال بھی کی۔ ان دنوں کا سب سے دردناک واقعہ یہ ہے ۱۹۳۳ء کی بھوک ہڑتال میں ہم لوگوں نے اپنے تین عزیز اور بہادر ساتھیوں کو ہمیشہ کے لئے کھودیا، لیکن ان کی قربانی کی وجہ سے ہمیں کچھ سہولتیں حاصل ہوئیں۔ ان تینوں محب وطن کی موت سے ہم لوگوں کو، ہمارے ملک، قوم کو اور آزادی کی جدوجہد کو بہت سخت چوٹ پہونچی۔

ہم لوگ عام قیدیوں سے مکمل طور پر مختلف تھے اس لئے جیل کے حکام ہمارا کچھ احترام کیا کرتے۔ مختصر عرصہ میں ہماری تعداد میں کافی اضافہ ہوگیا اور اس کے ساتھ ہماری طاقت بھی بڑھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک قسم کی لاپرواہی یا یوں کہئے بے فکری ہم لوگوں کے دل و دماغ پر چھا گئی۔ مشکل کام جیسے تیل مل میں کام، تو ہم لوگوں کو کرنے نہیں دیا جاتا۔ شروع شروع میں ہم لوگوں کو رسی تیار کرنے کا کام دیا گیا۔ شروع میں تو ہمیں سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑا، لیکن بعد میں ہم نے رسی بنانے کا کام اچھی طرح سیکھ لیا۔ لیکن چند مہینوں کے بعد ہم لوگوں نے جیل کے حکام کو مطلع کیا کہ ہم لوگ سیاسی قیدی ہیں اس لئے ہم لوگ اس طرح کا کام نہیں کرسکتے۔ لیکن جیل کے حکام نے ہمیں دھاگہ بننے کا حکم دیا، جسے کرنے سے ہم نے انکار کردیا۔

اب وہاں بیٹھے رہتے ہمارے اندر بے چینی پیدا ہونے لگی۔ ایک گھر [illegible] جہاں [illegible] کچھ کام کاج بھی نہیں کرنا پڑتا اسی لئے ہم [illegible] کرنا چاہئے اس بار ہم لوگوں کو پھر [illegible] انگریزی [illegible] حکومت کے

خلاف جدوجہد کو جاری رکھا تھا، لیکن اب یہ بات کسی کو بھی معلوم نہیں کہ اب ہمیں یہاں کتنے دنوں تک رہنا پڑیگا۔ اس دوران ہمارے دلوں میں بہت سارے خیالات پیدا ہونے لگے۔ ہماری مادر وطن کی صحیح آزادی کے امکانات کس حد تک روشن ہوئے؟ کیا ایسی صورت حال پیدا ہوئی کہ انگریز سامراجیوں کو ہندوستان سے مار بھگایا جاسکے؟ کیا انگریز قزاقوں کے جانے کے بعد ہندوستان کی اکثریت کو صحیح آزادی نصیب ہوگی؟ کیا غریب ہندستانیوں کو غم، غربت، بھوک، استحصال، ظلم وستم سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا ملے گا؟ کیا ہندوستان کے لوگوں کو، روس کے عوام کی طرح، استحصال سے پاک ایک خوشحال اور آزاد سماج تعمیر کرنے کا موقع ملے گا۔ الغرض اس طرح کی اور بھی بہت ساری باتیں ہم سوچتے رہتے۔

اس جیل میں رہنے والے تمام لوگوں کے دل و دماغ پر یہ تمام باتیں چھائی ہوئی تھیں اور وہ انہیں بے چین کردیتیں۔ ہندوستان کے مختلف قید خانوں میں ایسی ہی صورت حال جاری وساری تھی۔ انڈمان میں کسی بھی سیاسی قیدی کو ان سوالوں کا جواب نہیں ملتا تھا۔ اس سلسلہ میں کبھی کبھی سب اکٹھا ہو کر اس موضوع پر بحث ومباحثہ کیا کرتے لیکن وہ کسی نتیجہ تک نہیں پہونچ سکتے۔

سیلولر جیل میں رہنے والے سیاسی قیدیوں کو پڑھنے لکھنے کا بھی بہت ہی کم وقت ملتا، نیز وہاں ایسی سہولتیں بھی فراہم نہیں تھیں۔ جب سب مل کر ایک جگہ بیٹھتے تو بہت سارے سوالات اور مسائل کے سلسلہ میں غور وخوض کیا کرتے جیسے اٹھارویں صدی کے آخر میں فرانس میں بہت ہی عظیم انقلاب رونما ہوا۔ ہزاروں ہزار مردوں نے بہت عورتوں نے قربانیاں دیں اور اس انقلاب کو کامیاب بنایا۔ بادشاہ اور زمین داری ختم ہوگئی لیکن آج بھی فرانسیسی لوگوں کی اکثریت کی غربت، استحصال اور بھوک مری ختم نہیں ہوئی اور نہ ان میں کمی آئی۔ اسی طرح آسٹرو-ہنگریائی شہنشاہیت کے خلاف آزادی کی جدوجہد میں ملی کے، ہزاروں باشندوں نے اپنی جانیں قربان کیں، لیکن [illegible] [illegible] آزادی کے ثمرات [illegible]

غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہے، تاہم کیا ہندوستانی عوام کی اکثریت حقیقی معنوں میں آزادی سے ہمکنار ہوئی؟ کیا استحصال، بھوک، بے روزگاری، ظلم و ستم کا خاتمہ نہیں ہوگا؟ اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

جب تمام قیدی یہی بات سوچ رہے تھے تو اس وقت ایک اور قیدی ڈاکٹر نارائن راؤ نے اس کا ایک حل بتایا۔ ڈاکٹر راؤ کو بہت لمبے عرصہ کی سزا دی گئی تھی۔ ان پر یہ الزام عائد تھا کہ ۱۹۲۹ء میں انھوں نے نیگارٹ پر حملہ کیا تھا اور اسی بات پر انہیں سزا دی گئی۔ چند مہینوں کے لئے انہیں ہمارا گھر کے تار بیدا جیل میں رکھا گیا وہاں ڈاکٹر راؤ کانگریس سوشلسٹ پارٹی کے چند ممتاز سربراہوں سے، جو اسی جیل میں مقید تھے، بات چیت کی اور اشتراکیت (سوشلزم) کی بابت انہیں کافی معلومات حاصل ہوئیں۔ ان کے مشورہ کے مطابق انھوں نے اشتراکیت پر لکھی چند کتابیں منگائیں لیکن ایسا اتفاق ہوا کہ عین اسی وقت انہیں انڈمان کے جیل میں بھیج دیا گیا۔ ڈاکٹر راؤ ان تمام کتابوں کے ساتھ سیلولر جیل میں آگئے۔

اس وقت تک ڈاکٹر نارائن راؤ کو اشتراکیت پر پورا یقین ہو چکا تھا اور اپنے مطالعہ کے ذریعہ انھوں نے اشتراکیت کا اچھا خاصہ علم حاصل کیا تھا۔ ڈاکٹر نے سیلولر جیل کے سیاسی قیدیوں میں اشتراکیت کی تعلیم دینے لگے۔ اس وقت سیلولر جیل کے تمام سیاسی قیدیوں میں مطالعہ کرنے کا شوق پیدا ہوا اور پھر ہر روز صبح سے لے کر شام کے پانچ بجے تک سب کمرے بند کر دئے جاتے، سب اشتراکیت کی تعلیم حاصل کرتے۔ ان میں مطالعہ کا شوق اتنا تیز پیدا ہوا کہ وہ سب سوائے اشتراکیت کے کسی اور مضمون یا کتاب کا مطالعہ نہیں کرتے۔ اس طرح چند مہینوں سیلولر جیل کے ۸۰ تا ۸۵ فی صد نظر بند سیاسی قیدیوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ عوام کی آزادی کے لئے صرف صحیح راستہ یہ ہے محنت کش طبقہ سے ہدایتیں حاصل کی جائیں اور انہیں روبہ عمل لایا جائے غیر مصالحتی جدوجہد اور کامیاب انقلاب کی راہ میں خود کو گامزن رکھنے کی کوشش کی جائیں تاکہ موجودہ سماجی نظام کو ختم کر کے ایک اشتراکیتی سماج قائم کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ انسان کی حقیقی آزادی کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ محنت کش طبقہ کی سربراہی کے تحت روس کے عوام نے نومبر ۱۹۱۷ء میں کامیاب انقلاب کیا اور حقیقی آزادی حاصل کی۔ اسی طرح ہندوستان کے لوگوں کو بھی ہندوستان میں نومبر انقلاب جیسا کامیاب اشتراکیتی انقلاب لا کر حقیقی آزادی کی راہ تعمیر کرنی ہوگی۔

سیلولر جیل کے بہت سارے نظر بند سیاسی قیدیوں نے یہ عزم کیا کہ قید خانہ سے آزاد ہو جانے کے بعد وہ سب ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی کا ساتھ دینگے اور ہندوستان کے لوگوں کو اشتراکیتی انقلاب سے روشناس کرائینگے، اور جلد ہی جلد نومبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب جیسا ایک انقلاب کا ہندوستان میں بھی انتظام کرینگے تاکہ ہندوستان کے لوگوں کے لئے حقیقی آزادی کی راہ ہموار ہو جائے۔ سیلولر جیل کے سیاسی قیدیوں جنھوں نے اپنے سیاسی نقطہ نظر کے طور پر اشتراکیت کو اپنایا اور اسے اپنا نصب العین بنایا، نے اپنے اس عقیدہ کو دل میں پیوست کر لیا اور ان آنکھوں کے سامنے مستقبل کا خواب نمودار ہونے لگا۔ اشتراکیت کی بابت اور زیادہ معلومات حاصل کرنے کے لئے، صبح سے شام تک زور و شور سے تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ مطالعہ کا موضوع صرف ایک ہی تھا یعنی اشتراکیت یا مارکسزم۔ جیسے جیسے وہ تعلیم حاصل کرتے گئے ویسے ویسے ان کا یہ عقیدہ ہو گیا اور اس بات کا انہیں یقین ہو گیا کہ ہندوستان میں اشتراکیتی انقلاب ضرور رونما ہوگا، کیونکہ اپنی اندرونی آنکھوں سے ان لوگوں نے ہندوستان میں مستقبل کے نومبر انقلاب کا خواب دیکھنا شروع کر دیا۔

ہندوستان میں انڈیا ریفارم ایکٹ، ۱۹۳۵ء نافذ کیا گیا اور اسے اپریل ۱۹۳۷ء سے بر سر عمل لایا جانے لگا۔ ہندوستان کے مختلف صوبوں کے منتخبہ نمائندوں کو صوبائی کابینہ قائم کرنے کا حق حاصل ہو گیا۔ انڈمان میں نظر بند ہندوستانی قیدیوں نے اس صورت حال کا فائدہ اٹھایا اور انھوں نے تحریک شروع کر دی کہ انہیں ہندوستان واپس بھیج دیا جائے۔ انڈمان میں جلا وطن قیدیوں کی اس مانگ کے سارے ہندوستان کے لوگوں نے تائید کی اور آخر میں ان کی یہ مانگ پوری کی گئی۔ قیدیوں کی مانگ کی تائید میں سارے ملک میں ایک عام تحریک چلی۔ قومی لیڈر جیسے مہاتما گاندھی اور شاعر اعظم ٹیگور نے قیدیوں کی مانگ میں

واپسی کے لئے کافی زور لگایا۔ سارے ملک میں ہلچل مچ گیا۔ ملک کے کونے کونے میں "یوم انڈمان" منایا گیا۔ تھا یہ ۱۹۳۷ء میں اگست کا مہینہ تھا۔

گرچہ جیل کے اندر رہتے تھے تاہم سیاسی قیدی جیل کے حکام کی بے چینی سے واقف تھے اور انہیں اپنی کامیابی کا یقین ہونے لگا۔ لیکن ہندوستانی عوام رائے کے انتہائی دباؤ کے باوجود سامراجی انگریز حکام انقلابی سیاسی قیدیوں کو اس وقت ملک میں واپس نہیں لانا چاہتے تھے۔ سامراجی حکمران اور بھی کچھ عرصہ کے لئے ان انقلابیوں کو جلا وطنی میں رکھ کر ہندوستان کے لوگوں میں خوف و ہراس پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ حکمرانوں کا یہ خیال تھا اگر عوام میں بے چینی اور خوف پیدا کر دیا جائے تو کچھ دنوں کے لئے انقلابی تحریک کو روکا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انڈمان میں نظربند قیدیوں کو مزید کچھ دنوں تک رکھنے کے لئے بنگال کے گورنر سر جان انڈرسن نے ایک نئی حکمت عملی کو اپنایا۔ یہی انڈرسن تھے جنہوں نے آئرلینڈ کے لوگوں پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑا تھا اور یہ بدنام زمانہ بن چکے تھے۔ ساری دنیا کے لوگ ان سے نفرت کرتے تھے۔

سیلولر جیل کے سیاسی قیدی اپنی مانگ کی تائید میں عام بھوک ہڑتال کی تیاری کرنے میں مشغول ہو گئے۔ عین اسی وقت بنگال کے گورنر انڈرسن وہاں آئے اور قیدیوں کے اس جیل کا معائنہ کیا۔ اس جیل میں انہوں نے تمام سیاسی قیدیوں سے ایک ایک کر کے یہ پوچھنا شروع کر دیا کہ انہیں کن کن چیزوں کی ضرورت ہے۔ انڈرسن نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا انہیں فٹ بال میدان کی ضرورت ہے؟ یا انہیں تیرنے کے لئے اچھے تالاب کی ضرورت ہے یا انھیں کسرت کرنے کے سامان کی ضرورت ہے یا انھیں ایک اچھی کتابوں سے بھری لائبریری کی ضرورت ہے۔ گورنر کے ان تمام سوالوں کا تمام قیدیوں نے ایک ہو کر یہ جواب دیا "ہم لوگ اپنے ملک میں واپس جانا چاہتے ہیں۔ اس کے سوا ہمیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔" یہ غیر متوقع جواب سن کر انڈرسن کا لال چہرہ اور بھی لال ہو گیا اور اس کے بعد ایک لفظ کہے بغیر وہ جیل سے باہر نکلے اور دوسرے دن بنگال کے لئے روانہ ہو گئے۔

لیکن انڈمان میں بنگال کے انقلابی سیاسی قیدیوں کو جیل میں بند رکھنے کی سامراجی کوشش اس طرح سے ختم نہیں ہوئی۔ انڈرسن کے بنگال واپس جانے کے دو تین دن کے بعد ایک صبح کو سیلولر جیل کا جیلر سیاسی قیدیوں کے وارڈ میں آیا۔ عام طور پر جیلر سیاسی قیدیوں کے وارڈ میں اتنی صبح کو کبھی نہیں آتا۔ اس لئے اسے اتنی صبح کو وارڈ میں دیکھ کر سیاسی قیدی کچھ حیران ہوئے اور اس سے اتنی صبح کو آنے کی وجہ پوچھی۔ مسکراتے ہوئے جیلر نے کہا کہ وہ قیدیوں کے لئے ایک اچھی خبر لایا ہے اور وہ یہ کہ بنگال کے گورنر نے ان کے لئے تحائف بھیجے ہیں۔ اس کے بعد جیلر نے چند قیدیوں کو مدعو کیا کہ وہ سب اس کے دفتر میں آکر ان تحائف کو دیکھیں۔

جیلر کے بلانے پر چار پانچ سیاسی قیدی اس کے دفتر میں گئے اور وہاں انہوں نے چار پانچ درمیانی سائز کے لکڑی کا صندوق دیکھا اور ہر صندوق پر جلی حرفوں میں سے یہ لکھا ہوا تھا "سیلولر جیل کے سیاسی قیدیوں کو بنگال کے گورنر کا تحفہ"۔ لکڑی کے صندوق کھولے گئے اور اس کے اندر سے جو ملا کوئی قیدی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ تمام صندوقوں میں کتابیں بھری تھیں اور یہ تمام کتابیں اشتراکیت کی تھیں۔ کوئی بھی کتاب کسی اور موضوع کی نہیں تھی۔ یہ ایک انتہائی عجیب بات تھی اور اس سلسلے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تو ایک حقیقت ہے کہ انگریز حکمرانوں کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ سیلولر جیل کے قیدی سب مارکسزم کا بغور مطالعہ کرتے ہیں۔ اس لئے حکمرانوں نے یہ خیال کیا کہ اگر انہیں مارکسزم پر چند کتابیں دی جائیں تو وہ مطالعہ میں غرق رہیں گے اور اس طرح وہ ہندوستان واپس آنے کی مانگ کو فراموش کر دیں گے۔

بہر حال سامراجیت کے غرور کو رائے عامہ کے سامنے جھکنا پڑا اور انڈمان سے سیاسی قیدیوں کی واپسی شروع ہو گئی۔ ان میں سے بہت سارے قیدی عرصہ دراز سے یہاں مقید تھے۔ وہ سب جب واپس آنے لگے تو ان کے چہروں سے نہ شکست کی، نہ قید کی زندگی سے اکتاہٹ کے آثار نظر آتے تھے بلکہ ان کے چہرے تو فتح کی خوشی سے چمک دمک رہے تھے۔ ان قیدیوں کی مانگ کو ملک کے لوگوں نے قومی مانگ سمجھ کر یہاں بھی تحریک شروع کر دی اور اسی لئے سامراجیوں کو عوام کے سامنے جھکنا پڑا۔ انڈمان کے سیاسی قیدیوں کے لئے گھر واپس لوٹنے کی خوشی سے کہیں زیادہ فتح کی خوشی بہتر ثابت ہوئی۔ اس خوشی کی وجہ سے ان لوگوں نے اپنی وہ تمام تکالیف فراموش کر دیں جو گھر سے دور رہ کر انڈمان کے جیل میں انہوں نے برداشت کیں۔ سیلولر [illegible] ایک ایک کر کے سیاسی

وی۔ آئی۔ لینن

عام طور پر طبقہ کسے کہتے ہیں؟ طبقہ سے مراد وہ نظام ہے جہاں سماج کے ایک طبقہ کو سماج کے دوسرے طبقہ کی محنت کے پھل کو لوٹنے کی اجازت ہے۔ اگر سماج کا ایک طبقہ تمام قطعات آراضی کا مالک بن جائے، تو ایسی حالت میں دو طبقے ہوتے ہیں، ایک زمیندار طبقہ اور دوسرا کسان طبقہ۔ اسی طرح اگر سماج کا ایک طبقہ کارخانوں، حصص اور سرمایہ کا مالک ہوتا ہے، اور دوسرا طبقہ ان کارخانوں میں کام کرتا ہے، تو یہاں بھی دو طبقے ہوتے ہیں، ایک سرمایہ دار طبقہ اور دوسرا پرولتاریہ طبقہ۔

بادشاہ زار کو نکال باہر کرنا مشکل نہیں تھا۔ اس کام کے لئے صرف چند دنوں کی ضرورت تھی۔ اسی طرح زمینداروں کو بھی نکال باہر مشکل کام نہیں تھا، چند مہینوں میں یہ کام بھی مکمل ہو گیا۔ نیز سرمایہ داروں کو نکال باہر مشکل کام نہ تھا لیکن طبقہ کے نظام کو ختم کرنا نسبتاً مشکل کام ہے۔ اب مزدور طبقہ اور کسان طبقہ عالم وجود میں ہے۔ اگر کسان اپنے کھیت میں کاشتکاری کرتا ہے اور فصل تیار ہوتی ہے، اس میں وہ اپنی ضرورت کے مطابق غلہ اپنے پاس رکھ لیتا ہے، لیکن باقی غلے کو جس کی نہ اسے اور نہ اس کے مویشی کو ضرورت ہوتی ہے، وہ خود نفع کی لالچ میں اپنے پاس رکھ لیتا ہے، جبکہ دیگر لوگوں کو خوراک میسر نہیں ہوتی تو ایسی حالت میں وہ کسان ایک استحصال کرنے والا کسان بن جاتا ہے خود یہ سمجھنے لگتا ہے کہ جتنا زیادہ غلہ وہ اپنے پاس رکھیگا اتنا ہی زیادہ اسے نفع حاصل ہوگا۔ اس وقت وہ دوسروں کی بابت نہیں سوچتا، عوام بھوکے مریں، اس کی بلا سے کیونکہ جتنے زیادہ لوگ بھوکے رہیں گے، اتنے ہی زیادہ نفع میں وہ اپنا اناج فروخت کر سکے گا۔ اس لئے تمام لوگوں کو ایک واحد مشترکہ منصوبہ کے تحت مشترکہ زمین پر، مشترکہ کارخانوں اور مشترکہ نظام کے تحت کام کرنا چاہئے۔ کیا ایسا کرنا آسان ہے؟ آپ لوگ تو یہ دیکھتے ہی ہیں کہ زار کو، زمینداروں اور سرمایہ داروں کا نکال باہر کرنے کا کام جتنا آسان ہے اتنا آسان یہ کام نہیں ہے جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ پرولتاریہ کو چاہئے کہ وہ کسانوں کے ایک طبقہ کو ازسرِنو تعلیم دیں۔ ایسے محنت کش غریب کسانوں کو اپنی طرف لانا ہے تاکہ وہ سب ان کسانوں کی، جو امیر ہیں اور جو عوام کی غربت اور ضرورتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، مزاحمت کو دبا سکیں اور اسے نیست و نابود کر سکیں۔ چنانچہ زار کو تخت سے اتار دینے اور زمینداروں اور سرمایہ داروں کو نکال باہر کرنے کے بعد بھی پرولتاریہ کی جدوجہد مکمل نہیں ہوتی۔ اس کے لئے اور بھی مرکوز طور پر پرولتاریہ نظام کے تحت کام کرنا پڑیگا۔

طبقاتی جدوجہد جاری ہے۔ صرف اس کی شکل بدل چکی ہے۔ استحصال کرنے والوں کی واپسی کی روک تھام کرنا اور تمام کسانوں کو ایک واحد یونین میں متحد کرنا ہی تو پرولتاریہ کی طبقاتی جدوجہد ہے۔ طبقاتی جدوجہد جاری ہے، اس لئے ہمارا کام یہ ہے کہ اپنے تمام اغراض و مقاصد کو اس جدوجہد میں ضم کریں۔ ہم کہتے ہیں۔ اخلاقیات تو وہ جذبہ ہے، وہ عزم ہے جو استحصال کرنے والے سماج کو برباد کرتا ہے

اور پرولتاریہ کے ارد گرد تمام محنت کشوں کو متحد کرتا ہے اور اس طرح ایک نئے معاشرتی سماج کی تعمیر ہوتی ہے۔

اشتراکی اخلاقیات تو وہ طاقت ہے جو اس جدوجہد میں ساتھ دیتی ہے اور تمام استحصال کے خلاف، تمام پرائیویٹ جائیداد کے خلاف محنت کشوں کو متحد کرتی ہے۔ جائیداد تو ایک شخص کے پاس ہوتی ہے لیکن اسے تیار کرنے میں سماج کے تمام افراد کی محنت شامل ہے۔ ہمارے ملک میں زمین عام ملکیت ہے۔

لیکن فرض کیجئے میں نے اس مشترکہ جائیداد کا ایک حصہ اپنے پاس رکھ لیا اور اس زمین پر جتنے غلہ کی مجھے ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے دوگنا زیادہ غلہ اگایا اور فاضل غلہ کو نفع کمانے کے مدنظر اپنے پاس رکھ لیا۔ میں نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ لوگ جتنے بھوکے رہیں گے اتنی ہی زیادہ قیمت دیکر میرا غلہ خرید لیں گے۔ کیا ایسی حالت میں میرا یہ رویہ ایک کمیونسٹ کا رویہ ہے۔ نہیں، اس وقت استحصال کرنے والے جائیداد کے مالک کی طرح میرا برتاؤ ہوگا۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ اگر ایسی باتوں کی اجازت دی گئی تو ہمیں پھر سرمایہ دارانہ نظام کی طرف، بورژواؤں کی حکومت کی طرف واپس جانا پڑیگا۔ ان تمام باتوں کی روک تھام کرنے کے لئے ہمیں نفع خوری کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔ ایک شخص کو دوسری کی محنت پر امیر بننے کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔ تمام محنت کشوں کو پرولتاریہ سے متحد ہو جانا چاہئے اور ایک اشتراکی سماج کی تشکیل کرنی چاہئے۔

قدیم سماج اس اصول پر مبنی تھا، لوٹو یا خود لٹ جاؤ، دوسرے کے لئے کام کرو یا دوسروں کو اپنے لئے کام کراؤ، غلاموں کے مالک بنو یا خود غلام بن جاؤ۔ ایسے سماج میں ایک شخص کو صرف اپنی پرواہ ہوتی ہے وہ کبھی بھی دوسروں کا خیال نہیں کرتا۔

میں اپنی زمین پر کھیتی باڑی کا کام کرتا ہوں، مجھے کسی اور کی فکر نہیں ہوتی اگر دوسرے بھوکے رہیں تو یہ اور بھی اچھی بات ہوگی، کیونکہ مجھے میرے غلہ کی اچھی قیمت ملے گی۔ اگر میں بر سر روزگار ہوں، یا ڈاکٹر، انجینئر، ٹیچر ہوں، کلرک، مجھے کسی اور کی پرواہ نہیں ہوتی۔ میں اپنے آجر کی جی حضوری کرنے میں مشغول رہوں تو میں اپنی ملازمت کو برقرار رکھ سکتا ہوں۔ اس طرح میں زندگی میں آگے بڑھتا جاؤں گا اور ایک بورژوا بن جاؤں گا۔ ایک سوشلسٹ اور کمیونسٹ ایسے فلسفہ اور جذبات کی تائید نہیں کر سکتا۔ جب مزدوروں اور کسانوں نے یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ سب متحدہ طور پر اپنی کوششوں سے اپنی دفاع کر سکتے ہیں اور ایک نیا سماج تیار کر سکتے ہیں اور ہمیں سے ایک نئی اور اشتراکی کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوتا، یعنی ایسی تعلیم جو استحصال کرنے والوں کے خلاف، سرمایہ دارانہ نظم کے خلاف، جدوجہد میں کام آئے اور ترقی کی راہ پر لوگوں کو گامزن کرے۔

یہی اس سوال کا جواب ہے کہ آج کے نوجوان اور ابھرتی ہوئی نسل کو کس طرح اشتراکیت کی تعلیم حاصل کرنی چاہئے۔ (کانگریس ۲ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو روسی نوجوان کمیونسٹ لیگ کے کارکنوں میں لینن کی تقریر سے اقتباسات) *

باقی صفحہ ۹ پر

قیدی باہر آنے لگے لیکن ۵۰۰ سیاسی قیدیوں کے سلسلے میں حکومت نے خاموشی اختیار کر لی لیکن مستقبل کی غیر یقینی کے پیش نظر سیاسی قیدیوں نے ہمت نہیں ہاری۔ اپنی تمام تر توانائی کے ساتھ انھوں نے اپنی مایوسی کی تاریکی کو دور کر دیا اور بھوک ہڑتال کرنے کی دھمکی دی۔ دوسری طرف حکام بھی اپنی جگہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ لیکن جب قیدیوں نے بھوک ہڑتال کی تیاری شروع کر دی اور ہر روز صبح کو ارنڈی تیل پینا شروع کیا تو جیل کے حکام گھبرا اٹھے۔ حکومت یہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی قسم کی نئی تحریک یا شورش کا مقابلہ کیا جائے اور اسی لئے انتظامیہ کی طرف سے کوششیں شروع کی گئیں۔ انڈمان کے چیف کمشنر سیاسی قیدیوں سے، جو بھوک ہڑتال کرنے والے تھے، وعدہ کیا کہ آئندہ دس دنوں میں انھیں ہندوستان واپس بھیجنے کے اقدامات کئے جائینگے۔ اس وعدہ کے پیش نظر قیدیوں نے بھوک ہڑتال ملتوی کر دی۔

چند دنوں کے بعد انڈمان سے باقی قیدیوں کو بھی ہندوستان واپس لایا گیا۔ میرے خیال میں تاریخ ۱۸ جنوری ۱۹۳۸ء تھی۔ ہمارا جہاز روانہ ہوا۔ انڈمان کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ہم لوگ اپنے ملک کی طرف آگے بڑھتے گئے۔ ہم لوگ سیلولر جیل کے آخری سیاسی قیدی تھے۔ ہمارا جہاز ایسے آگے بڑھ رہا تھا جیسے نیلے بیکراں نیلے پانی میں ایک بڑا راج ہنس تیر رہا ہے۔ *

ہندوستانی بیٹا

از:۔ معتیق جواس

آج کل جب نہ ہوتے ہوتے ہیں،
میری نیند ٹوٹ جاتی ہے۔
جو باتیں میرے خواب و خیال میں نہیں ہوتیں
نیند میں انہیں کی بابت خواب دیکھتا ہوں
میری ماں نے اس دن مجھے کہا تھا
بیٹا سر کو ٹھنڈا رکھو،
ذرا سونے کی کوشش کرو۔
بدخوابیاں دور ہو جائیں گی۔
میں نے ایسا کوئی گناہ نہیں کیا ہے
جس کی سزا میں مجھے پھانسی ہو
ایشور مجھے یہ سزا نہیں دیگا۔

بے چاری ماں میری
ساری زندگی یقین و بیم میں گزارا
ایشور کی خدمت کی گھر سنسار کیا
اس کے باوجود دنیا کی اصلی صورت کو پہچان
نہ سکی
سمجھ نہ سکی کہ انسان کے دکھ میں
ایشور ہمیشہ خاموش رہتا ہے
میری ماں ستر سال کی ہے
دو عالمی جنگ اس نے دیکھی
سیاست کے فسادات بھی دیکھے
غربت، تقسیم ملک بھی دیکھا
گفت و شنید سے حاصل کردہ آزادی بھی
دیکھی
عمر کے بار سے کمزور ہو گئی ہے میری ماں

لیکن روشنی تیز ہے اب بھی اُن کی آنکھوں کی

میری بابت ماں کا جو خواب تھا،
میں نکلا ٹھیک اس کے برعکس،
جیسے قطب شمالی قطب جنوبی کا فرق

بچپن میں مجھے، میری ماں
ڈالم کمار کی کہانی سناتی
سناتی مجھے طویل کہانیاں مقتل کی کہانیاں
راکشش کی کہانی،
پاتال کی راجکماری کی کہانی،
جادوئی ڈنڈے کی، کبھی راج کے گھوڑے کی
سونے کی تخت کی، اور بھی بہت کچھ
درحقیقت میری ماں مجھے شہزادہ بنانا چاہتی تھی
ہر ماں کی یہی خواہش ہوتی ہے
لیکن میں ویسا بن نہ سکا

ابھی میرے سینہ میں درد مقتل ہے،
میرا دیش، میدان جنگ ہے
تیاگ کی منتظر راجکماری،
خودکشی کا درد دل میں لئے
میرے خیالات کے دائرہ میں عمل میں جیتی جاگتی گھوم رہی ہے
میری آنکھوں میں نیند نہیں،
میں ساری رات جاگ رہا ہوں

ماں تیرا بچہ اب بڑا ہو گیا ہے،
بچپنا کی کہانیوں سے اب اس کی طبیعت نہیں بھرتی
ماں اب میری کہانی سنو،
آنکھوں سے آنسو پونچھ لو ماں
تاسمجھ نہ ہو
سنو میری ماں

تم ہی تو میری ماں ہو
خوابوں کی مشعل کی روشنی ہو تم
سورج مکھی گلاب ہے نام تمہارا
ماں آپ کیا تمہارے باپ کو یہ بات معلوم تھی
کہ تم ایک آتشی بیٹے کو جنم دو گی

یقین کرو، ماں
تمہاری موجودگی میں مجھے ہر وقت یہ محسوس ہوتا ہے
کہ تمہارے خیالات سے تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں،
تمہارے خواب، تمہاری سرزنش
میرے خون میں گھل مل گئے ہیں
مجھے ابھی ان باتوں کا احساس ہو رہا ہے
اس کے باوجود میں کسی طرح بھی سو نہیں سکتا، کیوں؟

آزادیٔ وطن کی جد و جہد میں
میرا دوست جس دن گولی سے مرا
مرنے کے بعد تو فرصت مل گئی اسے،
لیکن میرے دل میں یہ سانحہ،
گولی کی بو
ابھی بھی تازہ خون بہا رہی ہے
اس زنداں کی دیوار پہ آویزاں
میری موت کا پروانہ ہے
جس طرح تمہاری آنکھوں میں آنسوؤں کا دریا بہہ رہا ہے
ٹھیک اسی طرح میں اس کی موت کو سینہ میں رکھ کر
ساری رات جاگ رہا ہوں
میری آنکھوں کی روشنی
اس زنداں کی چار دیواری سے گزرتی ہوئی،
گاؤں کی ٹوٹی عمارت کے قریب سے ہوتے ہوئے
چاند کی روشنی کی طرح
کل کارخانوں، گاؤں دیہاتوں

ہر سبز میدان کھیتوں کو پار کرتے ہوئے
چاروں طرف پھیل گئی
اس لئے ماں مجھے سونے کے لئے مت کہو
اور ایک رات مجھے جاگتے رہنے دو

ماں تم نے کیا فراموش کر دیا؟
گرمی کے موسم میں دوپہر کے وقت گھر کے صحن کے برآمدہ میں
جب تم مجھے سلاتی تھی، اس وقت
میرے سر پر ہاتھ پھیرتے پھیرتے
خود جب سو جاتی
میں کرشنا چوڑا پھول کی طرف تکتا رہتا،
لیکن اس کی شاخوں میں بیٹھی
کوئل کی کوکو کی آواز سنتے ہی
جب تمہاری نیند ٹوٹ جاتی
تو تم مجھے سینہ سے لپٹ لیتی
مجھے پیار کرتی
یہ باتیں کیا تم نے فراموش کر دیں
آج سورج کے طلوع ہونے سے قبل
دنیا کی ساری روشنی، پیار، محبت اور گیتوں کو
اپنے دل میں سما کر
میں سورج مکھی بیٹا بننا چاہتا ہوں
اور ایک رات تم مجھے سونے کو نہ کہو
پوری طرح جاگتے رہنے دو
دشمن کی یہ خواہش ہے کہ
مرگھٹ میں منہ چھپا لے
میں سوتا رہوں
جس طرح موت کی نیند میں بہت سارے لوگ سو رہے ہیں
لیکن موت کے مخالف جلوس میں بہت سارے زندہ
افراد بھی مل جاتے ہیں
دشمن بھی کیا جانے کہ [illegible]

میری فلسفیانہ انداز فکر سے تم واقف ہو
یہ میری عادت ہے
دراصل میرے دو لمبے ہاتھوں
تین فیٹ لمبے اور چھتیس انچ چوڑے سینہ
اور میرے آتش فشاں دل سے
یہ لوگ ڈرتے ہیں،
اس لئے ان لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ
مجھے پھانسی پر چڑھایا جائے

ماں! میں کتنا بڑا ہو چکا ہوں "ہے نا" ماں!
دشمن ملک الموت سے جتنا ڈرتے ہیں
اس سے کہیں زیادہ مجھ سے ڈرتے ہیں
بولو ماں! اس سے تمہیں فخر حاصل نہیں ہوتا

کتنے بیوقوف ہیں یہ لوگ، یہ نہیں جانتے
موت کا ڈر دکھا کر
پنکھی راج کے گھوڑے کی رفتار کو روکا نہیں جا سکتا
میں شہزادہ بن نہ سکا، یہ صحیح ہے ماں!
لیکن یقین کرو، میں ایک سچا اور پختہ انسان بنا ہوں
پھانسی دینے والے یہ نہیں جانتے، جو حکم ہمارا ہے کہہ کر
غلامی کی زندگی بسر کرنے کے لئے
سورج کبھی پیدا نہیں ہوا
اسی لئے سوئی ہوئی راجکماری کی تلاش میں
میں زمین کے نیچے تاریکی میں نہیں اترا
میں اپنے دیش کو ملک الموت کے ہاتھوں سے چھڑاؤں گا
اسی لئے میں نے گھر چھوڑا، اپنوں کو فراموش کیا
لیکن میں کبھی بھی مایوس نہیں ہوا
ایک کے بعد ایک پیارے ساتھیوں کی قبروں کو پار
کرتے ہوئے
میں سامنے کی طرف آگے بڑھتا جا رہا ہوں

عزم آہنی کے ساتھ،
میں ساری رات جاگ رہا ہوں
رات بھر جاگنے والے ایک پہرہ دار کی طرح

کل شام کو کماری میرینا نے مجھے انجیل مقدس دے کر کہا،
پڑھ کر دیکھنا، اطمینان قلب ہوگا،
کچھ عرصہ کے لئے پریشانیوں کو بھول جاؤ گے
بیچاری میرینا یہ نہیں جانتی
امن کے سمندر میں تیرتے تیرتے
اسے نیل کنٹھ ملے گا،
خود ہی خاموش ہو جائیگی

میرینا جس طرح واپس جا رہی تھی، اس میں
میں نے سورج کے غروب ہونے کا اداس منظر دیکھا
لیکن اس کے چہرہ کی تصویر
ابھی بھی کانٹے کی طرح سینہ میں چبھ رہی ہے کیوں!

ماں! میری کہانی کے ختم ہونے میں صرف چند لمحوں کی دیر ہے
میری فکر پرواز کر رہی ہے
محلات، قبرستان، پریسیڈنسی جیل
کوئی بھی اس کی پرواز کو روک نہیں سکتا
ماں! صرف ایک گھنٹہ کے بعد یہ دیکھو گی
تمہارا بیٹا سورج سے زیادہ چمکدار ہو کر
روشنی کے سمندر میں پھیل جائیگا
ستاروں کی رفتار سے
بہت زیادہ چمک دمک کے ساتھ
ہم موت پر فتح حاصل کر لینگے
موت پر فتح حاصل کرنے والے بہادر کی طرح
جلتی آگ سا نقاب پہنے،
گھر واپس آئیگا تمہارا سورج مکھی بیٹا —

اکتوبر انقلاب ناگزیر تھا

از: ۔ ایس تیتارینکو، پی ایچ ڈی (تاریخ)

روس کے عظیم سوشلسٹ انقلاب نے نوع انسانی کی تاریخ میں
ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ دنیا کے تمام ممالک اس انقلاب سے متاثر ہوئے۔
اس کی بین الاقوامی اہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے امریکی پروفیسر لیون گولڈنر نے
لکھا کہ دنیا کی تاریخ میں اتنی تھوڑی مدت میں عوام کی زندگی اور سماجی نظاموں
میں اس قدر گہری تبدیلیاں پہلے کبھی نہیں آئی تھیں۔ یہ ایک انوکھا واقعہ تھا
جو آج بھی ہماری توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔

وہ لوگ جو عظیم اکتوبر انقلاب کے سرچشموں اور اسباب
کی سائنسی اور مارکسی تشریح کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، انتہائی مختلف
دلائل پیش کرتے ہیں۔ بعض کے مطابق اکتوبر انقلاب تاریخ کے قوانین کے
خلاف تھا۔ دوسرے لوگ اکتوبر انقلاب کی کامیابی کی وجہ لینن کے [illegible] دو

کو پھیلانے میں جو الفاظ کے بقول "واقعات کو اپنے حق میں استعمال کرنے کے فن کے ماہر تھے۔"

لیکن اکتوبر انقلاب ایک ناگزیر واقعہ تھا جو داخلی اور بین الاقوامی دونوں ہی نوعیت کے بہت سے سماجی، معاشی اور سیاسی عناصر کے سلسلہ کا نتیجہ تھا۔ اس سے پہلے روس میں کئی سماجی طوفان آئے تھے جن میں ۱۹۰۵ اور فروری ۱۹۱۷ء کے بورژوا جمہوری انقلابات بھی شامل تھے۔

ہر سماجی انقلاب استحصال پر مبنی سماج کے سنگین تضادات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ روس میں عظیم اکتوبر انقلاب سے قبل یہ تضادات انتہائی سنگین تھے۔ پرانے بورژوا اور جاگیردارانہ روس کو عالمی سرمایہ داری کے تضادات کا بجا طور پر مرکز اور اس کی سب سے کمزور کڑی تصور کیا جاتا تھا۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء کے ناقابل فراموش دنوں نے اس کڑی کو توڑ دیا۔

مارکس نے لکھا تھا کہ انقلاب تاریخ کے انجن ہوتے ہیں۔ وہ عوام الناس کو حرکت میں لاتے، نئی سماجی قوتوں کو طاقت دے، ابھار دیتے اور لمبی تاریخی مدت کے لئے سماج کے ارتقاء کی سمت کا تعین کرتے ہیں۔ یہ عالمی اہمیت کا حامل انقلاب تھا اور اس نے سرمایہ داری سے ایک نئے سوشلسٹ سماجی نظام میں نوع انسانی کے عبور کے ضروری تقاضوں کی ترجمانی کی۔

سوشلزم کے بدخواہوں کا کہنا ہے کہ اکتوبر انقلاب ناجائز تھا کیونکہ وہ مارکس کی اس پیشن گوئی کے مطابق نہیں تھا کہ سوشلسٹ انقلاب سب سے پہلے کسی انتہائی ترقی یافتہ سرمایہ دار ملک میں ہوگا۔ ان کا کہنا ہے کہ روس ایک پسماندہ ملک تھا جو سوشلزم کے لئے تیار نہیں تھا۔

یہ سچ ہے کہ روس انتہائی ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں میں شامل نہیں تھا۔ وہ سرمایہ دارانہ ترقی کی درمیانہ سطح پر تھا۔ اس کی زراعت پچھڑی ہوئی تھی لیکن اس کے پاس جدید ترین... صنعت تھی اور وہاں صنعتی پرولتاریہ کافی بڑی تعداد میں موجود تھا۔ روسی مزدور طبقہ ایک زبردست طاقت اور انقلاب کی رہنما قوت تھا۔ اکتوبر انقلاب کی کامیابی کے پیچھے ایک اور انتہائی اہم عنصر یہ تھا کہ اس کی فتح سے پہلے ملک میں ایک نئی ریاستی مشینری یعنی مزدوروں، سپاہیوں اور کسانوں کے نمائندوں پر مشتمل سوویتیں قائم کی جا چکی تھیں۔ اس مشینری کے بغیر مزدور طبقہ اپنی حکومت کو برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔

جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی شروع کردہ قابل نفرت سامراجی جنگ نے مزدوروں اور کسانوں کی حالت بے انتہا خراب کر دی۔ انہوں نے جنگ کے خاتمے کا، عوام کے خون اور ان کی بربادی پر پلنے والے بڑے بورژوا لوگوں کو لگام دیئے جانے اور بڑی جاگیرداری کے خاتمے کا مطالبہ کیا۔

لینن نے انقلاب کے روح رواں اور رہنما کا رول ادا کیا۔ مزدوروں اور کسانوں کی تحریک سے بالشویک (کمیونسٹ) پارٹی کی سرگرمیوں سے لینن کا نام اٹوٹ طور پر جڑا ہوا ہے۔ عوام کے انقلابی جوش و خروش میں یقین نے، عوام کی تحریک کو سمجھنے کی صلاحیت نے، ان کے بنیادی مفادات کے احساس اور سماجی سلسلہ ہائے عمل کی روح کے گہرے ادراک نے لینن کو انقلاب کی منزل مقصود تک کروڑوں مزدوروں کی رہنمائی کرنے کا اہل بنایا۔

لینن نے لکھا تھا کہ اگر ترقی پسند ذہن رکھنے والے مزدور ایک سیاسی پارٹی میں متحد ہوں اور تمام محنت کشوں اور کچلے ہوئے لوگوں کی سرگرم مدد و حمایت سے ریاستی مشینری کو اپنے ہاتھ میں لینے اور اسے عوام کے مفاد میں استعمال کرنے کے لئے تیار ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں ایک نئی سوشلسٹ زندگی کی تعمیر سے نہیں روک سکتی۔

سوویتوں کی دھرتی کے بعد کے واقعات نے لینن کے خیالات کو صحیح ثابت کر دیا۔ نوع انسانی کے ترقی پسند مفکرین کا خواب مدیہ کر سوشلزم ایک حقیقی سماجی نظام بن گیا۔ آج یورپ، ایشیا، لاطینی امریکہ اور افریقہ کے ملکوں کی ایک بڑی تعداد سوشلسٹ تعمیر کے راستہ پر گامزن ہے۔

روس میں رونما ہونے والے عظیم اکتوبر انقلاب ۱۹۱۷ء کی جو اہمیت ہے اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس انقلاب نے روس میں بنیادی تبدیلی لائی اور عالمی تاریخ میں اس نے ایک نئے باب کا آغاز کیا۔

اکتوبر انقلاب نے محنت کش طبقہ کے تاریخی مشن کو ظاہر کردیا کہ نظام استحصال کو ختم کرنے اور ایک نئے سماج کی جو آدمی کے ذریعہ آدمی کے استحصال سے پاک ہو تعمیر میں محنت کش طبقہ بہت ہی اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ اس انقلاب نے تمام ملکوں کے انقلابیوں میں ایک نئی روح پھونک دی اور بین الاقوامی محنت کش طبقہ کو زبردست متحرک بنادیا۔

عظیم اکتوبر انقلاب نے نوآبادیوں کے مظلوم لوگوں کے سامنے قومی آزادی کی جدوجہد کے لئے ایک نئی راہ کھول دی اور عالمی اشتراکی نظام کی پیدائش اور افزائش نے ساری دنیا میں قومی آزادی کی تحریک کو جلا بخشی اور اس کی وجہ سے ساری دنیا سے آمریت کا نوآبادی نظام ختم ہوتا جارہا ہے اور نئے نئے ملک رونما ہوتے جارہے ہیں۔

اس انقلاب نے اشتراکیت کو جنم دیا۔ اشتراکیت قوموں کے لئے امن کا پیغام لاتی ہے اور یہ مزید ترقی اور خود اپنے استحکام کے لئے سازگار حالات پیدا کرتی ہے۔

لیکن صحیح معنوں میں اشتراکیت کسے کہتے ہیں۔ ؟

حقیقی اشتراکیت کی یوں تعریف کی گئی ہے کہ یہ ایک ریاستی سیاسی حقیقت ہے۔ یہ ایک نیا نظام ہے جہاں محنت کشوں کے ہاتھوں میں ملک کا اقتدار رہتا ہے اور وہی ملک کے سیاسی اور معاشی نظم و نسق کے ذمہ دار رہتے ہیں۔ اکتوبر انقلاب کے بعد روس میں ایسا نظام عالم وجود میں آیا اور اب یہ نظام آہستہ آہستہ ساری دنیا میں پھیلتا جارہا ہے۔

نیز اشتراکیت ایک مخصوص معاشی [illegible] ہے۔ یہ توضیحی لحاظ

سے پیداوار کا ایک نیا طریقہ کار ہے جو پیداوار کے ذرائع کی سماجی ملکیت پر مبنی ہے۔ یہ آدمی کا آدمی کے ذریعہ استحصال کو ختم کر دیتا ہے۔ بین الاقوامی نقطۂ نظر سے اشتراکیتی معیشت عالمی معیشت کا ایک اہم جزو بنتی جا رہی ہے۔

حقیقی اشتراکیت ایک نئے قسم کا سماجی تعلق ہے۔ یہ ایک ایسا سماج ہے جس کی سماجی بنیاد مزدوروں، کسانوں اور روشن خیال طبقے کا اشتراک ہے۔ اشتراکیتی سماج کی یہ اہم خصوصیات ہیں۔ یہ سماجی مساوات اور انصاف اور بین الاقوامی اتحاد کے اصولوں کو قائم کرتا ہے، تمام قوموں اور تمام نسلوں کے تمام طبقوں کے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے اور لوگوں کے درمیان سماجی مساوات پیدا کرتا ہے۔

حقیقی اشتراکیت ایک اخلاقی اور ثقافتی حقیقت کی ہے۔ یہ لوگوں کے درمیان نئے اور بہترین تعلقات پیدا کرتا ہے۔ ایسے تعلقات بھائی چارگی اور انسان دوستی کے جذبہ سے لبریز ہوتے ہیں۔ یہ ایک نئی اشتراکیتی ثقافت ہے جو انسانی تہذیب کے اعلیٰ ترین کارناموں کو اپنے اندر جذب ترقی ہے۔ یہ نئی اخلاقی قدروں کو ابھارتا ہے اور ان کی بنیاد پر ایک نئے نسان کی تشکیل ہوتی ہے۔ اس نئے انسان میں اعلیٰ خیالات ہوتے ہیں، اخلاقی خوبیاں ہوتی ہیں اور وہ اپنے فرائض سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ یہ تو زندگی کا اشتراکیتی طریقہ کار ہوتا ہے جو ایک شخص کی م آہنگی اور گوناگوں ترقی میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

حقیقی اشتراکیت عوام کی بذات خود سرگرم، جانفشاں اور تیقی قوت کی تخلیق ہے۔ لاکھوں لاکھ لوگوں کی محنت اور سماجی سیاسی رگرمیاں اشتراکیت کے تصور کو وسیع تر بناتی ہیں، اسے مالا مال کرتی اور اسے ٹھوس جامہ پہناتی ہیں۔ یہ اشتراکیت ایک ملک کے اندر تاہی شدید طبقاتی جد و جہد کے بعد عالم وجود میں آتی ہے اور عالمی منظر میں رونما ہوتی ہے۔ یہ عالمی سامراجی نظام کی مخالفت کرتے ہوئے اندرونی دشواریوں کا جو ملک کی معاشی، سماجی اور ثقافتی ترقی دوران رونما ہوتی ہیں، مقابلہ کرتے ہوئے عالم وجود میں آتی ہے۔ م کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اشتراکیت کے لئے جد و جہد اور اشتراکیت کی تعمیر کے اقوامی تجربات نہایت ہی مختلف ہوتے ہیں۔ ہر ملک اور ہر قوم کی قومی خصوصیات اس میں نمایاں ہوتی ہیں۔

اشتراکیت کے قیام اور فروغ میں محنت کش طبقہ کو بہت ہی اہم کردار ادا کرنا پڑتا ہے۔ نیز اشتراکیت پر سرکار بند حکومت میں پیداوار کے ذرائع سماجی ملکیت میں ہوتے ہیں اور وہاں سماجی پیداوار کا بنیادی طور پر نیا تصور ہوتا ہے یعنی پیداوار میں نفع کی بات نہیں سوچی جاتی بلکہ اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ پیداوار سے عوام کو فائدہ پہونچے، ان کی سماجی، معاشی اور ذہنی ترقی ہو۔ نیز اس کے ساتھ ایک منصوبہ بند اقتصادیات کے تحت وہاں سائنسی اور ٹکنیکی ترقی کی رفتار تیز کر دی جاتی ہے، اس طرح ایسے ملکوں بے روزگاری اور افراط زر کا خدشہ لاحق نہیں ہوتا ہے۔

اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ عظیم انقلاب نے جہاں روس میں بنیادی تبدیلی لائی وہاں تاریخ عالم میں اس نے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ بقول مارکس اشتراکیتی انقلاب کی فتح انسانی سماج کی قدیم تاریخی دور کو ختم کرتی ہے، دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اکتوبر انقلاب انسانی تاریخ کے نئے دور کا آغاز ہے۔ عظیم اکتوبر انقلاب نے سماجی ترقی کی ایسی طاقت پیدا کی جس نے بہت ہی مختصر عرصہ میں اس دنیا کے چہرہ کو بدل دیا ★

اُلوبڑیہ میں نئی مونسپلٹی

حکومت مغربی بنگال نے بنگال مونسپل ایکٹ ۱۹۳۲ء کے دفعات کے تحت ضلع ہوڑہ کے ایک سب ڈویژن شہر اُلوبڑیہ میں ایک نئی مونسپلٹی قائم کی۔ اس مونسپلٹی کے تحت اُلوبڑیہ کے ۱۸ مواضع اور پاس کے ماردیا تھانہ کے علاقے ہونگے۔ شروع شروع میں اس مونسپلٹی کے لئے ۱۲ کمشنر ہونگے۔

بونس پر صنعتی تنازعات کے سمجھوتہ کے لئے ہدایت

ریاستی لیبر ایڈوائزری بورڈ کی، وزیر اعلیٰ کے زیر صدارت ایک نشست ۲۴ ستمبر ۸۲ء کو ہوئی۔ اس نشست میں آجروں کی تنظیموں اور مرکزی ٹریڈ یونینوں کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔ یہاں ان نمائندوں سے بات چیت کرنے کے بعد ریاستی حکومت نے صنعتی امن برقرار رکھنے اور بونس کی مانگ سے رونما ہونے والے صنعتی تنازعات کے سمجھوتہ کے لئے مندرجہ ذیل ہدایت نامہ جاری کیا ہے۔

(۱) گذشتہ سال جس طریقہ کار کو بروئے عمل لایا گیا تھا ۔ ...لت اور صنعتی اور خیر سگالی کو برقرار رکھنے کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے، اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ انتظامیہ قانونی دفعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بونس کی ادائیگی کے سلسلہ میں نرم رویہ اختیار کرے گا۔

(۲) بونس کے معاملوں پر بات چیت کرتے وقت متعلقہ افراد عام طور اس طریقہ کار کو اپنائے گیں، جیسے گذشتہ سال اپنایا گیا تھا۔

(۳) تمام اداروں سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ جس شرح سے امسال بونس دیا جائے گا وہ گذشتہ سال کی شرح سے کم نہ ہو۔ ایسے معاملوں میں جہاں آجر کم شرح پر بونس دینا چاہتے ہیں یا مزدور گذشتہ سال کے مقابلہ میں اس سال اعلیٰ شرح کی مانگ کریں، تو ایسی حالت میں اس دشواری کو باہمی بات چیت کے ذریعہ حل کر لیا جائے۔

(۴) حکومت کو اس بات کی امید ہے کہ آجروں کی تمام تنظیمیں اپنے اپنے ادارہ کو اس ہدایت نامہ سے روشناس کرا دینگی۔

(۵) حکومت تمام ٹریڈ یونینوں سے بھی اپیل کرتی ہے کہ وہ سب صنعتی امن کی فضا برقرار رکھنے اپنا دست تعاون بڑھائیں اور کام کاروکٹ تمام کئے بغیر بونس سے متعلق تنازعات کے موثر سمجھوتہ کے لئے کوشش کریں۔

امداد باہمی اور ترقی کی
ریاستی سطح پر نمائش

حکومت مغربی بنگال کا شعبہ تعاون مغربی بنگال ریاستی کوآپریٹو یونین کے ساتھ مل کر ۱۷ دسمبر ۱۹۸۲ء سے یکم جنوری ۱۹۸۳ء تک ایک نمائش معہ میلہ کا انتظام کریگا — یہ نمائش کلکتہ میں رابندر سدن کے سامنے کلکتہ میدان میں ہوگی۔ نے ریاستی سطح مشاورتی کمیٹی قائم کی ہے جس کے وزیر اعلیٰ پیٹرون ان چیف ہیں اور پروفیسر نرمل بوس، وزیر تعاون چیئرمین ہیں۔ مجوزہ نمائش کے بہت سارے مقاصد ہیں۔ جیسے کوآپریٹو سیکٹر کی کارکردگی کی بابت اطلاعات فراہم کرنا۔ لوگوں تک مطبوعات کو پہونچانا۔ امداد باہمی کے طریقہ کار کے ذریعہ دیہی ترقی سے لوگوں کو روشناس کرانا۔ امداد باہمی کے ذریعہ سٹینڈرڈ کا ... کی سماجی۔ معاشی حالت کی بہتری کی کوششوں کو

ماسکو۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء ۔ ولادیمیر لینن کریملن دفتر میں برطانوی ادیب
ہربرٹ ویلس کے ساتھ محو گفتگو ۔

Editor : D. N. Dutta, Associate : Md. Azam, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal
... Calcutta-700 009.

MAGHRIBI BENGAL
15th November 1982

Regd. No. WB/CC-82
Vol. 20 No. 22
PRICE-12 Paise

خشک سالی سے متاثر لوگوں کی مدد کیجئے

وزیر اعلیٰ کی اپیل

جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے مغربی بنگال اس سال شدید خشک سالی کی گرفت میں ہے۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں چاروں طرف سے وسائل اکٹھا کرنا پڑا۔ مصیبت زدگان کی مدد اور اعانت کے لئے ہم اپنے اختیارات کے تحت جو کچھ کر سکتے ہیں وہ ضرور کرینگے۔ اب تک مختلف طبقوں کے لوگوں نے دل کھول کر کے عطیات دئے اور مجھے یقین ہے کہ آنے والے مہینوں میں عطیات کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

بحران کی اس گھڑی میں خشک سالی سے متاثر لوگوں کو امداد فراہم کرنے کے معاملہ میں صنعت کے مزدوروں، ملازمین، مالکوں اور منتظمین کو ایک اہم کردار ادا کرنا ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا بجا ہوگا کہ گذشتہ ۱۹۷۸ء میں مغربی بنگال میں تباہ کن سیلابوں کے دوران سیلاب زدگان کی امداد کے لئے ہماری اپیل پر لوگوں نے دل کھول کر لبیک کہا تھا۔ اسی طرح مجھے امید ہے کہ اس بار بھی وہ سب اس شدید صورت حال کے پیش نظر فراخدلی کے ساتھ امداد فراہم کرینگے۔

میں تمام لوگوں سے ایک بار پھر پُر زور اپیل کرتا ہوں کہ وہ سب وزیر اعلیٰ کے خشک سالی امداد فنڈ میں دل کھول کر عطیات دیں۔

دستخط جیوتی باسو
وزیر اعلیٰ

وزیر اعلیٰ کے خشک سالی امداد فنڈ میں عطیات وصول کرنے کے لئے مغربی بنگال میں یونائیٹیڈ کمرشیل بینک کی تمام شاخوں کو اختیارات دئے گئے ہیں، اس بینک نے رائٹرس بلڈنگس میں بھی اس مقصد کے لئے ایک کاؤنٹر کھولا ہے۔

مغربی بنگال

پندرہ روزہ

شرح خریداری
سالانہ ـــ ۳ روپے
قیمت ـــ ۱۲ پیسے فی پرچہ

کلکتہ

جلد نمبر ۲۹ یکم دسمبر ۱۹۸۲ء شمارہ نمبر ۲۳

مغربی بنگال کی دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت ۔ دستکاری اور ہتھ کرگھے کی مصنوعات

۱۹۷۹ء سے مغربی بنگال میں خشک سالی کا سلسلہ جاری ہے اور اب تو خشک سالی نے مکمل طور پر اس ریاست کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ گذشتہ سال مغربی بنگال کے دس اضلاع خشک سالی سے بری طرح متاثر ہوئے تھے، کیونکہ موسم باراں یکایک ستمبر کے وسط سے ختم ہو گیا۔ اس کے نتیجہ میں خریف دھان کی پیداوار ۲۷ فی صد کم ہوئی۔ ۱۹۸۰ء میں چاول کی پیداوار ۶۰ لاکھ میٹرک ٹن تھی۔ اس کے مقابلہ میں ۱۹۸۱ء میں چاول کی پیداوار خشک سالی کی وجہ صرف ۴۳ لاکھ میٹرک ٹن ہوئی۔

سال رواں میں ماقبل برسات کے عرصہ میں بارش بہت ہی کم ہوئی اور اس لئے پاٹ اور آوس دھان کی کاشتکاری پر اس کا برا اثر پڑا۔ برسات کے پہلے مہینوں میں یعنی جون کے اوسط سے لیکر جولائی کے تیسرے ہفتہ تک جنوبی بنگال کے خاص خاص زرعی ضلعوں میں بارش تقریباً نفی کے برابر ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا خریف دھان کے لئے وسیع پیمانہ پر زرعی کام شروع نہیں کیا جا سکا۔ نیز برسات کے شروع شروع ایک آدھ بار بارش ہوئی تھی اور تمام دستیاب وسائل سے کچھ آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی گئیں لیکن اس کے باوجود پانی کی کمی کی وجہ سے دھان کی روپائی ہوئی، لیکن پودے مرجھا گئے۔ اس لئے وسیع علاقوں میں دھان کی اچھی فصل نہ ہوئی۔ اس کے بعد بہت سارے علاقوں میں دھان کی نئے سرے سے روپائی کی گئی۔ دامودر، شیلا، سارپور، شن، مور اکشی اور رکنگ تی کے کناروں علاقوں میں دھان کے پودوں کی حفاظت کے لئے ان ریزروائیروں سے جتنا پانی ممکن ہو سکا بذریعہ نہر ان کھیتوں میں پہونچایا گیا۔ اس موقع پر جولائی کے آخر کا ہفتہ میں ریاستی حکومت نے مرکز سے اپیل کی کہ وہ ایک جائزہ ٹیم بھیجے تاکہ وہ اس وقت کا خشک سالی کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اقدامات کی تجویز پیش کرے۔ اس ٹیم کے جائزہ کے بعد مرکز نے بطور امداد ۲۴ء۷۷ کروڑ روپئے فراہم کئے، حالانکہ ریاستی حکومت نے ۱۰۸ء۴ کروڑ روپئے کی امداد کی مانگ کی تھی۔

تقریباً چھ ہفتہ کے بعد جولائی میں زیادہ تر علاقوں میں کچھ بارش ہوئی۔ کسانوں کو بڑی خوشی حاصل ہوئی اور تیزی کا و تندی سے انھوں نے کھیتی باڑی کا کام شروع کر دیا۔ ایک سال میں دس ہفتوں کی جگہ صرف چار ہفتوں میں کسانوں نے دھان کے بیج کی بوائی، اور روپائی کی۔ لیکن وہ سب دھان کے تقریباً ۳۶ء۴ فی صد کھیتوں میں خاص طور پر اضلاع بردوان، بانکوڑا، مدناپور، بیربھوم، ندیا، مرشدآباد، ہگلی وغیرہ کی اونچی زمینوں میں دھان کی کاشت کر نہ سکے۔ چونکہ بوائی اور روپائی کا کام بہت ہی مختصر عرصہ میں کیا گیا، اس لئے زرعی مزدوروں کو، جو تعداد میں دیہی آبادی کی ۳۶ فی صد ہیں، خاطر خواہ کام مل نہ سکا۔

بد قسمتی سے جب اگست میں بہت سارے ضلعوں میں حسب معمول بارش ہو رہی تھی، شمالی بنگال کے دارجلنگ، جلپائی گوڑی اور کوچ بہار ضلعوں میں بہت ہی کم بارش ہوئی۔ اس لئے ان اضلاع میں خریف کی کھڑی فصلوں کو کافی نقصان پہونچا۔ لیکن جب ستمبر کے دوسرے ہفتہ سے بارش تقریباً ختم ہو چکی تو اس وقت حالات پھر ابتر ہو گئے۔ اس مہینہ میں ضلع ۲۴ پرگنہ کے علاقے، جو سمندر کے ساحل پر واقع ہیں، میں حسب معمول بارش ہوئی اور دیگر تمام ضلعوں میں بہت ہی کم (حسب معمول بارش سے ۸۰ فی صد کم) بارش ہوئی۔ ستمبر کے وسط سے لیکر اب تک مغربی بنگال میں کہیں بھی بارش نہیں ہوئی۔ موسمیاتی بیورو نے

یہ علاقہ تقریباً سالے مغربی بنگال سے برسات ختم ہو چکی ہے۔ اس طرح خریف فصل کو بچانے کے لئے مزید بارش کی امید نہیں کی جاسکتی۔

ڈی وی سی کانگسابتی اور مُوراکشی کے کمانڈ علاقوں میں فصلوں کو بچانے کے لئے ستمبر کے تیسرے ہفتہ سے ریزروائرس میں دستیاب پانی سپلائی کر دیا گیا۔ اس کمانڈ علاقہ میں مذکورہ تینوں پروجکٹ کے تحت تقریباً ۲۰ لاکھ ایکڑ زمین ہے۔ آبپاشی کے لئے جتنا پانی سپلائی کیا گیا اس سے کمانڈ علاقہ کی ۴۰ فی صد زمین کی آبپاشی کی جا سکتی ہے۔ اکتوبر کے دوسرے ہفتہ سے کنسابتی اور مُوراکشی ریزروائرس میں پانی کم ہو گیا ہے۔ ۲۰ اکتوبر کے بعد سے ڈی وی سی ریزروائروں میں سپلائی کرنے کے لئے کافی پانی نہیں رہا۔ اچھی فصل کے لئے دھان کے پودوں کو کم از کم اکتوبر کے آخر تک عام طور پر پانی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس سال زیادہ تر علاقوں میں دیر سے بوائی اور روپائی ہوئی ہے، اس لئے نومبر کے پہلے ہفتہ پانی کی اشد ضرورت ہوئی ہے۔ اس طرح اہم دریائی وادی پروجکٹوں کے کمانڈ علاقوں میں پودوں کو پھلنے پھولنے کے موقعہ پر پانی کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑا۔

دھان کے پودوں کو، جب ان میں بول آنا شروع ہوتا ہے، تو اس وقت اس سے قبل اور اس کے بعد ان پودوں کو نشو ونما کے لئے زیادہ پانی اور کھاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان علاقوں میں جہاں دھان کے پودے مکمل طور پر مرجھائے نہیں ہیں، وہاں دھان کی پیداوار اچھی نہیں ہوگی کیونکہ ہر دھان میں چاول پیدا نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو وہ کچا پکا ہوتا ہے۔

سورج کی تیز روشنی نے زمین میں موجود بقیہ آبی بخارات کو خشک کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں نہ صرف خریف فصلیں برباد ہوئی ہیں بلکہ ربیع کے امکانات بھی روشن نہیں ہیں۔ بارش کے علاقوں میں نیز تینوں دریائی وادی پروجکٹوں کے کمانڈ علاقوں میں ربیع کی کاشت کے امکانات کم ہیں۔ گہرے اور کم گہرے ٹیوب ویلوں سے معمول سے زیادہ زمین دوز پانی کھیتوں کی سیرابی کے لئے نکالا گیا۔ اس کے نتیجہ میں اس سال بارش کی کمی کی وجہ سے زمین دوز پانی کی سطح اور بھی نیچی ہو گئی ہے اور اب ٹیوب ویل بے کار ہو گئے۔ اس کے نتیجہ میں خشک سالی رونما ہوئی چنانچہ ٹیوب ویلوں کے کمانڈ علاقوں میں ربیع پروگرام بری طرح متاثر ہوگا۔ اسی طرح ندی کے

پانی اٹھاکر آبپاشی کرنے کی صورت حال بھی تشفی بخش نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے ربیع فصل کے نشانہ میں ۴۴ فی صدی کی کمی ہوئی ہے یعنی ۲۴ لاکھ ہیکٹر کی جگہ اب صرف ۱۳۶۶ ہیکٹر میں ربیع کی کاشت کی جائے گی۔

سیلابات یا طوفان کی وجہ سے جو نقصانات ہوتے ہیں ان سے زیادہ تباہی و بربادی خشک سالی سے ہوتی ہے۔ اگر آپ دیہی علاقوں میں جائیں تو آپ کو شدید خشک سالی کا منظر نظر آئیگا۔ زرعی زمین سوکر پھٹ گئی ہے۔ غیر سیراب کردہ علاقوں میں دھان کے پودے مرجھا گئے ہیں۔ تالاب خشک ہو گئے ہیں یا ان میں تھوڑا بہت پانی ہے۔

برسات کے بعد کی شدید خشک سالی کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں۔

(۱) یوں تو ۱۹۷۹ء سے مغربی بنگال خشک سالی سے متاثر ہو رہا ہے۔ لیکن اس سال خشک سالی کا دوسرا دور نہایت ہی شدید ہے اور مضافاتی مغربی بنگال مکمل طور پر اس کی گرفت میں آگیا ہے۔ گذشتہ خشک سالی سے دس اضلاع بری طرح متاثر ہوئے تھے لیکن کسی بھی زرعی سال میں دوبار خشک سالی نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی اس سال کی طرح بارش کی کمی ہوئی ہے۔ سب سے خراب بات یہ ہوئی کہ خشک سالی سے مغربی بنگال کی خریف فصل پر بہت ہی برا اثر پڑا ہے حالانکہ خریف ہی مغربی بنگال کی اہم فصل ہوتی ہے۔

(۲) گرچہ مغربی بنگال کو اس سے قبل بھی خشک سالی سے دوچار ہونا پڑا، تاہم اس وقت ریاستی زرعی سیکٹر کو اتنے سارے لوگوں کے لئے غلہ کی سپلائی کرنی نہیں پڑی تھی۔ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق مغربی بنگال کے دیہی علاقوں میں ۵.۷۴۰ لاکھ لوگ آباد ہیں۔

(۳) اس خشک سالی کے موقعہ پر آبپاشی کی سہولتوں سے کھیتوں کی سیرابی کا کام تقریباً نفی کے برابر کیا گیا۔ ایسی سہولتوں سے اس ریاست میں ان علاقوں کے، جہاں آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہیں، صرف چھوٹے سے علاقہ کو سیراب کیا جاسکا۔

(۴) غذائی اجناس کی پیداوار ۸۲-۱۹۸۱ء سال میں بہت ہی کم ہوئی گذشتہ دس سالوں میں پیداوار اتنی کم نہیں ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے کسان بھی اپنے پاس بھی بہت کم غلہ رکھ سکے۔ یکے بعد دیگرے دو دو بار فصل کی بربادی سے کسان بھوک مری کے شکار بن گئے۔ ان کی مدد کرنے

کے لئے کام کے بہت سارے پروگراموں کو بروئے عمل لایا جا رہا ہے۔

(۵) ریاستی حکومت خشک سالی امداد پر کثیر رقم خرچ کر چکی ہے۔ اس میں مرکز سے حاصل کردہ رقم بھی شامل ہے۔ لیکن اس کے باوجود جب تمام اضلاع بُری طرح متاثر ہوئے ہیں کہ بھوک مری کی روک تھام کرنے کے لئے ریاستی حکومت کے لئے مزید فنڈ حاصل کرنا ایک ناممکن سی بات بن گئی ہے۔

(۶) اس سے قبل کی خشک سالی میں تمام اضلاع مساوی طور پر متاثر نہیں ہوئے تھے اور مزدور ایک جگہ سے دوسری جگہ کام کے لئے جا سکتے تھے۔ لیکن اس وقت ایسے امکانات کم ہیں۔ اڑیسہ اور بہار سے ملے ہوئے اضلاع کی حالت تو ناگفتہ بہ ہے۔ یہ سب علاقے خشک سالی اور سیلاب دونوں سے بُری طرح متاثر ہوئے ہیں۔

(۷) ان تمام باتوں کی وجہ سے خشک سالی کا مقابلہ کرنے کے لئے جو امدادی کام اور دیگر کام شروع کئے گئے ہیں، انھیں آئندہ زرعی موسم کے آغاز تک جاری رکھنا پڑیگا۔

اس ریاست میں بارش کے نہ ہونے سے رونما ہونے والی خشک سالی کی اور کہیں مثال نہیں ملتی۔ دیہی علاقوں کے ساڑھے چار لاکھ سے زیادہ افراد اس خشک سالی سے بُری طرح متاثر ہوئے۔ زرعی مزدور، حاشیائی اور چھوٹے کسان بہت ہی بُری طرح متاثر ہوئے۔ بے زمین زرعی مزدوروں کے خاندان بھی بُری طرح متاثر ہوئے کیونکہ انھیں کوئی اور کام نہیں ملا۔ حاشیائی اور چھوٹے کسان تو بہت ہی بُری طرح متاثر ہوئے۔ ایک طرف ان کی فصلیں متواتر دو بار خراب ہوئیں اور دوسری طرف بڑے بڑے کسانوں کی زمینوں پر بھی انہیں کوئی کام نہ مل سکا، جن کی وجہ سے یہ محنت مزدوری کر کے کچھ کما نہ سکیں۔

	بحسب معمول پیداوار (گذشتہ پانچ برسوں کا اوسط)	اس سال کی پیداوار کا تخمینہ	پیداوار میں کمی	پیداوار میں نقصانات کی مالیت (کروڑ روپے میں)
(۱) پٹ سن کا نقصان	۳۹ لاکھ گانٹھ	۲۱ لاکھ گانٹھ	۱۸ لاکھ گانٹھ	۵۷٫۰۰
۲۔ اگھنی دھان کا نقصان	۱۷۶٫۵۰ لاکھ ٹن صاف چاول	۱۱۱٫۲۶ لاکھ ٹن صاف چاول	۶۵٫۲۴ لاکھ ٹن صاف چاول	۵۳۶٫۲
۳۔ آسنی دھان کا نقصان	۱۰٫۵۰ لاکھ ٹن صاف چاول	۵٫۲۵ لاکھ ٹن صاف چاول	۵٫۲۵ لاکھ ٹن صاف چاول	۳۰٫۰۵
۴۔ ربیع فصلوں کے نقصان کا تخمینہ	۲۰ لاکھ ہیکٹر پر زیر کاشت دھان، گیہوں، آلو اور دیگر غلے پیداوار	۳۱٫۴۱ لاکھ ہیکٹر ۔ ۴۰ لاکھ ہیکٹر پر بہت ہی کم	ہیکٹر کی فصلیں	۴۲٫۰۰
کل				۶۵۰٫۰۰ کروڑ

موجودہ تخمینہ کے مطابق نصف نقصان مزدوروں کو ہوا کیونکہ انہیں اتنی رقم بطور اجرت ملتی یعنی ۶۵۰ کروڑ روپئے کے نقصان میں زرعی مزدوروں، حاشیائی کسانوں وغیرہ کی آمدنی میں تقریباً ۳۲۵ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔

جون ۱۹۸۳ء تک اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے مختلف شعبوں کو کتنی رقوم کی ضرورت ہوگی، اس کا ایک تخمینہ مندرجہ ذیل ہے۔

	فنڈ کی ضرورت (لاکھ روپئے میں)
(۱) آبپاشی، چھوٹے پیمانہ کی آبپاشی مٹی کا تحفظ، سماجی جنگلاتی اسکیم وغیرہ کے ذریعہ روزگار پیدا کرنے والے پروگرام۔	۱۰۱۳٫۶۱
(۲) دیگر پروگرام :۔	
(i) شعبہ زراعت	
(الف) ۱۵۰۰ ہارس پاور والے پاور ڈیزل پمپ سٹ کی تنصیب	۱۰۵۵٫۰۰
(ب) کھودے گئے کنویں	۴۰۰٫۰۰
(ج) چھوٹی آبپاشی	۱۰۰٫۰۰
(د) مٹی کا تحفظ	۱۰۰٫۰۰
کل	۱۶۵۵٫۰۰

(ii) مویشیوں کی پرورش اور پرداخت کا شعبہ۔

(الف) خوراک / چارہ کی سپلائی ———— ۴۳۰٫۰۰
(ب) مویشیوں کا امدادی کیمپوں کو چلانے کے اخراجات ———— ۵۷٫۰۰
(ج) چارے کی تیاری ———— ۳۰٫۰۰
(د) اتفاقی مصارف ———— ۵٫۰۰
(ہ) مویشیوں کا علاج ———— ۲۵٫۰۰

————
۵۴۷٫۰۰
————

(iii) شعبۂ صحت و خاندانی رفاہ
(الف) پینے کے پانی کی سپلائی ۲۷۹٫۰۰

(iv) شعبۂ امداد و رفاہ (رفاہ شاخ)
سیلاب سے متاثرہ اضلاع میں تغذیہ پروگرام کی تکمیل ۱۰۴۸٫۰۰

(v) شعبۂ امداد و رفاہ (امداد شاخ)
(الف) بے استحقاقی امداد ۳۲۸۰٫۰۰
(ب) لباس کی سپلائی ۵۷۰٫۰۰
(ج) اتفاقی مصارف ۵۰۰٫۰۰

————
۴۳۵۰٫۰۰
————

(vi) شعبہ دیہی و چھوٹے پیمانہ کی صنعت
(ا) مالدہ ضلع میں ریشم کے کیڑوں کی پرورش کرنے والے سیلاب سے متاثر لوگوں کی امداد ۱۲۵٫۰۰

کل رقم - ۲۰۵۳۸٫۶۱ لاکھ روپئے

کمی کی اس ریاست میں عوامی نظام تقسیم کے تحت ہر مہینہ ۳٫۷۵ لاکھ میٹرک ٹن غذائی اجناس کی ضرورت ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے ابھی ہر ماہ ۲٫۲۵ لاکھ میٹرک ٹن غذائی اجناس ریاست کو سپلائی کی جاتی ہیں۔

اس میں اور لسرینڈ ملوں کے لئے ۲۵۰۰۰ میٹرک ٹن گیہوں شامل ہے نہ صرف مرکزی سپلائی ناکافی ہے بلکہ فوڈ کارپوریشن آف انڈیا بھی اس ریاست کے مختلف علاقوں مقررہ مقدار میں غذائی اجناس سپلائی نہ کر سکا اس کے نتیجہ میں مختلف علاقوں میں اور خاص طور پر بہت سارے اضلاع کے دور افتادہ دیہی علاقوں راشن کی دوکانیں اکثر غذائی اجناس سے خالی رہتی ہیں۔ کلکتہ کے قانونی راشننگ علاقوں میں اکثر فوڈ کارپوریشن آف انڈیا وقتاً فوقتاً چاول و گیہوں سپلائی کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ حکومت ہند عوامی نظام تقسیم کے لئے اس ریاست کو ہر مہینہ ۳٫۷۵ لاکھ میٹرک ٹن غلہ سپلائی کرے اور تمام علاقوں میں راشن دوکانوں میں غلے سپلائی کرنے کے لئے فوڈ کارپوریشن آف انڈیا اپنی رفتار کو تیز کر دے۔

قومی دیہی روزگار پروگرام کے لئے موجودہ سال کے لئے ۲۵۰۰۰ میٹرک ٹن اناج فراہم کرنے کی منظوری دی گئی۔ لیکن اب تک امدادی کام پروگرام کے لئے مقررہ اناج فراہم نہیں کیا گیا۔ یہ نیا پروگرام کام کے لئے اناج پروگرام کی جگہ رائج کیا گیا ہے اور اس قبل کے پروگرام کے تحت مزدوروں کو اجرت میں اناج اور زر نقد دیا جاتا ہے ان باتوں کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ مضافات میں مقامی بازاروں میں اناج کی قیمتیں کافی بڑھ گئیں۔ درحقیقت عام ابالے چاول کی قیمت چار روپے فی کیلوگرام ہو گئی اور مضافات کے لوگ اتنی قیمت دیکر چاول خرید نہیں سکتے۔ غریب لوگوں، جو جسمانی لحاظ سے محنت مزدوری کرنے کے قابل نہیں کے درمیان بے استحقاقی امداد تقسیم کرنے کیلئے کافی مقدار میں غذائی اجناس ہمیشہ فراہم نہیں ہوتے۔ بے استحقاقی امداد کیلئے کوئی خصوصی مقدار مقرر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ عام امداد کے طور پر تقسیم کرنے کے لئے موٹا چاول بھی کبھی کبھی دستیاب نہیں ہوتا۔ اس لئے امداد کے طور پر کبھی کبھی زر نقد تقسیم کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے بازار میں قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ قومی مضافاتی روزگار پروگرام اور روزگار پیدا کرنے والے دیگر پروگراموں نیز بے استحقاقی امداد کے طور پر تقسیم کرنے کے لئے اناج کافی مقدار میں فراہم کرنا چاہئے۔ ریاستی حکومت بہت ہی شدید مالی صورت حال سے دوچار ہے جبکہ خشک سالی سے متاثر لوگوں کی مدد کرنے کے سلسلے

(باقی صفحہ نمبر ۱۱ پر)

میں ہتھ کرگھے کی ترقی

ہتھ کرگھا (ہینڈ لوم) جیسا کہ سبھوں کو معلوم ہے، ہماری بہت ہی اہم دیہی صنعت ہے۔ سارے ملک میں ۳۰ لاکھ ہتھ کرگھے ہیں اور ان میں تقریباً ایک کروڑ افراد برسر روزگار ہیں۔ ان میں سے ۱۲ء۲ لاکھ ہتھ کرگھے مغربی بنگال میں ہیں اور جن میں تقریباً ۵ لاکھ افراد برسر روزگار ہیں۔ سارے ملک میں جتنا کپڑا تیار کیا جاتا ہے اس کا تقریباً ۳۰ فی صد کپڑا ہتھ کرگھے سیکٹر میں تیار ہوتا ہے۔ ہتھ کرگھے کپڑے کی خوبصورتی، اس کے نت نئے ڈیزائن لوگوں کو کافی پسند ہیں اور اسی وجہ سے مل اور بجلی کرگھوں سے سابقت کے باوجود ہتھ کرگھے صنعت ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ چونکہ اس صنعت میں روزگار کے کافی مواقع ہیں، اس لئے حکومت نے اس صنعت کے تحفظ اور ترقی کے لئے بہت سارے اقدامات کئے ہیں۔

ہتھ کرگھے کی ترقی کے پروگرام کو ۱۹۵۲ء سے بروئے عمل لایا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں ہتھ کرگھا بورڈ قائم کیا گیا، اور اعلیٰ اختیار جائزہ [کمیٹی] جسے عام طور پر سیوارمن کمیٹی کہتے ہیں، کی سفارشات پر ۱۹۷۶ء سے اس صنعت کی ترقی کے لئے جامع اور ٹھوس پروگراموں کو بروئے عمل لایا جا رہا ہے۔ ان اقدامات کے علاوہ اس بات کا بھی فیصلہ کیا گیا کہ چھٹے منصوبہ یعنی ۸۵-۱۹۸۰ء کے آخر تک تقریباً ۶۰ فی صد ہتھ کرگھے کے بنکروں کو کوآپریٹو سوسائٹیوں کے تحت لایا جائے۔ مرکزی اور ریاستی حکومت دونوں اس صنعت کی ترقی [کو] اہمیت [دیتی] ہیں اور ہتھ کرگھے کے بنکروں کی فلاح و بہبود پر بہت زیادہ زور دے رہی ہیں۔

دیگر دیہی صنعتوں کی طرح ہتھ کرگھے صنعت کے بھی اہم مسائل خام اشیاء، کام کرنے کا سرمایہ اور مصنوعات کی بازار میں فروخت ہیں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بنکر دیہی علاقوں میں چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں، اس لئے انفرادی طور پر ان کی مدد کرنا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں بہت ہی مشکل کام ہے۔ اس لئے ان لوگوں کے لئے ضروری خام اشیاء کی فراہمی، انتظامی امداد، سربراہی وغیرہ کے لئے کوآپریٹو سوسائٹیاں بہت ہی کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔ اس امر کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ایسے کوآپریٹو کی مدد کرنے کے لئے ریاستی سطح کی تنظیموں کو جیسے مغربی بنگال ریاستی ہینڈ لوم بنکر کوآپریٹو سوسائٹی لمیٹڈ (تانتوجا) اور مغربی بنگال ہینڈ لوم اور پاور لوم ترقیاتی کارپوریشن لمیٹڈ (تانتوشری) کو اور مستحکم بنایا گیا ہے۔

آزادی کے قبل ہی سے ہینڈ لوم کوآپریٹو کی تنظیم کا کام شروع ہوا۔ وقتاً فوقتاً بنکر کوآپریٹو کے خلاف یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ مناسب طور پر کام نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ ہی اس امر کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام کوآپریٹو کے لئے مالیاتی، بازار میں فروخت کرنے کی سہولتیں اور دیگر سہولتیں مناسب طور پر فراہم نہیں ہیں۔ جب ۱۹۷۷ء میں جائزہ لیا گیا تو یہ معلوم ہوا کہ اس وقت ۱۳۵۹ موجودہ رجسٹرڈ ہینڈ لوم کوآپریٹو میں سے بہت سارے کوآپریٹو کام کاج کے لحاظ سے بہت ہی سست ہو گئے ہیں اور بہت سارے حقیقی طور پر کام نہیں کرتے

اس بات کے پیش نظر فیصلہ کیا گیا کہ ۳۰۰ کوآپریٹو کو بند کر دیا جائے اور باقی کوآپریٹو کو مضبوط بنانے کے لئے بہت سارے پروگرام کو بروئے عمل لایا جائے اور نئی کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں اور اس طرح ہر علاقہ کو شامل کیا جائے۔ ہینڈلوم کوآپریٹو نفع بخش طور پر کام کر سکیںگے یا نہیں اس کا اندازہ لگانے کے لئے حکومت نے چند اصول مرتب کئے ہیں۔

ہینڈلوم کوآپریٹو کے لئے امداد کے سرکاری پروگرام میں ان کی حصص سرمایہ بنیاد کو مضبوط بنانا، جدید اور بہتر آلات کی سپلائی، انتظامیہ کے اہلکاروں کی تقرری کے لئے امداد، ہینڈلوم کپڑوں کی فروخت پر امداد (چھوٹ)، ہینڈلوم مالیات کے ریزرو بنک آف انڈیا اسکیم کے تحت بنک کے قرض پر سود کی رقم بطور امداد ادا کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

منصوبوں کے عرصہ میں ہینڈلوم سیکٹر پر اخراجات کی تفاصیل درج ذیل ہیں۔

منصوبہ	اخراجات (لاکھ روپئے میں)
پہلا منصوبہ	۴۶٫۵۲
دوسرا منصوبہ	۱۷۴٫۲۱
تیسرا منصوبہ	۱۹۱۰٫۹۷
چوتھا منصوبہ	۲۹۲٫۳۱
پانچواں منصوبہ	۸۸۹٫۹۰
چھٹا منصوبہ	۱۹۴۴٫۰۰

(مجوزہ اخراجات ریاستی سیکٹر میں)

سنہ ۱۹۸۰ء سے سنہ ۱۹۸۱ء تک حقیقی اخراجات ——— ۱۰۸۸٫۲۳

(اس میں حکومت ہند کی امداد بھی شامل ہے)

جلد از جلد کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے بھی چند اقدامات کئے۔

(۱) منصوبہ بندی کی کوآپریٹو سوسائٹیاں

یہ فیصلہ کیا گیا کہ ۳۰ پنچایت سمیتی علاقوں میں نمونہ کی ۱۴۰ اشرے جاند کی ہینڈلوم کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم کی جائیں ان میں سے اب تک ۹۰ سوسائٹیاں قائم کی جا چکی ہیں اور انہوں نے کام شروع کر دیا ہے۔

(۲) بنکروں کی، جن کے پاس کرگھے نہیں ہیں، کوآپریٹو سوسائٹیوں کی تنظیم

کوآپریٹو پروگرام کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ایک بنکر کے پاس اور اس کا کیتا میں ایک کرگھا بھی ہوگا، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ بہت سارے بنکر ایسے ہیں جن کے پاس کوئی کرگھا نہیں ہے وہ صرف بڑے بنکروں یا مہاجنوں کے کارخانوں میں اجرت پر کام کرتے ہیں۔ ایسے بنکروں کی، جن کی حالت بے زمین زرعی مزدوروں کی حالت جیسی ہے، مدد کرنے کے لئے مغربی بنگال بے کرگھے بنکروں کی کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم کرنے کے لئے ایک اسکیم کو بروئے عمل لایا جا رہا ہے۔ ایک مشترکہ کارخانہ بنایا جا رہا ہے جہاں کرگھے لگائے جائیں گے، نیز حکومت قرض مع عطیہ کی بنیاد پر مزید اکرگھوں کی فراہمی کا انتظام کر رہی ہے اس پر جلد و بیکس ہینڈلوم سوسائٹی پایہ تکمیل تک پہنچ رہی ہے۔ یہ سوسائٹی سرکار کی کمپنی ہے۔ ہر یونٹ پر تقریباً ۵ لاکھ روپئے خرچ ہوں گے، اور اب تک اس طرح کی ۱۲ یونٹوں کی منظوری دی جا چکی ہے۔ ان میں سے تین یونٹوں نے کام کرنا شروع کر دیا ہے، باقی یونٹیں تعمیر کے مختلف مرحلوں پر ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ موجودہ مالی سال میں مزید یونٹوں کے لئے منظوری دے دی جائیگی۔ اس مشترکہ کارخانہ کی مالک کوآپریٹو سوسائٹی ہوگی لیکن وہاں جتنے کرگھے ہوں گے ان کے مالک انفرادی طور پر بنکر ہوں گے۔ ایک سہ طرفی سمجھوتہ کے تحت ان بنکروں کو اس مشترکہ کارخانہ میں اس وقت تک کام کرنا پڑیگا جب تک کہ ان کا قرض ادا نہ ہو جائے۔

(۳) کوآپریٹو سوسائٹیوں کی رفتار ترقی

مغربی بنگال میں کوآپریٹو سوسائٹیوں کی رفتار ترقی کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے لگایا جا سکتا ہے۔

سال	فیصد
سنہ ۷۶-۷۷ء	۱۰
سنہ ۸۱-۸۲ء	[illegible]
سنہ ۸۲-۸۳ء	[illegible] (نشانہ)

مذکورہ فی صدی کا گوہ تمام بنکر شامل ہیں جو نہ صرف کوآپریٹو کے ممبر ہیں بلکہ جنھیں ایسی کوآپریٹو سوسائٹیوں سے مسلسل روزگار بھی فراہم کیا جاتا ہے۔

ہینڈ لوم کوآپریٹو کی حالت میں بھی کافی بہتری ہوئی ہے اور مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے۔

۷۷-۱۹۷۶ء میں مستحکم اور نفع بخش کوآپریٹو سائٹیوں کی تعداد ۴ تھی لیکن مارچ ۱۹۸۲ء تک ان کی تعداد بڑھ کر ۲۲ ہو گئی۔ نیز ایسی سوسائٹیوں کی تعداد بھی اجن کے سلسلے میں یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ مستحکم طور پر اپنا کام کر سکیں گی ۱۵ سے بڑھ کر ۳۴ ہو گئی۔ پرائمری کوآپریٹو کی مصنوعات کی فروخت کے اعداد و شمار درج ذیل ہیں۔

سالانہ فروخت (لاکھ روپئے)	کوآپریٹو سوسائٹیوں کی تعداد
۲۵ سے زیادہ	۷
۱۰ سے ۲۵ تک	۲۹
۵ سے ۱۰ تک	۴۲
۱ سے ۵ تک	۳.۵
ایک تک	۵.۶

④ کام کرنے کا سرمایہ

ہینڈ لوم صنعت کو مالی قرض فراہم کرنے کی ریزرو بنک آف انڈیا کی اسکیم کے تحت ہینڈ لوم کوآپریٹو کو بنک شرح سود یعنی ۱/۲ ۷ فی صدی کی جگہ صرف ۱/۲ ۲ فی صد سود پر قرض فراہم کیا جاتا ہے۔ بد قسمتی سے مغربی بنگال میں ۷۷-۱۹۷۶ء تک اس اسکیم کا کچھ فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکا۔ اس اسکیم کے تحت ۸۲-۱۹۸۱ء تک کل ۵ کروڑ روپئے بطور قرض دیے گئے اس کے علاوہ اور بار کا بنکوں اور کوآپریٹو بنکوں نے اپنے فنڈ سے ۱ کروڑ روپئے بطور قرض فراہم کئے۔ ایک اندازہ کے مطابق مغربی بنگال میں ہینڈ لوم کوآپریٹو کو کام کرنے کے سرمایہ کے طور پر ۲۵ کروڑ روپئے کی ضرورت ہے، لیکن اس رقم کی جگہ صرف ۷ کروڑ روپئے فراہم کئے گئے۔ امید کی جاتی ہے کہ عنقریب مستقبل میں اس صورت حال میں بہتری ہو گی۔

⑤ خام اشیاء

مغربی بنگال کو اپنی ضرورت کے ۸۰ فی صد لچھے دھاگے مغربی اور جنوبی ریاستوں سے خاص طور پر جنوبی ہندوستان کے علاقوں سے منگوانے پڑتے ہیں۔ اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ کل ہند طرز پر مغربی بنگال میں ایک کوآپریٹو کتائی مل قائم کیا جائے۔ سرامپور میں موجودہ چھوٹی یونٹ کو بڑا کیا جا رہا ہے اور اس میں ۲۵۰۰۰ کرگھے کی گنجائش رکھی گئی ہے اور اس کام پر ۵۰ء۴ کروڑ روپئے خرچ ہوں گے یہ پروجیکٹ پایۂ تکمیل تک پہونچ رہا ہے۔ ۲۵ ہزار کرگھے والے دو کوآپریٹو مل ایک بانکوڑا میں اور ایک مدنا پور میں قائم کئے جا رہے ہیں۔ ان ملوں کی تعمیر کا کام دسمبر ۱۹۸۲ء سے شروع ہو جانے کی امید ہے۔ ہر یونٹ پر تقریباً ۸ کروڑ روپئے صرف ہوں گے۔ اس کے علاوہ پبلک انڈرٹیکنگ ڈپارٹمنٹ بھی رائے گنج میں ایک کتائی مل قائم کر رہا ہے۔ یہ مل ابھی زیر تعمیر ہے۔

اس طرح دو تین سال کے اندر تقریباً ایک لاکھ کرگھے کام کرنے لگیں گے اور ریاست کو جتنے دھاگے کی ضرورت ہوتی ہے اس کا ۱۵ فی صد دھاگہ یہیں سے پورا کیا جائیگا۔

⑥ مصنوعات کی بازار میں فروخت

ہینڈ لوم کاریگر گاؤں میں رہتے ہیں اور ان کا مکان اس بازار سے بہت دوری پر واقع ہوتا ہے جہاں ان کی مصنوعات فروخت کی جائیں گی۔ اس سلسلے میں ان کی مدد کرنے کے لئے مرکزی بازار تنظیم ہوتی چاہئے اور یہ خدمات اب مغربی بنگال ریاستی ہینڈ لوم بنکر کوآپریٹو سوسائٹی لمیٹڈ اور مغربی بنگال ہینڈ لوم اور پاور لوم ترقیاتی کارپوریشن لمیٹڈ انجام دے رہے ہیں۔ مغربی بنگال دستکاری ترقیاتی کارپوریشن لمیٹڈ بھی ہینڈ لوم کی مصنوعات فروخت کرتا ہے۔ بازار میں فروخت کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد

و شمار سے ظاہر ہے۔

تانتوجا اور تانتشری جیسے سرکاری اداروں کے ذریعہ فروخت

سال	کل فروخت
۷۷-۱۹۷۶ء	۷.۰۳ کروڑ روپیے
۸۲-۱۹۸۱ء	۲۷ " "

(۷) ڈیزائن اور مصنوعات کی ترقی

مغربی بنگال کے ہینڈلوم بنکر اپنے ہنر کے لحاظ سے کافی مشہور ہیں۔ لیکن ان کی تیار کردہ مصنوعات کو بازار میں مسئلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ ان کے ڈیزائن روایتی نوعیت کے ہوتے ہیں اور وہ موجودہ زمانہ کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ مرکزی حکومت کے بنکروں کی خدمات مرکز اور ہینڈلوم اور ترقی بورڈ کے تعلقات کے ڈیزائن مرکز کی مدد سے ۱۹۷۶ء سے ہی ڈیزائن میں بہتری لانے کے لئے بہت ہی اچھے پروگرام کو عمل لایا جا رہا ہے۔

سیکڑوں نئے ڈیزائن بنکروں کی کوآپریٹو سوسائٹیوں کو مفت دیے گئے اور ایکس سوسائٹیز نے ان ڈیزائنوں کے مطابق تیار کردہ کپڑوں کی خریداری کی ذمہ داری لی۔ تانتوجا بھی ہر سال موسم گرما کا انتخاب، موسم سرما کا انتخاب جیسی نمائش منعقد کرتی ہے جہاں لوگوں کے سامنے نئے نئے ڈیزائن کے کپڑے اور پوشاک پیش کی جاتی ہیں۔

لوگوں نے انہیں بہت زیادہ پسند کیا۔ بنگال ہینڈلوم کی شہرت سارے ہندوستان میں پھیل گئی ہے اور اب یہ مغربی بنگال کی ہینڈلوم مصنوعات کو بازار میں فروخت میں مدد دیتی ہے۔ نیز ۱۹۷۶ء میں مغربی بنگال کی ہینڈلوم مصنوعات کی فروخت کے لئے مغربی بنگال کے باہر شاید ہی کوئی شوروم / نمائشی کمرہ تھا لیکن آج تانتوجا اور تانتشری کی مصنوعات سارے ملک میں پھیل چکی ہیں اور ان کے شوروم کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

عرصہ	شوروم کی تعداد: تانتوجا	تانتشری
مارچ ۱۹۷۷ء	۲۷	۹
مارچ ۱۹۸۲ء	۱۰۶	۳۲

تانتوجا نے کوآپٹیکس اور دیگر تنظیموں کے ساتھ مل کر چھاپہ کی ساڑھیوں کی دو کتابیں بنام "نیشنل کلیکشن" شائع کی۔ نیز تانتوجا اور تانتشری نے بھی شانتی پور ساڑھیوں کا ایک انتخاب شائع کیا۔

(۸) قسم قسم کی مصنوعات کی تیاری اور ترقی

(الف) لنگی۔ مغربی بنگال میں بہت پہلے سے لنگیاں تیار کی جاتی تھیں۔ اب بہت سارے علاقوں میں اچھی کوالٹی کی لنگیاں تیار کی جاتی ہیں۔

(ب) قمیض اور سوٹ کا پالسٹر کپڑا۔ تقریباً دو سال ہوئے کہ پالسٹر اور ہینڈلوم کے دھاگوں سے قمیض اور سوٹ کے کپڑے تیار کرنے کا کام شروع ہوا۔ فی الحال ایسے ۵ ہزار میٹر کپڑے ہر ماہ تیار کئے جاتے ہیں۔ اس سال سے قمیض کے لئے چھاپے کے کپڑے بھی تیار کئے جا رہے ہیں۔ اسی طرح پالسٹر ساڑھیوں کی تیاری کا کام شروع ہو چکا ہے اور ایسی ساڑھیاں بہت ہی جلد بازار میں فروخت کے لئے پیش کی جائیں گی۔

(ج) چھپے کپڑے۔ مغربی بنگال میں چھپے کپڑے شاید ہی کہیں ملتے، اور ملوں کی چھپی ساڑھیوں کے سامنے ہینڈلوم کی ساڑھیاں ٹھیر نہ سکیں۔ لیکن اب مشہور مشہور آرٹسٹ ڈیزائن تیار کرتے ہیں اور اسی ڈیزائن کے مطابق ہینڈلوم کی چھاپے کی ساڑھیاں اور کپڑے تیار کئے جا رہے ہیں۔ اس طرح اب ہر مہینہ تقریباً ۱۵ ہزار چھاپے کی ساڑھیاں تیار کی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ چھاپے کی چادر، تکیہ کا غلاف وغیرہ بھی تیار کیا جاتا ہے اور انھیں لوگوں نے کافی پسند کیا۔

(د) چادر وغیرہ۔ کمروں کی سجاوٹ کے لئے مغربی بنگال میں جو کپڑے تیار کئے جاتے ہیں ان میں بہت ہی عمدہ قسم کے [illegible] ہر پانہ میں

بستروں کی موٹی موٹی چادریں، مسہری کے طرح طرح کے رنگین اور خوشنما کپڑے تیار کئے جاتے ہیں۔ اب مغربی بنگال میں بھی اسی طرح کے کپڑے تیار کرنے کا کام شروع ہو چکا ہے۔ ایکس سوسائٹی نے تملوک میں پیداوار کا معہ تربیتی مرکز قائم کیا ہے۔ اس مرکز کے تربیت یافتہ بنکروں نے اب اپنے گھروں میں نظامت کے سپلائی کردہ بہتر کرگھوں میں ایسے کپڑے بننا شروع کر دیا ہے۔ اس طرح پانسکوڑا میں ٹیری وال کپڑے تیار کرنے کی ایک یونٹ قائم کی جا رہی ہے۔ بانکوڑا میں ایک اور تربیتی معہ پیداواری مرکز قائم کرنے کی تجویز ہے۔

(۵) <u>ہینڈ لوم کی ترقی کے پروجکٹ</u>۔ شانتی پور میں مغربی بنگال ہینڈ لوم اور پاور لوم ترقیاتی کارپوریشن لمیٹڈ نے ۱۹۸۲ء سے ایک خصوصی پروجکٹ پر عملدرآمد کا کام شروع کر دیا ہے۔ اس پروجکٹ شانتی پور میں انفرادی طور پر بنکروں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہیں۔ اس اسکیم کے تحت اب تک ۲ ہزار بنکر براہ راست بر سر روزگار ہیں۔ اب ایک تجویز یہ ہے کہ ان پر مشتمل کوآپریٹیو سوسائٹیاں قائم کی جائیں۔

(۶) <u>برآمدات کے لئے پیداواری پروجکٹ</u> مغربی بنگال ہینڈ لوم و پاور لوم ترقیاتی کارپوریشن لمیٹڈ نے برآمد کرنے کے لئے کپڑوں کی تیاری کا کام شروع کر دیا ہے۔ تقریباً ۵۰۰ بنکر مدناپور، بانکوڑا اور بیربھوم میں اس کام میں مشغول ہیں۔

(۹) ریشم کی بنائی کی ترقی

مغربی بنگال خام ریشم تیار کرتا ہے، جو زیادہ تر ریاست کے باہر کے علاقوں میں فروخت ہوتا ہے۔ سرکاری نظامت کے سرکاری ریشم سیکشن کے ذریعہ ریشم بننے کی ترقی کے لئے بہت سارے اچھے پروگراموں کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ ریشم بننے والوں کی کوآپریٹیو سوسائٹیاں قائم کی گئی ہیں، ضلع مالدہ کے بنکروں نے بھی ریشم بننے کا کام شروع کر دیا ہے۔ بلوچاری بنکروں کے ذریعہ سستی قیمت کی ساڑھیاں تیار کرنے کی اسکیم کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ ایسی ساڑھیوں کو 'وشنوپور ساڑھیاں' کے نام سے بازاروں میں فروخت کیا جاتا ہے۔

(۱۲) <u>جنتا کپڑے</u>: حکومت ہند کی اس اسکیم کے تحت مغربی بنگال میں ۱۹۸۲ء میں تقریباً ۱۱ لاکھ دھوتیاں اور ساڑھیاں تیار کی گئیں۔ اس اسکیم کے تحت تقریباً دس ہزار بنکروں کو مسلسل روزگار فراہم ہو رہا ہے۔

(۱۳) <u>تربیت اور رفاہ</u>: کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے انتظامیہ کے اسٹاف سے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کلیانی میں واقع نیتاجی سبھاش کوآپریٹیو ٹریننگ کالج میں کوآپریٹیو کے انتظام کے سلسلے میں تربیت حاصل کریں۔ اس کالج کو ہندوستان کے قومی کوآپریٹیو یونین کی سرپرستی حاصل ہے۔

کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے ممبروں کی رفاہ کے سلسلے میں ہینڈ لوم بنکروں کے لئے پروویڈنٹ فنڈ کی اسکیم رائج کر دی گئی ہے۔ اس اسکیم کے تحت ایک بنکر جتنا روپیہ کمائیگا، اسے فی روپیہ تین پیسے کے حساب سے اس فنڈ میں رقم جمع کرنی ہوگی۔ یہ سوسائٹی اس کے حساب میں ۲ پیسے فی روپیہ اور حکومت تین پیسے فی روپیہ کے حساب سے رقوم جمع کرینگے۔ *

جاری صفحہ کا

میں امدادی اور کام کاج کے پروگراموں کے لئے ریاستی حکومت نے اپنے وسائل کو بروئے کار لایا۔ لیکن امدادی کام کے لئے کافی فنڈ کی ضرورت ہے اور اتنا فنڈ اکٹھا کرنا ریاستی حکومت کے لئے ناممکن ہے۔ اگر مرکزی حکومت فوری طور پر خصوصی مرکزی امداد نہ فراہم کرے تو اس بات کا خدشہ ہے کہ زرعی پیداوار کے نقصان سے اور دیہی علاقوں میں روزگار کے مواقع کی کمی کی وجہ سے مغربی بنگال کی معیشت پر بڑا شدید اثر پڑیگا اور اس کے نتیجے میں وسیع پیمانہ پر لوگوں کی مصیبتیں بڑھ جائینگی، خوراک کی کمی ہوگی، بھکمری کے واقعات بھی رونما ہو سکتے ہیں۔

اس لئے ریاستی حکومت نے درج ذیل مالی اور مادی امداد کے لئے مرکزی حکومت سے درخواست کی ہے۔

		روپیہ کروڑ میں
(۱)	مالی امداد	۱۱۵٫۹۰
(۲)	۴۳٫۹۵۲ میٹرک ٹن اناج جو مختلف روزگار پیدا کرنے کے کام اور تغذیہ پروگرام کے لئے حسب ضرورت اناج کی مقدار میں نصف ہے۔	۸۹٫۶۸
	کل	۲۰۵٫۵۸ کروڑ روپیہ

حالی کی تحریک کے اثرات اردو غزل پر

عزیز اندوری

ناسخ، آتش، ذوق، غالب اور مومن کی "اصلاحی تحریک" کے بعد اردو غزل نے جو ارتقائی شکل اختیار کرلی تھی وہ ان کے بعد دہلی کے انتشار اور ابتری سے ایک بار پھر متاثر ہوئی ۱۸۵۷ء کی بغاوت نے ذہنوں کو مفلوج کر دیا تھا اور اس کے ردعمل کے طور پر دہلی کا دامن پھر سے علم و کمال کے ستاروں سے خالی ہونے لگا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذکورہ شعراء نے دہلی کے ادبی مزاج کو غزل کی جس خوشبو سے مہکایا تھا وہ بغاوت کے بعد کے ماحول کی "پراگندگی" میں ایک بار پھر سے ڈوب گیا۔ اگر کہیں کہیں سے اس خوشبو کا جو جھونکا آتا بھی تھا تو اس میں "زبان دانی" کی مہک شامل تھی جیسے داغ دہلوی کی شوخی طبع نے اور بھی معطر بنا دیا جس کے باعث غزل میں چلبلے پن کا سا رجحان داخل ہوا۔ غزل جب داغ کے ہاتھوں میں پہنچی تو اس کا مزاج دہلی کے بدلتے ہوئے حالات میں ڈھل چکا تھا۔ داغ نے چونکہ لکھنؤ میں آنکھیں کھولی تھیں اور وہاں کے ماحول کے اثر ان کے دل و دماغ پر مرتسم تھا اس لئے انہوں نے بھی وہی زبان اختیار کی جس کا تعلق اس ماحول سے تھا۔ اسی لئے ان کی غزل میں روزمرہ کی زبان کا رجحان شامل ہو گیا۔ ان کی غزل سلاست اور سادگی کی وجہ سے مقبول تو ہوئی لیکن وہ رعایت لفظی کا پیکر بھی بن گئی اور اس میں رفتہ رفتہ گل و بلبل کی داستان، شمع و پروانہ کے قصے، لیلیٰ و مجنوں کے افسانے شوق وصال، زلف پریشان، نرگس بیمار، رشک اغیار اور زہد و تقویٰ پر طعن و تعریض سے متعلق انتہائی سطحی اور غزل بعض صورتوں میں رکاکت اور ابتذال کا نمونہ بن گئی۔ زبان دانی، سلاست اور سادگی کے شوق نے غزل کو اس درجے پر پہنچا دیا جہاں اس میں اس قسم کے اشعار ملنے لگے۔

تم کو ہے وصل غیر سے انکار	اور جو ہم نے آکے دیکھ لیا
اس نہیں کا کوئی علاج نہیں	روز کہتے ہیں آپ آج نہیں
ہم بولے کے ان سے عجب چال چل گئے	یوں بخشوا لیا کہ یہ پہلا قصور تھا
کسی کی شامت آئے گی کسی کی جان جائے گی	کسی کی تاک میں وہ بانکا ترچھا بن کے بیٹھے ہیں

یا پھر

ع مٹی کی بھی ملے تو روا ہے شباب میں

گویا غزل کو ایک بار پھر میر کے لفظوں میں "چوا چاٹی" کے آغوش میں پہنچا دیا گیا اور اسے زبان دانی کے چٹخارے نے ایسے مقام پر لا کر چھوڑا جہاں ہر کس و ناکس نے اپنی مرضی کے مطابق اسے استعمال کرنا شروع کر دیا اور بعض صورتوں میں وہ بازار ادب کی [illegible] بن گئی جیسے ہر بوالہوس نے خریدنا شروع کر دیا۔ ولی، میر، غالب، مومن، آتش اور

ناسخ نے اسے جس طرح بیش بہا دولت بنا کر پیش کیا تھا، ان حریفوں نے اسے اتنی ہی بے دردی کے ساتھ سنبھال کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غزل ایک ایسی بد نما تصویر بن گئی جیسے بڑے ہی عامیانہ رنگوں کی آمیزش سے تیار کیا گیا ہو۔

ایسے عالم میں اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ کسی خاص تحریک یا تنظیم کے تحت اس میں کوئی ایسی تبدیلی کی جائے جو اس کی کھوئی ہوئی عظمت طہارت، منزلت اور رعنائی سے اسے ایک بار پھر "حسین" بنا سکے۔

ادھر ہندوستان میں انگریزوں کا مکمل اقتدار ہو چکا تھا اور چونکہ انگریز اپنے ساتھ نئی طرزِ فکر اور معاشرتی تربیت کا نیا انداز لے کر آئے تھے اس لئے ان سے ہندوستانی بھی پوری طرح متاثر ہو رہے تھے اور قدیم بے جان روایات سے رفتہ رفتہ منہ موڑتے جا رہے تھے۔ ذہنی نظام اس آواز کی طرف متوجہ ہوتے جاتے تھے جس کی لے نئی ہو۔ غزل بھی اس نئی لے کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کے باشعور پرستاروں نے اس کی عظمت، منزلت اور رعنائی کو دوبارہ حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن یہ کوشش زیادہ کامیاب نہ ہو سکی اور غزل روایت کے غارِ گمنامی میں جوں کی توں پڑی رہی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ اس طرف غزل گو شعراء نے بھرپور توجہ نہیں کی اور اس کی طرف سے تغافل عارفانہ برتتے رہے۔ دوسری یہ کہ انگریزوں کے طرزِ فکر اور معاشرتی تربیت کے نظام نو نے بھی غزل کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچایا۔ لوگ اس فکر اور تربیت کے نئے پن سے متاثر تو ضرور ہوئے لیکن بیشتر نے نہیں پسند بھی نہیں کیا۔ وہ لوگ جو انگریزی تحریک سے متاثر ہو رہے تھے انھوں نے غزل گو شعراء سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے غزل کی اہمیت سے انکار کر دیا۔ وہ انگریزی فکر اور تربیت کے زیر نگرانی ہندوستانیوں کی نجات کے لئے نظم گوئی مقدم سمجھا۔ ان کے اس رویے نے غزل کو بنیادی طور پر نقصان پہنچایا اور لوگ ولی، میر، غالب، مومن وغیرہ کے رجحانات شعری کو بھی فراموش کرنے لگے۔ انہیں مسائل حیات اور واقعات زمانہ کو حل کرنے کے لئے غزل کا دامن انتہائی تنگ نظر آنے لگا۔

اسی کے ساتھ غزل کے انحطاط میں اس دور کے ملکی انتشار کو بھی دخل رہا۔ یہ انتشار جو ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد پیدا ہوا تھا۔ اس وقت ختم ہوا جب غزل کی وہ قدیم فضا جسے قدیم شعراء کی روایتوں نے تازہ رکھا تھا، ختم ہو چکی تھی۔ مغربی طرزِ فکر اور تربیت کے نئے نئے اثرات مرتب کر دیئے تھے۔ نئی تہذیب اور روایات نے غزل کے دامن کو انتہائی تنگ پا کر اسے پھلنے اور پھولنے سے محروم کر دیا تھا۔

مغربی طرزِ فکر اور تربیت سے متاثر ہونے والوں میں حالی کا نام نمایاں رہا ہے۔ انھوں نے غزل کی تنگ دامانی کی شکایت کرتے ہوئے اسے مسائل حیات و واقعات زمانہ کے حل کرنے کے لئے ناکافی سمجھا۔ اسی کے ساتھ انھوں نے غزل میں محض محاورہ بندی اور لفظی صناعی کی خاطر مضمون اور خیال کو پس پشت ڈالنے کی بھی سخت مخالفت کی۔ ان کا خیال تھا کہ موجودہ حالات کا حل تلاش کرنے میں غزل کامیاب نہیں ہو سکتی اور دوسرے غزل کی روایت کو توڑنا بھی آسان نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ آزادی کی تحریک نے قومیت اور وطنیت کا جو رجحان پیدا کیا تھا، غزل کا مزاج اسے قبول کرنے کے لائق نہیں ہے۔ اس سلسلے میں اس کا دامن تنگ ہے۔ حالانکہ اول اول انھوں غزل کی اصلاح کی کوشش بھی کی اور اس روایت کو توڑنا بھی چاہا۔ لیکن جب انھیں کامیابی نہیں ملی تو انھوں نے اس سے منہ موڑ کر نظم گوئی سے اپنا رشتہ مضبوط کر لیا۔ اس کے باوجود انھوں نے غزل کی خوبیوں کا اعتراف کیا اور اسے تمام اصناف سخن میں سب سے زیادہ موثر صنف تسلیم کرتے ہے۔ اگر انہیں کوئی اختلاف تھا تو وہ اس کے تقلیدی اور میکانکی انداز سے وہ چاہتے تھے کہ غزل سے ابتذال تبتذل کے رجحان کو ختم کر کے اس میں حالات و واقعات زمانہ سے متعلق تمام مسائل کو داخل کیا جائے۔ اسی لئے انھوں نے "ہدایت نامہ غزل" لکھ کر غزل کے مخصوص رنگ کو تبدیل کرنے کی طرف پہلی بار توجہ ولائی جس کے تحت انھوں نے بات پر زور دیا کہ غزل کو محض داخلی اظہار ہی کا ذریعہ نہ سمجھا جائے۔ بلکہ اسے شعوری اعتبار سے بھی دیکھ کر اس میں نئے نئے موضوعات کو داخل کیا جائے تاکہ اس کا دامن وسیع ہو سکے۔ ان کا یہ اقدام اس بات کی علامت تھا کہ وہ غزل کی تبدیلی کی ضرورت سے واقف تھے اور چاہتے تھے کہ غزل میں ایسی تبدیلی لائی جائے جس سے اس میں اپنے جذبات و خیالات کو "تفصیل" سے پیش کیا جا سکے۔ اسی لئے انھوں نے مسلسل غزل کہنی شروع کی لیکن انہیں اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ غزل نے تبدیلیوں کے باوجود کبھی بھی اپنے مخصوص رمزیہ انداز کو فراموش نہیں کیا تھا۔ اس لئے

اس میں تسلسل کے بعدوہ تاثرات پیدا نہ ہو سکے جو غزل کے رمزیہ انداز کے تحت اس کے لئے مخصوص تھے۔ اسی لئے ان کی مسلسل غزل کی تحریک بھی نظم کی شکل اختیار کر گئی۔ چونکہ انہوں نے مقدمۂ شعر و شاعری میں کسی مضمون کو غزل کے دو مصرعوں ہی میں بیان کرنے پر زور دیا اس لئے بھی مسلسل غزل کے اشعار کو غزل کے اشعار کی صورت میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

اس سلسلے میں ان کا کہنا تھا۔

"بعض خیالات جو دو مصرعوں میں بالکل یا زیادہ خوبی کے ساتھ ادا نہیں ہو سکتے ان کو قطعہ یا رباعی کے لباس میں ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ [1]

حالی کی اس طرح کی اصلاحی تحریک سے ایک فائدہ ضرور ہوا کہ غزل ایک نئے آہنگ سے آشنا ہو گئی اور اس میں وقتی مسائل کو شامل کرنے کی کوشش کی جانے لگی۔ انہوں نے غزل کی اصلاح کے سلسلے میں جو مشورے پیش کئے ان کا لب لباب یہ ہے۔

(۱) غزل کے عشقیہ مضامین تجربات کے تحت لائے جائیں جو غیر فطری نہ ہوں اس سلسلے میں ان کا کہنا تھا۔

"غزل میں جو عشقیہ مضامین باندھے جائیں وہ ایسے جامع الفاظ میں ادا کئے جائیں جو دوستی اور محبت کے تمام انواع و اقسام اور تمام روحانی تعلقات پر حاوی ہوں" [2]

(۲) غزل میں ایسے خمریات کے لوازمات کا ذکر کرتے ہوئے فقہاء و زہاد اور اہلِ ظاہر پر طعن و تعریض کرتے وقت غلو سے کام نہ لیا جائے بلکہ دنیا دار قسم کے صوفیوں اور زاہد کی مخالفت کرنے میں کوئی معقول وجہ اور دلیل پیش کی جائے۔

انہوں نے اس بات کو یوں کہا ہے۔

"نکتہ چینی ایسے طریقے سے کی جائے جس سے معلوم ہو کہ محض ریا و مکر و سالوس کی برائی بیان کرنی مقصود ہے نہ کہ زہاد اور واعظین کی ذات پر حملہ کرنا" [3]

(۳) انہوں نے قدما کے ذریعہ بیان کئے گئے مضامین کو دہرانے کی مخالفت کی اور غزل میں مختلف پیرایوں اور اچھوتے مضامین لانے پر زور دیا لیکن وہ اس صداقت کے معترف رہے کہ

"ایک ایک مضمون کو مختلف پیرایوں اور متعدد اسلوبوں میں بیان کرنا بھی کمال شاعری ہو سکتا ہے" [4]

(۴) غزل میں صرف ایسے مضامین لائے جائیں جن کا تعلق جذبات انسانی سے ہو۔ لیکن انہوں نے تقلید کی سخت مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ہر قسم کے خیالات جو شاعر کے دل میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوں وہ غزل، رباعی یا قطعہ میں بیان ہو سکتے ہیں لیکن جو خیالات اگلوں نے زمانے کے اقتضا سے یا اپنے جذبات کے جوش میں ظاہر کئے ہیں ہم بھی وہی راگ گاتے رہیں اور انہیں کے خیالات کا اعادہ کرتے رہیں۔ نہیں۔ ہم کو چاہیئے کہ اپنی غزل کو خود اپنے خیالات اور جذبات کا آرگن بنائیں" [5]

انہوں نے ایک خیال کو بار بار دہرانے کو پسند نہیں کیا۔ وہ اس فعل کو "بھرے ہوئے کارتوس" کہتے رہے۔

غزل کی زبان میں بھی حالی نمایاں تبدیلیاں کرنا چاہتے تھے۔ ان کے اس اقدام کا یہ نتیجہ نکلا کہ لوگ نئی علامتیں وضع کرانے اور پرانی علامتوں کو نئے مفاہیم میں استعمال کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے خود بھی اس نئی علامت کو وضع کرنے کے لئے یہی طریقہ اختیار کیا کہ پرانی علامتوں کو نئے مفاہیم کے تحت استعمال کرنے پر توجہ دی۔ ان کے مندرجہ ذیل اشعار نئے دور کی غزل عمدہ مثال ہیں۔

رہے گی کس طرح راہ ایمن کہ رہنما بن گئے ہیں رہزن
خدا نگہبان ہے قافلوں کا اگر یہی رہزنی رہے گی

یاران تیز گام نے منزل کو جا لیا
ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

اب بھاگتے ہیں سایۂ زلفِ بتاں سے ہم
کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسماں سے ہم
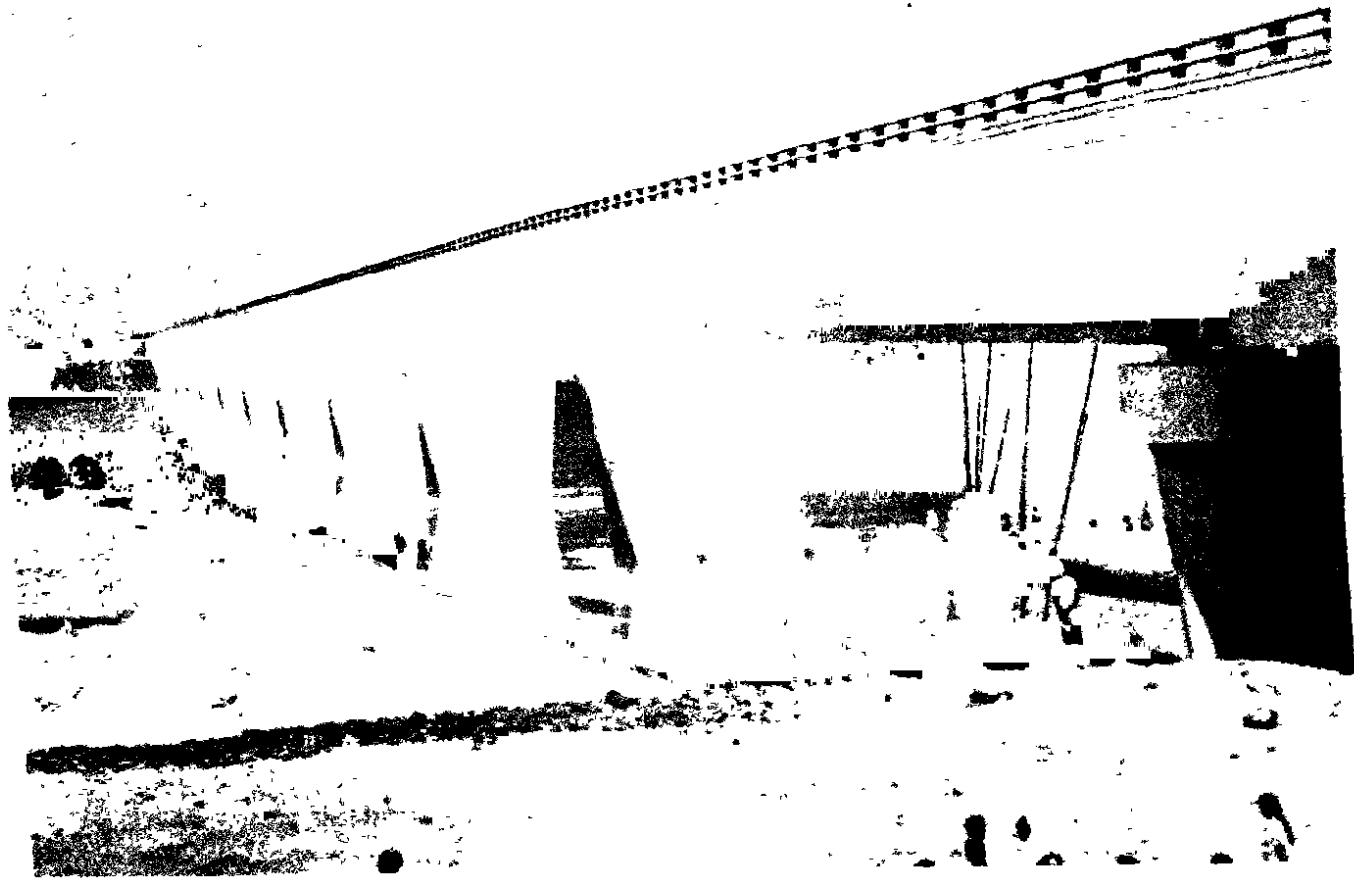
(باقی آئندہ)

آمد و رفت کی سہولت - بیدُھو کا نو برشا سیتو (نو تعمیر کردہ پل)

MAGHREBI BENGAL
1st December 1982

Regd. No. WB/CC-52
Vol. 29. No. 23
PRICE-12 Paise

وزیر اعلیٰ کی اپیل

جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے مغربی بنگال اس سال شدید خشک سالی کی گرفت میں ہے۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں چاروں طرف سے وسائل اکٹھا کرنا پڑا۔ مصیبت زدگان کی مدد اور اعانت کے لئے ہم اپنے اختیارات کے تحت جو کچھ کر سکتے ہیں وہ ضرور کریں گے۔ اب تک مختلف طبقوں کے لوگوں نے دل کھول کر کے عطیات دئے اور مجھے یقین ہے کہ آنے والے مہینوں میں عطیات کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

بحران کی اس گھڑی میں خشک سالی سے متاثر لوگوں کو امداد فراہم کرنے کے معاملہ میں صنعت کے مزدوروں، ملازمین، مالکوں اور منتظمین کو ایک اہم کردار ادا کرنا ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا بجا ہوگا کہ ۱۹۷۸ء میں مغربی بنگال میں تباہ کن سیلابوں کے دوران سیلاب زدگان کی امداد کے لئے ہماری اپیل پر لوگوں نے دل کھول کر لبیک کہا تھا۔ اسی طرح مجھے امید ہے کہ اس بار بھی وہ سب اس شدید صورت حال کے پیش نظر فراخدلی کے ساتھ امداد فراہم کریں گے۔

میں تمام لوگوں سے ایک بار پھر پُر زور اپیل کرتا ہوں کہ وہ سب وزیر اعلیٰ کے خشک سالی امداد فنڈ میں دل کھول کر عطیات دیں۔

دستخط جیوتی باسو
وزیر اعلیٰ

وزیر اعلیٰ کے خشک سالی امداد فنڈ میں عطیات وصول کرنے کے لئے مغربی بنگال میں یونائیٹیڈ کمرشیل بینک کی تمام شاخوں کو اختیارات دئے گئے ہیں، اس بینک نے رائٹرس بلڈنگس میں بھی اس مقصد کے لئے ایک کاؤنٹر کھولا ہے۔

Editor: D. N. Dutta, Associate : Md. Azam, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and Printed by IMPRESSIVE IMPRESION 10, Dr. Kartick Bose Street, Calcutta-700 009.

۱۵/دسمبر ۱۹۸۲ء

مغربی بنگال

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، علیم الدین اسٹریٹ کلکتہ میں واقع سی پی آئی (ایم) کے دفتر میں آنجہانی پرمود داس گپتا کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے۔ تصویر میں سی پی آئی (ایم) کے بہت سارے سرکردہ موجود ہیں۔ سندریا، شری ای ایم ایس، سرجیت، شری ایم بساوا پُنیہ، شری سروج مکھرجی اور شری بمن باسو ہیں۔

ہردلعزیز رہنما آنجہانی پرمود داس گپت
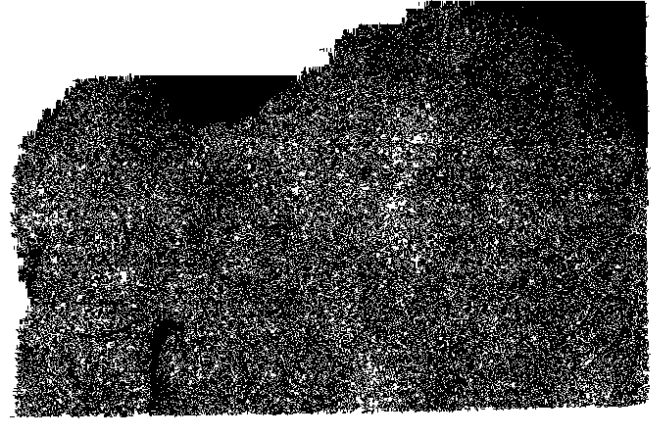
پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

شرح خریداری
سالانہ .... ۲ روپے
قیمت .... ۱۲ پیسے فی پرچہ

مدیر :- دھریندر ناتھ دت
مدیر معاون :- محمد اعظم

جلد نمبر ۲۹ .... ۱۵ دسمبر ۱۹۸۲ء .... شمارہ نمبر ۲۴

ہر دلعزیز مارکسی رہنما شری پرمود داس گپتا کا انتقال

ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی (مارکسٹ) کے پولٹ بیورو کے ممبر، سی پی آئی (ایم) کی مغربی بنگال یونٹ کے سکریٹری اور مغربی بنگال بائیں محاذ کمیٹی کے چیرمین، شری پرمود داس گپتا ۲۹ نومبر کو ہندوستانی وقت کے مطابق دن کے سوا گیارہ بجے، بیجنگ (چین) میں حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔

شری داس گپتا دمہ کے پرانے مریض تھے۔ حکومت چین نے اپنے یہاں دمہ کا علاج کرانے کے لئے انہیں چین آنے کی دعوت دی تھی۔ شری داس گپتا ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو حکومت چین کے مہمان خصوصی کی حیثیت سے بیجنگ پہونچے وہاں بیجنگ کے مغربی علاقہ میں واقع ریاستی مہمان خانہ میں ان کی رہائش کا انتظام کیا گیا۔ ۲ نومبر سے پہلے سوئیاں چبھوا کر (ایکیوپنکچر) ان کا علاج شروع کیا گیا، اور اس سے ان کی حالت میں کچھ بہتری ہوئی۔ لیکن ۱۲ نومبر سے وہ کمزور ہوتے گئے، کیونکہ ان کا وزن کم ہو رہا تھا۔ ان کی بھوک بھی ختم ہو گئی۔ ان کی صحت کی ابتری کو دیکھتے ہوئے ۱۶ نومبر کو انہیں ہسپتال پہونچا دیا گیا، جہاں انھیں اس وارڈ میں رکھا گیا جو پارٹی کے بڑے بڑے عہدہ داروں کے لئے مخصوص ہے۔ وہاں چینی ڈاکٹروں نے ان کا علاج شروع کر دیا۔ ۲۲ نومبر کو ان کی حالت سدھری اور اس وقت یہ فیصلہ کیا گیا کہ اگر ان کی حالت اچھی رہی تو انھیں جلد ہی گھر واپس بھیج دیا جائیگا۔ لیکن ۲۵ نومبر سے ان کی حالت پھر بگڑ گئی۔ انھیں بہت تیز بخار بھی آ گیا۔ ان کی حالت کی خبر پاتے ہی ہندوستان سے شری باسو پونائن، سی پی آئی (ایم) پالٹ بیورو کے ممبر ۲۷ نومبر کو بیجنگ کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس دوران شری داس گپتا کی حالت اور بھی خراب ہو گئی۔ ۲۹ نومبر کو ہندوستانی وقت کے مطابق تقریباً ۱۰ بجے دن کو ان پر دل کا شدید دورہ پڑا، اور اس کی وجہ سے اس کے ایک گھنٹہ کے بھی بعد یعنی تقریباً سوا گیارہ بجے وہ اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ موت کے وقت شری بدھ دیو بھٹاچاریہ مغربی بنگال سی پی آئی (ایم) سکریٹریٹ کے ممبران کے پاس ہی موجود تھے۔

بیجنگ سے ۲۹ نومبر کے سہ پہر کے وقت سی پی آئی (ایم) پولٹ بیورو کے ممبر شری ایم۔ بی۔ باسو پونیا نے علیم الدین اسٹریٹ، کلکتہ میں واقع پارٹی دفتر میں ٹیلی فون پر شری پرمود داس گپتا کی موت کی خبر دی۔ خبر کے پاتے ہی پارٹی کا پرچم سرنگوں کر دیا گیا اور یہ خبر پورے شہر اور مضافات میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ کلکتہ اور مضافات سے ہزاروں سوگوار پارٹی دفتر میں اُمڈ پڑے۔

کامریڈ پرمود داس گپتا کی اچانک موت کی خبر پاتے ہی صدر جمہوریہ ہند شری ذیل سنگھ نے مغربی بنگال کے گورنر کے پاس ایک تعزیت نامہ بھیجا۔ اپنے تعزیتی پیغام میں صدر جمہوریہ ہند نے کہا "شری پرمود داس گپتا کی موت کی خبر سن کر مجھے دلی افسوس ہوا۔ شری داس گپتا غریبوں کی فلاح و بہبود کے لئے انتھک کوشش کیا کرتے تھے۔ نیز وہ پسماندہ لوگوں کے دوست اور رہبر تھے۔ مہربانی فرما کر غم زدہ خاندان کے لوگوں کے پاس میرا یہ تعزیتی پیغام پہونچا دیجئے" مغربی بنگال کے گورنر شری بی۔ ڈی۔ پانڈے نے بھی کامریڈ پرمود داس گپتا کی موت پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کیا۔

کامریڈ پرمود داس گپتا کی اچانک موت کی خبر پا کر بائیں محاذ میں شریک تمام پارٹیوں کے لیڈران سی پی ایم کے مرکزی دفتر پہونچے اور وہاں موجود سی پی ایم کے سرکردہ لیڈروں سے شری داس گپتا کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ کلکتہ میں سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں اور سماجی کارکنوں نے کامریڈ داس گپتا کی موت پر تعزیت کا اظہار کیا۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے

سوموار کی سہ پہر رائٹرس بلڈنگ میں اخباری نمائندوں کو بتایا کہ پرمود داس گپتا کی موت سے مغربی بنگال کے جمہوری عوام اور محنت کشوں کی جمہوری تحریک کو زبردست نقصان پہنچا ہے اور بذات خود سی پی ایم کو بڑا دھکا پہنچا۔ انہوں نے کہا کہ وہ ان کے بہت قریب تھے۔ چالیس سال تک انہوں نے ان کے ساتھ کام کیا اور جیل میں بھی ساتھ رہے۔ ان کی موت سے جو خلا پیدا ہوا اسے پر کرنا بڑا مشکل ہوگا جس وقت وزیر اعلیٰ اخباری نمائندوں سے باتیں کر رہے تھے ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے اور آنکھیں لال ہو گئی تھیں۔ کچھ دیر رائٹرس میں گذارنے کے بعد وزیر اعلیٰ سیدھے علیم الدین اسٹریٹ چلے گئے جہاں سی پی ایم کی ریاستی کمیٹی کی سکریٹریٹ کی میٹنگ منعقد ہوئی جس میں کامریڈ پرمود داس گپتا کی موت پر تعزیتی قرارداد پاس ہوئی۔

سی پی ایم کی پولٹ بیورو کے رکن مسٹر ای بالا نندن نے اپنے تعزیتی پیغام میں بتایا کہ ایک عظیم انقلابی لیڈر ہم سے جدا ہو گیا۔ انہوں نے بتایا کہ ۱۹۶۴ء سے انہوں نے ایک ساتھ پولٹ بیورو میں کام کیا۔ پارٹی کے وہ ایک عظیم معمار تھے۔ انہوں نے اپنی انقلابی صلاحیتوں سے مغربی بنگال کے محنت کشوں میں ایک انقلابی روح پھونک دی اور بائیں محاذ اور عوام کے لئے انہوں نے جو کچھ کیا اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے ہمیں جو کچھ بتایا ہم ان کے بتائے ہوئے اصولوں پر ہمیشہ کاربند رہیں گے اور عوام کی خدمت کرتے رہیں گے۔

مغربی بنگال سی پی آئی یونٹ نے اپنے ایک بیان میں شری داس گپتا کی موت پر تعزیت کا اظہار کیا اور کہا کہ مظلوم عوام کی تحریک میں انہوں نے نمایاں رول ادا کیا۔ سی پی آئی کی ریاستی کمیٹی کی جانب سے شری گرو داس گپتا نے ایک بیان میں کہا کہ ہم پرمود داس گپتا کی موت پر غم کا اظہار کرتے ہیں۔ بائیں محاذ کی تحریک کی تعمیر میں ان کا کردار بڑا اہم ہے۔ ملک اور ریاست میں کمیونسٹ اور بائیں بازو کی تحریک کو ان کی موت سے ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ مغربی بنگال کانگریس (ایس) کی پردیش کمیٹی نے شری داس گپتا کی موت پر تعزیت کرتے ہوئے بتایا کہ نظریاتی اور سیاسی اختلافات کے باوجود اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی جھجک نہیں کہ اس طرح کا مخلص اور خدمت گار سی پی ایم لیڈر ملک میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔

حکومت میں دو دفعہ رہی پارٹی کو انہوں نے اس طرح کنٹرول کیا جس سے ان کی صلاحیت اور قوت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صرف ان کی ہی بدولت پارٹی مغربی بنگال میں برسر اقتدار آئی۔ سابق ایم پی پروفیسر سمر گوہا نے بتایا کہ وہ اپنے نظریہ میں ٹھوس ایمان رکھتے تھے اور نہایت عقیدت کے ساتھ اپنی قربانی اور انقلابی عقیدے کے تحت پارٹی کی تنظیم کو مضبوط بنایا۔ مغربی بنگال سوشلسٹ پارٹی کے جنرل سکریٹری شری کالی مان مترا نے بتایا کہ عوام ایک سچے اور مخلص سیاست داں سے محروم ہو گئے۔ مغربی بنگال ڈیموکریٹک سوشلسٹ پارٹی نے پرمود داس گپتا کی موت پر تعزیت کا اظہار کیا۔ پارٹی کے لیڈر شری کاشنکر پانڈے نے ایک پیغام میں بتایا کہ انہوں نے عوام کی خدمت کر کے عوام کے دلوں میں گھر بنا لیا ہے۔

نیشنل کونسل آف سی پی آئی کے سکریٹری شری جگن ناتھ سرکار نے معمر سی پی ایم لیڈر کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو بڑا افسوسناک بتایا جب کہ بائیں بازو اور جمہوری پارٹیاں آپس میں اتحاد کی کوشش کر رہی ہیں۔ کانگریس (ا) پردیش کمیٹی کے جنرل سکریٹری شری گوپال داس ناگ نے ان کی موت پر اپنے تعزیتی پیغام میں گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے انہیں ایک عظیم لیڈر بتایا جنہوں نے ایک غیر ملکی سرزمین پر دم توڑ دی۔ سی پی ایم کی پولٹ بیورو نے شری پرمود داس گپتا کی موت پر انہیں زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ ایک تعزیتی پیغام میں پولٹ بیورو نے شری داس گپتا کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا جنہوں نے سب سے دشوار دنوں میں پارٹی کی قیادت کی۔ متحدہ کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا میں رجعت پسندی کے خلاف تحریک میں اور مغربی بنگال میں سی پی ایم کو سب سے مضبوط ترین پارٹی بنانے میں شری داس گپتا کے کردار کی بڑی تعریف کی اور انہیں ۱۹۶۷ء، ۱۹۶۹ء، ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۲ء کی انتخابی فتوحات کا معمار قرار دیا۔ شری داس گپتا کی موت سے بائیں بازو اور جمہوری تحریک خاص کر سی پی ایم کو زبردست نقصان پہنچا۔ انہوں نے ایک سچے کمیونسٹ کی حیثیت سے مشکلات کا مقابلہ کیا اور قربانیاں دیں۔ ۱۹۷۲-۷۶ء کے دوران انہوں نے پارٹی کو مشکل دور سے نکالا اور

اور اس کی قیادت کی۔ مغربی بنگال میں بائیں بازو کی تحریک کو مضبوط بنانے میں انھوں نے نمایاں کردار ادا کیا۔ پولٹ بیورو نے ان کے خاندان والوں سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اڑیسہ ریاستی کمیٹی سی پی ایم نے بھی شری پرمود داس گپتا کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ پارٹی کے سکریٹری مسٹر شیو اجی پٹنائک نے ایک پیغام میں انہیں سی پی ایم کا ایک عظیم لیڈر قرار دیا جنہوں نے مشکل دنوں میں پارٹی کی قیادت کی۔

پھر ۵ دسمبر ۱۹۸۲ء کو صبح ۹ بجکر ۱۵ منٹ پر کامریڈ پرمود داس گپتا کی لاش لے کر چین کا ایک خصوصی طیارہ کلکتہ کے ہوائی اڈہ پر پہونچا۔ اس خصوصی طیارہ میں شری پرمود داس گپتا کی لاش کے ہمراہ سی پی ایم کی پالٹ بیورو کے رکن شری کالیم باسو پونیا، سی پی ایم کے ایم پی شری سومناتھ چٹرجی اور سابق وزیر اطلاعات شری بدھو دیب بھٹا چاریہ کے علاوہ چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا ایک رکن بھی تھا۔ شری داس گپتا کی لاش کو دیکھنے کے لئے دمدم ہوائی اڈہ کے باہر اور اندر ہزاروں سوگواروں کی بھیڑ تھی۔ سی پی ایم کی مرکزی کمیٹی، پالٹ بیورو اور ریاستی کمیٹی کے اراکین کامریڈ پرمود داس گپتا کی لاش کا خیر مقدم کرنے کے لئے قطار باندھے کھڑے تھے۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے سب سے آگے بڑھ کر لاش وصول کی اور پھولوں کے ہار چڑھائے۔ دیگر لیڈروں نے بھی پھول کے ہار چڑھائے۔

دمدم ہوائی اڈہ سے کامریڈ پرمود داس گپتا کی لاش ایک کھلی گاڑی میں علیم الدین اسٹریٹ میں واقع سی پی ایم ہیڈ کوارٹرس لے جائی گئی۔ لاش کو دیکھنے کے لئے لاکھوں سوگوار راستوں کے کنارے عقیدت و احترام میں کھڑے تھے۔ پارٹی کے والنٹیروں نے لاش لے جانے والی کھلی گاڑی کی رہنمائی کی جب کہ اس کے پیچھے پارٹی کے سرکردہ لیڈران تھے۔ سی پی ایم دفتر پہونچکر لاش نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ سوگواروں کے دیدار کے لئے کھولی گئی۔ پالٹ بیورو کے رکن شری ایم ایس نمبودری پاڈ نے سب سے پہلے ان کی لاش پر عقیدت کا پھول چڑھایا اور انھیں خراج عقیدت پیش کیا۔ کانگریس (آئی) کے مسٹر آنند گوپال مکھرجی، [illegible] کی گھوش، سی پی ایم ایل کے مسٹر اسیم مکھرجی اور جنتا پارٹی کے مسٹر اشوک کرشنا دت، ایس یو سی آئی، فارورڈ بلاک، سوشلسٹ پارٹی (ڈی) کانگریس اور دیگر سیاسی پارٹیوں کے [illegible] سماجی اداروں کے نمائندوں نے بھی [illegible] سی پی ایم ہیڈ کوارٹر [illegible]

میں اسے سہ پہر ۲ بجے تک سوگواروں کے خصوصی دیدار کے لئے رکھا گیا۔ کلکتہ میں مقیم کچھ سفارتی نمائندوں نے بھی لاش پر پھول چڑھائے اور اظہار تعزیت کیا۔ سہ پہر ۲ بجے کے بعد پارٹی دفتر سے داس گپتا کی ارتھی اٹھائی گئی۔ سی پی ایم کے والنٹیروں کی قیادت میں پرمود داس گپتا کی آخری رسومات کا جلوس نہایت عقیدت و احترام سے علیم الدین اسٹریٹ سے آچاریہ جگدیش چندر بوس روڈ، پارک اسٹریٹ، سید امیر علی ایونیو، اولڈ بالی گنج روڈ، گریاہاٹ روڈ اور راش بہاری ایونیو سے ہوتا ہوا تقریباً آٹھ کیلو میٹر کا طویل راستہ طے کر کے کیوڑا تلہ گھاٹ پہونچا۔ راستے بھر لاکھوں سوگواروں کا سمندر تھا۔ راستے میں ہزاروں سوگوار کامریڈ پرمود داس گپتا کی یاد میں زار و قطار رو رہے تھے۔ کیوڑا تلہ شمشان گھاٹ میں نہایت ہی عقیدت و احترام کے ساتھ شری پرمود داس گپتا کی لاش کو نذر آتش کر دیا گیا۔ *

(باقی [illegible])

شری پرمود داس گپتا بہت ہی ملنسار تھے۔ نفاست پسند تھے اور صفائی کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ فٹ بال اور کرکٹ کھیل سے انہیں کافی دلچسپی تھی۔ کھانے میں مچھلی اور گوشت شوق سے کھاتے۔ تکبر اور غرور سے پاک تھے۔ وہ اپنے طور پر غریبوں کی مدد کرنے کی حتی الامکان کوشش کیا کرتے۔ بچوں کو وہ بہت پیار کیا کرتے۔ سیاسی لحاظ سے بھی وہ ماہر تھے۔ اس ریاست کی جتنی سیاسی پارٹیاں ہیں، ان کی اہم اہم باتوں کی وہ چھان بین کیا کرتے، ان کا تجزیہ بھی کیا کرتے۔ اور اس طرح وہ ان پارٹیوں کی طاقت اور کمزوری سے بخوبی واقف تھے۔ ہر صورت حال کا حکمت عملی سے مقابلہ کرتے۔ وہ صحیح معنوں میں ایک پردہ کار رہنما تھے۔ انھوں نے کبھی بھی اپنے اصولوں کو قربان کر کے کسی سے سمجھوتہ نہیں کیا، اور نہ اپنے طریقہ کار میں کوئی مصلحت آمیز لچک پیدا کی۔ کامریڈ داس گپتا زندگی بھر پوری ایمانداری اور دیانتداری سے کمیونسٹ فلسفہ پر سختی سے کاربند رہے۔ انھوں نے مارکسی کمیونسٹ پارٹی کو اپنے خون اور پسینہ سے سینچا اور اپنی پوری زندگی پارٹی کے لئے وقف کردی۔ انھوں نے اس ریاست میں مارکسی کمیونسٹ پارٹی کو مضبوط اور مستحکم بنانا اپنی زندگی کا اولین مقصد قرار دے رکھا تھا اور اس مقصد میں کامیاب بھی ہوئے۔ ان کی موت کے بعد ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جسے پر کرنا مشکل ہے۔

پرمود داس گپتا

پرمود داس گپتا ۱۳ جولائی ۱۹۱۰ء میں فرید پور (جو اب بنگلہ دیش میں ہے) کے کمار پور گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بدری موتی لال داس گپتا سرکاری ڈاکٹر تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم بریسال میں حاصل کی۔ اپنی زندگی کے اوائل عمر میں ہی وہ تحریکِ آزادی سے بہت متاثر ہوئے۔ لیکن وہ بچپن سے ہی چرکھا میں بنا اور کھدر پہننا پسند نہیں کرتے۔ جب آپ اسکول میں زیرِ تعلیم تھے تو اس وقت انوشیلن سمیتی میں قومی آزادی کی تحریک سے انہیں پہلا سبق ملا۔ ۱۹۲۱ء میں جب آپ گیارہ برس کے تھے، تو اس وقت پہلی عدم تعاون تحریک کی ناکامی کے بعد بریسال میں نرنجن سین گپتا کے ذریعہ وہ حریت پسند تحریک سے روشناس ہوئے۔ سین گپتا سے جان پہچان ہونے کے باوجود وہ مشہور انقلابی رہنما پولن بہاری داس کے مطمعِ نظر اور سرگرمیوں سے بے حد متاثر ہوئے۔

اس دوران انھوں نے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ آئی۔ ایس سی امتحان پاس کرنے کے بعد انہوں نے کلکتہ میں کلکتہ کارپوریشن کے انجینئرنگ ورک شاپ، جو اٹالی میں ہے، میں بطور نو آموز داخلہ لیا اور یہاں انجینئرنگ کے کام کاج سیکھنے لگے۔ اسی دوران ۱۹۲۹ء میں انہوں نے گرفتار تحریک پسندوں کی قانونی دفاع کا انتظام کیا۔ ان لوگوں کو مچھوا بازار بم سازش کیس کے سلسلہ میں گرفتار کیا گیا تھا۔ اس وقت آپ انوشیلن سمیتی کے ممبروں کے ساتھ ان کے خلوت خانہ میں رہنے لگے۔ یہاں مشہور انقلابی رہنما، جیسے ستیش پکراشی، رو بن سین اور آشتوش بھی رہا کرتے تھے۔ یہیں رہتے رہتے ان کے دل میں اشتراکیت سے دلچسپی پیدا ہوئی اور انھوں نے اسٹالن کی کتاب لینن کے اصول کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اب وہ ایک کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔ ایک طرف مارکسزم، لینن ازم انہیں اپنی طرف کھینچتا تھا تو دوسری طرف حریت پسندوں کی فوجی طرز سامراجیت۔ اس دوران انہوں نے کمیونسٹ ادب کا اور بھی غائر مطالعہ کرنا شروع کیا لیکن پولس نے آپ کو گرفتار کر لیا اور بنگال ایک دور افتادہ گاؤں کے ایک گھر میں نظربند رکھا۔ اس کے بعد انہیں جگہ جگہ قید میں رکھا گیا۔ جب وہ دیولی کیمپ (انگریزوں نے عالمی جنگ اول کے دوران جرمن قیدیوں کو رکھنے کے لئے راجستھان میں یہ کیمپ قائم کیا تھا) میں زیرِ حراست تھے تو وہاں داس گپتا سے ان کی ملاقات ہوئی۔ داس گپتا اور دیگر حریت پسند سیاسی قیدی بھی اسی کیمپ میں تھے۔ نرنجن سین بھی اس وقت دیولی میں تھے۔ چند دنوں کے بعد یہیں عبدالحلیم اور دیگر چند افراد نے کمیونسٹ استحکام جماعت قائم کی اور داس گپتا اس میں شامل ہو گئے۔ رہائی کے بعد ان لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک کمیونسٹ تحریک چلائی جائے۔ اس کے فوراً بعد داس گپتا نے متعدد کمیونسٹوں سے رابطہ قائم کیا اور کمیونسٹ استحکام جماعت سے تعلق رکھنے کی وجہ سے وہ کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے۔ جب آپ اس جماعت میں تھے تو اس وقت آپ نے ہاتھ سے لکھا ہوا رسالہ "کمیونسٹ" نکالا۔

آپ کو ۱۹۳۵ء میں عارضی طور پر رہا کر دیا گیا لیکن اس کے بعد انہیں ۱۹۳۶ء میں پھر گرفتار کر کے ہجلی حراست کیمپ میں بھیج دیا گیا۔ جہاں انہیں ۱۹۴۲ء تک رکھا گیا۔ ہجلی وہ سی پی آئی جیل کمیٹی کے سربراہ مقرر ہوئے۔ یکم مئی ۱۹۳۸ء کو آپ سی پی آئی کے ممبر بن گئے۔ اور ۱۹۳۹ء میں آپ پارٹی کی کلکتہ ضلع کمیٹی میں شامل ہو گئے۔ اس وقت سروج مکھرجی اس کمیٹی کے سکریٹری تھے۔

عالمی جنگ دوئم کے دوران جب کمیونسٹ پارٹی کو غیر قانونی

قرار دیا گیا تو اس وقت آپ کچھ دنوں کے لئے روپوش ہو گئے، لیکن انہیں ۱۹۴۲ء میں پھر گرفتار کر لیا گیا لیکن جب یکم ستمبر ۱۹۴۲ء میں کمیونسٹ پارٹی کو قانونی حق دیا گیا تو اس وقت کمیونسٹ لیڈروں میں کچھ تو روپوش رہ کر کام کرنا شروع کر دیا اور کچھ ممبران کھلے عام قومی خدمات انجام دینے لگے۔ داس گپتا نے رہائی کے بعد کمیونسٹ پارٹی کے اخبار "سادھینتا" کی ادارت اور انتظام کی ذمہ داری سنبھالی۔ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۹ء تک آپ کمیونسٹ پارٹی کی ریاستی کمیٹی کے ممبر رہے۔ ۱۹۴۹ء میں اس پارٹی کو پھر غیر قانونی قرار دیا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں سی پی آئی کو اندرونی بحران سے دوچار ہونا پڑا۔ پرمود داس گپتا، شری جیوتی باسو اور ہندوستان میں کمیونسٹ پارٹی کے ایک بانی، مظفر احمد کے ساتھ کلکتہ کا نگریس لائن جسے رانا دیولائن کہتے ہیں، پر چلنے سے انکار کر دیا اور انھوں نے کمیونسٹ پارٹی کے رانا دیو جیسے دائیں بازو کے ممبروں کو پارٹی کی سربراہی کی جدوجہد میں شکست دی، اور اسی وجہ سے ۱۹۴۹ء میں اس پارٹی کو غیر قانونی قرار دیا گیا تھا۔ بہرحال ۱۹۵۱ء میں پارٹی کے کلکتہ کی میٹنگ میں شری جیوتی باسو پارٹی کے سکریٹری منتخب ہوئے اور شری داس گپتا کی ذمہ داری میں پارٹی ہیڈ کوارٹر اور روپوشی میں کام کرنے والوں کو دے دیا گیا۔

پرمود داس گپتا نے جس قسم کی تنظیم کا انتظام کیا تھا وہ ساخت کے لحاظ سے انوشیلن سمیتی جیسا تھا۔ انھوں نے بنگال کے ہر ضلع میں پارٹی کمیٹی قائم کی اور ہر کمیٹی کے لئے انتخابات کا انتظام کیا۔ شری پی۔ سی جوشی اور دیگر اعتدال پسند لوگوں، ساتھ ہی شری رانا دیو کے جانے کے بعد ۱۹۵۱ء میں شری داس گپتا پارٹی کی تنظیمی کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۰ء میں پارٹی کے بردوان اجلاس میں آپ مغربی بنگال ریاستی کمیٹی کے سکریٹری منتخب ہوئے، اس سلسلہ میں شری مظفر احمد نے آپ کی بڑی تائید کی تھی۔ ۱۹۶۱ء میں آپ سی پی آئی کی مرکزی اکزیکیوٹیو کمیٹی کے سکریٹری بن گئے۔ اس دوران انھوں نے اپنی پارٹی کو چلانے والے مستحکم بنانے کے لئے پلان مرتب کیا اور اس پر سختی سے کاربند رہے۔

۱۹۶۲ء میں سی پی آئی کے دائیں رجعت پسند لیڈروں اور بائیں خیالات کے لیڈروں کے درمیان نظریاتی تفریق پیدا ہو گئی اسی سال ہند۔چینی جنگ بھی چھڑ گئی ان تفرقات کی وجہ سے کمیونسٹ پارٹی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ شری پرمود داس گپتا، شری جیوتی باسو اور دیگر لیڈروں اور ورکروں نے سی پی آئی کو خیرباد کہا اور ۱۹۶۴ء میں تینالی اجلاس میں سی پی آئی (ایم) پارٹی کی تشکیل کی اور اس کے ممبر بن گئے۔

شری داس گپتا اپنی حکمت عملی کے لئے کافی مشہور تھے اس لئے انھیں پورے مشرقی علاقوں خاص طور پر مغربی بنگال، شری پورا، بہار اور اڑیسہ میں کمیونسٹ تحریک کو مستحکم بنانے کی ذمہ داری سونپی گئی اور اس ذمہ داری کو انھوں نے زندگی بھر بحسن وخوبی نبھایا۔

شری داس گپتا ہر کام کاج کے سلسلہ میں تفاصیل کے لئے سخت احترام کیا کرتے تیز وہ ڈسپلن کے پابند تھے۔ اس صدی کی ساتویں دہائی کے عرصہ میں جب ان کی پارٹی سخت بحران سے دوچار ہو گئی تھی تو آپ نے اپنی حکمت عملی اور دور اندیشی اور جی توڑ محنت سے اپنی پارٹی کو اس بحران سے باہر نکالا۔ ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۹ء میں بائیں محاذ کے رکن کی حیثیت سے سی پی آئی (ایم) کو عام انتخابات میں کافی کامیابی حاصل ہوئی اور اس نے بائیں محاذ حکومت میں شرکت کی۔ یہاں بھی شری داس گپتا کی حکمت عملی کام میں آئی کیونکہ ان کا مقصد یہ تھا برسراقتدار رہنے کی وجہ سے سامراجیت کی اشاعت کے کام میں کچھ سہولیتیں فراہم ہو گئیں۔ لیکن اس کے بعد کے عرصہ یعنی ۱۹۷۱ء اور ۱۹۷۷ء کے عرصہ سی پی آئی (ایم) کے لئے بہت ہی ہیجان خیز ثابت ہوئے۔ ۱۹۷۱ء میں سی پی آئی (ایم) کے ممبروں میں نظریاتی اختلافات رونما ہو گئے۔ اور ۱۹۷۲ء کے عرصہ میں سی پی آئی (ایم) کے ممبروں پر برسراقتدار پارٹی نے ظلم و ستم کا پہاڑ توڑا۔ لیکن ان بحرانی ادوار میں بھی شری داس گپتا نے اپنی سیاسی لیاقت کا کافی اچھا ثبوت پیش کیا اور اپنی پارٹی اور پارٹی کے ممبروں کو متحد رکھا اور یہ انھیں کی دوراندیشی اور کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ظلم و ستم کے دوران بھی ان کے ممبروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا اور ۱۹۷۷ء کے عام انتخابات میں ریاستی اسمبلی میں سی پی آئی (ایم) اکثریت میں آ گئی۔ ۱۹۷۷ء کے انتخابات کے بعد سے آپ کو بائیں محاذ کمیٹی کا چیئرمین بنا دیا گیا، اور آخری دم تک آپ چیئرمین ہونے کے ناطے اپنے فرائض کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے اور بائیں محاذ حکومت کو مستحکم بنا دیا۔ باقی صفحہ ۵ پر

کل جماعتی تعزیتی جلسہ میں کامریڈ پرمود داس گپتا کو زبردست خراج عقیدت

کلکتہ میدان میں ۷ر دسمبر ۸۲ء کو ایک عظیم کل جماعتی تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جہاں آنجہانی کامریڈ پرمود داس گپتا کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ اس تعزیتی جلسہ کی صدارت مشہور کسان لیڈر جناب عبداللہ رسول نے کی۔

سب سے پہلے سی پی آئی (ایم) کی پولٹ بیورو کے سینئر رکن ای۔ ایم۔ ایس۔ نمبودری پاڈ، سی پی آئی (ایم) کے شری سروج مکھرجی، جو فی الحال اس پارٹی کے چیئرمین منتخب ہوئے، اور شری سوناتھ چٹرجی، سی پی آئی کے شری راجیشور راؤ، جنتا پارٹی کے سربراہ شری پی۔ سی۔ سین اور دیگر پارٹیوں کے نمائندوں نے کامریڈ داس گپتا کی تصویر پر عقیدت کے پھول چڑھائے۔ اس کے بعد سی پی آئی (ایم) کے والنٹیروں نے انہیں سلامی دی۔ اس کے بعد آنجہانی کے سوگ میں ایک منٹ کی خاموشی برتی گئی۔

اس کے بعد تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا۔ مغربی بنگال کے تقریباً تمام سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں نے اپنی اپنی تقریر میں آنجہانی داس گپتا کو دلی خراج عقیدت پیش کیا اور ان کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ۵ر دسمبر کو کامریڈ پرمود داس گپتا کی ارتھی کا جلوس تاریخی تھا اور وہ صرف ہماری پارٹی کے ورکروں نے بلکہ لاکھوں سوگواروں نے جن میں غیر سیاسی افراد بھی شامل ہیں حصہ لیا۔ انھوں نے کہا کہ آج تعزیتی جلسہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ آنجہانی لیڈر کو عوام سے زبردست والہانہ محبت تھی۔ سیاست سے الگ ہو کر ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں۔ حزب اختلاف کی تمام پارٹیوں نے بھی تعزیتی جلسہ میں شرکت کی۔ ان کے درمیان بھی کامریڈ داس ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ عام لوگوں میں بھی وہ مقبول تھے۔ انھوں نے کہا کہ اپنی ساری زندگی انھوں نے سامراجی طاقتوں کے خلاف جنگ کی۔ مارکسی اور لینی عقیدے کے ساتھ وہ پارٹی میں آئے اور ایک عظیم لیڈر بن کر ابھرے۔ وہ ایک عظیم منتظم تھے۔ ایک مارکسی کمیونسٹ کی حیثیت سے وہ بڑے کامیاب لیڈر تھے۔ انھوں نے ایک صحیح مارکسی راستہ اختیار کیا اور آخر دم تک اس پر عمل کیا۔ ہمیں انھیں ان کے کارناموں کی روشنی میں دیکھنا ہے۔ ان کی موت سے بڑا نقصان ہوا ہے۔

وزیر اعلیٰ مسٹر جیوتی باسو نے کہا کہ ہم اجتماعی قیادت پر یقین رکھتے ہیں اور اس اجتماعی قیادت کی رہنمائی کامریڈ داس گپتا نے کی۔ ہمیں افسوس ہے کہ وہ اب ہمارے درمیان نہیں رہے ہم دن بدن مشکلات سے دوچار ہوتے جا رہے ہیں پورا ملک معاشی بحران کا شکار ہے۔ اب تک ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ملک میں سیاسی استحکام نہیں جس کی وجہ سے علیحدگی پسند، فرقہ پرست، رجعت پسند اور سامراجی طاقتیں سر اٹھا رہی ہیں اور ملک کو کمزور کر رہی ہے۔

انھوں نے کہا کہ یہاں بایاں محاذ کی حکومت قائم ہے لیکن ہم حزب اختلاف کی پارٹیوں سے بھی تعاون کی اپیل کرتے ہیں تاکہ ریاست کے عوام کے لئے ہم بھلائی کا کام کر سکیں۔ علیحدگی پسند، رجعت پسند، فرقہ پرست اور سامراجی طاقتوں کے خلاف ہم ملک کو متحد اور مستحکم رکھ سکیں۔ آج ملک کو متحد اور مستحکم رکھا جا سکتا ہے یا نہیں یہ وقت کا ایک اہم سوال ہے ایسے حالات میں ہمارے اوپر بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ آج ہم عہد کرتے ہیں کہ کامریڈ داس گپتا کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلیں گے اور ان کے اصولوں اور عقیدے کو عملی جامہ پہنائیں گے۔

سی پی ایم کے جنرل سکریٹری مسٹر ای ایم ایس نمبودری پاڈ نے کہا کہ کامریڈ داس گپتا نے محنت کشوں، مزدوروں اور کسانوں کے دلوں میں گھر کر لیا تھا اور انھوں نے نہ صرف سامراجی طاقتوں کے خلاف جنگ کی بلکہ استحصال کے خلاف بھی جدوجہد کی۔ وہ مرتے دم تک سامراج کے دشمن تھے انھوں نے پوری زندگی اقتدار کی خاطر غریب اور مظلوم عوام کے لئے جو قربانیاں دیں انھیں ہم فراموش نہیں کر سکتے۔ انھوں نے کمیونسٹ پارٹی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ ان کی زندگی کے جذبات

کلکتہ میں کل جماعتی تعزیتی جلسے
نجہانی پرمود داس گپتا کے سوگ
ما ایک منٹ کی خاموشی برتی گئی او
ی پی آئی (ایم) کے والنٹیروں نے
ا جھنڈے سرنگوں کر دئے۔

مخلص لیڈر۔ ن اور تنظیم تھی اور ان کی موت ناقابل تلافی ا۔ پا نقصان ہے
ان کے خیالات نظریات اور اصول ہمارے لئے مشعل راہ ہیں اور ان کی روشنی
میں ہم اپنے کو ڈھالیں گے۔ انھیں خراج عقیدت پیش کرنے کا یہی صحیح راستہ
ہے کہ ہم ان کے اصولوں اور نظریات کو عملی جامہ پہنائیں۔

کامریڈ پرمود داس گپتا کے تعزیتی جلسہ میں سی پی ایم اور بایاں محاذ
میں شریک پارٹیوں کے نمائندوں کے علاوہ حزب اختلاف کی پارٹیوں کے
لیڈروں نے بھی شرکت کی۔ جنتا پارٹی کے معمر لیڈر شری پی سی سین نے
کامریڈ پرمود داس گپتا کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا
کہ وہ ایک عظیم لیڈر تھے۔ وہ بڑے انقلابی بھی تھے اور انہوں نے بڑی
قربانیاں بھی دیں۔ وہ ایک سنیاسی تھے۔ پارٹی کے اندر اور باہر وہ ڈسپلن
کا مجسمہ تھے۔ انھوں نے کہا کہ وہ قومی یکجہتی پر یقین رکھتے تھے اور فرقہ وارانہ
ہم آہنگی کے بھی حامی تھے علیحدگی پسند قوتوں کے کٹر مخالف تھے۔ وہ ذات پات
پر بھی یقین نہیں رکھتے تھے انہیں لال سلام کے علاوہ سبز سلام بھی دینا چاہئیے۔
کانگریس (ا) کی ریاستی کمیٹی کے صدر شری آنند گوپال مکھرجی نے کہا کہ ہر شخص
کامریڈ داس گپتا کی شخصیت سے متاثر تھا۔ عوامی تحریک کے لئے وہ گھر سے
نکل پڑے تھے مظلوم عوام کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر دی انھوں نے اپنی تنظیم
کو مضبوط بنایا سیاسی زندگی میں ان کی موت سے بڑا خلا پیدا ہوا۔ ہم ان کی غیر حاضری
محسوس کریں گے۔ کانگریس (ایس) کی ریاستی کمیٹی کے صدر شری پریہ رنجن داس منشی

نے کہا کہ سی پی ایم کے لیڈر پرمود داس گپتا نے جس طرح پارٹی کی قیادت اس کی
جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ بی جے پی کے وشنو کانت شاستری کرپلانی ڈیموکریٹک
پارٹی کے شری ارون بسواس فارورڈ بلاک پارٹی کے شری ہیمنت رنا تھ بوس، ایس یو سی کے
شری نہار مکھرجی، آل انڈیا گورکھا لیگ کی شریمتی رینولینا سبا، سی پی آئی کے
جنرل سکریٹری شری سی راجیشور راؤ، آل انڈیا فارورڈ بلاک کے شری چترو بوس،
آر ایس پی کے شری ماکھن پال مارکسی فارورڈ بلاک کے شری رام چٹرجی آر سی پی آئی کے
شری بمل نند مکھرجی اور سوشلسٹ پارٹی کے شری بمان مترا نے تعزیتی جلسہ سے
خطاب کیا۔

سی پی آئی کے جنرل سکریٹری شری سی راجیشور راؤ نے کہا کہ کامریڈ داس گپتا
کی موت سے نہ صرف مارکسی پارٹی بلکہ سارے ہندوستان کو نقصان پہونچا ہے
۴۰ سال کی آزادی کے بعد بھی ملک میں غریبی بڑھ رہی تھی بیکاری بڑھتی رہی،
مہنگائی آسمان سے باتیں کرنے لگی۔ علیحدگی پسند فرقہ پرست اور رجعت پسند
قوتیں بڑھتی رہی ہیں اب ہندستان کس راستے پر چلے گا۔ یہ بہت کے سامنے یہ
ایک سوال ہے بائیں محاذ اور جمہوری طاقتوں کو ملک کے سرمایہ دارانہ نظام کو
ختم کرنا ہے۔

* اس تعزیتی جلسہ میں ریاست کے تقریباً تمام علاقوں سے لاکھوں
سوگواروں نے شرکت کی شہر کلکتہ اور ہوڑہ اور آس پاس کے علاقوں کے
علاوہ ہزاروں سوگواروں نے خاموش جلوس لے کر تعزیتی جلسہ میں

جواہر لال نہرو اسٹیڈیم، نئی دہلی میں ۱۹ر دسمبر ۱۹۸۲ء کو رنگا رنگ اور شاندار نویں ایشیائی کھیل "ایشیاڈ ۸۲ء" کا افتتاح ہوا۔ افتتاحی تقریب تین گھنٹے تک جاری رہی۔ اس دن اسٹیڈیم لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابر باراں بھی اس تقریب سے لطف اندوز ہونے میں محو ہو گیا اور اسی لئے تین گھنٹے بعد جب یہ تقریب ختم ہوئی تب ہی بارش ہوئی۔

اس دن سہ پہر کو تین بجکر تیس منٹ میں صدر جمہوریہ ہند شری گیانی ذیل سنگھ نے ایشیاڈ ۸۲ء کے جاری ہونے کا اعلان کیا۔ اسی وقت پانچ ہزار رنگین غبارے اور دو ہزار سفید کبوتر اڑائے گئے۔ اس موقع پر ایشیاڈ ۸۲ء کے علمبردار اپو ہاتھی کو گیس بھر کر اڑایا گیا۔ اس کے بعد تین بجکر چھپن منٹ پر سابق اسپورٹس اسٹار گربچن سنگھ رندھاوا مشرقی دروازہ سے اس اسٹیڈیم میں داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں شعلہ کا مشعل تھا۔ اس کے بعد سابق ایشیاڈ کے مشہور دوڑاک شری ملکھا سنگھ اور شریمتی کمل جیت بال نے مشترکہ طور پر اس مشعل کو لیکر تقریباً ۲۰۰ میٹر تک دوڑنے کے بعد انہوں نے مشعل کو مشہور ہاکی کھلاڑی بلبیر سنگھ اور مشہور دوڑاک محترمہ ڈیانا ارس کے حوالے کر دیا اور پھر یہ دونوں نے مل کر ایشیاڈ ۸۲ء کے مشعل کو اپنے مشعل سے جلایا۔ اس کے بعد ایشیاڈ ۸۲ء کے گیت، جسے شاعر نریندر شرما نے لکھا تھا، تقریباً ۱۲۰۰ افراد نے مل کر گائے۔ اس گیت کو پنڈت روی شنکر نے سنگیت سے سنوارا تھا۔ اس کے بعد مارچ پاسٹ کا سلسلہ شروع ہوا اور ایشیاڈ ۸۲ء میں حصہ لینے والے ۳۳ ملکوں کے اسپورٹس اور کھیل کود میں حصہ لینے والوں نے اپنے اپنے ملک کے جھنڈے کے ساتھ مارچ پاسٹ کیا۔ اس کے بعد ہندوستان کی گیتا زتشی نے ہندوستان کا پرچم لے کر اس کھیل میں شریک ہونے والے لوگوں کی طرف سے ایشیاڈ قسم کھائی۔

اس کے بعد رنگا رنگ ثقافتی تقریب کا آغاز ہوا۔ اس تقریب میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے لوگوں نے اپنے اپنے علاقہ کے ثقافتی پروگرام پیش کئے۔ اس طرح تقریباً تین گھنٹے بعد یہ افتتاحی تقریب پایہ اختتام کو پہونچی۔

پہلا ایشیائی کھیل ہندوستان میں منعقد ہوا تھا اور اب نواں ایشیائی کھیل پھر ایک بار ہندوستان میں ہوا۔ اس ایشیاڈ ۸۲ء میں اسپورٹس کے کل ۲۱ کھیل تھے۔ جیسے تیر اندازی، دوڑ، بیڈمنٹن، باسکٹ بال، باکسنگ، سائیکل سواری، کشتی رانی، فٹ بال، کسرت، گولف، ہینڈ بال، ہاکی، کشتی کھینا، بندوق چلانا، تیرنا، ٹیبل ٹینس، لان ٹینس، والی بال، وزن اٹھانا، کشتی، ڈونگی ریس۔ کھیل کود کا انتظام ۱۳ اسٹیڈیم میں کیا گیا۔ گولف دہلی گولف کلب میں اور بندوق چلانے کے اسپورٹس کا تغلق آباد شوٹنگ رینج میں۔ رام گڑھ جھیل، جے پور میں اور بمبئی کے سمندر کے ساحلی علاقہ میں کشتی کا اسپورٹس ہوا۔ ۱۵ دنوں کے بعد ۴ دسمبر ۱۹۸۲ء کو ایشیاڈ ۸۲ء کا اختتام ہوا۔

ایشیاڈ ۸۲ء کے چند نتائج درج ذیل ہیں۔

اتھلیٹکس

۱۰۰ میٹر ہرڈل (عورت)

۱۔ ایمیا کیموتو۔ جاپان۔ ۶۳ء ۱۳

۲۔ چھینزک اکیوت۔ جاپان ۹۸ء ۱۳

۳۔ جنیو ڈائی۔ (چین) ۔ ۰۰ء ۱۴ سیکنڈ

۴۰۰ میٹر دوڑ (عورت)

۱۔ ہیرومی اشیزوکی۔ جاپان ۔ ۴۴ء ۵۳

۲۔ یوشی واہ ۔ جاپان ۔ ۵۴ء۴۲"
۳۔ پدمنی تھومس ۔ ہندوستان ۔ ۵۵ء۱۴"
* نیا ایشین گیمس ریکارڈ
پرانا ریکارڈ ۵۵ء۰۸ سکنڈ کا تھا۔

۲۰۰ میٹر دوڑ (عورت)

۱۔ ہیروی آئیسوزاکی ۔ جاپان ۔ ۲۴ء۲۲"
۲۔ پی۔ ٹی۔ اوشا ۔ ہندوستان ۔ ۲۴ء۳۲"
۳۔ میونگ ہی مو ۔ کوریا ۔ ۲۴ء۴۹"

۲۰۰ میٹر دوڑ (مرد)

۱۔* جائے یون جنگ ۔ کوریا ۔ ۲۰ء۸۹"
۲۔ توشیو توکیودا ۔ جاپان ۔ ۲۱ء۱۳"
۳۔ اوان یت ۔ ملیشیا ۔ ۲۱ء۱۵"
نیا ریکارڈ، پرانا ریکارڈ ۲۱ء۹ تھا

۱۵۰۰ میٹر دوڑ (عورت)

۱۔* چینگ کی جینگ ۔ شمالی کوریا ۔ ۴ء۱۸ء۳۰
۲۔ گیتا جوشی ۔ ہندوستان ۔ ۴ء۱۹ء۲۳
۳۔ اوک سون کم ۔ شمالی کوریا ۔ ۴ء۲۳ء۲۲
* نیا ریکارڈ ۔ پرانا ریکارڈ ۴ء۱۸ء۹ تھا۔

۱۵۰۰ میٹر دوڑ (مرد)

۱۔* فاضل رینی جرالیا ۔ عراق ۔ ۳ء۴۳ء۴۹
۲۔ یوتاکا ہیرائی ۔ جاپان ۔ ۳ء۴۵ء۲۶
۳۔ ڈی سریش یادو ۔ ہندوستان ۔ ۳ء۴۵ء۶۲
* نیا ریکارڈ، پرانا ریکارڈ ۔ ۳ء۴۷ء۲ سیکنڈ تھا۔

دوڑ

۱۰۰۰۰ میٹر ریس (مرد)

۱۔* گوو لیزانگ ۔ چین ۔ ۲۹ء۳۷ء۵۶
۲۔ کینزی آئیڈسے ۔ جاپان ۔ ۲۹ء۳۷ء۷۲
۳۔ دوکیون پارک ۔ شمالی کوریا ۔ ۲۹ء۳۸ء۱۷
* نیا ایشین گیمس ریکارڈ
پرانا ریکارڈ ۲۹ء۵۵ء۲ تھا۔

۱۰۰×۴ میٹر ریلے ریس (عورت)

۱۔ جاپان ۔ ۴۵ء۵۲" (ایمیکو کونشی، ہیروکی آئیسوزاکی، لےمی اکیموتو اور جنکو یوشیدا)
۲۔ تھائی لینڈ ۔ ۴۵ء۹۷" (ولایا پنیتر، جاری تیارس، شمالی پوسپ اور پساوی سنگ ویوجت)
۳۔ جنوبی کوریا ۔ ۴۶ء۲۷" (میونگ ہی مو، جنگ چک جن، می سن پارک اور کیونگ می جن)

پیدل

مردوں کا ۲۰ میٹر پیدل چلنا

۱۔ چاند رام ۔ ہندوستان ۔ ۲۹ء۲۹ء۱ گھنٹہ
۲۔ ونگ چو تانگ ۔ چین ۔ ۳۳ء۳۴ء۱ گھنٹہ
* نیا ایشین گیمس ریکارڈ ۔

برچھی پھینکنا

۱۔* امی متبول ۔ جاپان ۔ ۶۰ء۵۲ میٹر
۲۔ سوتن لی ۔ چین ۔ ۵۸ء۱۲ میٹر
۳۔ مینوری موری ۔ جاپان ۔ ۵۴ء۷۰ ۔

ٹرپل جمپ (تین بار اچھل کر کودنا)

* نیا ایشین گیمس ریکارڈ، پرانا ریکارڈ ۵۷ء۲۲ میٹر تھا۔
۱۔* زہن رھو ۔ چین ۔ ۱۶ء۸۰ میٹر
۲۔ یاتسوسی اُشتا ۔ جاپان ۔ ۱۶ء۲۳ میٹر
۳۔ بال سُبرامانیم ۔ ہندوستان ۔ ۱۶ء۴۷ میٹر
* نیا ایشین گیمس ریکارڈ، پرانا ریکارڈ ۱۶ء۵۶ میٹر تھا۔

ڈسکس تھرو (عورتوں کے لئے)

۱۔* ذیاو ہوئی لی ۔ چین ۔ ۵۷ء۲۴ میٹر
۲۔ ذیاؤ یان زن ۔ چین ۔ ۵۲ء۲۰ میٹر
۳۔ ہاروی موزواکی ۔ جاپان ۔ ۴۷ء۲۰ میٹر
* نیا ایشین ریکارڈ، پرانا ایشین ریکارڈ ۵۵ء۹۲ میٹر تھا۔

شاٹ پٹ (مرد)

۱۔ بہادر سنگھ ۔ ہندوستان ۔ ۱۸ر۵۲ میٹر
۲۔ محمد علی ۔ کویت ۔
۳۔ بلوندر سنگھ ۔ ہندوستان ۔
* نیا ایشین گیمس ریکارڈ ۔

پول والٹ (لکڑی کے سہارے اچھلنا)

۱۔ تاکاہاشی توبوری ۔ جاپان ۔ ۵ر۳۰ میٹر
۲۔ کیاتو ہتیا ۔ جاپان ۔ ۵ر۱۱ میٹر
۳۔ پنگ ہنگ ۔ چین ۔

ہائی جمپ (مرد)

۱۔ جیا نژواجو ۔ چین ۔ ۲ر۳۳ میٹر
۲۔ چوتھی ۔ چین ۔ ۲ر۲۲ میٹر
۳۔ تاکاؤ سوکاموتو ۔ جاپان ۔ ۲ر۱۶ میٹر
* نیا ریکارڈ، پرانا ریکارڈ ۲ر۲۱ میٹر تھا۔

ہائی جمپ (عورت)

۱۔ رہنگ ژونی ۔ چین ۔ ۱ر۸۹ میٹر
۲۔ ہسایو فوکر جسو ۔ جاپان ۔ ۱ر۸۷ میٹر
۳۔ ونجن ینگ ۔ چین ۔ ۱ر۸۵ میٹر
* نیا ریکارڈ، پرانا ریکارڈ ۱ر۸۸ میٹر تھا۔

تیرنا

مرد ۔ ۲۰۰ میٹر سینہ تیرنا
(منہ سینہ پانی کی طرف)

۱۔ ناری توشی تسنودا ۔ جاپان ۔ ۲۔۲۵ر۹۹
۲۔ فوجن ۔ چین ۔ ۲ منٹ ۔ ۲۔۲۶ر۴۹
۳۔ شنگیکے ہیرو تاکاہاشی ۔ جاپان ۔ ۲۔۲۶ر۹۹

۲۰۰ میٹر مرد ۔ فری اسٹائل

۱۔ ولیم ولسن ۔ فلپائن ۔ ۱۔۵۷ر۳۱
۲۔ جن ہوانگ او ۔ چین ۔ ۱۔۵۸ر۱۶
۳۔ گویو ہوانگ ۔ چین ۔ ۱۔۵۸ر۲۲
* نیا ایشین گیمس ریکارڈ ۔
پرانا ریکارڈ ۱۔۵۸ر۶۸ تھا۔

عورت ۔ ۲۰۰ میٹر فری اسٹائل

۱۔ ساؤری نیلسے ۔ جاپان ۔ ۲۔۱۶ر۱۲
۲۔ میکا سائیتو ۔ جاپان ۔ ۲۔۹ر۷۵
۳۔ میاروہے لی ۔ چین ۔ ۲۔۱۱ر۳۴
* نیا ایشین گیمس ریکارڈ ۔

عورت ۔ ۲۰۰ میٹر سینہ تیرنا ۔

۱۔ ہیروکو ناگاساکی ۔ جاپان ۔ ۲۔۳۳ر۷۸
۲۔ مایونگ سنگ کم ۔ شمالی کوریا ۔ ۲۔۳۴ر۱۴
۳۔ ولیمن یانگ ۔ چین ۔ ۲۔۳۵ر۴۶

مرد ۔ ۴۰۰ میٹر فری اسٹائل

۱۔ اکیو ہیرو تیرانشیا ۔ جاپان ۔ ۴۔۸ر۱۷
۲۔ ولیم ولسن ۔ فلپائن ۔ ۴۔۱۰ر۰۶
۳۔ جن ہونگ او ۔ چین ۔ ۴۔۱۰ر۳۲

تیراندازی (۹۰ میٹر) مرد

۱۔ تاکایوشی متسوشینا ۔ جاپان ۔ ۲۹۸ پوائنٹس
۲۔ ہیروشی یاماتو ۔ جاپان ۔ ۲۹۷ "
۳۔ کم ینگ یون ۔ جنوبی کوریا ۔ ۲۹۴ "
* نیا ایشین گیمس ریکارڈ ۔
۱۹۷۸ء میں جاپان کے یوشیرو میاٹے ۲۹۲ پوائنٹس کا ریکارڈ کیا تھا۔

تیراندازی (۷۰ میٹر) عورت ۔

۱۔ کم ہی ینگ ۔ جنوبی کوریا ۔ ۳۲۰ پوائنٹس
۲۔ گوانگ سنگ او ۔ شمالی کوریا ۔ ۳۲۰ "
۳۔ مینگ سانگ ۔ چین ۔ ۳۱۵ "
نیا ایشین گیمس ریکارڈ ۔ ۱۹۷۸ء میں جاپان کی یوایکو ٹوٹے ۳۱۲ پوائنٹس کا ریکارڈ کیا تھا۔

تیراندازی ۔ مرد (پوری ٹیم)

۱۔ چین ۔ ۱۷۹۲ پوائنٹس
۲۔ جنوبی کوریا ۔ ۱۷۸۱ پوائنٹس
۳۔ جاپان ۔ ۱۷۷۶ پوائنٹس

تیراندازی عورت (پوری ٹیم)

۱۔ جنوبی کوریا ۔ ۱۹۰۳ پوائنٹس
۲۔ شمالی کوریا ۔ ۱۸۹۵ "
۳۔ چین ۔ ۱۸۶۵ "

تیراندازی مرد ۔ ۵۰ میٹر (انفرادی مقابلہ)

۱۔ کم ینگ یون ۔ (جنوبی کوریا) ۔ ۳۲۶ پوائنٹس
۲۔ متسوشیتا کایوشی (جاپان) ۔ ۳۲۵ پوائنٹس
۳۔ یاماتو ہیروشی (جاپان) ۔ ۳۲۲ پوائنٹس
* نیا ایشین گیمس ریکارڈ ۔

تیراندازی عورت ۔ ۵۰ میٹر (انفرادی مقابلہ)

۱۔ کم جم ہو ۔ (جنوبی کوریا) ۔ ۳۱۹ پوائنٹس
۲۔ کم ہی ینگ (جنوبی کوریا) ۔ ۳۰۷ "
۳۔ گوانگ ہن ۔ (شمالی کوریا) ۔ ۳۰۳ "
* نیا ایشین گیمس اور ایشیائی ریکارڈ ۔

بندوق سے نشانہ بازی

ٹریپ ۔ ٹیم ۱۰۰ پوائنٹ فائنل ۔

۱۔ چین ۔ ۵۲۲ پوائنٹس
(ہوگن جھنگ ۔ ۱۲۷، ژنگ لوجگ لی ۔ ۱۲۹، گنگ جھنگ ۔ ۱۳۴ اور لی ای کوئن ۔ ۱۳۲)
۲۔ ہندوستان ۔ ۵۲۴ پوائنٹس
(رندھیر سنگھ ۔ ۱۳۱، کرنی سنگھ ۔ ۱۲۶، مگر بر سنگھ ۔ ۱۲۶ اور پرتاپ کمار ڈے ۱۴۱)
۳۔ جاپان ۔ ۵۲۰ پوائنٹس

کلکتہ میدان میں ۷ / دسمبر آنجہانی پرمود داس گپتا کی یاد میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں تقریباً تمام سیاسی پارٹیوں کے سربراہوں اور ہمدردوں اور دیگر لوگوں نے شرکت کی اور آنجہانی کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اوپر تصویر میں سی پی آئی (ایم) کے لیڈران اور دیگر پارٹیوں کے لیڈران سوشتری بر ظاچند رسین ہیں۔ نیچے اس تعزیتی جلسہ میں لوگوں کا اجتماع۔